

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	الفصل الرابع فی حمل الجنازة (جنازہ اٹھانے کا بیان)	
۱	جنازہ کس رفتار سے لے کر چلنا چاہیے؟	۳۰
۲	جنازہ کتنے قدم لے کر چلے؟	۳۱
۳	میت کو کندھا دینا چالیس قدم	۳۱
۴	جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا	۳۲
۵	جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی	۳۲
۶	جنازہ لے جاتے وقت رخ کس طرف ہو؟	۳۲
۷	میت کو قبرستان لے جاتے وقت پیر آگے کرنا	۳۵
۸	عورت کی میت کو گھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟	۳۵
۹	عورت کے جنازہ کو نامحرم چھو سکتا ہے	۳۶
۱۰	جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا	۳۶
۱۱	جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا	۳۷

۱۲	کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا.....	۳۹
۱۳	غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت.....	۴۰
۱۴	ایضاً.....	۴۰
۱۵	جنازہ کے ساتھ رفع صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ.....	۴۲
۱۶	جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا.....	۴۲
۱۷	جنازہ سامنے رکھ کر اس پر سلام پڑھنا.....	۴۳
۱۸	شروع میں جنازہ اٹھانے والوں کو کھانا کھلانا.....	۴۴
۱۹	میت کو باجہ اور ناچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا.....	۴۴
الفصل الخامس فیما یتعلق بالقبر والدفن (قبر اور دفن کا بیان)		
۲۰	قبر کھودنے کا مشروع طریقہ.....	۴۶
۲۱	قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں.....	۴۷
۲۲	قبر کی گہرائی.....	۴۸
۲۳	قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟.....	۴۹
۲۴	کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟.....	۵۱
۲۵	قبر کے صندوق کی گہرائی.....	۵۲
۲۶	قبر میں لحد کی جہت.....	۵۲
۲۷	بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی؟.....	۵۳
۲۸	میت کو تابوت میں رکھنا.....	۵۴
۲۹	میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کرنا.....	۵۴
۳۰	میت کو قبر میں رکھنے کی صورت.....	۵۵
۳۱	میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ.....	۵۹
۳۲	طریق مشروع کے خلاف میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈالنا.....	۵۹

۶۰	قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا	۳۳
۶۱	قبر میں میت کو کروٹ دینا	۳۴
۶۱	قبر میں میت کو قبلہ رو کرنا	۳۵
۶۲	قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟	۳۶
۶۲	میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء	۳۷
۶۳	میت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟	۳۸
۶۴	عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا	۳۹
۶۴	میت کو قبر میں اتارتے وقت لاٹک باندھنا	۴۰
۶۵	لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا	۴۱
۶۶	عورت کے لئے دفن کے وقت پردہ	۴۲
۶۶	ایضاً	۴۳
۶۷	قبر پر اذان دینا	۴۴
۶۸	ایضاً	۴۵
۶۸	ایضاً	۴۶
۶۹	تلقین کی قسمیں اور کون سی تلقین جائز ہے؟	۴۷
۷۲	تلقین بعد الدفن	۴۸
۷۵	تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا	۴۹
۷۷	میت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا	۵۰
۷۸	میت کو لحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جائے	۵۱
۷۹	قبر میں میت کا منہ دکھلانا	۵۲
۸۰	بوقت دفن غیر مسلموں کو چہرہ دکھانا	۵۳
۸۱	زچہ اور بچہ دونوں مر گئے، تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟	۵۴
۸۳	جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟	۵۵
۸۳	بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ	۵۶

۵۷	اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا یا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا.....	۸۵
۵۸	اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا.....	۸۷
۵۹	دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق.....	۸۸
۶۰	ایرانی مردہ کو قبرستان میں دفن کرنا.....	۸۹
۶۱	غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا.....	۹۰
۶۲	کسی کی زمین میں اپنی میت کو دفن کرنا.....	۹۰
۶۳	بلا اجازت مالک اس کی زمین میں دفن کرنا.....	۹۱
۶۴	چهار کی زمین میں جبراً میت کو دفن کرنا.....	۹۲
۶۵	دفن میت سے روکنا.....	۹۴
۶۶	لاش دو سال بعد دفن کرنا.....	۹۵
۶۷	پرانی قبر میں سر ملا تو اس کا کیا کیا جائے؟.....	۹۵
۶۸	پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا.....	۹۶
۶۹	میت کے ساتھ قرآن پاک دفن کرنا.....	۹۸
۷۰	قرآن کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا.....	۹۹
۷۱	مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا.....	۹۹
۷۲	دفن میت کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا.....	۱۰۰
۷۳	دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا.....	۱۰۲
۷۴	قبر پر خوشبو چھڑکنا.....	۱۰۲
۷۵	حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا.....	۱۰۳
۷۶	قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا.....	۱۰۴
۷۷	قبر میں بیری کی شاخ.....	۱۰۴
۷۸	قبر پر بیری کے پتے ڈالنا.....	۱۰۵
۷۹	دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا.....	۱۰۶
۸۰	جذامی کی قبر میں چونا پانی ڈالنا.....	۱۰۶

۸۱	میت کے پیر اور سر کی طرف سورۃ بقرہ کا اول و آخر سر اُپرٹھا جائے یا جہراً؟	۱۰۷
۸۲	بعد دفن سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا	۱۰۸
۸۳	میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا	۱۰۹
۸۴	دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا	۱۱۰
۸۵	مس ذکر سے مذی آگئی، اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا	۱۱۰
۸۶	دفن میت کے بعد چار پائی الٹ دینا	۱۱۱
۸۷	قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا	۱۱۱
۸۸	ایضاً	۱۱۲
۸۹	پرانی قبر پر مٹی ڈالنا	۱۱۳
۹۰	قبر پر بوقت ضرورت مٹی ڈالنا	۱۱۴
۹۱	قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا	۱۱۵
۹۲	قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا	۱۱۶
۹۳	قبر کی مٹی لانا	۱۱۶
۹۴	قبر کی مٹی کھانا	۱۱۷
۹۵	قبر کی مٹی تبرکاً لے جانا	۱۱۹
۹۶	قبرستان کے مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا	۱۲۰
۹۷	قبر کھود کر میت کو دیکھنا اور ایصالِ ثواب	۱۲۰
۹۸	قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا، اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا	۱۲۴
۹۹	بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی	۱۲۴
۱۰۰	میت کو بعد الدفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق	۱۲۷
۱۰۱	دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ ”میں زندہ ہوں“ تو کیا اس کو نکالا جائے؟	۱۳۲
۱۰۲	پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میت کو نکالنا	۱۳۴
۱۰۳	قبر پر کھیتی	۱۳۷
۱۰۴	قبرستان کو عید گاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا	۱۳۸

۱۰۵	قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا.....	۱۳۹
۱۰۶	قبروں پر چلنا.....	۱۳۹
۱۰۷	کسی قبر پر ٹیک لگانا.....	۱۴۰
۱۰۸	قبر کے قریب پیشاب کرنا.....	۱۴۱
۱۰۹	قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا.....	۱۴۲
۱۱۰	جنات کا مدفن.....	۱۴۳
۱۱۱	بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا.....	۱۴۴
۱۱۲	ایضاً.....	۱۴۵
۱۱۳	ایضاً.....	۱۴۷
۱۱۴	دفن میت کے بعد دعاء مانگنا.....	۱۴۸
۱۱۵	دفن کے وقت اگر بتی جلانا اور بعد دفن دعاء کرنا.....	۱۴۹
۱۱۶	قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا.....	۱۵۱
۱۱۷	دفن کے بعد چھوڑے تقسیم کرنا.....	۱۵۲
الفصل السادس فی البناء علی القبور (قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)		
۱۱۸	قبر پر قبہ بنانا.....	۱۵۳
۱۱۹	پختہ قبر کا حکم.....	۱۵۹
۱۲۰	پکی قبر کا حکم.....	۱۶۰
۱۲۱	اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازے میں شرکت کرنا.....	۱۶۱
۱۲۲	روضہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد.....	۱۶۲
۱۲۳	ایضاً.....	۱۶۳
۱۲۴	روضہ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟.....	۱۶۳
۱۲۵	اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟.....	۱۶۴

۱۶۵	قبر مشائخ پر قبہ کا حکم.....	۱۲۶
۱۶۷	پختہ قبر کو ڈھا دینا.....	۱۲۷
۱۶۸	پختہ قبر کو منہدم کر دینا.....	۱۲۸
۱۶۹	قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟.....	۱۲۹
۱۷۰	قبروں پر آڑھ لگانا.....	۱۳۰

الفصل السابع فی إلقاء الرياحین و غیرہا علی القبور (قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

۱۷۱	قبر پر پھول ڈالنا.....	۱۳۱
۱۷۲	قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا.....	۱۳۲
۱۷۳	کفن یا قبر پر پھول ڈالنا.....	۱۳۳
۱۷۳	ایضاً.....	۱۳۴
۱۷۴	قبر پر پھول چادر روشنی کرنا.....	۱۳۵
۱۷۵	مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا.....	۱۳۶
۱۷۶	صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا.....	۱۳۷
۱۷۶	قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال.....	۱۳۸
۱۷۹	قبر پر چادر.....	۱۳۹
۱۷۹	قبر پر چراغ، اگر بتی، لوہان وغیرہ.....	۱۴۰
۱۸۰	شبِ براءت میں قبروں پر روشنی اور اگر بتی.....	۱۴۱
۱۸۰	قبر پر اگر بتی جلانا، اذان دینا، تیجہ کرنا.....	۱۴۲
۱۸۱	قبروں پر پانی چھڑکنا.....	۱۴۳
۱۸۱	قبر سے متعلق چند خرافات.....	۱۴۴
۱۸۴	مزارات پر خرافات.....	۱۴۵

باب زیارة القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

۱۸۶	 زیارتِ قبور کا طریقہ	۱۴۶
۱۸۷	 اقسامِ زیارتِ قبور	۱۴۷
۱۸۸	 ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور	۱۴۸
۱۹۰	 قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟	۱۴۹
۱۹۱	 جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت	۱۵۰
۱۹۱	 عورتوں کا قبرستان میں جانا	۱۵۱
۱۹۲	 عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم	۱۵۲
۱۹۴	 ایضاً	۱۵۳
۱۹۵	 ایضاً	۱۵۴
۱۹۶	 عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا	۱۵۵
۱۹۷	 اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر	۱۵۶
۲۰۰	 کیا حج کے لئے خولجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟	۱۵۷
۲۰۰	 پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھایا	۱۵۸
۲۰۰	 سفر برائے زیارتِ قبور	۱۵۹
۲۰۱	 زیارتِ قبر کے لئے احرام	۱۶۰
۲۰۱	 عید کے دن زیارتِ قبور	۱۶۱

باب إهداء الثواب للمیت

(میت کے ایصالِ ثواب کا بیان)

۲۰۳	 ایصالِ ثواب کا طریقہ	۱۶۲
۲۰۴	 ایصالِ ثواب کے طریقے	۱۶۳

۲۰۵	ایصالِ ثواب کا فائدہ.....	۱۶۴
۲۰۶	کیا ایصالِ ثواب کرنے والوں کو بھی ثواب ملتا ہے.....	۱۶۵
۲۰۶	کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟.....	۱۶۶
۲۰۷	ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال.....	۱۶۷
۲۱۳	اپنی زندگی میں مردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرنا.....	۱۶۸
۲۱۶	اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب.....	۱۶۹
۲۱۷	مردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے؟.....	۱۷۰
۲۱۹	میت کو بعینہ صدقہ نہیں بلکہ ثواب پہنچتا ہے.....	۱۷۱
۲۲۰	مشترکہ ایصالِ ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟.....	۱۷۲
۲۲۲	مردوں کو ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟.....	۱۷۳
۲۲۳	ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہو کر پہنچتا ہے؟.....	۱۷۴
۲۲۵	متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہو کر؟.....	۱۷۵
۲۲۶	ایک قرآن پاک صدقہ میں دے کر ثواب پورے مجمع کو بخشنا.....	۱۷۶
۲۲۶	قرآن شریف ہبہ کیا، موبہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟.....	۱۷۷
۲۲۹	اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھانا.....	۱۷۸
۲۲۹	اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات.....	۱۷۹
۲۳۰	ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم دینا.....	۱۸۰
۲۳۲	ختم قرآن پاک کا ثواب مردے کو پہنچانا.....	۱۸۱
۲۳۳	میت کے لئے قراءت قرآن وغیرہ.....	۱۸۲
۲۳۶	نماز کا ثواب پہنچانا.....	۱۸۳
۲۳۶	دو رکعت نفل پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا.....	۱۸۴
۲۳۸	نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہنچانا.....	۱۸۵
۲۳۸	نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب.....	۱۸۶
۲۳۹	ایضاً.....	۱۸۷

۱۸۸	ایضاً.....	۲۳۹
۱۸۹	میتِ صغیر کے لئے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب.....	۲۴۰
۱۹۰	بچوں کا ایصالِ ثواب کرنا.....	۲۴۱
۱۹۱	ایضاً.....	۲۴۳
۱۹۲	بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے.....	۲۴۴
۱۹۳	ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب میت کے لئے.....	۲۴۴
۱۹۴	نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب.....	۲۴۷
۱۹۵	کلمہ پڑھ کر خود کشتی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب.....	۲۴۷
۱۹۶	غیر مسلم کو ایصالِ ثواب.....	۲۴۸
۱۹۷	شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب.....	۲۴۹
۱۹۸	ایضاً.....	۲۵۱
۱۹۹	گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب.....	۲۵۲
۲۰۰	تعزیتی جلسہ کا حکم.....	۲۵۴
۲۰۱	میت کے لئے جلسہ تعزیت.....	۲۵۶
۲۰۲	دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ.....	۲۵۷
فصل فی التلاوة عند القبر (قبر پر تلاوت کا بیان)		
۲۰۳	قبر پر تلاوت.....	۲۵۸
۲۰۴	قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سراً؟.....	۲۵۹
۲۰۵	قبر یا بیمار کے پاس تلاوت.....	۲۶۰
۲۰۶	قبرستان میں تلاوت دیکھ کر کرنا.....	۲۶۱
۲۰۷	قبرستان میں قرآن پاک پڑھ کر ثواب پہنچانا.....	۲۶۲
۲۰۸	ایضاً.....	۲۶۴

۲۰۹	قبر پر فاتحہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہو؟	۲۶۵
۲۱۰	قبر کے سامنے قرآن کریم پڑھنا	۲۶۶
۲۱۱	قبر کے سامنے مناجات	۲۶۶
۲۱۲	قبر پر مراقبہ	۲۶۸
۲۱۳	قبر سے استفادہ کی صورت	۲۶۹

فصل فی اطعمۃ الأسبوع والأربعین وغیرہا

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

۲۱۴	سوئم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں	۲۷۰
۲۱۵	سوئم چہلم وغیرہ	۲۷۰
۲۱۶	ایضاً	۲۷۲
۲۱۷	گیارہویں وغیرہ	۲۷۲
۲۱۸	تیجہ، دسواں کا کھانا	۲۷۵
۲۱۹	تیجہ مسجد میں یا مکان پر؟	۲۷۵
۲۲۰	دفن میت سے پہلے کھانا	۲۷۶
۲۲۱	میت کے گھر کھانا	۲۷۶
۲۲۲	میت کے گھر کھانا	۲۷۸
۲۲۳	انتقال میت پر کھانا دینا	۲۷۸
۲۲۴	طعام المیت	۲۷۹
۲۲۵	توشہ میت	۲۸۰

باب المتفرقات

۲۲۶	ہندوستان سے پاکستان جا کر مرنا	۲۸۱
۲۲۷	میت کے گھر سے سارا پانی گرا دینا، نماز جنازہ کی اجرت	۲۸۱

۲۸۲	 حاملہ مر جائے تو وضع حمل کی کیا صورت ہے؟	۲۲۸
۲۸۳	 جنازہ کی چادر، چٹائی اور چارپائی صدقہ کرنا	۲۲۹
۲۸۴	 ماں کا بیٹے سے ناراض ہو کر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا	۲۳۰
۲۸۴	 حیلۂ اسقاط	۲۳۱
۲۸۵	 ایضاً	۲۳۲
۲۸۶	 جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ	۲۳۳
۲۸۷	 مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا	۲۳۴
۲۸۸	 انتقال شوہر پر چوڑیاں توڑنا	۲۳۵
۲۸۸	 انتقال پر دودھ بخشنا	۲۳۶

باب احکام الشہید

(شہید کے احکام کا بیان)

۲۹۰	 شہداء سے حقوق العباد ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟	۲۳۷
۲۹۱	 شہداء کی انواع	۲۳۸
۲۹۳	 احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟	۲۳۹
۲۹۴	 شہید کے درجے	۲۴۰
۲۹۵	 جو ظلماً قتل ہو، وہ شہید ہے	۲۴۱
۲۹۵	 کافر کی لڑائی کی وجہ سے جو مسلمان قتل ہوں، ان کا حکم	۲۴۲
۲۹۶	 دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟	۲۴۳
۲۹۷	 فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟	۲۴۴
۲۹۸	 ایضاً	۲۴۵
۲۹۸	 دو قومی فسادات میں مرنے والے کا حکم	۲۴۶
۳۰۰	 ”دق“ کی بیماری میں انتقال کرنے والے کو شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟	۲۴۷

۳۰۰	جوزب کرم جائے، وہ شہید ہے.....	۲۴۸
۳۰۲	ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے.....	۲۴۹
۳۰۴	ایکسڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت.....	۲۵۰
۳۰۴	شہید کا غسل اور کفن.....	۲۵۱
۳۰۵	جنازہ شہید پر نماز.....	۲۵۲
۳۰۸	غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھنا.....	۲۵۳

کتاب الزکوۃ

۳۰۹	جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم.....	۲۵۴
۳۱۰	جس غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے اس کا حکم.....	۲۵۵
۳۱۰	جو زکوۃ ادا نہیں کرتا، اس کا ہدیہ قبول کرنا.....	۲۵۶
۳۱۱	زکوۃ جمع رکھنا.....	۲۵۷
۳۱۲	زکوۃ دے کر احسان جتنا.....	۲۵۸

باب وجوب الزکاة

(وجوب زکوۃ کا بیان)

۳۱۳	صاحب نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوب زکوۃ.....	۲۵۹
۳۱۳	حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟.....	۲۶۰
۳۱۵	وسط سال کی آمدنی بھی سال تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی.....	۲۶۱
۳۱۵	مال زکوۃ سال گزرنے سے دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟.....	۲۶۲
۳۱۶	مقدارِ نصاب اور دین اور مالِ صبی میں زکوۃ.....	۲۶۳
۳۱۸	دین مہر کیا مانعِ وجوب زکوۃ ہے.....	۲۶۴
۳۱۹	کیا عورت کے دین مہر پر زکوۃ لازم ہے؟.....	۲۶۵

۳۲۱	مقروض پر وجوبِ زکوٰۃ کی ایک صورت.....	۲۶۶
۳۲۲	مقروض پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟.....	۲۶۷
۳۲۳	مالکِ زمین مقروض پر زکوٰۃ.....	۲۶۸
۳۲۳	مقروض دوالیہ پر وجوبِ زکوٰۃ و قربانی کا حکم.....	۲۶۹
۳۲۴	حرام مال پر زکوٰۃ نہیں.....	۲۷۰
۳۲۵	مالِ حرام پر زکوٰۃ.....	۲۷۱
۳۲۶	سینما کی آمدنی پر زکوٰۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا.....	۲۷۲
۳۲۶	مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟.....	۲۷۳
۳۲۷	”فقیر“ قوم پر زکوٰۃ.....	۲۷۴
۳۲۸	قوم فقیر پر زکوٰۃ.....	۲۷۵
۳۲۸	ہبہ پر زکوٰۃ.....	۲۷۶
۳۲۹	بیوہ پر زکوٰۃ.....	۲۷۷
۳۳۰	وکالت کی آمدنی پر زکوٰۃ.....	۲۷۸
۳۳۲	جو روپیہ نابالغ کو دے دیا اس پر زکوٰۃ نہیں.....	۲۷۹
۳۳۲	بینک میں جمع روپے پر زکوٰۃ.....	۲۸۰
۳۳۵	نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ.....	۲۸۱
۳۳۶	بٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ.....	۲۸۲
۳۳۶	جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوٰۃ.....	۲۸۳
۳۳۷	حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ.....	۲۸۴
۳۳۸	جو روپیہ کھیت میں لگا، اس پر زکوٰۃ کا حکم.....	۲۸۵
۳۳۸	حج کے روپیہ پر زکوٰۃ.....	۲۸۶
۳۳۹	مکان کے لئے جمع رقم پر زکوٰۃ.....	۲۸۷
۳۳۹	نفع پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر؟.....	۲۸۸

۲۸۹	حیلہ عدم وجوب زکوٰۃ.....	۳۲۰
۲۹۰	زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ.....	۳۲۱
۲۹۱	کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟.....	۳۲۲
۲۹۲	حکومتِ پاکستان کی طرف سے انتالیس سوالات پر مشتمل استفتاء.....	۳۲۲
۲۹۳	زکوٰۃ کی تعریف.....	۳۲۲
۲۹۴	زکوٰۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟.....	۳۲۲
۲۹۵	وجوب زکوٰۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟.....	۳۲۲
۲۹۶	وجوب زکوٰۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت.....	۳۲۵
۲۹۷	زکوٰۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟.....	۳۲۵
۲۹۸	اداروں پر زکوٰۃ.....	۳۲۵
۲۹۹	قابل انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خرید کنندہ پر زکوٰۃ ہے یا بیچنے والے پر؟.....	۳۲۵
۳۰۰	کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہے؟.....	۳۲۵
۳۰۱	دو نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاک زکوٰۃ پر خلفائے راشدین کا اضافہ.....	۳۲۶
۳۰۲	نیکل، سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوٰۃ.....	۳۲۶
۳۰۳	مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوٰۃ.....	۳۲۶
۳۰۴	مالِ نامی کے حدود.....	۳۲۶
۳۰۵	مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوٰۃ کے قواعد.....	۳۲۷
۳۰۶	کن کن مملوکہ جانوروں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہے؟.....	۳۲۷
۳۰۷	اموال زکوٰۃ پر زکوٰۃ کی شرح.....	۳۲۷
۳۰۸	کیا دو خلفائے راشدین میں بعض اموال زکوٰۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟.....	۳۲۷
۳۰۹	دوسو نقرئی درہم، بیس طلائی مثقالی کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوٰۃ.....	۳۲۷
۳۱۰	موجودہ حالات کے پیش نظر شرح زکوٰۃ میں تبدیلی.....	۳۲۷
۳۱۱	مختلف اثاثوں پر وجوب زکوٰۃ کی مدت.....	۳۲۸
۳۱۲	کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوٰۃ ہے؟.....	۳۲۸

۳۲۸	ادائے زکوٰۃ میں شمسی و قمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین	۳۱۳
۳۲۸	زکوٰۃ کے مصارف	۳۱۴
۳۲۸	مصارف کے حدود اور ”فی سبیل اللہ“ کا مفہوم	۳۱۵
۳۲۸	تمام زکوٰۃ کو تمام مصارف میں، یا متعین حصہ متعین مصرف میں صرف کیا جائے؟	۳۱۶
۳۲۸	مستحق زکوٰۃ کے استحقاق کے حالات اور بنو ہاشم کو زکوٰۃ کا حق	۳۱۷
۳۲۹	مصرف زکوٰۃ افراد ہیں یا ادارے؟	۳۱۸
۳۲۹	غریب، مسکین، بیوہ اور گزراہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوٰۃ	۳۱۹
۳۲۹	زکوٰۃ رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کرنا	۳۲۰
۳۲۹	زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینا	۳۲۱
۳۲۹	مصرف زکوٰۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟	۳۲۲
۳۲۹	ترکہ میت سے زکوٰۃ لینا	۳۲۳
۳۲۹	عدم وجوب زکوٰۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر	۳۲۴
۳۵۰	تحصیل زکوٰۃ مرکز کے زیر انتظام ہو یا صوبوں کے؟	۳۲۵
۳۵۰	زکوٰۃ کے نظم و نسق کا طریقہ اور وصول زکوٰۃ کے لئے الگ محکمہ	۳۲۶
۳۵۰	زکوٰۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟	۳۲۷
۳۵۰	دور خلفائے راشدین میں اغراض عامہ کے لئے زکوٰۃ وغیرہ	۳۲۸
۳۵۰	اسلامی ممالک میں وصولی زکوٰۃ کا طریقہ	۳۲۹
۳۵۰	انتظام زکوٰۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟	۳۳۰
۳۵۰	منظمین زکوٰۃ کی تنخواہوں اور فنڈز کی شرائط	۳۳۱
باب الزکاة فی الذهب و الفضة و الفلوس الرائجة (سونے، چاندی اور نوٹ پر زکوٰۃ کا بیان)		
۳۶۸	زیور کی زکوٰۃ	۳۳۲
۳۶۹	جس زیور میں پتھر جڑے ہوں ان پر زکوٰۃ	۳۳۳

۳۴۰	چاندی کا نصاب.....	۳۳۴
۳۴۱	چاندی کی زکوٰۃ.....	۳۳۵
۳۴۳	سونا چاندی مخلوط کی زکوٰۃ.....	۳۳۶
۳۴۳	سونے چاندی کو ملا کر زکوٰۃ دینا.....	۳۳۷
۳۴۴	سونے اور چاندی کی زکوٰۃ الگ الگ دی جائے.....	۳۳۸
۳۴۶	لڑکی کے زیور پر زکوٰۃ.....	۳۳۹
۳۴۶	مرہون زیور کی زکوٰۃ.....	۳۴۰
۳۴۷	مہر کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم.....	۳۴۱
۳۴۸	زیور کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟.....	۳۴۲
۳۴۸	ادائے زکوٰۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟.....	۳۴۳
۳۴۹	چاندی کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟.....	۳۴۴
۳۸۰	بذریعہ قیمت سونے چاندی کی زکوٰۃ.....	۳۴۵
۳۸۲	سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟.....	۳۴۶
۳۸۲	چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوٰۃ کا حکم.....	۳۴۷
۳۸۳	نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے.....	۳۴۸
۳۸۵	نوٹ پر زکوٰۃ.....	۳۴۹
۳۸۹	نوٹ کی زکوٰۃ.....	۳۵۰
۳۸۹	نوٹ سے زکوٰۃ کا حکم.....	۳۵۱
۳۹۱	نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی.....	۳۵۲
۳۹۱	نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی.....	۳۵۳
۳۹۳	نوٹ اور ریزگاری سے زکوٰۃ.....	۳۵۴
۳۹۷	غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوٰۃ.....	۳۵۵
۳۹۸	روپے کی زکوٰۃ وزن سے ہے یا قیمت؟.....	۳۵۶

۳۹۹	چاندی کی زکوٰۃ میں قیمت دینا.....	۳۵۷
۴۰۰	نصاب زکوٰۃ روپے کے اعتبار سے.....	۳۵۸
۴۰۰	دفینہ پر زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا.....	۳۵۹
۴۰۱	دین قوی اور دین ضعیف.....	۳۶۰
۴۰۲	قرض پر زکوٰۃ.....	۳۶۱
۴۰۳	قرض کی زکوٰۃ.....	۳۶۲
۴۰۴	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ.....	۳۶۳
۴۰۴	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم.....	۳۶۴
۴۰۵	پراویڈنٹ فنڈ اور زرخمانت پر زکوٰۃ.....	۳۶۵
۴۰۵	ختم ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوٰۃ.....	۳۶۶
۴۰۸	گسور پر زکوٰۃ اور اس کی مثال.....	۳۶۷
باب زکاة العروض (سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کا بیان)		
۴۱۰	سامان تجارت پر زکوٰۃ.....	۳۶۸
۴۱۱	سامان تجارت کی زکوٰۃ.....	۳۶۹
۴۱۲	مال تجارت میں زکوٰۃ.....	۳۷۰
۴۱۳	ایضاً.....	۳۷۱
۴۱۳	مال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ.....	۳۷۲
۴۱۴	بعض مال تجارت فروخت ہو جائے اور بعض رہ جائے تو زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟.....	۳۷۳
۴۱۴	مال تجارت کی زکوٰۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا.....	۳۷۴
۴۱۵	مال تجارت میں کس قیمت پر زکوٰۃ ہوگی؟.....	۳۷۵
۴۱۶	تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کرے؟.....	۳۷۶

۴۱۷	 چھپائی کے کاغذ پر زکوٰۃ	۳۷۷
۴۱۷	 آلات تجارت پر زکوٰۃ	۳۷۸
۴۱۸	 سامان مطب میں زکوٰۃ	۳۷۹
۴۱۹	 پریس کی مشین پر زکوٰۃ	۳۸۰
۴۱۹	 شیرز کی بیج اور ان کی زکوٰۃ	۳۸۱
۴۲۱	 مال مضاربت میں زکوٰۃ کا حکم	۳۸۲
۴۲۲	 مضاربت میں زکوٰۃ	۳۸۳
۴۲۳	 جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوٰۃ	۳۸۴
۴۲۴	 گھر کے سامان میں زکوٰۃ	۳۸۵
۴۲۵	 گھڑی کی زکوٰۃ	۳۸۶
۴۲۵	 کرایہ کے مکانات پر زکوٰۃ	۳۸۷
۴۲۶	 سلم کے روپیہ اور زمین پر زکوٰۃ	۳۸۸
۴۲۷	 کارخانہ کی زمین و مشین پر زکوٰۃ	۳۸۹
باب زکاة الموائش (جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان)		
۴۲۸	 بھینس پر زکوٰۃ ہے یا دودھ پر؟	۳۹۰
۴۲۹	 تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ	۳۹۱
۴۲۹	 نصاب سے کم جانوروں میں زکوٰۃ نہیں	۳۹۲
باب العشر والخراج (عشر اور خراج کا بیان)		
۴۳۱	 قرآن کریم سے عشر کا ثبوت	۳۹۳
۴۳۲	 وجوب عشر	۳۹۴

۳۹۵	عشر کا نصاب.....	۴۳۲
۳۹۶	مقدار عشر.....	۴۳۲
۳۹۷	ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟.....	۴۳۲
۳۹۸	عشر.....	۴۳۴
۳۹۹	آبی اور بارشی زمین میں عشر.....	۴۳۵
۴۰۰	عشری اور خراجی زمین.....	۴۳۵
۴۰۱	مال گزاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا.....	۴۳۷
۴۰۲	باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ.....	۴۳۷
۴۰۳	زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلہ عشر.....	۴۳۸
۴۰۴	نقد، زمین وغیرہ میں زکوٰۃ.....	۴۴۳
۴۰۵	زکوٰۃ عشر اور مصرف کی تحقیق.....	۴۴۶
فصل فی أراضی الہند (ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)		
۴۰۶	ارضی ہند سے متعلق تفصیل.....	۴۵۳
۴۰۷	ہندوستانی زمین کا حکم.....	۴۵۴
۴۰۸	ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟.....	۴۵۴
۴۰۹	ارضی ہندوستان میں عشر و خراج کا حکم.....	۴۵۶
۴۱۰	ارضی ہند میں عشر کا حکم.....	۴۵۸
۴۱۱	ہندوستانی زمینوں میں عشر.....	۴۵۸
۴۱۲	کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟.....	۴۶۰
۴۱۳	عشر و خراج اور ارضی ہند.....	۴۶۱

باب أداء الزکاة

(زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان)

۴۶۴	 زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟	۴۱۴
۴۶۵	 تھوڑی تھوڑی کر کے زکوٰۃ ادا کرنا	۴۱۵
۴۶۶	 زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا	۴۱۶
۴۶۷	 زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا	۴۱۷
۴۶۸	 حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوٰۃ دینا	۴۱۸
۴۶۸	 غیر نقد سے زکوٰۃ کی ادائیگی	۴۱۹
۴۶۹	 مستعمل چیز زکوٰۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟	۴۲۰
۴۷۰	 زکوٰۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں	۴۲۱
۴۷۱	 زکوٰۃ کے روپیہ کی تقسیم	۴۲۲
۴۷۱	 کیا زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟	۴۲۳
۴۷۵	 امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوٰۃ ہے؟	۴۲۴
۴۷۶	 مقروض کو قرض سے بری کر دینا، زکوٰۃ کے لئے	۴۲۵
۴۷۷	 فرض کو زکوٰۃ میں محسوب کرنا	۴۲۶
۴۷۷	 زکوٰۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا	۴۲۷
۴۷۸	 فقیر کو کھلانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی	۴۲۸
۴۷۸	 زکوٰۃ میں کھانا دینا	۴۲۹
۴۷۹	 چوری کی ہوئی رقم کو زکوٰۃ میں شمار کرنا	۴۳۰
۴۸۰	 زکوٰۃ کی رقم چوری ہو جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟	۴۳۱
۴۸۰	 مقدار نصاب سے زائد کسی کو زکوٰۃ دینا	۴۳۲
۴۸۱	 اگر ایک سال زکوٰۃ نہیں دی تو کیا آئندہ سال دو سال کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے؟	۴۳۳

۴۸۲	ادائے زکوٰۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا.....	۴۳۴
۴۸۳	صرفہ ذاک زکوٰۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا.....	۴۳۵
۴۸۴	زکوٰۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کو قرض دینا.....	۴۳۶
۴۸۵	زکوٰۃ کی رقم بطور قرض لے کر خرچ کرنا.....	۴۳۷
۴۸۵	زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا.....	۴۳۸
۴۸۹	زکوٰۃ دوسری جگہ بھیجنا.....	۴۳۹
۴۸۹	زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا.....	۴۴۰
۴۹۰	وکیل کا زکوٰۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا.....	۴۴۱
۴۹۱	وکیل خود مستحق زکوٰۃ ہو تو کیا وہ زکوٰۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟.....	۴۴۲
۴۹۲	وکیل کا زکوٰۃ کی رقم خود رکھنا.....	۴۴۳
۴۹۴	وکیل کا موکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوٰۃ دینا.....	۴۴۴
۴۹۵	وکیل کا زکوٰۃ دینے میں تاخیر کرنا.....	۴۴۵
۴۹۵	معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کرنا.....	۴۴۶
۴۹۷	زکوٰۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کر کے خیرات کرنا.....	۴۴۷
۴۹۸	سفیہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ.....	۴۴۸
۴۹۸	زکوٰۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی.....	۴۴۹
۵۰۰	حیلہ تملیک.....	۴۵۰
۵۰۱	حیلہ تملیک.....	۴۵۱
۵۰۲	تملیک کی صورت.....	۴۵۲
۵۰۳	حج کے لئے حیلہ تملیک.....	۴۵۳
۵۰۵	صدقہ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلہ تملیک.....	۴۵۴
۵۰۵	سید سے تملیک زکوٰۃ.....	۴۵۵
۵۰۶	کیا مہتمم مدرسہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟.....	۴۵۶

۵۰۹	 سوال متعلقہ سوال و جواب بالا	۴۵۷
۵۱۲	 مہتمم سے مالِ زکوٰۃ ضائع ہو جانے پر زکوٰۃ کا حکم	۴۵۸
۵۱۲	 مہتمم کے پاس سے زکوٰۃ چوری ہو گئی	۴۵۹
۵۱۳	 مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطلی کا؟	۴۶۰
۵۱۴	 ایضاً	۴۶۱
۵۱۵	 ادارے میں زکوٰۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا	۴۶۲
باب مصارف الزکاة (زکوٰۃ کے مصارف کا بیان)		
۵۱۶	 فقیر کی تعریف	۴۶۳
۵۱۶	 مسکین کسے کہتے ہیں؟	۴۶۴
۵۱۷	 مستحق زکوٰۃ کون ہے؟	۴۶۵
۵۱۸	 سب سے بہتر مصرف زکوٰۃ	۴۶۶
۵۱۹	 مصارف زکوٰۃ	۴۶۷
۵۲۰	 مصارف بیت المال	۴۶۸
۵۲۱	 بیت المال	۴۶۹
۵۲۲	 زکوٰۃ اور عشر کا مصرف	۴۷۰
۵۲۳	 تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا	۴۷۱
۵۲۳	 مقروض کب مستحق زکوٰۃ ہے؟	۴۷۲
۵۲۴	 مقروض کو زکوٰۃ دینا	۴۷۳
۵۲۵	 جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہے	۴۷۴
۵۲۵	 ایضاً	۴۷۵
۵۲۶	 پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوٰۃ لینا	۴۷۶

۴۷۷	جس کا گذرتنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟	۵۲۷
۴۷۸	گدا گروں کو زکوٰۃ	۵۲۷
۴۷۹	زکوٰۃ لے کر اپنے باپ کو دینا	۵۲۸
۴۸۰	لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوٰۃ دینا	۵۲۸
۴۸۱	عالم کی اولاد کے لئے زکوٰۃ	۵۲۹
۴۸۲	امام اور عالم کو صدقات واجبہ دینا	۵۲۹
۴۸۳	امام کو زکوٰۃ دینا	۵۳۲
۴۸۴	شریک مکان کو زکوٰۃ دینا	۵۳۲
۴۸۵	نابالغ کو زکوٰۃ	۵۳۳
۴۸۶	نابالغ کو زکوٰۃ دینے کی صورتیں	۵۳۳
۴۸۷	بچوں کو زکوٰۃ دینا	۵۳۷
۴۸۸	اقرباء کو زکوٰۃ دینا	۵۳۸
۴۸۹	رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ	۵۳۸
۴۹۰	داماد کو زکوٰۃ دینا	۵۳۹
۴۹۱	کیا نانا، ماموں، چچا مصرف زکوٰۃ ہیں؟	۵۴۰
۴۹۲	لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ، فطرہ دینا	۵۴۰
۴۹۳	غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا	۵۴۰
۴۹۴	زکوٰۃ بھائی اور اس کی اولاد کو دینا	۵۴۱
۴۹۵	زکوٰۃ کی رقم ماموں، سالے اور ان کی اولاد کو دینا	۵۴۱
۴۹۶	پھوپھی زاد بہن کو زکوٰۃ دینا	۵۴۲
۴۹۷	دوا کے ذریعے زکوٰۃ ادا کرنا	۵۴۳
۴۹۸	زکوٰۃ سے طبی امداد	۵۴۳
۴۹۹	تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا	۵۴۶

۵۰۰	نادار طلبہ کو زکوٰۃ دینا.....	۵۴۷
۵۰۱	حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا.....	۵۴۹
۵۰۲	والد اور سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا.....	۵۵۰
۵۰۳	جن اقرباء وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے.....	۵۵۱
۵۰۴	سادات کو زکوٰۃ دینا.....	۵۵۱
۵۰۵	سید کو زکوٰۃ دینا.....	۵۵۲
۵۰۶	سید کو زکوٰۃ دینا.....	۵۵۲
۵۰۷	سید کی زکوٰۃ سید کو دینا.....	۵۵۶
۵۰۸	زکوٰۃ سے سید کا قرض ادا کرنا.....	۵۵۷
۵۰۹	سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوٰۃ دینا.....	۵۵۸
۵۱۰	سادات کو بینک کا سود اور زکوٰۃ دینا.....	۵۵۹
۵۱۱	صاحب نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا.....	۵۶۱
۵۱۲	زکوٰۃ کی کتابیں صاحب نصاب کو دینا.....	۵۶۱
۵۱۳	زکوٰۃ جمعیتہ علمائے اسلام کو دینا.....	۵۶۲
۵۱۴	دارالحرب میں حربی کو زکوٰۃ و صدقہ.....	۵۶۳
۵۱۵	زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا.....	۵۶۵
۵۱۶	حج کے لئے زکوٰۃ لینا.....	۵۶۶
۵۱۷	زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا.....	۵۶۷
۵۱۸	زکوٰۃ، فطرہ سے کفن میت.....	۵۶۷
۵۱۹	رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا.....	۵۶۸
۵۲۰	قبرستان کے مقدمہ میں زکوٰۃ لگانا.....	۵۶۹
۵۲۱	قتل کے مقدمہ میں زکوٰۃ دینا.....	۵۶۹
۵۲۲	زکوٰۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا.....	۵۷۰

۵۲۳	مالکِ اراضی کے لئے زکوٰۃ لینا	۵۷۱
۵۲۴	کیا زمیندار مستحق زکوٰۃ ہے؟	۵۷۲
۵۲۵	جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟	۵۷۲
۵۲۶	جو شخص صاحبِ نصاب نہ ہو لیکن مالکِ مکان ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا حکم	۵۷۳
۵۲۷	جس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں، کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟	۵۷۴
۵۲۸	تعمیر اسکول میں زکوٰۃ	۵۷۴
۵۲۹	صدقہ جاریہ میں زکوٰۃ کا مصرف	۵۷۵
فصل فی صرف الزکوٰۃ فی المدارس (مدارس میں زکوٰۃ دینے کا بیان)		
۵۳۰	مدارس میں زکوٰۃ دینا	۵۷۷
۵۳۱	زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا	۵۸۸
۵۳۲	زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا	۵۸۸
۵۳۳	بچیوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا	۵۹۰
۵۳۴	نیم سرکاری مدرسہ میں زکوٰۃ دینا	۵۹۱
۵۳۵	مدرسہ میں زکوٰۃ کا روپیہ	۵۹۲
۵۳۶	فی الحال زکوٰۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ وصول کرنا	۵۹۳
۵۳۷	جس مدرسہ میں مصرف زکوٰۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو، وہاں زکوٰۃ دینا	۵۹۴
۵۳۸	مکتب میں زکوٰۃ اور قیمتِ چرم قربانی	۵۹۵
۵۳۹	مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف	۵۹۷
۵۴۰	ایضاً	۵۹۸
۵۴۱	طلباء کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت	۵۹۹
۵۴۲	صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوٰۃ لینا	۶۰۰
۵۴۳	طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھلانا	۶۰۱

۶۰۲	مطبخ سے بمذ زکوۃ طلبہ کو کھانا دینا	۵۴۴
۶۰۴	غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوۃ کو صرف کرنا	۵۴۵
۶۰۴	زکوۃ سے ملازمین مدرسہ کو تنخواہ دینا	۵۴۶
۶۰۶	زکوۃ سے مدرسین کو تنخواہ دینا	۵۴۷
۶۰۶	زکوۃ سے تنخواہ دینا	۵۴۸
۶۰۷	زکوۃ و عطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا	۵۴۹
۶۰۸	مال زکوۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا	۵۵۰
۶۰۹	ادائے زکوۃ بغیر تملیک کے، زکوۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا	۵۵۱
۶۰۹	زکوۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا	۵۵۲
۶۱۱	مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوۃ دینا	۵۵۳
۶۱۱	اسکول میں زکوۃ و صدقہ فطر	۵۵۴

باب صدقۃ الفطر و مصارفہا

(صدقۃ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

۶۱۴	نصاب صدقۃ الفطر	۵۵۵
۶۱۷	صرف فطرہ و فدیہ	۵۵۶
۶۱۹	صدقۃ الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کا صورت	۵۵۷
۶۲۰	نصاب صدقۃ الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف	۵۵۸
۶۲۰	صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل	۵۵۹
۶۲۱	فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟	۵۶۰
۶۲۲	صدقۃ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۵۶۱
۶۲۳	فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟	۵۶۲
۶۲۴	فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟	۵۶۳

۶۲۴	 صدقۃ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟	۵۶۴
۶۲۶	 چاول وغیرہ سے صدقۃ فطر ادا کرنے کی صورت	۵۶۵
۶۲۷	 چاول سے صدقۃ الفطر کی مقدار	۵۶۶
۶۲۷	 جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہو، وہاں صدقۃ الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟	۵۶۷
۶۳۲	 صدقۃ الفطر وغیرہ کے لئے بیت المال	۵۶۸
۶۳۳	 فقیر، مسکین اور صدقۃ فطر کا مصرف	۵۶۹
۶۳۳	 فطرہ کا مصرف ہمیشہ کے لئے متعین کرنا	۵۷۰
۶۳۴	 صدقۃ فطر کیا امام کا حق ہے؟	۵۷۱
۶۳۵	 کیا پوتہ کا صدقۃ فطر دانا پر ہے؟	۵۷۲
۶۳۶	 امام اور مولوی کے لئے صدقۃ فطر	۵۷۳
۶۳۸	 نابالغ کو فطرہ دینا	۵۷۴
۶۳۸	 عید کے بعد صدقۃ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟	۵۷۵
۶۳۹	 صدقۃ الفطر و زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا	۵۷۶
۶۴۰	 فطرہ اور چرم قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا	۵۷۷

باب الصدقات النافله

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

۶۴۲	 غنی کو صدقہ دینا	۵۷۸
۶۴۲	 صدقہ و خیرات میں فرق	۵۷۹
۶۴۳	 زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ خیرات	۵۸۰
۶۴۴	 کفارہ کی رقم، فقیر، قاضی یا استاد کو یکبارگی دینا	۵۸۱
۶۴۵	 للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال	۵۸۲
۶۴۶	 پیداوار میں سے زکوٰۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ	۵۸۳

۶۴۶	 حرام مال کا صدقہ	۵۸۴
۶۴۷	 پیشہ ور مانگنے والوں کو صدقہ وغیرہ دینا	۵۸۵
۶۴۸	 جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا	۵۸۶
۶۴۸	 خیرات کے لئے چندہ کر کے خود کھالینا	۵۸۷
۶۴۹	 مقروض کا نفلی چندہ دینا	۵۸۸
۶۴۹	 کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے	۵۸۹
۶۵۰	 زکوٰۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقہ نفلیہ دینا	۵۹۰
۶۵۱	 تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا	۵۹۱

باب المتفرقات

۶۵۲	 زکوٰۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا	۵۹۲
۶۵۲	 زکوٰۃ میں بیع کی قیمت کم کر دینا	۵۹۳
۶۵۳	 اپنی زکوٰۃ کو فقیر سے خریدنا	۵۹۴
۶۵۴	 تحفہ میں زکوٰۃ ہونے کا شک	۵۹۵
۶۵۵	 جو رقم بقصد زکوٰۃ الگ رکھ دی گئی اس میں تصرف کا حکم	۵۹۶



الفصل الرابع فی حمل الجنازة

(جنازہ اٹھانے اور لے جانے کا بیان)

جنازہ کو کس رفتار سے لیکر چلنا چاہیے؟

سوال [۴۱۵۵]: جنازہ لے کر کس رفتار سے چلنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ لے کر پوری رفتار سے چلنا چاہیے، لیکن دوڑنا نہیں چاہیے جس سے جنازہ منتشر ہو جائے (جیسا کہ غیر مسلم لے جاتے ہیں)، نہ اتنا آہستہ لیجائیں جیسا کہ یہاں دستور ہے کہ بہت آہستہ آہستہ چلتے ہیں، جہاں کسی نے پورا قدم اٹھایا سب نے منع کرنا شروع کر دیا کہ آہستہ چلو، گویا کہ جنازہ کو بیمار تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو اسپتال لے جا رہے ہیں، حدیث پاک میں جنازہ کو تیز لے کر چلنے کا حکم ہے، یہی حکم فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ”عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال سألنا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المشی مع الجنازة؟ فقال: ”ما دون الخب، إن یکن خیراً نعجل إلیه، وإن یکن غیر ذلک، فبعداً لأهل النار، والجنازة متبوعة ولا تتبع، لیس معها من تقدمها“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة: ۹۷/۲، امدادیہ ملتان)

”(و یسرع بها بلا خب): (أی عدو سریع)۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: بلا خب) و حد التعجيل المسنون أن یسرع به بحيث لا یضطرب المیت علی الجنازة للحديث: ”أسرعوا بالجنازة“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۱، سعید)

”والإسراع بالجنازة أفضل من الإبطاء..... لكن ینبغي أن یكون الإسراع دون الخب“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: والكلام فی حمله علی الجنازة الخ: ۲/۴۳، رشیدیہ)
(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۵، رشیدیہ)

جنازہ کتنے قدم لیکر چلے

سوال [۴۱۵۶]: جنازہ لے جاتے وقت یہاں پر ایک عمل ہے کہ چار پانی کو چار آدمی پکڑے ہوئے لے جاتے ہیں اور دس دس قدم کے بعد گردن بدلتے ہیں، آخر ایک جگہ کے بعد جب پہلا آدمی پہلی جگہ پر آ جاتا ہے یعنی چالیس قدم ہو جاتے تب قبرستان لے جاتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟ یہاں اس کا کافی زور چل رہا ہے اور بعض لوگ اتنا تشدد کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والوں سے جھگڑا کرتے ہیں، اس لئے آپ کے فتویٰ کی سخت ضرورت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کو چار آدمی اٹھائیں اور ہر اٹھانے والا چالیس قدم لے کر چلے، باقی دس دس قدم پر منزل کرنا شرعی حکم نہیں ہے، رسم محدث ہے، اس کی اصلاح کی جائے، ”ویسن لحملہا أربعة رجال، وینبغی لكل واحد حملہا أربعین خطوة، اھ“۔ مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۰/۹۲ھ۔

میت کو کندھا دینا چالیس قدم

سوال [۴۱۵۷]: یہ دستور ہے کہ مردے کو قبر میں لے جاتے وقت قدم شمار کئے جاتے ہیں یعنی گھر

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، باب احکام الجنائز، فصل فی حملہا ودفنہا، ص: ۶۰۳، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ: ۱/۱۶۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطلب فی حمل المیت: ۲/۲۳۱، سعید)

”وینبغی أن یحمل من کل جانب عشر خطوات لما روی فی الحدیث: ”من حمل جنازۃ أربعین خطوة، کفرت أربعین کبیرة“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ الجنائز، فصل: والکلام فی حملہ علی الجنازۃ: ۲/۴۳، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۳۸، رشیدیہ)

سے قبر تک چالیس قدم گئے جاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو چالیس قدم کندھا دینا بعض روایات میں منقول ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا

سوال [۴۱۵۸]: بعض جنازہ جب اٹھاتے ہیں تو ہلکا ہوتا ہے، کچھ دور چلنے کے بعد کافی بھاری ہو جاتا ہے اور بعض جنازے بالکل ہلکے پھلکے ہوتے ہیں، اس میں کوئی وجہ ہو تو جواب سے نوازیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض جنازے میں ملائکہ شرکت فرماتے ہیں اور اس کو اٹھاتے ہیں اتنا تو حدیث میں ہے، ممکن ہے اس میں غور کرنے سے آپ کا مسئلہ بھی کچھ حل ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

(۱) ”(وإذا حمل الجنازة وضع) ندباً (مقدمها)..... عشر خطوات لحديث: ”من حمل جنازة أربعين خطوة، كفرت عنه أربعين كبيرة“۔ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۱، سعيد)
”وينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات، لما روى في الحديث: ”من حمل جنازة أربعين خطوة، كفرت أربعين كبيرة“۔ (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيدية)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الرابع فى حمال الجنازة: ۱/۱۶۶، رشيدية)

(۲) ”لما مات سعد بن معاذ رضى الله تعالى عنه و كان رجلاً جسيماً جزلاً..... فقال صلى الله تعالى عليه وسلم: ”والذى نفسى بيده! لقد كانت الملائكة تحمل سريره“۔ عن نافع قال بلغنى أنه شهد سعد بن معاذ سبعون ألف ملك، لم ينزلوا إلى الأرض قبل ذلك“۔ الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدرين من الأنصار، مناقب سعد بن معاذ: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت) =

= ”عن ثوبان رضى الله تعالى عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فى جنازة فرأى ناساً ركبناً فقال: ”لا تستحيون أن ملائكة الله على أقدامهم وأنتم على ظهور الدواب“؟ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعيد)

قال الملا على القارى تحت هذا الحديث: ”حديث ثوبان يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلك عام مع المسلمين بالرحمة ومع الكفار باللعة، قال أنس رضى الله تعالى عنه: مرت جنازة برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقام، فقيل: إنها جنازة يهودى؟ فقال: ”إننا قمنا للملائكة“.(مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشى بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشيدیه)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایک متقی شخص اپنی حیات میں بندوں کے لئے راحت و آرام کا باعث تھا اسی طرح موت کے بعد بھی ہو، اور جس طرح ایک فاسق و فاجر شخص اپنی زندگی میں لوگوں کے لئے ایذا رسانی اور تکلیف کا باعث تھا اسی طرح بعد الوفات بھی وہ اپنی حیات کی ایک جھلک کے طور پر لوگوں پر بوجھ بن رہا ہو، جیسا کہ ذیل کی حدیث اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

”عن أبى قتادة بن ربعى الأنصارى رضى الله تعالى عنه أنه كان يحدث أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مرّ عليه بجنازة قال: ”مستريح أو مستراح منه“ قالوا: يا رسول الله! ما المستريح والمستراح منه؟ قال: ”العبد المؤمن يستريح من نصب الدنيا وأذاها إلى رحمة الله، والعبد الفاجر يستريح منه العباد والبلاد والشجر والدواب“.(صحيح البخارى، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت: ۲/۹۶۳، قديمی)

قال الحافظ ابن حجر: ”أن يكون المراد براحة العباد منه لما يقع لهم من ظلم وراحة الأرض منه لما يقع عليها من غضبها ومنعها من حقها و صرفه فى غير وجهه وراحة الدواب مما لا يجوز من اتعابها. والله أعلم“.(فتح البارى، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت: ۱۱/۴۴۳، قديمی)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب تمنى الموت، (رقم الحديث: ۱۶۰۳): ۴/۶۹،

جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی

سوال [۴۱۵۹]: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی جنازہ لے کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کتب فقہ میں اس کی صورت لکھی ہے۔ اب اگر جتنے آدمی جنازہ کے اندر گئے ہیں سب یکے بعد دیگرے جنازہ لے کر چالیس قدم چلے، اب ہر ایک آدمی کے چالیس چالیس گناہ معاف ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يَحْمِلَهَا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ عَشْرَ خَطَوَاتٍ لَمَّا رَوَى عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ: ”مَنْ حَمَلَ جَنَازَةً أَرْبَعِينَ خَطْوَةً، كَفَرَتْ عَنْهُ أَرْبَعِينَ كَبِيرَةً“ رواه أبو بكر التَّجَار. كَبِيرَى، ص: ۵۴۸ (۱)۔ اس عبارت کا مقتضی یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو کہ ۴۰/ قدم جنازہ اٹھا کر چلے گا اس کے ۴۰..... گناہ معاف ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ لیجاتے وقت رخ کس طرف ہو؟

سوال [۴۱۶۰]: میت کو غسل دے کر گورستان کی طرف جو مشرق کی جانب ہے اٹھا کر جب جنازہ لے جاتے ہیں تو پاؤں میت کے کس طرف کریں؟ اگر خلافِ معتاد آگے کو کریں تو رخ میت کا قبلہ کے مخالف جانب ہوگا، اگر سر آگے حسبِ معتاد کریں تو رخ میت کا قبلہ کو ہوگا۔ میت کو کس طرح لے جانا چاہیے؟

(۱) (الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، الخامس فی الحمل: ۵۹۲، سہیل اکیڈمی لاہور)

”وَيَنْبَغِي أَنْ يَحْمَلَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ عَشْرَ خَطَوَاتٍ لَمَّا رَوَى فِي الْحَدِيثِ: ”مَنْ حَمَلَ جَنَازَةً أَرْبَعِينَ خَطْوَةً، كَفَرَتْ أَرْبَعِينَ كَبِيرَةً“. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنائز: ۴۳/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۱/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۸/۲، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتداً وصورت بلا تردد جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

میت کو قبرستان لیجاتے وقت پیر آگے کرنا

سوال [۴۱۶۱]: اگر کسی مقام پر قبرستان آبادی سے بطرف قبلہ ہو، تو میت کو لیجاتے وقت پیر آگے

رکھنے کی طرف رکھنے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر آگے کرنا خلاف سنت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

عورت کی میت کو گھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟

سوال [۴۱۶۲]: کسی عورت کی میت کو گھر سے پیروں کی جانب سے نکالیں یا سر کی جانب سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کی جانب سے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”وفی حال المشی بالجنائزۃ یقدم الرأس“۔ (التاتارخانیۃ، کتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا

الفصل فی حمل الجنائزۃ: ۱۵۱/۲، إدارة القرآن کراچی)

”وفی حالة المشی بالجنائزۃ یقدم الرأس، کذا فی المضممرات“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، الباب

الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنائزۃ: ۱۶۲/۱، رشیدیہ)

(۲) (راجع الحاشیۃ المتقدمة)

(۳) ”وفی حال المشی بالجنائزۃ یقدم الرأس“۔ (التاتارخانیۃ، کتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا

الفصل فی حمل الجنائزۃ: ۱۵۱/۲، إدارة القرآن کراچی)

”وفی حالة المشی بالجنائزۃ یقدم الرأس، کذا فی المضممرات“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، الباب =

عورت کے جنازہ کو نا محرم چھوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۴۱۶۳]: کیا عورت کے جنازہ کو غیر محرم چھوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوسکتا ہے: ”لأن یدہ ما وصل إلى بدنہا فلا مانع بأخذ السریر“ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا

سوال [۴۱۶۴]: جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازے کے ساتھ ننگے سر نہیں جانا چاہیے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشیدیہ

(۱) چونکہ ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) کی تجہیز و تکفین، صلوٰۃ جنازہ، دفن وغیرہ تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اور جنازہ کے اٹھانے کے لئے اس کو چھونا پڑتا ہے، لہذا شرعاً یہ جائز ہے:

”والصلاة علیہ (صفتہا) (فرض کفایہ) بالإجماع (کدفنہ) و غسلہ وتجهیزہ، فإنہا

فرض کفایہ“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

”والصلاة علیہ (ککفنہ و دفنہ و تجهیزہ) (فرض کفایہ) مع عدم الانفراد بالخطاب بہا“۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فضل: الصلاة علیہ، ص: ۵۸۰، قدیمی)

(۲) ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من تشبه بقوم

فہو منهم“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الأقبۃ: ۲/۲۰۳، امدادیہ ملتان)

”ویکرہ کشف رأسہ بین الناس و ما لیس بعورة و ما جرت العادة بسترہ“۔ (غنیۃ الطالبین

للشیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۱۳)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، لباس زینت، کھلے سر پھرنا کیسا ہے؟: ۱۵۵/۱۰،

دارالاشاعت کراچی)

جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا

سوال [۴۱۶۵]: نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب جنازہ قبرستان جاتا ہے اس وقت بازار میں لوگ ملتے ہیں، بعض دوکاندار کام میں لگے ہوتے ہیں وہ نعرش کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، کچھ دور تک جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں پھر واپس ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ گنہگار قرار پائے گا یا نہیں؟ اپنی ضرورت شدیدہ کی بنا پر واپس ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا قبرستان تک جانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم میت کو غسل کفن دینا، جنازہ کی نماز پڑھنا، اس کو قبرستان پہنچانا، دفن کرنا یہ سب چیزیں میت کے حقوق ہیں جو مسلمانوں پر لازم ہیں، مگر ان کا لزوم ایسا نہیں جیسا فرض نمازوں کا لزوم ہے کہ ہر شخص پر فرض عین ہے، بلکہ جو لوگ میت کے گھر والے ہیں ان پر لزوم ہے، پھر پڑوس والوں پر ہے، پھر دیگر اہل محلہ پر اور اہل بستی پر ہے پھر اور سب پر ہے، جہاں تک علم و قدرت ہو۔ اگر گھر والوں نے ان سب چیزوں کو پورا کر دیا تو سب کے ذمہ سے لزوم ساقط ہو جائے گا، اگر اہل محلہ اور اہل بستی نے پورا کر دیا تو گھر والوں سے ساقط ہو جائے گا، اگر کسی نے نہیں کیا تو سب گنہگار ہوں گے، تاہم محض گھر والوں کے کرنے پر دوسرے لوگ بھروسہ اور کفایت نہ کریں بلکہ ان کی ہمدردی اور اعانت حسب وسعت لازم ہے۔

اگر جنازہ لے جایا جا رہا ہو اور کوئی شخص اپنے کام میں مشغول ہو اس کو مناسب ہے کہ کام چھوڑ کر جنازہ کے اہتمام کے لئے کھڑا ہو جائے اور قبرستان تک جائے، دفن وغیرہ میں شرکت کرے (۱)، لیکن اگر کام ضروری ہے جس کو پھر نہیں کر سکتا تو نماز جنازہ پڑھ کر جنازہ کے ولی سے اجازت لے کر واپس آ جائے، اگر نماز کے لئے جانے کو بھی وقت میں گنجائش نہیں مشغولی زیادہ ہے تب بھی یہ ترک فرض کا مجرم نہیں، البتہ یہ طریقہ بنا لینا مکروہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ چل کر اس کی نماز پڑھ کر واپس چلا آئے اور دفن کے لئے قبرستان نہ جائے، اگر ایسی ضرورت پیش آئے تو جنازہ کے ولی سے معذرت کر کے چلا آئے تو مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۰ھ۔

(۱) ”عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أمرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسبع و نھانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز و عیادة المریض“، الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الامر =

= باتباع الجنائز: ۱/۱۶۶، قدیمی)

” (والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع، فيكفر منكرها؛ لأنه أنكر الإجماع (كدفنه) وغسله و تجهيزه، فإنها فرض كفاية“ (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

” (الصلاة عليه) ككفنه و دفنه و تجهيزه (فرض كفاية) مع عدم الانفراد بالخطاب“ (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۷۰، قدیمی)

”قال: (وهي فرض كفاية): أى الصلاة عليه و كذا تكفيه فرض على الكفاية وكذا غسله و دفنه فرض على الكفاية“ (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۱، سعيد)

واضح رہے کہ اگر میت کے تجہیز و تکفین میں شرکت کا ارادہ نہیں، محض میت کے لئے احتراماً کھڑے ہوتے ہیں تو اس کی اجازت نہیں ہے:

”أنه سمع على ابن أبي طالب رضى الله تعالى عنه برحبة الكوفة و هو يقول: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أمرنا بالقيام فى الجنابة، ثم جلس بعد ذلك وأمرنا بالجلوس“ (مسند أحمد، مسند على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۶۲۴، ۱/۱۳۳، دار احياء التراث العربى)

”و لا يقوم أحد للجنابة إذا مرت به، إلا إذا أراد أن يتبعها، وعليه الجمهور. وما ورد فى الأحاديث الصحيحة من القيام لها منسوخ بما روى عن على رضى الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أمرنا بالقيام“ (الحديث. (الحلبى الكبير، فصل فى الجنائز، الخامس فى الحمل، ص: ۵۹۳، سهيل اكيڈمى لاہور)

”وأما القاعد على الطريق إذا مرت به أو القاعد على القبر، فلا يقوم لها“ (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۳، سعيد)

(و كذا فى بدائع الصنائع، الجنائز، فصل: والكلام فى حمله على الجنابة: ۲/۴۵، رشيديه)

(۲) ”قال: (وله أن يأذن لغيره) يأذن للناس بالانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ينبغي لهم أن ينصرفوا إلا بإذنه“ (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۳، سعيد)

”و هو أن يأذن للناس فى الانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ينبغي لهم أن ينصرفوا إلا بإذنه“ (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب: تعظيم أولى الأمر واجب: ۲/۲۲۲، سعيد)

کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا

سوال [۴۱۶۶]: آج دنیا میں رواج ہے کہ کافر مسلمانوں کے جنازہ کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں بلکہ پایہ بھی پکڑ لیتے ہیں، اسی طرح مسلمان کافر کے جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں اور ارٹھی بھی پکڑتے ہیں (۱)۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑوسی کافر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا تو ثابت ہے (۲)، لیکن ارٹھی پکڑنا اور اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ جانا ثابت نہیں (۳)، اس سے بچنا لازم ہے، اسی طرح سے برعکس (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۳ھ۔

(۱) ”ارٹھی: ہندوؤں کا جنازہ“۔ (فیروز اللغات تحت لفظ: ۱، ر: ص: ۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه أن غلاماً ليهود كان يخدم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فمرض، فأتاه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يعودده، فقال: ”أسلم“ فأسلم. وقال سعيد بن المسيب عن أبيه: لما حضر أبو طالب، جاءه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم“. (صحيح البخاري، باب عيادة المشرك، كتاب المرضى. ۷۴۴/۲، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت هذا الحديث: ”فيه دلالة على جواز عيادة الذمي. في الخزانة: لا بأس بعيادة اليهودي، واختلفوا في عيادة المجوسي و عيادة الفاسق، والأصح أنه لا بأس به“. (مرواة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض، (رقم الحديث: ۱۵۷۴): ۴/۸، رشيدية)

”قوله: وحاز عيادته): أي عيادة مسلم ذمياً نصرانياً أو يهودياً..... وصح أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عاد يهودياً مرض بجواره“. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۸/۶، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۳۳۸/۵، رشيدية)

(۳) ”مرگھٹ: ہندوؤں کے مردے جلانے کی جگہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز، لاہور)

(۴) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما“ عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه لما مات =

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت

سوال [۴۱۶۷]: ہمارے یہاں مسلم آبادی بہت کم ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ہندوؤں کے ساتھ تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ ہم لوگوں میں سے کسی کی موت ہو جاتی ہے تب ہمارے دوست ہندو لوگ قبر پر جاتے ہیں اور ہمارے ساتھ مٹی وغیرہ میت کو دیتے ہیں، اسی لئے اگر کسی ہندو بھائی کی موت ہو جاتی ہے تب ہم کو بھی ان کے ساتھ مردہ گھاٹ جانا پڑتا ہے اور لکڑی وغیرہ دینی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کے مردہ کے ساتھ ہمارا جانا جائز ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں تک؟

ایضاً

سوال [۴۱۶۸]: اب ہم اپنی میت کے لئے بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہندو لوگ جو کہ ہمارے مردے کے ساتھ قبر پر جاتے ہیں اور مٹی دیتے ہیں، ان کے لئے بھی ہمارے لئے بھی علمائے دین کیا فرماتے ہیں اور کیا حکم ہے؟

= عبد اللہ بن ابی ابن سلول دُعیٰ لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیصلی علیہ، فلما قام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ثبت إلیہ، فقلت: یا رسول اللہ! أتصلی علی ابن ابی؟ و قد قال یوم کذا و کذا کذا و کذا، أعدد علیہ قولہ، فتبسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فقال: "آخر عنی یا عمر!" فلما أکثر علیہ، قال: "إنی خیرت، فأخترت لو أعلم أنى إن زدت علی السبعین یغفر لہ، لزدت علیہا". قال فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم انصرف فلم یمکث إلا یسیراً حتی نزلت الآیتان من برآءة ﴿ولا تصل علی أحد منہم مات أبداً و لا تقم علی قبرہ﴾ ﴿وہم فاسقون﴾ قال: فعجبت بعد من جرأتی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یومئذ. واللہ و رسولہ أعلم. (صحیح البخاری. کتاب الجنائز. باب ما یکرہ من الصلاة علی المنافقین: ۱۸۲/۱. قدیمی)

"و یغسل المسلم و یکفن قریبہ (کخالہ) (الکافر الأصلی عند الاحتیاج) فلو لہ قریب فالأولی ترکہ لہم و لیس للکافر غسل قریبہ المسلم".

"(لیس للکافر): أى إذا لم یکن للمسلم قریب مسلم، فیتولی تجهیزہ المسلم، و یکرہ أن یدخل الکافر فی قبر قریبہ المسلم لیدفنه". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۰/۲،

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱..... اگر بغیر اس کے گزارہ نہیں حالات سے مجبور ہیں تو کم سے کم شرکت پر کفایت کریں اور جن جن چیزوں سے بچ سکتے ہیں بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور توبہ واستغفار کرتے رہیں (۱)۔

۲..... ان کو منع نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾. (سورة التوبة: ۸۴)

”والمراد من الصلاة المنهى عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار

والاستشفاع، الخ..... وقوله: ﴿وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ والمراد لا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة

والقبر في المشهور مدفن الميت، ويكون بمعنى الدفن، وجوزوا إرادته هنا أيضاً (روح المعاني:

۱۵۴/۱۰، ۱۵۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: ”عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه لما مات

عبد الله بن أبي ابن سلول دُعي له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم..... قال فصلى عليه رسول

الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة ﴿وَلَا

تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾..... ﴿وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾..... قال: فعجبت بعد

من جرأتى على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يومئذ، والله ورسوله أعلم“ (صحيح البخارى،

كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ۱۸۲/۱، قديمي)

” (و يغسل المسلم ويكفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي عند الاحتياج) فلوله

قريب، فالأولى تركه لهم..... وليس للكافر غسل قريبه المسلم“ (الدر المختار).

” (ليس للكافر): أى إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم، فيتولى تجهيزه المسلم، ويكره أن يدخل

الكافر فى قبر قريبه المسلم ليدفنه“ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۰/۲، ۲۳۱، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۲/۲، ۳۳۵، رشيديه)

جنازہ کے ساتھ رفع صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ

سوال [۴۱۶۹]: ہر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے ساتھ چلنے والوں کو رفع صوت بالذکر مکروہ

ہے، اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی نے ملتقی سے روایت نقل کی ہے: ”عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه کرہ رفع

الصوت عند قراءة القرآن والجنائز والزحف والتذكير، اھ۔“ رد المحتار (۱)۔

اس کی تصریح کے بعد کسی علت کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

سوال [۴۱۷۰]: جنازہ کے ساتھ بلند آواز کے کلمہ شریف یا قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۰۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۸/۶، سعید)

”و یکرہ رفع الصوت بالذکر لما روی عن قیس بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: کان

أصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرہون الصوت عند القتال و عند الجنائز والذکر، ولأنه

تشبه بأهل الكتاب، فكان مکروهاً“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: الکلام فی حملہ:

۴۶/۲، رشیدیہ)

”و یکرہ رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن و غیرهما فی الجنائز“۔ (البحر الرائق، باب

الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۶/۲، رشیدیہ)

(۲) ”وعلى متبعی الجنائز الصمت، و یکرہ لهم رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن“۔ (الفتاویٰ

العالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنائز: ۱۶۲/۱، رشیدیہ)

”و یکرہ رفع الصوت بالذکر لما روی عن قیس بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: کان =

جنازہ سامنے رکھ کر اس پر سلام پڑھنا

سوال [۴۱۷۱]: جنازہ رکھ کر اس کے پاس کھڑے ہو کر سلام پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ رکھ کر اس کے گرد کھڑا ہو کر سلام پڑھنا ثابت نہیں نہ قرآن پاک میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ کتب فقہ میں، اس لئے یہ طریقہ قابل ترک ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عثیٰ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۶ھ۔

= أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يكرهون الصلوات عند القتال وعند الجنائز والذكر، ولأنه تشبه بأهل الكتاب، فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله: ۴۶/۲، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۶/۲، رشیدیہ)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۳/۲، سعید)

(۱) ”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد“۔ (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۷۷/۲، قديمی)
قال الملا على القارى رحمه الله تعالى تحته: ”من أحدث“: أى جدد وابتدع وأظهر واخترع ”فى أمرنا هذا“: أى فى دين الإسلام ”فهو“: أى الذى أحدثه ”رد“: أى مردودٌ عليه قال القاضى: المعنى: من أحدث فى الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب أو السنة سندٌ ظاهرٌ أو خفى، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: فى وصف الأمر ”بهذا“ إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهى، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لا يخفى على كل ذى بصرٍ وبصيرة، فمن حاول الزيادة فقد حاول أمراً غير مرضي؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۳۶۵/۱، ۳۶۶، (رقم الحديث: ۱۴۰)، رشیدیہ)

شروع میں جنازہ اٹھانے والے کو کھانا کھلانا

سوال [۴۱۷۲]: ہمارے یہاں یہ بات ضروری سمجھتے ہیں کہ جو شخص میت کے اہل خانہ کے علاوہ جنازہ کو شروع میں اٹھاتا ہے تو پھر اس کو کھانا کھلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر وہ شخص کھانا نہ کھائے تو اس کو گناہ سمجھتے ہیں، اور یہاں پر یہ بات بھی ہے کہ جب کسی کے یہاں میت ہو جاتی ہے تو محلہ کی عورتیں اس کے یہاں تھوڑا تھوڑا نانج لیکر آتی ہیں جس کو پھر شیخ یا کوئی فقیر اٹھا کر لے جاتا ہے۔ یہ بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بالکل بے بنیاد اور غلط چیز ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو باجہ اور نانچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا

سوال [۴۱۷۳]: زید کی ماں جس کی عمر ۸۰ سال ہو گئی، وہ انتقال کر گئی، ان کا جنازہ پیر بھائیوں کے انتظار

۲۴/ گھنٹے روکا گیا، اس کے بعد اس میت کو گھر سے قبرستان تک انگریزی باجوں کے ساتھ نانچ کراتے ہوئے منزل دے کر لے جایا گیا، زید کا قول ہے کہ یہ ہر وقت میں جائز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قبر میں شجرہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر بھائیوں کے انتظار میں ۲۴/ گھنٹے نعش روکنا (۲) اور نانچ باجے کے ساتھ قبر تک لے جانا شرعاً غلط

(۱) ”بدعة: وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم بنوع

شبهة“ (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وأيضاً راجع المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) ”عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول:

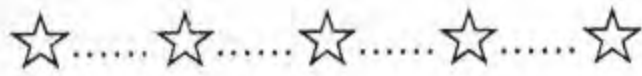
”إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره“، الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان“.

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۱۴۹، قدیمی)

قال القاری: ”فلا تحبسوه“: أي لا تؤخر دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام: يستحب =

ہے اور معصیت کبیرہ ہے (۱) اس کو علی الاعلان توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے (۲)۔

قبر میں میت کے ساتھ شجرہ رکھنا ثابت نہیں، اس میں مظنہ ہے کہ میت کے جسم سے کچھ مواد نکلے جس سے وہ شجرہ بھی ملوث ہو جائے اس لئے شجرہ بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۴ھ۔



= الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت ”(وأسرعوا به إلى قبره)“ هو تأكيد وإشارة إلى سنة الإسراع في الجنازة“. (مرقاۃ المفاتیح، باب دفن الميت: ۱۹۷/۴، رقم الحديث: ۱۷۱۷، رشیدیہ)

(۱) ”و أما الرقص والتصفيق والصريخ و ضرب الأوتار والضنج والبوق الذي يفعل بعض من يدعى التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها ذى الكفار، كما فى سكب الأنهر“۔ (حاشية الطحطاى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۱۹، قديمی)

(و كذا فى ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات: ۲۲۳/۴، غفاريہ كوئٹہ)

(و كذا فى الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى اللبس: ۳۴۹/۶، سعيد كراچی)

(۲) ناچ، مزامیر وغیرہ حرام اور معصیت ہیں اور یہ کہنا کہ: ”ہر وقت میں جائز ہے“ ایسے الفاظ گناہ کو خفیف سمجھ کر کہنے کو فقہائے کرام نے الفاظ کفر میں شمار کیا ہے: ”و منها أن استحلال المعصية صغيرة كانت أو كبيرة كفر، إذا ثبت كونها معصية بدلالة قطعية، وكذا الاستهانة بها كفر، بأن يعدها هيئة سهلة، ويرتكبها من غير مبالاة بها، ويجريها مجرى المباحات فى ارتكابها“۔ (شرح الفقه الأكبر للقارى، مطلب: استحلال المعصية اه: ص: ۱۵۲، قديمی)

اور ایسے الفاظ کے ارتکاب سے سلب ایمان کا خطرہ ہونے کی بنا پر توبہ واستغفار اور احتیاطاً تجدید نکاح ضروری ہے: ”ثم ان كانت نية القائل الوجه الذى يوجب التكفير، لا ينفعه فتوى المفتى، و يؤمر بالتوبة و الرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته“۔ (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فى إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فى البغاة: ۲۸۳/۲، رشیدیہ)

الفصل الخامس فيما يتعلق بالقبر والدفن (قبر اور دفن کا بیان)

قبر کھودنے کا مشروع طریقہ

سوال [۴۱۷۲]: قبر کھودنے کا مسنون طریقہ کون سا ہے؟ ایک صورت یہ ہے کہ میت کی مقدار یا اس سے کچھ زائد حساب سے قبر تھمنا..... کھود کر پھر اس کے درمیان میں اور ایک حفیرہ نصف قد یا زائد کھودتے ہیں اور اس میں نعش رکھ کر حصہ اولیٰ میں بانس رکھ کر مٹی ڈالتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے دیس میں صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اولاً نصف قد یا اس سے زائد قبر کھودے اور پھر نیچے ایک حفیرہ تنگ کھودے جس میں مردہ کو رکھ دیا جائے اور بانس ایک دم متصل ڈالے کہ میت کونہ لگے، معمولی فاصلہ پر بانس ڈالے، یہ دونوں صورتیں جو لکھی گئی ہیں..... صندوقی قبروں کی ہے، کیونکہ ہمارے ملک میں مٹی اکثر نرم ہوتی ہے، بغلی قبر نہیں کھودی جاتی۔ اب سوال یہ ہے کہ شریعت میں قبر صندوقی کی کون سی صورت مسنون ہے؟ برائے کرم تفصیل سے جواب مدلل دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری صورت سنت ہے، یعنی قبر کے اوپر کا حصہ ایک قامت یا نصف قامت ہو اس کے بعد پھر ایک حفیرہ ہو جس میں میت کو بسہولت لٹا دیا جائے اور جو تختہ یا بانس وغیرہ اس پر رکھا جائے جو میت کے حق میں چھت کے درجہ میں ہے وہ میت کے جسم سے مس نہ کرے، پھر جب مٹی ڈالی جائے گی وہ مٹی اوپر کے حصہ میں آجائے گی اور جو مٹی حفیرہ سے نکلی تھی وہ زمین سے اوپر بشکل قبر رہے گی جس سے قبر ڈیڑھ دو بالشت اونچی رہے گی، زیادہ اونچی نہیں رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۱ھ۔

(۱) ”(و حفر قبره) فی غیر دار (مقدار نصف قامۃ)، فإن زاد فحسن (ویلحد ولا یشق)“۔ (الدر المختار)۔ =

قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں

سوال [۴۱۷۵]: قبر کھودنے کی کتنی شکلیں ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلی قبر ہے؟ آیا بغلی قبر اس طرح سے ہوتی ہے کہ مردہ کی لمبائی کے مطابق قبر کھودی جاتی ہے اور اس قبر کی بغل میں ایک گڈھا کھود دیا جاتا ہے اور مردہ کو اس میں رکھنے کے بعد اس طرح سے اس کو بند کر دیتے ہیں کہ مردہ نہ تو اس میں بیٹھ سکتا ہے اور نہ کروٹ ہی لے سکتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے مردہ کو دفن کرنا درست ہے؟ میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ”مردہ کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب قریب غروب ہے، پس مردہ بیٹھتا ہے اور اپنی دونوں آنکھیں ملتا ہے گویا کہ ابھی خواب سے اٹھا ہے، الخ“۔ تو اس صورت میں حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا یہ طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے اور جہاں بغلی نہ بن سکتی ہو، شق بھی درست ہے، وہ اس طرح کہ قد کے برابر گہری قبر کھود کر کچھ حصہ اس میں ایسا بنایا جائے جس میں میت کو رکھا جائے اور اس پر تختی یا بانس رکھ کر بور یہ وغیرہ ڈال کر مٹی ڈال دی جائے، میت کا جسم بانس اور تختوں کو نہ لگے (۱)۔ یہ بات صحیح ہے کہ قبروں پر فرشتے آ کر

= ”(قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعید)

”والسنة هو اللحد دون الشق، وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيه الميت..... وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته، كذا في المصمرات“۔ (الفتاوى العالمگیریة، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۸/۲، رشیدیہ)

(۱) ”وحفر قبره في غير دار مقدار نصف قامته، فإن زاد فحسن“، (ويلحد ولا يشق) إلا في أرض رخوة“۔

(الدر المختار)۔ ”قوله: مقدار نصف قامته“: أو إلى حد الصدر وإن زاد إلى مقدار قامته، فهو أحسن

..... قوله: ويلحد؛ لأنه السنة وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع =

میت کے اندر روح داخل کر کے اس کو بٹھاتے ہیں، مگر وہاں کی مٹی وغیرہ اس کے حق میں ایسی ہو جاتی ہے جیسا پانی کہ آدمی حوض میں اپنا ہاتھ داخل کرتا ہے، پانی ہونے کے باوجود ہاتھ اس میں سہولت سے پہنچ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اسی طرح مردہ بھی سہولت کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جیسا کہ ”حادی الارواح“ میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

قبر کی گہرائی

سوال [۴۱۷۶]: قبر میت کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اس قدر گہری ہونی چاہئے کہ مردہ بیٹھ سکے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ تختے سے نیچے ایک فٹ ہو یا اس سے بھی کم؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ میت کو رکھا جائے وہ تو اتنی گہری کافی ہے کہ تختہ کونہ لگے، البتہ اوپر کا حصہ ایک قد یا نصف قد کے برابر ہونا چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

= فیہا المیت، ویجعل ذلک کالبيت المسقف، حلیۃ: (قولہ: ولا یشق)، وصفته: أن یحفر فی وسط القبر حفیرۃ، فیوضع فیہا المیت۔ (ردالمحتار، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)
(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الصلوۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیہ)
(۱) ”وینبغی أن یکون مقدار عسق القبر إلى صدر الرجل وسط القامة و.....
طول القبر على قدر الإنسان وعرضه قدر نصف قامته۔“ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

”(وحفر قبره) فی غیر دار (مقدار نصف قامته) فإن زاد فحسن“ (الدرالمختار، باب صلوۃ الجنائز: ۲/۲۳۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیہ)

قبر کتنی گہری ہونی چاہیے؟

سوال [۴۱۷۷]: بعض ملکوں میں قبر اس طرح سے کھودی جاتی ہے کہ اس کی گہرائی ڈیڑھ یا دو گز ہوتی ہے اور اگر اس کی سیڑھی دو یا تین انچ زمین کے بالائی حصہ سے نیچے بنائی جاتی ہے تاکہ اس پر رکھ کر مٹی سے قبر برابر کر دی جائے۔ اب جواب طلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت شق میں داخل ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس قسم کی قبر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ لحد اور شق کے علاوہ بھی کوئی صورت شریعت میں بتائی گئی ہے؟ نیز شق کی تعریف کیا ہے؟ اور قبر شرعی کتنی کھودی جائے اور شق کی صورت پر تختہ یا بانس میت سے کتنا اوپر رکھا جائے؟

بینو ابالکتاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قبر بنانا خلاف سنت ہے، یا میت کیلئے لحد بنائی جائے یعنی قبر کھود کر جانب قبلہ میں ایک دوسرا گڈھا جسم میت کے مناسب بنایا جائے کہ اس میں میت کو داخل کر کے کچی اینٹیں اس پر لگادی جائیں، اگر زمین نرم ہو تو پھر شق بنادی جائے اس طرح کہ قبر کھود کر درمیان قبر میں ایک اور گڈھا جسم میت کے مناسب بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر بانس وغیرہ رکھ دیا جائے اور مٹی کے ڈھیلوں سے کچی اینٹوں اور بانس کے ذریعہ سوراخوں کو بند کر دیا جائے، یا اس پر بوریا ڈال دیا جائے۔

قبر قد کے برابر گہری ہونی چاہئے یا سینہ تک یا کم از کم نصف قد تک ہو، اس سے کم نہ ہو اور بانس وغیرہ میت سے صرف اس قدر اوپر ہو کہ جسم میت سے الگ رہے متصل نہ ہو جائے، زیادہ اونچائی کی ضرورت نہیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، زمین کے نرم اور تر ہونے کے وقت تابوت بھی درست ہے، اگر بستی وغیرہ میں کسی کا انتقال ہو جائے اور خشکی قریب نہ ہو تو غسل، کفن اور صلوٰۃ کے بعد دریا میں غرق کر دیا جائے۔ بعض صحابہ نے بغیر شق اور لحد کے بھی اپنے دفن کی وصیت فرمائی ہے:

”یحفر القبر نصف قامۃ أو إلى الصدر ولمن یزد کان حسناً، اھ۔ فی الحجۃ: روی الحسن بن زیاد عن الإمام رحمہ اللہ تعالیٰ: قال: طول القبر علی قدر طول الإنسان وعرضہ قدر نصف قامۃ؛ لأنه أبلغ فی حفظ المیت من السباع وحفظ الرائحة من الظهور. ویلحد فی أرض صلبة، وهو حفیرة تجعل فی جانب القبلة من القبر یوضع فیہا المیت، ینصب علیہا اللبن.

ولا يشق بحفيرة في وسط القبر يوضع فيها الميت بعد أن يبنى حافته باللبن أو غيره، ثم يوضع الميت بينهما، ويسقف عليه باللبن أو الخشب، ولا يمس السقف الميت إلا في أرض رخوة، فلا بأس به فيها، ولا باتخاذ التابوت، وأوصى كثير من الصحابة أن يرموا في التراب من غير لحد ولا شق. وقال: ليس أحد جَنَبِيَّ أولى بالتراب من الآخر - بتغيرات - مات في سفينة، غسل وكفن وصلى عليه وألقى في البحر إن لم يكن قريب من البر. مراقى الفلاح مع الطحطاوى، ص: ٣٨٤ (١) - درمختار: ١/٩٣٤ (٢) - والله سبحانه وتعالى أعلم -

حرره العبد محمود كنكوي عفى الله عنه، معين مفتي مدرسه مظاهير علوم سهارنپور، ١٣/١/٦٠ هـ -
الجواب صحیح: سعید احمد غفر له، صحیح: عبد اللطيف، ١٣/١/محرم ٦٠ هـ -

(١) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ٦٠٤، ٦٠٨، ٦١٣ قديمي)

”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ”اللحد لنا والشق لغيرنا“. (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم: ”اللحد لنا والخ“: ٢٠٢/١، سعيد)

(٢) ”(وحفر قبر) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن، (ويلحد ولا يشق) إلا في أرض رخوة (ولا بأس باتخاذ التابوت) ولومن حجر أو حديد (له عند الحاجة) كرخاوة الأرض ويسن أن يفرش فيها التراب. مات في سفينة، غسل وكفن وصلى عليه وألقى في البحر، الخ“. (الدر المختار).

”قوله: مقدار نصف قامة) أو إلى حد صدر، وإن زاد إلى مقدار (قامة فهو أحسن) (قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف، حلية. (قوله: ولا يشق) وصفته أن يحفر في وسط القبر حفيرة، فيوضع فيها الميت“. (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ٢/٢٣٣، سعيد)

(كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ١/١٦٥، ١٦٦، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ٢/٣٣٨، رشيديه)

کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟

سوال [۲۱۷۸]: یہ جو مشہور ہے کہ قبر اس قدر گہری ہونی چاہیے کہ فرشتہ جب سوال کرنے کیلئے آئیں تو مردہ بیٹھ سکے اس کے سر پر نہ لگے۔ اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا اوپر کا حصہ تو سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر ہونا چاہیے اور جس جگہ میت کو رکھا جاتا ہے وہ جگہ اتنی گہری ہو کہ قبر کا تختہ اس کے جسم سے نہ لگے، تقریباً دو بالشت کے قدر گہری ہو تو تختہ میت کے جسم سے نہیں لگے گا۔ میت کو قبر میں دفن کرتے وقت نہ فرشتوں کے آنے کی جگہ رکھنے کی ضرورت ہے نہ میت کے بیٹھنے کی ضرورت ہے، جب فرشتے آئیں گے وہ خود بٹھانے کی جگہ کر لیں گے اور قبر کی مٹی میت کے حق میں پانی کی طرح نرم ہو جائے گی جیسا کہ حادی الارواح میں درج ہے:

”ويحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر، وإن زاد كان حسناً. في الحجة: روى الحسن ابن زياد عن الإمام أنه قال: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة، ٥٠. يوضع الميت فيها، ويسقف عليه باللبن أو الخشب، ولا يمس سقف الميت“. طحطاوی، ص: ۳۳۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب احکام الجنائز، فصل فی حملہا ودفنہا، ص: ۶۰۷، قدیمی)

”(وحفر قبره) فی غیر دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن“. (الدر المختار). وفي ردالمحتار: (قوله: مقدار نصف قامة) أو إلى حد الصدر، إن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن..... وطوله على قدر طول الميت، وعرضه على قدر نصف طوله“. (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت، ۲/۲۳۴، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیہ)

قبر کے صندوق کی گہرائی

سوال [۴۱۷۹]: قبر کے صندوق کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ويحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر ولمن يزد كان أحسن؛ لأنه أبلغ في الحفظ، اهـ.“ مراقی الفلاح: ۱/۳۳۳ (۱)۔ قبر کا صندوق کم از کم نصف قبر کے برابر گہرا ہونا چاہیے، سینہ کے برابر گہرا ہو تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں لحد کی جہت

سوال [۴۱۸۰]: قبروں میں جو عموماً لحد قبلہ کے اقرب جانب کھودی جاتی ہے بضرورت یا بلا ضرورت اُبعد جانب کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب یہ ہے کہ لحد جانب قبلہ میں ہو: ”وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت.“ شامی (۲)۔ لیکن اگر میت کو جانب قبلہ کے خلاف میں (غفلت یا کسی عذر

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فی دفنها وحملها، ص: ۲۰۷، قدیمی

”(وحفر قبره) فی غیر دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن.“ (الدر المختار). (کتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۲۳۴ سعید)

”واختلفوا فی عمق القبر: فقیل: قدر نصف القامة، وقیل: إلى الصدر، وإن زادوا فحسن.“ (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، سعید)

”وهو أن يحفر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، يوضع فيها الميت، ويجعل ذلك =

سے) رکھ دیا اور مٹی ڈال دی گئی تو پھر قبر کھود کر اصلاح کی ضرورت نہیں: ”ولو وضع الميت لغير القبلة أو على شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجله، وأهيل عليه التراب، لم ينبش“. عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی؟

سوال [۴۱۸۱]: بغلی قبر کھودنا اچھا ہے یا درمیانی؟ ہم لوگ اکثر درمیانی قبر کھودتے ہیں۔

کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا:

بغلی قبر بنانا افضل ہے درمیانی بنانا بھی جائز ہے، کذا فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۳ھ۔

= کالیت المسقف“. (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ:

۳۳۸/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس

فی الدفن والنقل الخ: ۱/ ۱۶۵، رشیدیہ)

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی

الدفن والنقل الخ: ۱/ ۱۶۷، رشیدیہ)

”وإذا دفن الميت مستدبر القبلة وأهالو التراب عليه، فإنه لا ينبش لجعل مستقبل القبلة“.

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۹/۲، رشیدیہ)

”(قوله لا ينبش لوجه إليها): أي لو دفن مستدبراً لها وأهالو التراب، لا ينبش؛ لأن التوجه إلى

القبلة سنة والنبش حرام“. (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/ ۲۳۶، سعید)

(۲) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ”اللحد لنا، والشق لغيرنا“. (جامع

الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”اللحد لنا“ الخ: ۱/ ۲۰۲، سعید)..... =

میت کو تابوت میں رکھنا

سوال [۴۱۸۲]: قبر میں پانی آجانے یا مٹی کے خراب ہونے کی وجہ سے تختے کسی طرح نہیں رکتے، ایسی حالت میں اندر کی دیوار پختہ اینٹ سے بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر کیا شکل کرے؟

الجواب حامد أو مصلیاً:

لکڑی کا صندوق بنوا کر اس میں میت کو رکھ کر قبر میں رکھ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کرنا

سوال [۴۱۸۳]: یہاں انگلستان میں حکومت کا قانون ہے کہ میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کیا جائے، تو کیا ہم مسلمانوں کیلئے بھی ایسا کرنا جائز ہوگا اور اگر حکومت کی اجازت نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

= ”(ویلحد و لا یشق) إلا فی رخوة“۔ (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۴/۲، سعید)

”(ویحفر القبر ویلحد) لحديث صاحب السنن واستحسنوا الشق فيما إذا كانت الأرض رخوة لتعذر اللحد“۔ (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۸/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۲۵، رشیدیہ)

(۱) ”ولا بأس باتخاذ تابوت له عند الحاجة كرخاوة الأرض“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۴/۲، ۲۳۵، سعید)

”و حکى عن الشيخ الإمام أبى بكر بن محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: ”أنه جوز اتخاذ التابوت فى بلادنا لرخاوة الأرض، الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۲۶، رشیدیہ)

”وإن تعذر اللحد، فلا بأس بتابوت يتخذ للمیت، لكن السنة أن يفرش فيه التراب“۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۸/۲، رشیدیہ)

الجواب حامد أو مصلياً:

اگر قبر کی زمین نرم یا تر ہو تو صندوق میں میت کو رکھ کر دفن کرنا درست ہے بلا ضرورت مکروہ ہے:

”ولا بأس باتخاذ تابوت وعند الحاجة لرخاوة الأرض: أي يرخص ذلك عند الحاجة، وإلا كره.“ در مختار (۱)۔ قانون کی مجبوری معذوری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو قبر میں رکھنے کی صورت

سوال [۴۱۸۴]: مندرجہ ذیل مسائل میں علماء کی کیا رائے ہے، مع دلائل بیان فرمائیں:

(الف): ”إذا احتضر الرجل وجهه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتباراً بحال الوضع في القبر؛ لأنه أشرف عليه، والمختار في بلادنا الاستلقاء؛ لأنه أيسر لخروج الروح، والأول هو السنة، كذا في الهداية“۔ (۲)۔

(ب): ”يوجه المحتضر إلى القبلة على يمينه، وهو السنة، وجاز الاستلقاء على ظهره وقد ماہ إليها، وهو المعتاد في زماننا، لكن يرفع رأسه قليلاً ليتوجه إلى القبلة“۔ كذا في الدر المختار، باب صلوة الجنائز (۳)۔

..... عبارت مذکورہ بالا میں معنی اور مطلب کی رو سے کوئی فرق و تدافع ہے یا نہیں آیا، ہر دو عبارت کا مطلب ایک ہی ہے یا کچھ فرق ہے؟ اگر فرق ہو تو اس کی توضیح کر کے بیان فرمائیں۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، سعید)

”وإن تعذر اللحد، فلا بأس بتابوت يتخذ للميت، لكن السنة أن يفرش فيه التراب“۔ (البحر

الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۳۳۸/۲، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۲) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۷۸، مكتبة شركة علمیه، ملتان)

(۳) (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۱۸۹، سعید)

۲..... عبارت درمختار ”ینبغی کونہ علی شقہ الأيمن“ میں لفظ ”ینبغی“ سے کیا ثابت ہوتا ہے وجوب یا سنت یا ندب، اور جو کچھ بھی ثابت ہو تو وہ متفق علیہ یا مختلف فیہ؟ اور اس کے خلاف عمل کرنے سے کیا وعید لازم آئے گی اور ”وضع علی شقہ الأيمن“ کی کیا صورت ہے، آیا شق الأيمن زمین کے متصل ہو اور شق الأيسر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہو، مثل دیوار کے، کیسی صورت ہونی چاہیے؟

۳..... جب مردہ کو علی شقہ الأيمن رکھنا سنت ہے تو ہندوستان وغیرہ کے بعض بلاد میں زمین نرم ہونے کی وجہ سے یا جواز کی بناء پر میدانی قبر کھودی جاتی ہے اور اس کے درمیان میں میت کو رکھنے کیلئے ہاتھ بھر یا اس سے چوڑا اس کیلئے کھودا جاتا ہے۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب چھوٹی سی نالی کھود کر سنت کی بناء پر کروٹ پر مردہ کو رکھ سکتے ہیں تو کیوں یہ چوڑا کڑھا کھود کر تکلیف اٹھائی اور سنت چھوڑ کر جہل کی طرف چلے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کوئی تدافع نہیں ہے، علامہ شامی نے درمختار کی تائید میں ہدایہ کی عبارت پیش کی ہے (۱)۔

۲..... سنت ہے: ”وذكر في المحيط: الاضطجاع للمريض أنواع: أحدها في حالة الصلاة، وهو أن يستلقي على قفاه. والثاني: إذا قرب من الموت أن يضطجع على الأيمن، واختير الاستلقاء. والثالث في حالة الصلوة على الميت تضجع على قفاة معترضاً للقبلة. والرابع في اللحد يضطجع على شقه الأيمن، ووجه إلى القبلة، هكذا توارث السنة“ (۲)۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نظر سے نہیں گذرا، بلا عذر قصد خلاف سنت کرنا موجب حرمان شفاعت

(۱) ”(قوله: وجاز الاستلقاء) اختاره مشايخنا بما وراء النهر؛ لأنه أيسر لخروج الروح“۔ (رد المحتار،

كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱۸۹/۲، سيعد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲۹۹/۲، رشیدیہ)

”قال محمد رحمه الله تعالى في الجامع الصغير أيضاً: ويوجه المريض القبلة كما يوجه القبلة في اللحد، وأراد به المريض الذي قرب موته حيث أمر أن يفعل به ما يفعل بالميت، وهذا لأنه في معنى تلقين الميت، قال عليه السلام: ”لقنوا موتاكم“، وأراد به الذي قرب موته. واختار أهل بلادنا الاستلقاء، فإنه أسهل لخروج الروح“۔ (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض، ۲۶۹/۲، مكتبة غفاريہ)

وباعث عتاب ہے (۱)۔

”وضع علی شقه الأيمن“ کی صورت یہ ہے کہ شق ایسر زمین سے متصل رہے اور شق ایمن آسمان کی طرف مائل بمشرق رہے اور میت کو مشرقی حصہ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ کی جانب ہو جائے:

”ويوضع في القبر على شقه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة“.

عالمگیریہ (۲)، ہکذا فی الخانیۃ (۳) وغیرہا من کتب الفقہ۔

۳..... جسم سے جو کچھ زائد عرض میں قبر کھودی جاتی ہے اور بالکل جسم کے مساوی نہیں کھودی جاتی وہ اس وجہ سے کہ میت کو اس میں رکھنے میں سہولت رہے کیونکہ دو تین آدمی قبر میں اولاً اترتے ہیں ان کے کھڑے ہونے کیلئے بھی جگہ کی ضرورت ہے، اگر وہ جگہ زائد نہ رکھی جائے تو بجز اس کے کہ میت کو اوپر ہی سے چھوڑ

(۱) ”ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام، ويستحق حرمان الشفاعة، لقوله عليه السلام: ”من ترك سنتي لم ينل شفاعتي“ (رد المحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها: ۱۰۴/۱، سعید)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۶۲، قدیمی)

(۲) (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، فى الدفن الخ: ۱۶۶/۱، رشیدیہ)

(۳) ”ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة“ (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمگیریة، كتاب الصلاة، باب فى غسل الميت وما يتعلق به الخ: ۱۹۳/۱، رشیدیہ)

”وضع علی شقه الأيمن“ میں کروٹ دینے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے، خطائے کاتب-کہ کاتب نے بجائے ”ایمن“ کے ”ایسر“ اور بجائے ”ایسر“ کے ”ایمن“ لکھا ہے-کی بناء پر بظاہر عام عبارات کے خلاف ہے، کیونکہ اگر میت کو شق ایسر پر رکھ کر شق ایمن آسمان کی طرف مائل کیا جائے تو اس صورت میں استقبال قبلہ ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ اور خطائے کاتب پر حضرت مفتی صاحب کے دو جملے دلالت کرتے ہیں: ایک جواب نمبر: ۲، میں جملہ: ”اور میت کو مشرقی حصہ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ جانب ہو جائے“ اور دوسرا جواب نمبر: ۳، میں جملہ: ”اس لئے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شق ایسر کو آسمان کی طرف کر دینا اور شق ایمن کو ارض کی جانب کر دینا..... اھ“۔

لہذا میت کی شق ایمن کو زمین کے ساتھ لگا کر شق ایسر کو آسمان کی طرف مائل کر دیا جائے۔

دیا جائے، بلکہ اس نالی میں ٹھوس دیا جائے، کوئی صورت نہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے سے قبل بحالت استلقاء ہوتی ہے اس لیے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شق ایسر کو آسمان کی طرف کر دینا اور شق ایمن کو عرض کی جانب کرنا ہاتھ میں لئے ہوئے مشکل ہے۔

پھر اوپر سے چھوڑنے اور ٹھونسنے میں احترام باقی نہیں رہتا بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے، اس لیے کچھ زائد قبر چوڑی بنائی جاتی ہے تاکہ اتارنے اور رکھنے میں سہولت رہے، بخلاف لحد کے کہ زائد کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جس وقت جانب قبلہ لحد میں داخل کیا جاتا ہے اس وقت ہی خود بخود اس کی ہیئت مسنونہ ہو جاتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۱/۱/۶۰ھ۔

جوابات صحیح ہیں۔

حدیث میں: ”أوسعوا وأعمروا“ بھی آیا ہے (۲) اس لئے چھوٹی نالی کھودنا خلاف سنت متوارثہ اور حدیث ”أوسعوا“ کے خلاف ہوگی۔
سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۰ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

(۱) الحدیث بتمامہ: ”عن هشام بن عامر قال: جاء ت الأنصار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد فقالوا: أصابنا قرح وجه فكيف تأمرنا؟ قال: ”احفروا، وأوسعوا“۔ الحدیث۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی تعمیق القبر، ۲/۱۰۲، ۱۰۳، امدادیہ، ملتان)

”(وحفر قبره) فی غیر دار (مقدار نصف قامه) فإن زاد فحسن الخ“۔ (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۳، سعید)

”ومقدار عمق القبر قدر نصف قامه..... إلى صدر الرجل أو وسط القامة، فإن زاد وافهوا أفضل، وإن عمقوا مقدار قامه، فهو أحسن الخ“۔ (الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، السادس فی الدفن الخ، ص: ۵۹۶) سہیل اکیڈمی

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۲) (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی تعمیق القبر: ۲/۱۰۲، ۱۰۳، امدادیہ، ملتان)

میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ

سوال [۴۱۸۵]: میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شمال کی طرف سر، جنوب کی طرف پیر، دہنی کروٹ قبلہ کی طرف چہرہ ہو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۰ھ۔

طریق مشروع کے خلاف میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈالنا

سوال [۴۱۸۶]: مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے کرام کی کیا رائے ہے؟

مشہور و دیگر چند مقامات پر عرصہ داز سے یہ رواج ہے کہ میت کو قبر میں اتار کر اس کے کفن اور جسم پر ہی مٹی ڈال دی جاتی ہے، اس کا پورا امکان ہے کہ..... مٹی کے نیچے دب کر چند دن میں ہی نعش بگڑ جاتی ہے اور عوام دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی میں مل جاتا ہے اس لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر بہت سے حضرات کو میت کے ساتھ اس سلوک میں احترام میت کے خلاف ایک انسانیت سوز حرکت نظر آتی ہے۔ اس بارے میں شریعت حقہ کی کیا ہدایت ہے؟ امید ہے کہ جلد سے جلد سے جواب با صواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ خلاف شریعت بھی ہے (۲)، میت کو دفن کرنے کی صورت حدیث، فقہ سے جو ثابت ہے وہ یہ

(۱) ”(ووجه إلیہا) وجوباً، وینبغی کونہ علی شقہ الأیمن، ولاینبش لیوجہ إلیہا“۔ (الدر المختار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۵، ۲۳۶، سعید)

” (ووجه إلی القبلة) بذلک أمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویكون علی شقہ الأیمن الخ“۔
(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیہ: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۲) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا =

ہے کہ قبر بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور اس طرح مٹی ڈالی جائے کہ میت پر نہ پڑے، اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ لحد بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور کچی اینٹیں لگا دی جائیں تاکہ میت لحد میں محفوظ ہو جائے، پھر مٹی ڈال دی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شق بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر تختہ رکھ کر میت کو محفوظ کر دیا جائے پھر مٹی ڈالی جائے، غرض میت پر مٹی نہ ڈالی جائے۔ مسئلہ جب شریعت میں منصوص ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا اور ایسی علت تجویز کرنا جس سے نص ہی بے عمل رہ جائے جائز نہیں، غلط ہے خلاف اصول ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حرہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۲ھ۔

قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا

سوال [۴۱۸۷]: جنازہ قبر میں رکھنے کے بعد بند تینوں کھول دیئے جائیں، نیز میت کا چہرہ بطرف قبلہ

= مالیس منه، فہورد۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحو اعلیٰ صلح جور، فہومردود: ۳۷۰/۱، قدیمی)

”وعرفها الشمنی بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قوياً وصراطاً مستقيماً“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة ۵۶۰/۱ سعید)

(۱) ”والسنة هو اللحد دون الشق، كذا في محيط السرخسی. وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيه الميت، كذا في المحيط، ويجعل ذلك كالبيت المسقف، كذا في البحر الرائق. فإن كانت الأرض رخوة، فلا بأس بالشق، كذا في فتاوى قاضى خان. صفة الشق أن تحفر حفيرة كالنهر وسط القبر، ويبنى جانباه باللبن وغيره، ويوضع الميت فيه ويسقف..... ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة. وتحل العقدة، ويسوى اللبن والقصب لا الآجر والخشب، ويسجى قبرها لا قبره، ويهال التراب“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۵، ۱۶۶ رشیدیہ)

(و كذا فى الدر المختار مع رد المختار، باب الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعید)

کر دینا بس ہے یا تمام جسم کی کروٹ دلا دی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تینوں بند کھول دیئے جائیں، تمام جسم قبلہ کی طرف کروٹ دیدیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر میں میت کو کروٹ دینا

سوال [۴۱۸۸]: قبر میں مردہ کو چپٹ لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے یا اس کو قدرے دہنی کروٹ پر کر دیا جائے کہ پورا رخ قبلہ کی طرف ہو جائے، کوئی صورت بہتر ہے؟
قدرت اللہ، امکانی انڈونیشیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو کروٹ دے کر قبلہ رخ کیا جائے، صرف چہرہ قبلہ کی طرف پھرانے پر کفایت نہ کی جائے (۲)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں میت کو قبلہ رو کرنا

سوال [۴۱۸۹]: قبر میں بائیں طرف مٹی ڈال کر میت کو ایک طرف اٹھایا جائے تاکہ رخ قبلہ کی طرف ہو جائے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں میت کو دائیں کروٹ کچھ دے دی جائے کہ جس سے چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے خواہ مٹی کا سہارا

(۱) "ویوضع فی القبر علی جنبہ الأيمن مستقبل القبلة، وتحل العقدة الخ". (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)
"(و) يستحب، أن (یدخل من قبل القبلة ویوجه إليها) وجوباً، وینبغی کونه علی شقه الأيمن، ولا ینبش لیوجه إليها (وتحل العقدة) الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۶، سعید)
(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۲) (راجع، ص: ۶۱، رقم الحاشیة: ۱)

دے کر خواہ قبر ہی کی دیوار سے سہارا دے کر، اور یہی صورت بہتر ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟

سوال [۴۱۹۰]: میت کو کس طرح لٹایا جائے اور پاؤں کی سمت کونسی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں میت کو اس طرح لٹایا جائے کہ سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف ہو (۲)۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء

سوال [۴۱۹۱]: مٹی دیتے وقت کوئی مسنون دعاء ہو تو تحریر فرما دیجئے۔

(۱) ”ویوجه إليها وجوباً، وينبغي كونه على شقة الأيمن“. (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعید)

”ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة“. (كتاب الصلوة، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۲) جب کہ میت کو قبر میں رکھ کر دایاں کروٹ دیا جاتا ہے کہ شق اُیمن زمین سے لگی ہو اور شق اُیسر آسمان کی طرف ہو کر قبلہ رو کیا جاتا ہے، اسی صورت میں لازمی طور پر سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف ہوتے ہیں: ”ویوجه إليها وجوباً وينبغي كونه على شقه الأيمن“. (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعید)

”ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة“. (الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب الصلوة،

الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶ رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلياً:

﴿منها خلقناكم، وفيها نعيدكم، ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾ (۱)۔ فقط۔

حرره العبد محمود غفر له، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۴۱۹۲]: شوہر کی حیات میں اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو مرحومہ حلقہ شوہریت سے نکل

جاتی ہے یا نہیں اور مرد کا کچھیت نامحرم ہونا درست ہے یا نہیں؟ نیز حقیقی محرم جیسے باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کی موجودگی میں شوہر مذکور مرحومہ کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انتقال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے (۲) ہاتھ نہیں لگا سکتا، البتہ دیکھنا درست ہے (۳)۔ جب محرم باپ

(۱) "قال في الجوهرية: ويقول في الحثية الأولى ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۷، سعيد)
"ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو في قبره ثلاثاً..... ويقول: في الحثية الأولى: ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيدية)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

(۲) "إذامات، فلا يغسلها لانتهاه ملك النكاح لعدم المحل، فصار أجنبياً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۹، سعيد)

"إذامات المرأة حيث لا يغسلها الزوج؛ لأن هناك انتهى ملك النكاح لانعدام المحل، فصار الزوج أجنبياً الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان فيمن يغسل: ۲/۳۳، رشيدية)
(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۶۰۴، سهيل اكيڈ مى)

(۳) "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لامن النظر إليها على الأصح". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۱۹۸، سعيد)

بھائی وغیرہ موجود ہوں تو وہ مقدم ہیں، وہی قبر میں اتاریں، شوہر کو بھی اتارنا اور جنازہ کو ہاتھ لگانا درست ہے (۱)۔

عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا

سوال [۴۱۹۳]: عورت کی قبر میں غیر محرم مرد دفنانے اتر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ محرم قبر میں میت کو رکھنے کیلئے اترے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رکھتے وقت کفن کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے اور میت کے جسم پر ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر محرم نہ ہو تو پھر دوسرے اہل دیانت و تقویٰ اس کو قبر میں رکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت لانگ باندھنا

سوال [۴۱۹۴]: میت کو قبر اتارتے وقت لانگ باندھنا ضروری سمجھتے ہیں، زنانی میت کیلئے اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، تہبند باندھے ہوئے میت کو قبر میں اتارنے کو بے پردہ سمجھ کر ناجائز کہتے ہیں، موافق شرع شریف خلاصہ تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناف سے گھٹنوں کا حصہ تک چھپانا ضروری ہے، اس کو کسی کے سامنے کھولنا منع ہے، جو کپڑا اتنا حصہ (ناف سے گھٹنوں تک) چھپالے اس کو باندھ کر میت کو قبر میں رکھنا بالکل درست ہے، لانگ (۳) باندھنے میں کچھ حصہ

(۱) "وذو الرحم المحرم أولى بإدخال المرأة من غیرهم، کذا فی الجوہرۃ النيرة. وکذا ذو الرحم غیر المحرم أولى من الأجنبی، فإن لم یکن فلا بأس للأجانب وضعها، کذا فی البحر الرائق". (الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن اھ: ۱/۲۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، فصل: السلطان أحق بصلاته، تحت قول الكنز: ویقول واضعه باسم الله اھ:

۳۳۹/۲، رشیدیہ)

(۲) (راجع الحاشیۃ السابقۃ)

(۳) "لانگ: دھوتی کا وہ حصہ جو آگے لٹکتا رہتا ہے اور جسے پیچھے کی طرف اڑس لیتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، اردو تحت لفظ "ل"

ص: ۱۱۴۵، فیروز سنز لاہور)

گھٹنوں یا ران کا کھل ہی جاتا ہے، اس لئے خیال مذکورہ کی اصلاح کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا

سوال [۴۱۹۵]: اپنے رواج کے مطابق زید لنگی پہن کر میت قبر میں اتارتا ہے اور اس کو مباح جانتا ہے، وجہ مباح جاننے کی یہ پیش کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر لنگی پہنتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو اپناتے تھے، پس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم لنگی کا استعمال کرتے اور قبر میں اترتے تھے۔ ایسی صورت میں لنگی پہن کر قبر میں اترنا کیسا ہے؟ نیز یہ عقیدہ تسنن صحیح ہے یا باطل؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنے اس عمل اور ماخذ کی وجہ سے مستحق اعتراض نہیں اور نیت صحیح ہونے کی وجہ سے مستحق اجر ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/۱۱/۹۵ھ۔

(۱) ”عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”لاتبرز فخذک، ولا تنظر إلی فخذک حى ولا میت“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسله، (رقم الحدیث: ۳۱۴۰: ۹۲/۲، امدادیہ ملتان)

”والرابع (ستر عورتہ) ووجوبہ عام فی الخلوة علی الصحیح (وہی للرجل ماتحت سرتہ إلی ماتحت رکبتہ)“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۴/۱، سعید)
”واعلم أن ستر العورة خارج الصلاة بحضرة الناس واجب إجماعاً وہی من تحت سرتہ إلی تحت رکبتہ الخ“۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۶۸/۱، رشیدیہ)
(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الثالث فی شروط الصلاة، الفصل الأول فی الطهارة وستر العورة، ۵۸/۱، رشیدیہ)

(۲) اسلئے کہ ازار پہننا سنت ہے: ”عن أبی بردة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أخرجت إلینا عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کساء ملبداً وإزاراً غلیظاً، فقالت: قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی هذین“۔ (شمائل الترمذی، باب ماجاء فی صفة إزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۸، سعید) =

عورت کیلئے دفن کے وقت پردہ

سوال [۴۱۹۶]: عورت کی قبر پر پردہ کرنارات اور دن کو کسی وقت شرعاً کیسا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کے ساتھ نامحرم بھی ہوتے ہیں اس لئے پردہ کیا جاتا ہے تاکہ قبر میں رکھتے وقت بدن کے جثہ کو نامحرم نہ دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۲/۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۴۱۹۷]: اگر عورت کا جنازہ ہو تو قبر میں اتارتے وقت کیا پردہ ضروری ہوگا؟

= ”ولبس الإزار والرداء، قال الواقدي: كان رداءه وبرده طول ستة أذرع في ثلاثة وشبر، وإزاره من نسج عمان طول أربعة أذرع الخ“۔ (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم، ص: ۳۵، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في جمع الوسائل في شرح الشرائع للملا علي القاري رحمه الله تعالى، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۲۱۰/۱، إدارة تاليفات اشرفية)

(۱) ”وقد رويت أنها (أي فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم) اغتسلت لما حضرها الموت وتكفنت وأمرت علياً أن لا يكشفها إذا توفيت وأن يدرجها في ثيابها كما هي ويدفنها ليلاً“۔ (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري، رقم: ۷۱۷۵، مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ۲۲۹/۶، دار الفكر، بيروت)

”قوله: ويسجى قبرها: أي بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد“۔ (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۶/۲، سيعد)

” (ويسجى قبرها، لا قبره)؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف الخ“۔ (البحر

الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۰/۲، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الجنائز: ۲۷۵/۱، مكتبه غفاريه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں، کمايشعر به التعليل: ”بأن مبنى حالهن على الاستتار، اهـ“ مجمع الأنهر، وهو حاصل بالتأبوت (۱)۔

حرره العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قبر پر اذان دینا

سوال [۴۱۹۸]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتویٰ منگایا، اس میں درمختار اور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے قبر پر اذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتب احناف میں کتب شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتب شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی ہے (۲)، براہ راست کتب احناف اس سے سکت ہیں۔

(۱) ”(ويسجى قبر المرأة) بثوب حتى يسوى اللبن؛ لأن مبنى حالهن على الاستتار“۔ (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۵، مكتبه غفاريه)

”ويسجى قبرها، لا قبره؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف، إلا أن يكون المطر أو ثلج“۔ (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/۳۴۰، رشيديه)

”قولہ: ويسجى قبرها): أى بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد الخ“۔ (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

(۲) ”وفى حاشية البحر للملى: رأيت فى كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوة، كما فى أذن المولود، والمهموم، والمصروع والغضبان قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدينيا، لكن رده ابن حجر فى شرح العباب“۔ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان الخ: ۱/۳۸۵، سعيد)

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا، مگر کوئی دلیل صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۴۱۹۹]: از تاج الدین صاحب ٹال والے۔ قصبہ مودہا کے لوگ حنفی ہیں بروقت دفن میت قبر پر اذان دیتے ہیں، یہ طریقہ حال ہی میں لوگوں نے ایجاد کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کا حکم ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ پیر صاحب بھی حنفی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر پر اذان دینا ثابت نہیں، فقہ حنفی کی معتبر کتاب رد المحتار: ۱/۲۵۸ میں اس کو بعض شافعیہ سے نقل کر کے خود شافعیہ سے اس کی تردید نقل کی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۴۲۰۰]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتویٰ منگایا، اس میں درمختار اور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے قبر پر اذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتب احناف میں کتب شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتب شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی

(۱) ”رأیت فی کتب الشافعیۃ أنه قد یسن الأذان لغير الصلاة..... قیل: وعند إنزال المیت القبر قیاساً علی أول خروجہ للدنیا، لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعید)

”فلا آذان للوتر ولا للجنائز الخ“۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان: ۱/۵۳، رشیدیہ)

ہے، براہ راست کتب احناف اس سے ساکت ہیں (۱)۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا مگر کوئی دلیل صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین کی قسمیں اور کونسی قسم جائز ہے؟

سوال [۴۲۰۱]: تلقین کی کتنی قسمیں ہیں؟ قرآن اور حدیث کی رو سے کون سی تلقین جائز ہے؟ ہمارے یہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبر ہی کے نزدیک جشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور کچھ قرآن کی آیاتیں پڑھ کر بخش دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ غزالی ملیشیاوی

الجواب حامداً ومصلیاً:

تلقین اس وقت کرنا جبکہ مرض الموت میں مبتلا ہو، آثار سے معلوم ہوتا ہو کہ عنقریب انتقال ہونے والا ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)، وہ اس طرح کہ مریض محتضر کے نزدیک کلمہ شریف پڑھا جائے تاکہ وہ بھی پڑھ لے اور اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری بات ”لا إله إلا الله محمد رسول الله“ ہو، کذا فی رد المحتار (۳)۔ پھر جس وقت بعد انتقال، غسل، کفن، نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اس

(۱) ”رأیت فی کتب الشافعیۃ أنه قد یسن الأذان لغير الصلاة.....“ قیل: وعند إنزال المیت القبر قیاساً علی أول خروجہ للدنیا، لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۵/۱، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الصلوۃ، الباب الثانی فی الأذان: ۵۳/۱، رشیدیہ)

(۲) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”لقنوا موتاکم لا إله إلا الله“۔ (الصحيح لمسلم، کتاب الجنائز، باب فی تلقین المحتضر بلا إله إلا الله، ۳۰۰/۱، قدیمی)

”عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من کان آخر کلامه لا إله إلا الله، دخل الجنة“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین: ۸۸/۲، إمدادیہ)

(۳) ”(یلقن) ندباً، وقیل: وجوباً (بذكر الشهادتين الخ)“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: ویلقن الخ) لقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ”لقنوا“ الخ“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۱۹۰/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲۹۹/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الأول فی المحتضر، ۱۵۷/۱، رشیدیہ)

کو لحد میں رکھا جائے تو رکھتے وقت پڑھے: ”بسم اللہ وبالله و علی ملة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔ یہ دونوں تلقین تو ثابت ہیں (۱)، پھر دفن کرنے (مٹی ڈالنے) کے بعد بھی بعض روایات میں تلقین کا ذکر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”یا فلاں بن فلاں! اذکر دینک الذی کنت علیہ من شهادة أن لا اله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وأن الجنة حق، والنار حق، وأن البعث حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن الله يبعث من فی القبور، وأنت رضیت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبياً وبالقرآن إماماً وبالكعبة قبله وبالمؤمنين إخواناً“۔ ردالمحتار (۲)۔ سورۃ بقرہ کا اول و آخر پڑھنا بھی

(۱) ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”إذا أدخل الميت القبر“ قال: وقال أبو خالد: ”إذا وضع الميت فی لحدہ“ قال مرة: ”بسم الله وبالله و علی ملة رسول الله“ وقال مرة: ”بسم الله وبالله و علی سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء ما یقول إذا أدخل الميت قبره: ۲۰۲/۱، سعید)

”وأن یقول واضعه بسم الله وبالله و علی ملة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ویوجه إليها“۔ (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲۳۵/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱۶۶/۱، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۹/۲، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی التلقین بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعید)

”وأما التلقین بعد الدفن والذي علیہ الجمهور أن المراد من الحديث مجازہ كما ذكرنا، حتی إن من استحب التلقین بعد الموت لم یستدل به إلا علی تلقينه عند الاحتضار وإنما لا ینهی عن التلقین بعد الدفن؛ لأنه لا ضرر فیہ بل فیہ نفع، فإن الميت یتأنس بالذکر“۔ (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، ص: ۵۷۶، سهیل اکیڈمی، لاہور)

”واضح رہے کہ تلقین بعد الموت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، اس دور فساد میں اعتقادی خرابی کی وجہ سے احتراز اولیٰ اور افضل ہے“۔ (احسن الفتاویٰ، باب الجنائز، ۲۵۳/۲، سعید)

(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الجنائز، باب ما یتعلق بالدفن: ۶۸/۷، دارالاشاعت)

اس وقت مروی ہے (۱)۔

جشن وغیرہ کا انتظام اور میلہ لگانا ہرگز ثابت نہیں (۲)، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دعائے مغفرت و دعائے تثبیت فی الجواب کر کے وہاں سے رخصت ہو جائیں (۳)، ہاں ایصالِ ثواب کرتے رہا کریں مگر اس

= ”وأما التلقين بعد الموت، فلا يلحق عندنا في ظاهر الرواية“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الأول فى المحتضر: ۱/ ۱۵۷، رشیدیہ)

”فإن حقيقته التلقين بعد الموت، وقد اختلفوا فيه. وقولهم: إنه مجاز تسمية الشيء باسم ما يؤول إليه قول لا دليل عليه؛ لأن الأصل الحقيقة. وقد أطال المحقق فى فتح القدير فى رده. وفى المجتبى: وإذا قالها مرة كفاه، ولا يكسر عليه ما لم يتكلم بعد ذلك، الخ“. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، ۲/ ۲۹۹، رشیدیہ)

وانظر للتفصيل: (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۱۰۴، ۱۰۵ مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۱) ”عن عبد الله ابن عمر رضى الله تعالى عنه قال: سمعت النبی صلى الله عليه وسلم يقول: ”إذامات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجله بخاتمة البقرة“. (مشکوۃ المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/ ۱۴۹، قدیمی)

”وكان ابن عمر رضى الله تعالى عنه يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها فقد ثبت أنه عليه الصلوة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجله“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳۷، ۲۳۲، سعید)

(۲) ”ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس لإزيارتها، الخ“. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ۲/ ۳۴۳، رشیدیہ)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/ ۱۶۶: رشیدیہ)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الدفن، قبيل باب الشهيد: ۲/ ۱۴۲، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۳) ”عن عثمان بن عفان رضى الله تعالى عنه قال: كان النبی صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: ”استغفروا لأخیکم واسألوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسل“. (سنن أبی داود، كتاب=

میں غیر ثابت امور کے اختلاط سے بچتے رہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

تلقین بعد الدفن

سوال [۴۲۰۲]: تلقین بعد دفن میت کے صحابہ و تابعین سے ثابت ہے یا نہیں؟ اکثر فقہاء نے اس

کے پڑھنے کی یعنی اس کے عمل کی اجازت دی ہے جیسا کہ مظاہر حق، مائتہ مسائل، اربعین وغیرہ (مظاہر حق: ۱)، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب قبر (۲)۔ تلقین بعد دفن میت کے اکثر حنفی مذهب سے ثابت نہیں ہے لیکن

= الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف، ۲/۱۰۳، إمدادیہ

”وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق لحمه“۔ (الدرالمختار،

باب صلاة الجنابة: ۲/۲۳۷، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس

فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۱) ”يقول: أنبأنا ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن سعد ابن عبادَةَ أخابني ساعدة توفيت أمه وهو غائب

عنها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شئ

إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“ قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها“۔ (صحيح

البخاری، کتاب الوصایا، باب الإشهاد فی الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمی)

”صرح علمائنا فی باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً

أو صدقة أو غيرها..... الأفضل أن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل

إليهم ولا ينقص من أجره شئ“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة

للمیت واهداء الخ، ۲/۲۳۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(۲) (مظاہر حق، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۷۳، دار الإشاعت کراچی)

اکثر شافعیہ و حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ ایک حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے ذکر کی ہے۔ سیوطی سے جمع الجوامع میں حدیث طبرانی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کھڑا ہو ایک شخص سر ہانے اور کہے کہ فلاں بن فلاں اور کہا جائے کہ پروردگار تیرا خدا تعالیٰ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر تیرے ہیں، اور اسلام دین تیرا ہے اور قرآن امام تیرا ہے، جب یہ کہتا ہے تو پکڑ لیتا ہے منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ اور کہتا ہے کہ باہر نکل کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے تلقین کی ہے۔“ اگر میت کا نام نہ معلوم ہو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”بنت حواء یا بن آدم کہو“۔ عمل و جواز کس پر ہے، محدث دہلوی نے کیا تحریر کیا ہے سب آدمی جانے کے بعد کرے یا دو چار آدمی کی موجودگی میں کرے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ فرع ہے مسئلہ سماع موتی کی، جن حضرات کے نزدیک ثابت ہے وہ تلقین بعد دفن کے قائل ہیں، جن کے نزدیک ثابت نہیں وہ قائل نہیں۔ سماع موتی کے متعلق صحابہ میں بھی اختلاف تھا اور بعد میں بھی اختلاف رہا۔ حنفیہ کے دو قسم کے اقوال موجود ہیں: قاضی خان ظہیر الدین صاحب الغیاث، صاحب الحقائق صغاریہ، سب فقہاء حنفی ہیں تلقین بعد دفن کے قائل ہے۔ جو روایت آپ نے لکھی ہے اس سے اور اس قسم کی دوسری روایات سے استدلال کرتے ہیں، کما فی الشلبی ہامش الزیلعی: ۱/ ۲۳۴ (۱) اور طریقہ تلقین کا وہی

(۱) ”قولہ: (یلقن لظاهر ماروینا الخ) ونسب إلى السنة والجماعة وخلافه إلى المعتزلة، كما قال قاضي خان: إن كان التلقين لا ينفع لا يضر أيضاً، فيجوز. قال في الحقائق: قال صاحب الغياث: سمعت أستاذي قاضي خان يحكي عن ظهير الدين المرغيناني أنه لقن بعض الأئمة بعد دفنه وأوصاني بتلقينه، فلقنته بعد ما دفن. ثم نقل صاحب مانقلته أولاً عن قاضي خان وعبارته في المنظومة في باب الشافعي: ويحسن التلقين والتسميع. قال في الحقائق: ذكر الإمام الزاهد الصغار في التلخيص أن تلقين الميت مشروع؛ لأنه تعاد إليه روحه وعقله ويفهم ما يلقن. قلت: ولفظ التسميع يخرج على هذا، وصورته أن يقول: يا فلان بن فلان وعلى قول المعتزلة لا يفيد التلقين بعد الموت؛ لأن الإحياء عند هم مستحيل.“

(حاشية الإمام الشيخ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۵۶۱، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۱۰۴، ۱۰۵، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

ہے جو آپ نے نقل کیا ہے، کما فی مراقی الفلاح، ص: ۳۰۷ (۱)۔

سنیت سے عام طور پر حنفیہ اور معتزلہ منکر ہیں، مراقی الفلاح (۲) مجمع الأنهر (۳) در منتقى (۴) جوہرۃ نیرۃ (۵) تبیین الحقائق (۶) میں دو قول نقل کئے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۵۷ میں عینی اور معراج الدراية سے عدم تلقین کو ظاہر الروایہ نقل کیا ہے (۷)۔ سب کا ما حاصل یہ ہے کہ خود تلقین نہ کرے، اگر کوئی دوسرا کرے تو اس کو منع نہ کرے، دو چار آدمیوں کی موجودگی میں بھی اشکال معلوم نہیں ہوتا۔ محدث

(۱) ”(وتلقينه) بعد ما وضع (فی القبر مشر وع) لحقيقة قوله صلى الله عليه وسلم: ”لقنوا موتاكم شهادة أن لا إله إلا الله“. أخرجه الجماعة إلا البخاري، ونسب إلى أهل السنة والجماعة. (وقيل: لا يلحن) في القبر ونسب إلى المعتزلة. (وقيل: لا يؤمر به ولا ينهى عنه). وكيفيته أن يقال: يا فلان بن فلان! اذكر دينك الذي كنت عليه في دار الدنيا بشهادة أن لا إله إلا الله وأن محمد رسول الله. ولا شك أن لفظ ”لا يجوز“ إخراجاً عن حقيقته لإبدليل، فيجب تعيينه اهـ“. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۶۰، ۵۶۱، قديمی)

(۲) (راجع مراقی الفلاح، المصدر السابق)

(۳) ”واختلفوا في تلقينه بعد الموت عند الوضع في القبر فقليل: يلحن؛ لأنه يعاد روحه وعقله ويفهم ما يلحن، وبه قال الشافعي رحمه الله تعالى وقيل: لا يؤمر به ولا ينهى. وقال أكثر الأئمة والمشايع: لا يجوز، الخ“. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۲۶۳، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(۴) ”ولا يلحن بعد الموت، وإن فعل لا ينهى عنه“. (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۲۶۳، مكتبه غفاريه)

(۵) ”وأما تلقين الميت في القبر، فمشر وع عند أهل السنة؛ لأن الله تعالى يحييه في القبر وصورته وقال بعضهم: لا يلحقه، بل: ألهمه الله حتى يجيب كما ألهم عيسى عليه السلام في المهد“. (الجوهرۃ النيرة على مختصر القدري، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۱۲۳، مكتبه حقانية ملتان)

(۶) ”واختلفوا في تلقينه بعد الموت فقليل: يلحن لظاهر ما روينا، وقيل: لا يلحن، وقيل: لا يؤمر ولا ينهى“. (تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۶۱، سعيد)

(۷) ”وأما التلقين بعد الموت، فلا يلحن عندنا في ظاهر الرواية، كذا في العيني شرح الهداية ومعراج الدراية“. (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الأول فی المحتضر: ۱/۱۵۷، رشیدیہ)

دہلوی بھی تلقین کے قائل ہے، کذا فی شرح سفر السعادة، ص: ۲۵۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال [۴۲۰۳]: بہار شریعت میں ہے:..... ”شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے مونہہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے مغفرت کی امید ہے۔“

۲..... ”قبر کا طواف تعظیمی منع ہے، اگر برکت کے لئے گرد پھرے تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جاویں۔“

۳..... ”دفن کے کچھ دیر بعد مردہ کو تلقین کرنا مشروع ہے، اہلسنت کے لئے“ جوہرہ۔ یہ جو اکثر کتابوں میں یہ اضافہ کیا ہے، ردالمحتار ۳۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کو مٹی دے چکو، تو تم میں ایک شخص قبر کے سر ہانے کھڑے ہو کر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانہ۔ مردہ کہے گا: ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہ ہوگی، پھر: ”أذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله، وأنت رضىت بالله رباً، وبالإسلام ديناً، وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبياً، وبالقرآن إماماً“۔ (۲) نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے: چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔“

اس حدیث کو طبرانی کبیر میں اور ضیاء نے احکام میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ بعض اجلۃ تابعین فرماتے ہیں کہ جب قبر پر مٹی برابر کر چکے اور لوگ واپس جاویں تو مستحب سمجھا جاتا ہے میت کے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جاوے: ”فلان بن فلان قل: لا إله إلا الله“ تین بار، پھر کہا جاوے: ”ربی اللہ ودینی الاسلام ونبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔“

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے، مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لئے پیش نہیں کی، شامی نے

(۱) (لم اظفر علیہ)

(۲) (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی التلقى بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعید)

اس کو رد کیا ہے: ”وقدمنا قبيل باب المياہ عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحارب والجدران وما يفرش، وما ذلك إلا لاحترامه وخشيته وطئه ونحوه مما فيه إهانة الخ“ (۱)۔ اس کے بعد نقل کیا ہے: ”إن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسحجة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلى الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين، اه“ (۲)۔ قبر میں طاق بنا کر اساتِ ادب نہیں لہذا گنجائش ہے۔

۲..... طواف قبر سے اگرچہ برکت ہی مقصود ہو، عوام و خواص سب کو منع کیا جائے گا، خواص کے لئے استثناء کہاں ہے: ”ولا يطوف: أي يدور حوله (بقعة الشريفة)؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، ولا عبرة بما يفعله الجهلة ولو كانوا في صورة المشايخ والأولياء والعلماء، وهكذا في البحر والنهر، اه“۔ شرح مناسك (۳)۔

۳..... دفن کے بعد تلقین فرع ہے مسئلہ سماع موتی کی، اور اس میں ہمارے ائمہ ثلاثہ سے کوئی صحیح تصریح روایت منقول نہیں، جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں وہ تلقین کے بھی قائل ہیں (۴)، چنانچہ تنویر میں ہے: ”ولا يلقن بعد تدفينه، اه“ (۵)۔ درمختار میں ہے: ”وإن فعل لا ينهي عنه، اه“ (۶)۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فریقین کے دلائل بیان کئے ہیں (۷)۔ شامی کے کلام کا ما حاصل بھی یہی کہ کسی جانب تشدد نہیں

(۱) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

(۲) (ردالمحتار، راجع المصدر)

(۳) (إرشاد الساری إلى مناسك الملا علی القاری، باب زیارة سید المرسلین، فصل: ولیغتم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۶۶، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۴) ”وعندی أن مبني ارتكاب هذا المجاز هنا عند أكثر مشايخنا هو أن الميت لا يسمع عند هم على ما صرحوا به في كتاب الأيمان الخ“۔ (فتح القدیر، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۵) ”(ولا يلقن بعد تلحيده)“ (تنویر الأبصار متن الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعید)

(۶) (الدر المختار شرح تنویر الأبصار، باب صلوة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعید)

(۷) (فتح القدیر، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفى البابی الحلبي مصر)

چاہئے (۱)۔ طریقہ تلقین درمختار، شامی، فتح القدر میں منقول ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہانپور۔

میّت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا

سوال [۴۲۰۴]: زید انتقال کر گیا، اس کو قبر میں اتارتے وقت ”بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ“ نہیں پڑھا گیا اور قبر میں رکھ دینے کے بعد اس کے کان میں کوئی دعاء پڑھا اور اس کو بوسہ دیا۔ تو یہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لحد میں رکھتے وقت ”بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ“ اگر نہیں پڑھا تو گناہ نہیں ہوا، ایک مستحب ترک ہو گیا (۳)، اس وقت کان میں کچھ کہنا ثابت نہیں۔ لحد میں رکھ کر بوسہ دینا بھی ثابت نہیں۔ ثابت و مستحب

(۱) ”وقد أطل في الفتح في تأييد حمل موتاكم في الحديث على حقيقته مع التوفيق بين الأدلة على أن الميت يسمع أولاً، قلت: وما في طعن الزيلعي، لم أره فيه وإنما الذي فيه قيل: يلحق لظاهر ما رويناه، وقيل: لا، وقيل: لا يؤمر به ولا ينهى عنه، اهـ. وظاهر استدلاله للأول اختياره، فافهم.“
(ردالمحتار، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی التلقین بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعید)

(۲) ”ویکفی قوله: یا فلان، یا فلان بن فلان! أذكر ما كنت عليه، وقل: رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد نبياً.“ (الدرالمختار، باب صلوۃ الجنازۃ: ۱۹۱/۲، سعید)

(و کذا فی رد المحتار تحتہ)

(و کذا فی فتح القدير، باب الجنائز: ۱۰۴/۲، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۳) ”(مستحبه) ویسمى مندوباً وأدباً وفضیلةً، وهو ما فعله النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرةً وتركه، وما أحبه السلف.“ (الدرالمختار). ”وحكمه الثواب على الفعل وعدم اللوم على الترك.“ (ردالمحتار، کتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، مطلب لافرق بین المندوب والمستحب الخ: ۱۲۳/۱، سعید)

”وفی شرح الهدایة: هو (أی المستحب) ما فعله النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرةً أو مرتین ولم یواظب علیہ، وحكمه الثواب بفعله، وعدم اللوم على تركه.“ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل من آداب الوضوء الخ، ص: ۷۵، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الطهارة، مستحبات الوضوء: ۵۵/۱، رشیدیہ)

کو ترک کرنا اور غیر ثابت کو اختیار کرنا نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، ۱۴/۱/۹۴ھ۔

میت کو لحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جائے

سوال [۴۲۰۵]: قبر میں نعش رکھ کر کبھی پوری مٹی بدن پر ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟
 بانس وغیرہ دینا یعنی فاصلہ کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ بچوں میں عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ کچھ فاصلہ دیئے بغیر
 پوری مٹی انڈیل دی جاتی ہے اور کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا ہے، اس کی ابتداء: ﴿وَمِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ﴾ الخ پڑھ کر
 لوگ کسی ٹوکری میں رکھ کر سر کی جانب سے رکھتے ہوئے پیر تک ختم کرتے ہیں، پھر تختہ اوپر رکھتے ہیں یا بغیر پائے
 مٹی انڈیل دیتے ہیں۔ کیا شرعی طریقہ ہے؟ آیت مذکورہ یاد ہونے پر ضرور کوئی بھی دعاء پڑھ کر مٹی دیتے ہیں؟
 الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر تختہ رکھے میت کے اوپر مٹی ڈال دینے کی اجازت نہیں، بچہ ہو یا بڑا، سب کیلئے یہی حکم ہے، لحد
 بنائیں پھر اس کو کچی اینٹ وغیرہ سے بند کریں، یا شق بنا کر تختہ یا بانس رکھیں تب مٹی ڈالیں (۲)۔ آیت:

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا
 هذا ما لیس منہ فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا صطلحوا علی صلح جور فهو
 مردود: ۳۷۱/۱، قدیمی)

”بأنہا (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقى عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً“۔
 (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، ۵۶۱، سعید)

(۲) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ”حرم اللہ مکة، فلم تحل
 لأحد قبلی، ولا تحل لأحد بعدی، أحلت لی ساعة من نهار، لا یختلی خلاها، ولا یعضد شجرها“.....
 فقال العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: إلا الإذخر لصاغتنا وقبورنا، فقال: ”إلا الإذخر“۔ الحدیث۔ (صحیح
 البخاری، کتاب الجنائز، باب الإذخر والحشیش فی القبر: ۱۸۰/۱، قدیمی)

”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”اللحد لنا، والشق لغيرنا“۔ =

﴿منہا خلقناکم﴾ کا پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

قبر میں میت کا منہ دکھلانا

سوال [۴۲۰۶]: قبر کے اندر یا قبر کے باہر قبرستان میں مردہ کا چہرہ دکھلانا کیسا ہے؟ شرع میں اس

کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں، یہ اہتمام کہ بعض جگہ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کھول کر چہرہ دکھلایا جاتا ہے بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کوئی تاکید نہیں (۲)، کفن کا بند لگا دینے کے بعد چہرہ کھولنا مناسب

= (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللحد لنا: ۲۰۲/۱، سعید)
 ”(وحفر قبره) (ویلحد ولا یشق) إلفی أرض رخوة (ویسوی اللبن علیہ
 والقصب لا الآجر المطبوخ“۔ (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۳/۲، ۲۳۶، سعید)
 ”(ویحفر القبر ویلحد) لحديث السنن مرفوعاً) ویسوی اللبن علیہ والقصب؛ لأنه
 جعل علی قبره علیہ الصلوۃ والسلام اللبن وطن من قصب الخ“۔ (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل:
 السلطان أحق بصلاته، ۳۳۸/۲، ۳۳۹، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس
 فی الدفن والنقل الخ: ۱۶۵/۱، ۱۶۶، رشیدیہ)

(۱) ”ویقول فی الحثیۃ الأولى: ﴿منہا خلقناکم﴾ وفی الثانیۃ: ﴿وفیہا نعیدکم﴾ وفی الثالثۃ:

﴿ومنہا نخرجکم تارۃً أخرى﴾۔ (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲۳۷/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس
 فی الدفن الخ: ۱۶۶/۱ رشیدیہ)

(۲) ”عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا

هذا ما لیس منہ فہورڈ“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا صطلحوا علی صلح جور فہو

مردود: ۳۷۱/۱، قدیمی)

نہیں، بسا اوقات آثارِ برزخ شروع ہو جاتے ہیں جن کا اخفاء مقصود ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوقتِ دفن غیر مسلموں کو میت کا چہرہ دکھانا

سوال [۴۲۰۷]: اگر مؤمن بندہ مر جائے اور بوقتِ دفن قبرستان کے روبرو غیر مسلم ہندو، عیسائی وغیرہ آکر تقاضا کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس مردہ کے آشنا ہیں اور یہ مردہ ہمارا دوست تھا ہمیں مردہ کا چہرہ دکھایا جائے، نہ دیکھنے کی حالت میں شر اور شور و شغف کا خوف ہے۔ تو کیا اس حالت میں قبل از نماز یا بعد از نماز ان غیر مسلموں کو مردہ کا چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے (۲) لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کر دیا جائے کہ یہی احوط ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین و مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، کیم/جمادی الاولیٰ/۵۷ھ۔

= من أصر على أمر مندوب، وجعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشیدیہ)

(۱) ”وينبغي للغاسل وللمن حضر إدارای ما يجب الميت ستره أن يستره ولا يحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذا كان عيباً حادثاً بالموت كسواد وجه ونحوه، مالم يكن مشهوداً ببدعة، فلا بأس بذكره تحذيراً من بدعته.“ (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنابة: ۲/۲۰۲، سعید)

(و كذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في الجنائز، الثاني في الغسل، ص: ۵۸۰، سهيل اكيڏمي لاهور)
(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجنائز، ص: ۵۷۰، قديمي)

(۲) ”عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، قال لهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه، فأتاه فانكب عليه وبكى.“ (سنن ابن ماجه، أبواب الجنائز، باب ماجاء في النظر إلى الميت الخ، ص: ۱۰۶، قديمي)

(۳) چونکہ دفن میت مسلم کے وقت رحمت کے فرشتے اترتے ہیں، جبکہ غیر مسلموں پر لعنت برسی ہے اس لئے ان کو میت سے دور =

زچہ اور بچہ دونوں مر گئے تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟

سوال [۴۲۰۸]: ایک عورت کی عندالولادت موت ہو گئی، ساتھ ہی بچہ کا بھی انتقال ہو گیا، اب آیا اس عورت کو اور بچہ کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو بچہ خواہ نہ ہو یا مادہ ہو، ہر صورت میں یا فرق بھی ہے؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟ نیز اگر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کریں گے یا نہیں؟ نیز مردہ بچہ کو اس کی ماں کے جنازہ کے ساتھ شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا اور اس کی ماں بھی مر گئی تو دونوں کے جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنا درست ہے (۱) مگر دونوں کو الگ الگ دفن کرنا چاہئے، بچہ کو ماں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے (۲)۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی (۳)، دفن اس کو بھی الگ کیا جائے ماں کے ساتھ نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

= رکھنا زیادہ مناسب اور احوط ہے: "عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه سبعون ألف ملك لم ينزلوا إلى الأرض". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدرين عن الأنصار، مناقبة سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت)

"عن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في جنازة فرأى ناساً ركباً فقال: "لا تستحيون أن ملائكة الله على أقدامهم وأنتم على ظهور الدواب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعید)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا الحديث: "حديث ثوبان يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلك عام مع المسلمين بالرحمة ومع الكفار باللعنة الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۱۶۷۲): ۱۶۰/۳، رشیدیہ)

(۱) "عن أبي مالك رضي الله تعالى عنه: "أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجئ بتسعة وصلى عليهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فرفعوا وترك حمزة، ثم جئ بتسعة =

=فوضعوا وصلى عليهم سبع صلوات حتى صلى على سبعين وفيهم حمزة رضى الله تعالى عنه فى كل صلاة صلاها". (مراسيل أبى داؤد، فى الصلوة على الشهداء، ص: ١٨، سعيد)

"وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلوة أولى". (الدر المختار على تنوير الأبصار، باب

الجنائز: ٢/٢١٨، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ٢/٣٢٨، رشيديه)

"لواجتمعت الجنائز يخير الإمام إن شاء صل على كل واحد على حدة، وإن شاء صلى على الكل دفعة بالنية على الجميع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس: ١/١٦٥ رشيديه)

(٢) "ولا يدفن اثنان فى قبر واحد إلا للضرورة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى الدفن: ٢/١٢١، مصطفى البابى الحلبي، بمصر)

"ولا يدفن اثنان أو ثلاثة فى قبر واحد الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن: ١/١٦٦، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت، ٢/٢٣٣، سعيد)

(٣) "عن جابر رضى الله تعالى عنه: عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلى عليه، ولا يرث، ولا يرث حتى يستهل". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى ترك الصلوة على الطفل: ١/٢٠٠، سعيد)

(٤) قال ابن النجيم: "ومن استهل صلى عليه، وإلا لا..... وأفاد بقوله: "إلا لا" أنه إذا لم يستهل لا يصلى عليه، ويلزم منه أن لا يغسل ولا يرث ولا يرث ولا يسمى، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ٢/٣٣٠، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل ويصلى عليه إن استهل، وإلا غسل وسمى وأدرج فى خرقه ودفن ولم يصل عليه". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ٢/٢٢٤، ٢٢٨، سعيد)

(وكذا فى تبیین الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ١/٥٨١، دار الكتب العلمية، بيروت)

جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟

سوال [۴۲۰۹]: ایک شخص کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے دونوں کی کمرلی ہوئی ہے، ایک کا منہ مغرب کی طرف ہے اور دوسرے کا مشرق کی طرف اور دونوں کا انتقال ہو گیا، اب دفن کس طرح کریں؟ اگر ایک کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تو دوسرے کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، اب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مجبوری کی حالت میں دونوں کا منہ قبلہ کی طرف کرنا لازم نہیں، بلکہ کیا ہی نہیں جاسکتا، ایک ہی کا منہ رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ

سوال [۴۲۱۰]: ایک قبرستان ۶۵، ۶۰ سال سے عمل میں آرہا ہے، عرصہ ۵، ۴ سال سے ایک کمیٹی بنائی گئی اور سب کے مشورہ سے ایک شخص شمشوں خاں کو اس کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ کمیٹی اور سیکریٹری صاحب کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ سیانی کی قبر ایک لائن میں کھودی جائے اور بچکانی کی قبر ایک لائن میں۔ یہ فیصلہ ٹھیک سے چلتا رہا، ۸/ فروری ۴۷ء کو ایک لڑکی جس کی عمر، ۷/ سال تھی فوت ہو گئی، قبر کھدوانے کیلئے ناپ

(۱) میت کو قبر میں قبلہ رو کرنا ضروری ہے، لیکن صورتِ مسئلہ میں ضرورت کی وجہ سے صرف ایک ہی کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے، چونکہ تکلیف انسانی کا مدار وسع اور قدرت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

”لَا يَكْلِفُ نَفْساً مِنَ النُّفُوسِ إِلَّا مَا تَطِيقُ، وَالْأَمَاهُودُونَ ذَلِكَ كَمَا فِي سَائِرِ مَا كَلَفْنَا بِهِ الْخَ“.

(روح المعانی: ۳/ ۶۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

”وَيُوجَّهُ إِلَيْهَا وَجُوباً، وَيَنْبَغِي كَوْنُهُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ“۔ (الدر المختار، باب صلاة الجنائز،

مطلب فی دفن الميت، ۲/ ۲۳۶، سعید)

”وَيُوضَعُ فِي الْقَبْرِ عَلَى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة،

الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱/ ۱۶۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشیدیہ)

لیا گیا، اس وقت کمیٹ کے ایک ممبر موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ ناپ سے معلوم ہوتا ہے کہ قد میں بڑی ہے، اس لئے سیانی لائن میں قبر کھودی جائے، چنانچہ قبر کھودی گئی صفائی ہو رہی تھی کہ سیکریٹری صاحب نے پہنچ کر قبر کی صفائی سے روک دیا اور کہا کہ کسی حالت میں اس میں دفن نہیں ہونے دیں گے، بچکانی لائن میں دوسری قبر کھودی جائے۔

اب میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا، گھر والوں کو خبر دیا، وہ سیکریٹری صاحب کے پاس گئے اور عاجزی و انکساری سے کہا کہ جمعہ کا وقت ہو گیا غسل کرا کر جنازہ مسجد کو لے جانا ہے جو کچھ ہوا خواہ سہوا ہوا، ہم لوگ بہت پریشان ہیں، اب دفن ہونے دیجئے۔ اس پر سیکریٹری صاحب نے سخت الفاظ میں جواب دیا کہ میرا آرڈر ہے قبر بند ہو کر ہی رہے گی۔ بہر حال بعد نماز جمعہ جنازہ کی نماز ہوئی اور اسے قبرستان پہنچایا گیا، تو ایک شخص سیکریٹری صاحب کا حامی قبر میں جا کھڑا ہوا، اور کہا: دفن نہیں ہونے دیں گے۔ تمام عوام اس پر ناراض ہو کر بضد ہو گئی کہ اس قبر میں دفن ہو کر رہے گا اور اس شخص کو بدسلوکی سے قبر سے نکالا۔ اس وقت سیکریٹری صاحب بھی جذبات میں آگئے اور دفن سے روکا تو چند سنجیدہ اشخاص نے سیکریٹری صاحب کو پکڑ کر قبرستان سے باہر کر دیا۔ اب سیکریٹری صاحب سے بہت اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وقت کشت و خون نہ ہو۔ ان کا ہر وقت سوال رہتا ہے کہ میرا آرڈر رہے گا یا میرا استغفی قبول کیا جائے۔ ایسی صورت میں علمائے دین کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ تحریر فرمایا جائے۔

حبیب الرحمن شیوچران لال روڈ، ۲۳ آلہ باد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پابندی کہ سیانی قبریں الگ لائن میں ہوں اور بچکانی قبریں الگ لائن میں ہوں، کوئی شرعی حکم نہیں، اس پر اتنا زور دینا ہی غلط ہے (۱)، اگر قبروں کی خوشنمائی کیلئے یہ لائن بندی کی تجویز کی گئی ہے تب بھی جس کا قد

(۱) ”من أصر على أمر مندوب، وجعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشہد، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیہ)

”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لأصل لها في الشرع“ (السعاية، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة، ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی)

طویل ہو اس کی قبر سیانی قبروں کے مناسب ہے، گو عمر کم ہو (۱)۔ اس سب کے باوجود جبکہ سیکرٹری صاحب سے معذرت کی گئی اور عاجزی کے ساتھ کہا گیا کہ جمعہ کا وقت ہو گیا ہے سہواً کیا ہے، اس وقت سب پریشان ہیں، قبر تیار ہوگئی، دفن ہونے دیجئے، بات کو نہیں بڑھائیے، آئندہ احتیاط کی جائے گی الخ، تو سیکرٹری صاحب کو بھی بلند اخلاق سے پیش آنے اور درگزر کرنے کی ضرورت تھی، موجودہ صورت میں ان کی ضد ہرگز مناسب نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ بات ختم کر دیں اور استغفی نہ دیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۴ھ۔

اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا، یا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا

سوال [۴۲۱۱]: ۱..... اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوالینا یا پکی بنوالینا کیسا ہے؟

۲..... والد صاحب نے اپنی ضد پر پکی قبر بنوالی، بعد وفات ہم لوگ قبرستان میں دفن کریں اور پکی خالی قبر کو مسمار کر دیں تو کیا حکم ہے؟

۳..... ہماری سوتیلی ماں کو بھی وصیت کر دی ہے کہ ہمارے جنازہ کو اس پکی قبر میں دفن کروانا، ورنہ ہم قیامت میں دامن گیر ہوں گے۔

(۱) ”(و حفر قبر ۵) فی غیر دار (مقدار نصف قامۃ) فإن زاد فحسن الخ“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۳، ۲۳۴، سعید)

”وروی الحسن بن زیاد عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: طول قبر علی الإنسان، وعرضہ قدر نصف قامتہ، کذا فی المصنوعات“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶ رشیدیہ)

(و کذا فی الحلبي الكبير، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، السادس فی الدفن، ص: ۵۹۶، سهیل اکیڈمی، لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”إنما بُعثُ لأتمم صالح الأخلاق“۔ (مسند أحمد، مسند أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (رقم الحدیث: ۸۷۲۹):

۸۰/۳ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

۴..... اگر ہم لوگ والد کی میت کو قبرستان لے جائیں اور ہماری سوتیلی والدہ، والد کے حکم کے مطابق ضد کر کے میت کو پکی قبر میں دفن کرائیں تب ہم لوگوں کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اپنی زندگی میں قبر کھدوالینا درست ہے (۱) مگر پکی قبر کی اجازت نہیں (۲)، نیز قبرستان میں آبادی سے الگ مردہ کو دفن کرنا نہیں چاہیے (۳)۔

(۱) ”ومن حفر قبراً لنفسه، فلا بأس به، ويؤجر عليه، كذا في التاتارخانية“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۲۶، رشیدیہ)
 ”ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلا بأس به، ويؤجر عليه، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم“۔ (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فى القبر والدفن: ۲/۱۷۲، إدارة القرآن، کراچی)
 (وكذا فى الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: الجنائز، الثامن فى المتفرقات، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی، لاہور)

(۲) ”عن جابر رضى الله تعالى عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها، وأن توطأ“۔ قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)
 ”(ولا يجصص) لنهى عنه، (ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء) الخ“۔ (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

”ويسنم القبر قدر الشبر، ولا يربع ولا يجصص الخ“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۲۶، رشیدیہ)
 (وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة الجنائز، فصل فى سنة الدفن: ۲/۶۵، رشیدیہ)
 (۳) ”(ولا ينبغى أن يدفن) الميت (فى الدار ولو) كان (صغيراً) لاختصاص هذه السنة بالأنبياء“۔ (الدرالمختار)۔ ”(قوله: فى الدار)..... بل ينقل إلى مقابر المسلمين، ومقتضاه أنه لا يدفن فى مدفن خاص كما يفعل من يبنى مدرسة ونحوها، ويبنى له بقربها مدفناً الخ“۔ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد) =

- ۲..... پکی قبر میں دفن نہ کریں، اس کو مسمار کر دیں اور قبرستان میں کچی قبر میں دفن کریں (۱)۔
 ۳..... وہ بھی اس وصیت پر عمل نہ کریں، اس کی وجہ سے قیامت میں ان کا کچھ نہیں بگڑے گا (۲)۔
 ۴..... آپ نمبر: ۲ کے موافق عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا

سوال [۲۲۱۲]: اپنے لئے قبر کھود کر رکھنا اور صبح و شام قبر کے اندر جا کر ذکر وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اگر

جائز ہے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لئے قبر کھودنا بھی درست ہے (۳)۔ اگر موت کی اہمیت اور قبر کے حالات

= ”ولا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی کان فیہ، فإن ذلک خاص بالأنبیاء، بل ینقل إلى مقابر المسلمین“۔ (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فی الدفن: ۲/۱۴۱، مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر)

(وکذا فی الحلبي الكبير، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی، لاہور)

(۱) (راجع، ص: ۸۶، رقم الحاشية: ۲)

(۲) ”وکذا تبطل لو أوصی بأن یکفن فی ثوب کذا، أو یدفن فی موضع کذا، الخ“۔ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب: تعظیم أولى الأمور واجب: ۲/۲۲۱، سعید)

”ولو أوصی بأن یحمل بعد موته إلى موضع کذا، ویدفن هناك ووصيته بالحمل باطلة“۔ (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ التي تكون وصية والتي لا تكون الخ: ۶/۹۵، رشیدیہ)

(۳) ”ومن حفر قبراً لنفسه، فلا بأس به، ویؤجر علیه، کذا فی التاتارخانية“۔ (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ) =

کے استحضار کے لئے وہاں جا کر ذکر و تلاوت بھی کر لیا کرتا ہے کہ وہاں نور قائم ہو جائے تب بھی مضا لقمہ نہیں (۱) مگر اس کو حکم شرعی تصور کرتے ہوئے لازم سمجھنا غلط ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق

سوال [۴۲۱۳]: اپنے رشتہ داروں کی قبروں کے قریب دفن کرنے اور دور سے کسی اجنبی قبرستان میں دفن کرنے میں کوئی کسی قسم کا فرق پڑتا ہے؟

= ”ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلا بأس به، ويؤجر عليه، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم.“ (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الخ: ۲/۱۷۲، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی، لاہور)

(۱) ”ويزيارة القبور ولو للنساء لحديث “كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها“ ويقرأ يس، وفي الحديث: ”من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات.“ (الدر المختار).

”(قوله وزيارة القبور): أي لا بأس بها، بل تندب، كما في البحر عن المجتبى، ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي - وآمن الرسول - وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة، الخ.“ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، سعيد)

(۲) ”من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر.“ (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيدية)

”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لأصل لها في الشرع.“ (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرق تو پڑتا ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں سے جو انس ہوتا ہے وہ بلا کسی وجہ کے غیروں سے نہیں ہوتا (۱)۔
فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایرانی مردہ کو مسلم قبرستان میں دفن کرنا

سوال [۴۲۱۴]: یہاں پر کچھ ایرانی لوگ رہتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ عیدین کی نماز میں شرکت کرتے ہیں اور قربانی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک صاحب ان ایرانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیعہ ہیں، شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ آپ مطلع فرمائیں کہ ان کے مردوں کو ہمارے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ ایرانی لوگ آپ کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

(۱) ”حدثنا حصين بن عبد الرحمن عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب فقال: يا عبد الله بن عمر! اذهب إلى أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالى عنها فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أدفن مع صاحبى. قالت: كنت أريده لنفسى فلا وثرته اليوم على نفسى. فلما أقبل قال له: مالديك؟ قال: أذنت لك يا أمير المؤمنين، قال: ما كان شئى أهم إلى من ذالك المضجع، فإذا قبضت فاحملوني، ثم سلموا، ثم قل: يستأذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لى فادفنونى، وإلا فردونى إلى مقابر المسلمين.“ (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى قبر النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر رضى الله تعالى عنهما: ۸۶/۱، قديمى)

”وفيه الحرص على مجاورة الصالحين فى القبور طمعاً فى إصابة الرحمة إذ انزلت عليهم، وفى دعاء من يزورهم من أهل الخير.“ (فتح البارى، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى قبر النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر: ۳۳۰/۳، قديمى)

(۲) اس لئے کہ ان کا باجماعت نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے، لہذا ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان =

غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا

سوال [۴۲۱۵]: بلا اجازت زبردستی دو تین میت کو کسی دوسرے کی زمین پر دفن کر دیا گیا تو از روئے شریعت مطلع فرمائیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا اجازت مالک اس کی زمین میں میت دفن کرنا جائز نہیں، گناہ ہے، مالک کو حق ہے کہ دفن کرنے والوں سے کہے کہ اپنی میت کو یہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دو، ورنہ ہم یہاں ہل چلا کر قبر کو برابر کر دیں گے اور زمین میں کھیتی کر دیں گے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۹ھ۔

کسی کی زمین میں اپنی میت کو دفن کرنا

سوال [۴۲۱۶]: کریم اللہ خان صاحب کا ایک پرائیوٹ ذاتی خاندانی ملکیت کا قبرستان ہے، اس قبرستان میں صرف ان کے ہی خاندان کے مردے دفن ہوتے رہے ہیں، لیکن کسی ہمدردی سے زید کو اس شرط پر = میں دفن کرنا درست ہے: ”(ویحکم بإسلام فاعلها) بشروط أربعة: أن یصلی فی الوقت (مع جماعة) مؤتماً متمماً الخ“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة: ۳۵۳/۱، سعید)

”وإن قال: إني مسلم على دين الحق، لم يكن مسلماً، فإن لم یسئل حتی صلی بجماعة كان مسلماً الخ“۔ (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب السیر، الرابع فی المرتد وما یصیر الکافر به مسلماً: ۳۱۴/۶، رشیدیہ)

(۱) ”قال رحمه الله تعالى: (إلا أن تكون الأرض مفسوبة) فيخرج لحق صاحبها إن شاء، وإذ شاء سواه مع الأرض وانتفع به زراعة أو غيرها“۔ (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۸/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

”ولا یخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمی (كأن تكون الأرض مفسوبة أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعي“۔ (الدر المختار، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشیدیہ)

اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی تھی کہ وہ بغیر اجازت منتظم و متولی اپنے مردے دفن نہ کرے۔ اب جبکہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے موجودہ منتظم و متولی قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، ایسی صورت میں بلا اجازت جبراً غیر ملکیت زید کے ورثاء کو مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مردے اور ان کے ورثاء پر کوئی مواخذہ یا عذاب تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان مملوک ہے، وقف عام نہیں تو کسی کو اپنا مردہ بغیر اجازت مالک وہاں دفن کرنا درست نہیں، اگر زید کے ورثاء بلا اجازت مالک وہاں دفن کر دیں گے تو ناجائز فعل کے مرتکب ہوں گے، مالک کو اختیار ہوگا کہ اپنی زمین کو خالی کرنے کا مطالبہ کرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۲ھ۔

بلا اجازت مالک اس کی زمین میں دفن کرنا

سوال [۴۲۱۷]: زید کے مرجانے کے بعد ورثاء یا مریدین نے بکر (مالک) و سرکاری زمین میں بغیر بکر اور سرکار سے اجازت لئے ہوئے زید کو دفن کر دیا، چند ماہ بعد جب بکر مالک زمین یا سرکار کو معلوم ہوا کہ بغیر سرکاری اجازت کے زید کی نعش کو دفن کر دیا گیا ہے اور پختہ قبر و گنبد بھی زید کا بنا دیا گیا ہے تو کیا بکر و سرکار کو قانونی حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی زمین میں جہاں دفن ہے قبر کھود کر اس کو نکال دے اور اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور عام مسلمان اس لاش کو کسی قبرستان میں دفن کر دیں، یا بعد دفن کرنے کے چند ماہ بعد بکر و سرکار کو حق حاصل ہے کہ زید کی لاش قبر سے جو اس کی مملوکہ زمین میں ہے نکال دے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں مالک زمین کو اختیار حاصل ہے کہ نعش کو باہر نکال دے، یا قبر کو زمین کے برابر کر دے، اگر نعش کو باہر نکال دیا تو عام مسلمانوں کو چاہیے کہ زید کی مملوکہ زمین یا عام موقوفہ قبرستان میں دفن

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا“۔)

کردیں، کذا فی مجمع الأنهر: ص ۱۵، ۱/۱۸۵ (۱)۔ پختہ قبر و گنبد بنوانا گناہ ہے، کذا فی شرح الكنز (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

چہار کی زمین جبراً میں میت دفن کرنا

سوال [۴۲۱۸]: ہمارے گاؤں والوں نے جبراً چہاروں کی زمین میں اپنے مردے دفن کرنا شروع کر دیئے، جب چہار مر گیا تو اس کے لڑکوں کے نام زمین ہو گئی، مال گزاری دیتے رہے اور چک بندی میں چہاروں نے یہ کھیت مولیٰ بخش سے بدل لیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مولیٰ بخش کو اس کھیت سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ”(لا یخرج من قبر إلا أن تكون الأرض مغصوبة) وأراد صاحب الأرض إخراجاً كما إذا سقط فيها متاع الغير، أو كفن بثوب مغصوب، فإنه يجوز نبشه“۔ (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۷۶/۱، مکتبہ غفاریہ)

” (ولا یخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمی (كان تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجهم ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعي“۔ (الدر المختار، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشیدیہ)
(۲) ”عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۳/۱، سعید)

” (ولا یجصص): أى لا یعمل بالجص ویکره بناء القبة على القبر: أى كما یصنع الآن فی حق الأولیاء والصلحاء“۔ (شرح الكنز لملا مسکین علی هامش فتح المعین، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۶۲/۱، سعید)

”وعن أبی حنیفة رحمه الله تعالى: یکره أن یبنى علیه بناء من بیت أوقبة أو نحو ذلك“۔
(رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲۳۷/۲، سعید)

(و کذا فی الحلبي الكبير، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنائز، السادس فی الدفن، ص: ۵۹۹، سهیل اکیڈمی، لاہور)

۲..... چک بندی گاؤں والوں نے قبرستان کے لئے زمین علیحدہ کر دی، دو چار میت اس جگہ دفن بھی ہو گئیں، باقی ابھی خالی پڑی ہے۔ تو اس کی آمدنی مسجد مدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... چہار کی زمین میں بلا اجازت و بلا مرضی میت دفن کرنا ظلم اور غصب ہے، جبکہ وہ زمین مولیٰ بخش کی ملک میں آگئی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اپنی میت کو دفن کیا ہے وہ ان سے کہہ دے کہ یہاں سے اپنے میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کر دو، ورنہ میں یہاں کھیتی کروں گا، پھر اس کو کھیتی کرنا مکان بنانا سب درست ہے:

”ولا یخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمی بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذہ بشفعة، ویختیر المالك بین إخراجہ ومساواتہ بالأرض، كما جاز زرعه. والبناء علیہا إذابلی وصار تراباً“۔ زیلعی (۱) ودر مختار: ۱/۸۳۹ (۲)۔

۲..... گاؤں والوں نے جو زمین قبرستان کے لئے وقف کرائی وہ قبرستان کی ہو گئی، اس کی آمدنی کو اسی قبرستان کی حفاظت اور ضروریات وغیرہ میں (مثلاً چہار دیواری کرا دیں) صرف کیا جائے اور دیگر مصارف میں صرف نہ کریں: ”قولہم: شرط الواقف کنص الشارع المعنی المفہوم والدلالة“۔ کذا فی الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/۵۷۵ (۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔
حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۸ھ۔

(۱) قال رحمہ اللہ تعالیٰ: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فیخرج لحق صاحبہا إن شاء، وإن شاء سواہ مع الأرض وانتفع بہ زرعه أو غیرہا۔ (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۴۱، رشیدیہ)

(۳) (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

”أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به“۔ (البحر الرائق، کتاب

الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیہ)

دفن میت سے روکنا

سوال [۴۲۱۹]: ایک شخص جو کہ حاجی بھی ہو اور اپنے آپ کو با شرع ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو اور اپنے آپ کو سید بھی کہتا ہو، وہ اگر کسی ایک مسلمان کی میت کو دفن ہونے سے عملاً روکنے کی کوشش کرے اور دوسرے مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے سے روکے اور ان کو خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کو ان کے بچوں کی قسمیں دلا کر میت میں شریک ہونے سے خود اس نے اور اس کے سب گھر والوں نے روکا، دیگر میت کی قبر کھودنے والوں کو بھی روکا اور ان کو ڈرایا دھمکایا، پولیس تھانہ جا کر میت کے وارثوں پر؟ وٹا الزام لگایا کہ اس کو زہر دے کر مارا گیا ہے۔ علمائے دین ایسے شخص (سید الحاج محمد شفیع) اور ان کے گھر والوں پر کیا حکم شرع عائد کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ کس وجہ سے حاجی صاحب مذکور نے ایسا کیا، اس خاص میت میں کیا بات تھی، موت تو اور لوگوں کو بھی آتی ہے، کیا وہ کسی بھی میت میں لوگوں کو شریک نہیں ہونے دیتے اور دفن کرنے سے روکتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو جس جس میت کو دفن نہ ہونے دیا اور لوگوں کو شرکت سے روکا اس وقت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، غرض جب تک بات صاف نہ ہو اس کا حکم کیا لکھا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

(۱) ”کان أبو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ربما لا یجیب عن مسئلۃ سنۃ، وقال: لأن یخطی الرجل عن فہم خیر من أن یصیب بغير فہم“۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کان أبو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ربما لا یجیب الخ: ۳۷۰/۲، مکتبہ میمنیہ مصر)

”الرابعۃ: من آداب المفتی: لتأمل الرقعة تأملاً شافياً وآخرها أكد وإذا وجد کلمۃ مشتبہة سأل المستفتی عنها ونقطها وشکلها، وكذا إن وجد لحناً فاحشاً أو خطأً یحیل المعنی، أصلحه الخ“۔ (شرح المہذب للنووی الملحق بشرح عقود رسم المفتی، فصل فی آداب الفتوی، ص: ۱۲، میر محمد کتب خانہ)

لاش دو سال بعد دفن کرنا

سوال [۴۲۲۰]: دو سال بعد لاش کو اسلامی طریقہ پر دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی تاخیر کی اجازت نہیں (۱)، اگر غلطی سے اتنی تاخیر کر دی گئی تب بھی اسلامی طریقہ پر دفن کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۵ھ۔

پرانی قبر میں سر ملا تو اس کا کیا کیا جائے؟

الاستفتاء [۴۲۲۱]: تالاب کھودتے کھودتے چار ہاتھ کھودنے کے بعد انسان کا سر ملا، معلوم

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يبلغ به صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”أسرعوا بالجنائز، فإن تك خيراً تقدموها، وإن تك شراً تضعونها عن رقابكم“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی الإسراع بالجنائز: ۱/۹۶، سعید)

”یندب دفنه فی جهة موته وتعجیله الخ“۔ (الدرالمختار)۔ ”قوله: وتعجیله: أى تعجیل جهازه عقب تحقق موته، ولذا كره تأخیر صلاته و دفنه لیصلی علیه جمع عظیم بعد صلاة الجمعة“۔ (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۹، سعید)

”قال رحمه الله تعالى: (ويعجل بلا خب): أى يسرع بالميت وقت المشى بلا خب، وحده أن يسرع به بحيث لا يضطرب الميت على الجنائز الخ“۔ (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۸/۱، سعید)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیہ)

(۲) مسلمان کا دفن کرنا فرض کفایہ ہے دفن نہ کرنے کی وجہ سے سارے مسلمان گنہگار ہوں گے:

”دفن الميت فرض على الكفاية“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱/۱۶۵، رشیدیہ)

”(والصلاة علیه) صفتها (فرض كفاية)..... (كدفنه) وغسله وتجهيزه، فإنها فرض كفاية“۔ (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

(و كذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام فی الدفن الخ“: ۲/۶۰، رشیدیہ)

ہوا کہ بہت زمانہ پہلے کی قبر ہے تو اب کیا کیا جائے، آیا چھوڑ دیا جائے، یا کوئی صورت ہے؟ اور جان بوجھ کر قبر پر کوئی تالاب کھودنا یا کوئی مکان بنانا یا درخت لگانا جائز ہے یا نہیں؟ صدقہ دینا ہوگا یا اور کچھ کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان بہت پرانا ہو کر وہاں میت موجود نہیں بلکہ مٹی ہو چکی ہو، اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، اگر پرانی میت کے کچھ ناتمام اجزاء کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کر دیں باہر نکال کر نہ پھینکیں، اگر پرانا قبرستان مملوک ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا مکان بنانا، باغ لگانا بھی درست ہے۔ اگر وقف ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، جو سر نکلا ہے اس کو اسی جگہ دفن کر دیں (۱)، اس کا کوئی اور صدقہ وغیرہ لازم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا

سوال [۴۲۲۲]: شہروں میں بوجہ تنگی گورستان پرانی قبر جس میں نشان و شناخت موجود ہے اس میں پھر دوبارہ قبر بنا کر دفن کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز بر تقدیر عدم عذر ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا صورت ہوگی؟

(۱) "أنه لا يدفن اثنان في قبر إلا لضرورة، وهذا في الإبتداء وكذا بعده. قال في الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلى الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد، فتضم عظام الأول، ويجعل حاجز من تراب الخ." (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳ سعید)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "كسر عظم الميت ككسره حياً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم الخ: ۲/۱۰۲، إمداديه)
"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. وفي الواقعات: عظام اليهود لها حرمة إذا وجدت في قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتى لا تكسر؛ لأن الذمی لما حرم إيذاءه في حياته لذمته، فتجب صيانة نفسه عن الكسر بعد موته". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبر اتنی پرانی ہو جائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلا ضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقت ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھ دی جائیں، اگر میت بالکل صحیح سالم قبر میں موجود ہو تب بھی بوقت ضرورت اس کے برابر اسی قبر میں دوسری میت کو رکھنا جائز ہے، لیکن میت قدیم اور میت جدید کے درمیان مٹی کی آڑ بنا دی جائے۔

اگر ایک وقت میں چند مردوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے، اگر سب مرد ہوں یا سب عورتیں ہوں تب تو افضل کو اول لحد میں رکھا جائے اس کے بعد غیر افضل کو۔ اگر موتی مخلوط ہوں تو اول مرد کو رکھا جائے اس کے بعد لڑکے کو اس کے بعد خنثی کو اس کے بعد عورت کو، اور ہر دو کے درمیان مٹی کی آڑ بنا دی جائے:

”ولا یدفن اثنان أو ثلاثة فی قبر واحد إلا عند الحاجة، فیوضع الرجل ممایل إلى القبلة، ثم خلفه الغلام، ثم خلفه الخنثی، ثم خلفه المرأة، ویجعل بین کل میتین حاجز من التراب، کذا فی محیط السرخسی. وإن کان رجلین یقدم فی اللحد أفضلهما، هکذا فی محیط. وکذا إذا کانتا امرأتین، هکذا فی التاتاریخ الخیة. ولوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کذا فی التبیین، ۵۱. حمدیة: ۱۰۷/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔“

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱۶۶/۱، ۱۶۷، رشیدیہ)

”لا یدفن اثنان فی قبر إلا لضرورة، وهذا فی الابتداء، وکذا بعده. قال فی الفتح: ولا یحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلی الأول، فلم یبق له عظم، إلا أن لا یوجد، فتضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجز من التراب ولوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه.“ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۳، سعید)

”ولا یدفن اثنان أو ثلاثة فی قبر واحد إلا عند الحاجة، فیوضع الرجل ممایل إلى القبلة ثم خلفه الغلام ثم خلفه الخنثی ثم خلفه المرأة، ویجعل بین کل میتین حاجز من التراب لیصیر فی حکم قبرین ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه. وفي الواقعات: عظام لها=

میت کے ساتھ قرآن پاک دفن کرنا

سوال [۴۲۲۳]: خورجہ میں ایک عورت کا انتقال ہو گیا تو اس کی قبر میں قرآن پاک دفن کیا ہے جبکہ مولانا صاحب بھی موجود تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی عورت کے انتقال پر قرآن پاک اس کے ساتھ دفن کرنا شرعی حکم نہیں، غلط طریقہ ہے، اگر اس کے اوپر رکھ دیا ہے تو جسم کے پھٹنے سے بے ادبی بھی ہوگی جس کی ہرگز اجازت نہیں (۱)۔ اگر کوئی عالم ایسے وقت میں موجود ہو تو اس کو نکیر کرنا چاہئے، کسی مصلحت سے وہ نکیر نہ کرے تو یہ جواز کا فتویٰ نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

= حرمة إذا وجدت في قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتى لا تكسر الخ. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، ۳۴۲، رشیدیہ)

”عن عبد الرحمن بن كعب أن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهم أخبره أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد.“ (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب دفن الرجلين أو الثلاثة في قبر واحد: ۱/۹۷، قديمی)

(۱) ”وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يسين والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت عن الفتح: أنه تکره كتابة القرآن وأسماء الله على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاك إلا لاحترامه وخشية وطنه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت.“ (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الخ: ۲۴۶/۲، سعید)

”الاستفسار: ”قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟ الاستبصار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقي تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتدلاً، وابتدال كتاب الله من أسباب عذاب الله.“ (فتاوى اللكنوى المسماة نفع المفتي والسائل بجميع متفرقات المسائل، ما يتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دار ابن حزم، بيروت)
(۲) ”ولا يظن في المشايخ أنهم فعلوا مثل ما يفعل أهل زماننا من أهل الفسق والذين لا علم لهم بأحكام =

قرآن کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا

سوال [۴۲۲۴]: ایک شخص نے قرآن کے بوسیدہ اوراق مختلف جگہوں سے گرے پڑے اٹھائے اور انہیں پاک و صاف کر کے رکھ دیا۔ اب وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے پاس میری قبر میں کسی جگہ رکھ دئے جائیں، یہ وصیت اس کی پوری کرنا درست ہوگا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں طاق بنا کر پاک و صاف کپڑے میں رکھ دئے جائیں کہ اس پر مٹی نہ گرے، نہ میت کے بدن کے ساتھ متصل ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔
الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا

سوال [۴۲۲۵]: یہاں پر عام دستور ہے کہ مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں ڈال دیتے ہیں اور پھر اس کے عوض میں نئی چٹائی خرید کر رکھ جاتے ہیں۔ کیا یہ دستور جائز ہے یا نہیں؟

= الشرع، وإنما يتمسك بأفعال أهل الدين“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللغو الخ: ۵/۳۵۲، رشیدیہ)

(۱) قبر میں سے الگ جگہ پر طاق بنا کر دفن کرنے میں میت کے بدن سے متصل نہیں ہوتے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں الگ جگہ پر قرآن کریم کے مقدس اوراق کو دفنانے کی اجازت دیدی ہے: ”المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يدفن كالمسلم“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: كالمسلم) فإنه مكرم، وإذامات عدم نفعه، وكذلك المصحف، فليس في دفنه إهانة له بل ذلك إكرام خوفاً من الامتهان“۔ (رد المختار، كتاب الطهارة، مطلب، يطلق الدعاء على ما يشمل الشاء: ۱/۱۷۷، سعید)

”المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه، ويخاف أن يضيع، يجعل في خرقة طاهرة ويدفن، ودفنه أولى من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك، ويلحد له؛ لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفي ذلك نوع تحقير، إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه، فهو حسن“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/۳۱۹، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلحاً:

قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھنا مکروہ ہے، کذا فی الطحطاوی (۱)، مسجد میں اگر کسی نے چٹائی لا کر بچھا دی اور اب وہ بوسیدہ ہو گئی اور مسجد میں استعمال کے قابل نہ رہی تو بچھانے والے اصل مالک کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے، کذا فی الفتاویٰ الہندیہ (۲) اگر مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی تو اس کو مسجد کے کسی کام میں لائیں یا فروخت کر کے پیسہ مسجد میں خرچ کر دیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۹ھ۔

میت کے دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا

سوال [۴۲۲۶]: یہاں رواج ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد اس کے اوپر لوٹے سے تین مرتبہ پانی ڈالتے ہیں مثل تین لکیر کے، سر سے پاؤں تک ڈالتے ہیں اور کچھ آیات پڑھتے ہیں۔ اس کی اصل کہاں تک ہے؟ اس کو ضروری سمجھنا کیسا ہے؟

(۱) ”ویکرہ إلقاء الحصير في القبر“۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی، أحكام الجنائز، فصل فی دفنہا الخ، ص: ۶۱۰، قدیمی)

”وأما الحصير المتخذ من البردي، فالقاؤه في القبر مكروه“۔ (التاتارخانیۃ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/۱۶۸، إدارة القرآن، کراچی) (و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۲) ”وذكر أبو الليث في نوازلہ: حصر المسجد إذا صار خلقاً واستغنى أهل المسجد عنه، وقد طرحه إنسان إن كان الطارح حياً فهو له، وإن كان ميتاً ولم يدع له وارثاً، أرجوا أن لا بأس بأن يدفع أهل المسجد إلى فقير أو ينتفعروا به في شراء حصر آخر للمسجد، والمختار أنه لا يجوز لهم أن يفعلوا ذلك بغير أمر القاضي“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول فیما یصیر به مسجد او فی أحكامه الخ: ۲/۴۵۸، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل من بنی مسجداً الخ: ۵/۴۲۳، رشیدیہ) (و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشیدیہ)

(۳) (راجع الحاشیۃ المتقدمه)

الجواب حامداً ومصلياً:

دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پانی ڈال دینا تا کہ مٹی منتشر نہ ہو جائے مستحب ہے: ”لابأس برش الماء عليه حفظاً لثرا به عن الاندرا س، بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالى عليه وسلم فعله بقبر سعد رضي الله تعالى عنه، كما رواه ابن ماجة، وبقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبو داؤد في مراسيله، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون رضي الله تعالى عنه، كما رواه البزار، الخ“۔
شامی: ۱/۶۵۱، ۶۰۱، نعمانیہ (۱)۔

دفن کے بعد سر کی جانب سورۃ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب اس کا آخر پڑھنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے (۲)، مگر یہ بھی مستحب ہے، فرض سمجھنا غلط ہے بے اصل ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

”وعن عبد الله بن محمد يعني ابن عمر عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رش على قبر ابنه إبراهيم رضي الله تعالى عنه“۔ (مراسيل أبي داؤد، ماجاء في الجنائز، في الدفن، ص: ۱۸، سعید)
”ولا بأس برش الماء عليه: أي القبر“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيدية)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل في سنة الدفن: ۲/۶۵، رشيدية)

(۲) ”عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: ”سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”إذ مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجله بخاتمة البقرة، الخ“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قدیمی)

”وكان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها فقد ثبت أنه عليه الصلوٰۃ والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عند رجله“۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعید)

(۳) ”من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، رقم الحديث: ۹۹۴۶: ۳/۳۱، رشيدية)

”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لأصل لها في الشرع“۔ (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاہور)

دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا، پھول پتی ڈالنا

سوال [۴۲۲۷]: میت کی قبر کو ہموار کر کے قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی چھڑکنا مستحب ہے تاکہ قبر کی مٹی جم جائے منتشر نہ ہو (۱)، پھول ڈالنا ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

قبر میں خوشبو چھڑکنا

سوال [۴۲۲۸]: قبر کے اندر کیوڑہ، گلاب وغیرہ خوشبو کا وقت دفن چھڑکنا کیسا ہے، شرع میں اس

کی کیا اصلیت ہے؟

(۱) ”عن عبد اللہ بن محمد یعنی ابن عمر عن أبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رش علی قبر ابنہ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ (مراسیل أبی داؤد، ماجاء فی الجنائز، فی الدفن، ص: ۱۸، سعید)
” (ولابأس برش الماء علیہ) حفظاً لتراہیہ عن الاندراہس“۔ (الدر المختار)۔ ” (قوله: ولابأس برش الماء علیہ) بل ینبغی أن یندب؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد، کما رواہ ابن ماجہ۔
وبقبر ولده ابراہیم کما رواہ أبو داؤد فی مراسیلہ۔ وأمرہ فی قبر عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کما رواہ البزار، الخ“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعید)

”ولابأس برش الماء علیہ: أی القبر“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل فی سنة الدفن: ۲/۶۵، رشیدیہ)

(۲) ”وقال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: إن إلقاء الرياحین لیس بشئ، الخ“۔ (فیض الباری، کتاب الجنائز، فصل الجرید علی القبر: ۲/۴۸۹، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

”وکذلک ما یفعلہ اکثر الناس من وضع ما فیہ رطوبة من الرياحین والبقول ونحوہما علی القبور لیس بشئ، الخ“۔ (عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب: من الکبائر أن لا یستتر من بولہ، بیان

استنباط الأحکام: ۳/۱۲۱، مطبعہ منیریہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ويوضع الحنوط في القبر؛ لأنه عليه الصلوة والسلام فعل ذلك بابنه إبراهيم، حموى عن الروضة“. فتح المعين: ۱/ ۳۴۶ (۱)۔ خوشبو قبر میں ڈالنا ثابت ہے، البتہ قبر میں میت کو رکھ کر میت پر عرق گلاب چھڑکنا بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح، ص: ۳۳۳ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا

سوال [۴۲۲۹]: قبر کو جانوروں کے کھودنے اور کھا جانے کے ڈر سے قبر پر کانٹے رکھ کر مٹی

ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کانٹے حفاظت کے لئے اوپر رکھ دیئے جائیں تو مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

(۱) (فتح المعین علی شرح الكنز لملا مسکین للعلامة محمد أبی السعود المصری، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۳۴۶، سعید)

(۲) ”وذكر ابن الحاج في المدخل: أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد، فيجعلونه على الميت في قبره، فإن ذلك لم يرو عن السلف رضي الله تعالى عنهم، فهو بدعة، قال: يكفي من الطيب ما عمل له، وهو في البيت، فنحن متبعون لا مبتدعون، فحيث وقف سلفنا وقفنا“۔ (حاشية

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قدیمی)

(۳) ”وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الانداس والنش، ولا بأس به“۔ (حاشية

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها الخ، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(و كذا في حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/ ۳۸۲،

دار الفكر، بيروت)

قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا

سوال [۴۲۳۰]: تختہ لگانے کے بعد قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہاء ضرور لکھتے، فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے (۱) لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر میں بیری کی شاخ

سوال [۴۲۳۱]: مُردے کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی رکھ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مشہور ہے کہ فرشتے اس لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں۔

(۱) ”الجواب: اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے، اور بیری کی خصوصیت میں مشابہت روافض کی ہے، لہذا اس کو ترک کرنا چاہئے اور اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط رشید احمد۔“ (تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الأخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من تشبه بقوم فهو منهم“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الأقبۃ: ۲/۳۰۳، إمدادیہ)

”قال الطیبی: هذا عام فی الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار اظهر فی الشبه ذکر فی هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غیر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۳۴: ۸/۱۵۵، رشیدیہ)

”من أصر علی أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فكیف من أصر علی بدعة أو منکر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشہد، تحت حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم الحدیث: ۹۴۶، ۳/۳۱، رشیدیہ)

”ویکمره عند القبر ما لم یعهد من السنة الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی کا رکھنا شرع شریف سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ فرشتے بیری کی لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں غلط ہے، اس سے اجتناب لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

قبر میں بیری کے پتے ڈالنا

سوال [۴۲۳۲]: میت کے دفن کرنے کے بعد بیری کے پتے تختے کے اوپر عام طور سے ڈالتے ہیں اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں، کیا بوجہ بیری کے ٹہنی کے کچھ عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا بدعت ہے؟ کہتے ہیں کہ بیری کا درخت سدرۃ المنتہیٰ یعنی ساتویں آسمان پر ہے اس کی فضیلت سے گناہ میں کمی ہوتی ہے۔ مذہب میں اس کی اصلیت کیا ہے؟ بیری کی شاخ قبر میں تختے کے اوپر ڈالنی چاہیے یا اس کو خود ترک کر دینا چاہئے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

ترک کر دیا جائے اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، بدعت اور شعائرِ روافض ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین و مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشہد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیہ)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لأصل لها في الشرع". (السعاية، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۵، سہیل اکیڈمی، لاہور)
(۲) راجع: (تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الاخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص: ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (أبوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الأقبية: ۲/۲۰۳، إمدادیہ) =

دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا

سوال [۴۲۳۳]: بعض جگہ دیہات میں قبر کے اندر تقریباً ایک بالشت لمبی جھاڑ کی لکڑی رکھتے ہیں جس کی وجہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ میت مسواک کرے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مردے پر عذاب کم ہوگا۔ یہ لکڑی رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے اصل ہے، غلط ہے، نہیں رکھنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

جذامی کی قبر میں چونا، پانی ڈالنا

سوال [۴۲۳۴]: جذام کی بیماری میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی قبر میں پچاس کلوگرام چونا اور چالیس گھڑے پانی ڈالا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

۲..... اسی طرح سفیدی کی بیماری اور جلد کی بیماری میں کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی بھی قبر میں

= ”من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر“۔ (مراقبة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیہ)

”ویکثره عند القبر ما لم یعهد من السنة، الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ عنہا: قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قدیمی)

”بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقى عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

پچاس کلو چونا اور چالیس گھڑ پانی ڈالنا لازم قرار دے رکھا ہے۔ جب قبر میں چونا اور پانی ڈالا جاتا ہے تو چونا اور پانی دونوں مل کر اُبلتا اور کھولتا ہے تو میت کا کیا حال ہوگا، گویا کہ ایک قسم کے جلانے کی مثال ہے۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ طریقہ شریعت نے تجویز نہیں کیا، کسی نے خود ہی گھڑ لیا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، خلاف سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۱)۔

۲..... اس کا حکم بھی نمبر ۱ کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

میت کے پیر اور سر کی طرف سورۃ بقرہ کا اول و آخر سر اُڑھا جائے یا جہراً؟

سوال [۲۲۳۵]: دفن کرنے کے بعد مردہ کے سر ہانے: ”آلم“ تا ”مفلحون“، اور پاؤں کی طرف ﴿آ من الرسول﴾ جہراً آواز سے پڑھی جائے یا خفیہ آواز سے؟ فقط۔

احقر غوث محمد ازاں کالک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خفیہ آواز سے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۱) (راجع للتخريج العنوان السابق: ”دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا“۔)

(۲) قال الله تعالى: ﴿واذكر ربك في نفسك تضرعاً وخيفةً ودون الجهر﴾ الآية (سورة الأنفال، پارہ:

۹، آية: ۲۰۵)

”وهو عام لكل ذكر فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص وأقرب من القبول“۔ (روح

المعاني: ۹/۵۳، دار إحياء التراث، بيروت)

(و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل سادس: (قبر، دفن اور ان کے متعلقات، سوال نمبر:

۳۰۶۷: ۵/۲۷۵، دار الإیضاء)

بعد دفن سورۃ بقرہ کا اول و آخر پڑھنا

سوال [۴۲۳۶]: جب لوگ کسی مردے کو قبر میں دفن کر کے سورۃ بقرہ کی آیات پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت مٹی میں سر ہانے اور پائنتی کے پڑھنے والوں کو انکشت شہادت قبر کے اندر دیکر پڑھنا چاہیے؟ اور کیا اس کے پڑھنے کے بعد لوگوں کو فوراً ہی قبرستان سے چلے جانا چاہیے یا کہ ٹھہرنا چاہیے، یا کم از کم رشتہ داروں کو ٹھہرنا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورۃ بقرہ کا اول و آخر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، انکشت شہادت کا مٹی میں رکھنا ثابت نہیں، بلکہ معمول مشائخ ہے، لہذا دونوں صورتوں میں مضائقہ نہیں (۱)۔ میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور دعاء کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ اس سے سوال و جواب میں آسانی ہوتی ہے، بعض صحابہ نے اس کی وصیت بھی فرمائی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ”عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ”إذا مات أحدکم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمة البقرة“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی دفن المیت، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۷۱۷):

۱/۱۴۹، قدیمی)

”وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها“.....: فقد ثبت أنه عليه السلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس المیت وأخبرها عند رجله“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعید)

(۲) ”عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف عليه فقال: ”استغفروا لأخیکم، واسألوا له بالتثیبت، فإنه الآن یسئل“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند قبر المیت فی وقت الانصراف: ۱۰۳/۲، امدادیہ ملتان)

”و یستحب وجلس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما یُنحر الجزور و یفرق لحمه“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: وجلس الخ) لما فی سنن أبی داؤد: كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إذا فرغ الحدیث وروی أن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال - وهو فی سباق الموت -: إذا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار، وإذا دفنتموني فشنوا علی التراب شناً، ثم أقيموا حول =

میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا

سوال [۴۲۳۷]: اگر میت کا رخ نماز پڑھتے وقت غلط ہو گیا، سر کی جگہ پیر اور پیروں کی جگہ سر اور امام نے نماز پڑھادی تو کیا نماز ہو گئی؟ اسی طرح قبر میں غلط رکھ دیا تو کیا دوبارہ قبر کھول کر رخ صحیح کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں دفن کرنے کے بعد اس غلطی کی اصلاح کے لئے قبر کھود کر نکالنا درست نہیں: ”إذا دفن بلا غسل أو صلوة، أو وضع على غير يمينه أو على غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب“. شامی: ۱/۲۰۶ (۱)۔ اگر نماز پڑھاتے وقت میت کا جنازہ اس طرح رکھا گیا کہ اس کا سر جنوب کی طرف ہو گیا اور پیر شمال کی طرف اور نماز اسی طرح پڑھادی گئی تو بھی نماز ہو گئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن قصد اسی طرح کرنا اسماۓت ہے: ”وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين، وأساؤا إن تعمدوا“۔ درمختار: ۱/۵۸۳ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۲ھ۔

= قبری قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستانس بكم وأنظر ماذا أراجع رسل ربی“۔ (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۷، سعید)

(و كذا فی الفتاوى العالمكیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید)

”ولو وضع الميت لغير القبلة أو شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجلیه وأهیل علیه التراب، لم ينبش“۔ (الفتاوى العالمكیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۲) (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعید)

”(ولو أخطأوا عند الوضع، فوضعوا رأسه مما یلی یسار الإمام، جازت الصلاة، وإن تعمدوه فقد =

دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا

سوال [۴۲۳۸]: قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد اسی وقت قبرستان میں ہاتھ دھو ڈالتے ہیں، بعض اس کو منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دھو ڈالنا چاہیے۔ شرعاً کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جودل چاہے کوئی پابندی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۶/۶/۲۵ھ۔

مس ذکر سے مذی آگنی اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا

سوال [۴۲۳۹]: کوئی شخص اپنے کسی بھی رشتہ دار کے گذر جانے کی خبر پا کر گھر سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے مگر راستہ میں موٹر پر یا گاڑی میں جانا ہے، سامنے کوئی عورت بیٹھی ہے۔ مطلب غیر عورت، اور وہ شیطانی حرکت سے جان بوجھ کر اپنے عضو تناسل کو اس کے کندھے یا ہاتھ میں لگاتا ہوا گیا، اب اس شخص کو مذی آنے کا بھی شک ہو گیا پھر بھی اس نے جا کر مٹی دی۔ اب بتائیے اس کا مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا جو مٹی وہ اپنے

= أساءوا، وجازت، كذا في التاتارخانية. (الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهیل اکیڈمی)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثانی والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) آداب قبور کا خیال رکھتے ہوئے قبروں سے ذرا ہٹ کر ہاتھ دھونا چاہئے: ”ویكره الجلوس على القبر ووطؤه ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة، بل وكل ما لم يعهد من السنة، الخ.“ (رد المحتار، كتاب

الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۴۵، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق، باب صلاة الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبیل باب

الشهيد: ۲/۳۴۳، رشیدیہ)

ہاتھ سے دیا اس میت کی وہ مٹی کیا ہمیشہ کے لئے ناپاک ہوگئی؟ اور قیامت تک اس شخص کو جو مٹی قبرستان میں رہے گی اس کو گناہ ملے گا، یا برسات سے وہ مٹی پگھل کر چاروں طرف پھیل جائے گی تو جتنی میت وہاں ہیں سب کا گناہ پڑے گا اور اس شخص کی بخشش نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راستہ کی اس نالائق حرکت کی وجہ سے نہ اس کا ہاتھ ناپاک ہوا، نہ مٹی ناپاک ہوئی، نہ قبر ناپاک ہوئی، نہ قبر پر کوئی گناہ پہنچا، نہ اس کی وجہ سے میت کو عذاب ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱/۹۶ھ۔

دفن میت کے بعد چار پائی الٹ دینا

سوال [۴۲۲۰]: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے بعد فوراً چار پائی کو الٹا کر دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔
صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۲۱]: پرانی قبر کو نئی مٹی سے بھر دینا کیسا ہے؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَزِرْ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (سورة الإسراء، پارہ: ۱۵، آية: ۱۵)

قال العلامة آلوسی البغدادی فی تفسیر هذه الآية: ”(ولا تزر وازرة وزر اخرى) تاکید للجمله الثانية ای لا تحمل نفس حاملة للوزر وزر نفس اخرى حتى يمكن تخلص النفس الثانية عن وزرها ويختل مابين العامل وعمله من التلازم“ (تفسیر روح المعانی، سورة الإسراء: ۱۵، ۳۵/۱۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، خاص کر جب کہ اس میں میت موجود ہو مٹی نہ ہوئی ہو، یا کسی کے اس میں گر جانے کا اندیشہ ہو: ”لأن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مرّ بقبر ابنه إبراهيم، فرأى فيه حجراً سقط فيه فسده وقال: ”من عمل عملاً فليتنه، ۱ھ“۔ طحطاوی، ص: ۳۳۵ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۰۷ھ۔

ایضاً

سوال [۴۲۴۲]: اگر قبر بارش کے سبب سے دھنس جائے تو اس کا دوبارہ مٹی سے درست کرنا جائز

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے: ”وإذا خربت القبور، فلا بأس بتطيينها، كذا في التاتارخانية. وهو الأصح، وعليه الفتوى، كذا في جواهر الأخلاطي، ۱ھ“۔ عالمگیری: ۱/ ۱۲۶ (۲)۔ لیکن اگر قبر پرانی ہو اور

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

”وإذا خربت القبور، فلا بأس بتطيينها، كذا في التاتارخانية. وهو الأصح، وعليه الفتوى، كذا في جواهر الأخلاطي، ۱ھ“۔ (الفتاویٰ العالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/ ۶۶، رشیدیہ)

”وإذا خربت القبور، فلا بأس بتطيينها، لما روى أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مرّ بقبر ابنه إبراهيم، فرأى فيه حجراً سقط منه فسده وأصلحه، ثم قال: ”من عمل عملاً فليتنه“۔ (التاتارخانية، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/ ۱۷۰، إدارة القرآن، کراچی)

(و كذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۲۷۶، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/ ۶۶، رشیدیہ)

(و كذا في التاتارخانية، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی

القبر والدفن: ۲/ ۱۷۰، إدارة القرآن) =

میت اس میں مٹی ہو چکی ہو تو اس کا حکم قبر کا نہیں رہے گا، اس کو مٹی ڈال کر درست کرنے کی ضرورت نہیں: ”جاز زرعہ والبناء علیہ إذا بلی وصار تراباً، زیلعی، ۱ھ“۔ درمختار: ۱/۸۴۰ (۱)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ قبر جس قدر پرانی ہوتی جاتی ہے اور اس پر بارشیں ہوتی ہیں، اسی قدر صاحب قبر پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں، لہذا قبر کا بارش کی وجہ سے دھنس جانا ہی موجب رحمت کی زیادتی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پرانی قبر پر مٹی ڈالنا

سوال [۲۲۳]: جو قبر بالکل منہدم ہو گئی ہو، دوبارہ اس کو مثل نئی کے بنادینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کی اہانت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے اس پر بیٹھنا، چلنا، نجاست ڈالنا یہ سب چیزیں ناجائز ہیں (۳)۔

= (و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) لم أقف علیہ.

(۳) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”لأن یجلس أحدکم

علی جمرة، فتحرق ثیابه حتی تخلص إلی جلدہ خیرٌ من أن یجلس علی قبر“..... وقال أيضاً:

”لا تجلسوا علی القبور، ولا تصلوا إلیہا“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی کراہیۃ العقود علی

القبر: ۲/۱۰۴، إمدادیہ ملتان)

”(ویکرہ وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط“۔ (الدر المنتقى فی شرح الملتقى علی

ہامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ) =

جو قبر منہدم ہوگئی تو اس نیت سے کہ اہانت سے محفوظ رہے اس پر مٹی ڈالنا درست ہے: ”المختار أن التطيين غير مكروه، وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخربة، الخ“. مجمع الأنهر: ۱/۱۸۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

قبر پر بوقتِ ضرورت مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۴۴]: کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈالنا یا سال دو سال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈالنا تا کہ نشان باقی رہے درست ہے یا نہیں؟ اور چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی ڈالنا درست ہے (۲)۔ اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حد ذاتہ بھی درست

= ”وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالى أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط“. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۲/۶۵، رشیدیہ)
(و كذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعید)
(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبة غفارية)
(و جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز: ۱/۲۸۹، مطبعة كريميه)
”ثم يهال التراب ولا يزداد على التراب الذي خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لا بأس به“۔ (غنية المستملی (الحلبی الكبير)، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن، ص: ۵۹۸، سهيل اكيڈمی، لاہور)

(۲) ”ثم يهال التراب ولا يزداد على التراب الذي خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لا بأس به“۔ (الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن: ۵۹۸، سهيل اكيڈمی، لاہور)
”وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة، ويعمر القبور الخربة“۔ (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبة غفارية)

(و كذا في فتاوى دارالعلوم دیوبند، كتاب الجنائز، فصل سادس: قبر دفن اور ان کے متعلقات (سوال نمبر: ۲۹۹۹): ۵/۲۵۶، دارالاشاعت، کراچی)

ہے، لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے اس لئے نہیں چاہیے (۱)۔ وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۲۵]: بنگال میں عام طور دیکھا جا رہا ہے کہ تالاب کے کنارے جس کو یہ لوگ پاٹ کہتے ہیں قبر ہوتی ہے، اب تالاب کو گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ تالاب کی مٹی کو قبر پر رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تالاب کی مٹی قبر پر ڈالنے سے قبر زیادہ بلند ہو جائے گی، لہذا وہاں نہ ڈالی جائے، قبر کے لئے وہی مٹی کافی ہوتی ہے جو قبر کھودنے سے نکلتی ہے: ”ویکفرہ أن یزید فیہ حتی التراب الذی خرج منه، ویجعلہ مرتفعاً عن الأرض قدر شبر أو أكثر بقیل“۔ مراقی الفلاح، ص: ۳۷۰ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۰ھ۔

(۱) ”والسنة أن یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذہ من حديد بشی، ولا شک فی کراہتہ، کما هو طاهر الوجه، الح“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعید)

(کذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الجنائز، باب ما یعلق بالدفن: ۷/۷۱، دارالاشاعت، کراچی)
(۲) ”قولہم: شرط الواقف کنص الشارع: أى فی المفہوم والدلالة“۔ (الدر المختار، کتاب الوقف، فصل براعی شرط الواقف فی جازتہ: ۶۳۳، سعید)

”أجسعت الامانة من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر، یعمل بہ“۔ (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۲۱، رشیدیہ)

(وکذا فی تیسرے الحقائق، کتاب الوقف: ۲۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۳) (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، احکام الجنائز، فصل فی حملہا ودفنہا، ص: ۶۱۱، قدیمی)

”وینال التراب علیہ، وتکرہ زیادۃ علیہ (من التراب: لانه بمنزلة البناء“۔ (الدر المختار، باب=

قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا

سوال [۴۲۴۶]: قبر میں مٹی کے چھوٹے ڈھیلے اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر وہ ڈھیلے قبر میں میت کے بازو میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل کتب حدیث میں موجود نہیں، بعد کے بعض لوگوں کا عمل ہے جو شرعی حجت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر کی مٹی لانا

سوال [۴۲۴۷]: بزرگوں کی قبر سے قبر کی مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقبرہ سے مٹی لائی جائے گی، وہ دو حال سے خالی نہیں: موقوفہ ہے یا مملوکہ، اگر موقوفہ ہے تو منشائے واقف کے خلاف ہے، لہذا ناجائز ہے (۲)۔ اگر مملوکہ ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں: یا تو مالک کی اجازت سے

= صلاة الجنائز: ۲/۲۳۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشیدیہ)

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ، فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(۲) ”قولہم: شرط الواقف کنص الشارع: ای فی المفہوم والدلالة“۔ (الدر المختار، کتاب الوقف، فصل: یراعی شرط الواقف فی إجازته: ۴/۴۳۳، سعید)

”أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر، يعمل به“۔ (البحر الرائق، کتاب

الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الوقف، ۴/۲۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

لائی جائے گی یا بغیر اجازت، اگر بغیر اجازت لائی گئی تو بالکل نادرست اور ناجائز ہے (۱)، اگر اجازت سے ہو تو جائز ہے بشرطیکہ اعتقاد صاف ہو یعنی مؤثر حقیقی نہ خاک کو سمجھایا جائے اور نہ مردے کو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

قبر کی مٹی کھانا

سوال [۴۲۴۸]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبروں کی مٹی یا پختہ قبر سے قلیل چونہ چاٹ لینا درست ہے کہ اس میں فائدہ مرتب ہوتا ہے جیسے کہ مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں نصاب الاحساب و خزینۃ الروایات و مجمع البرکات سے پان میں چونہ کھانے کو مفید تحریر فرمایا ہے (۳) یا مطلقاً قدر قلیل مٹی کو کھالینا درست بلا کراہت لکھا ہے۔ لہذا عرض ہے کہ مدلل جواب سے اطلاع دیں کہ عوام اس گمراہی سے احتراز کریں۔ فقط۔

عبدالمجید، قصبہ کرت پور، ضلع بجنور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”الطين الذى يحمل من مكة ويسمى طين حمرة، هل الكراهية فيه كالکراهية فى أكل الطين على ما جاء فى الحديث؟ قال: الكراهية فى الجميع متحدة، كذا فى جواهر الفتاوى، اه“.

(۱) ”لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه الخ“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية فى بيان القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۹۶): ۱/۶۱، مكتبه حنفية كوئٹہ)

”لا يجوز التصرف فى مال غيره بلا إذنه الخ“۔ (الدر المختار، كتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَإِذَا مَرَضْتَ فَهُوَ يَشْفِيكَ، وَالَّذِى يَمِيتُكَ ثُمَّ يَحْيِيكَ﴾ (سورة الشعراء: ۸۰، ۸۱)

”﴿وَإِذَا مَرَضْتَ﴾ الآية: أى إذا وقعت فى مرض، فإنه لا يقدر على شفاى أحد غيره بما يقدر

من الأسباب الموصلة إليه، قوله تعالى: ﴿وَالَّذِى يَمِيتُكَ﴾ الآية: أى هو الذى يحيى، يميت، لا يقدر على ذلك أحد سواه، فإنه هو الذى يبدئ ويعيد“۔ (تفسير ابن كثير: ۳/۳۳۸، سهيل اكيڈمى، لاہور)

(۳) ”وعلى هذا يقاس أنه يباح أكل النورة مع الورق المأكول فى ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونها“۔ (نصاب الاحساب، الباب العاشر فى الاحتساب على

الأكل والتسبب والتدواى، ص: ۵۲، دارالعلوم للطباعة والنشر)

عالمگیری: ۴/۲۲۰ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ طین مکہ معظمہ اور طین غیر مکہ معظمہ ہر دو مکروہ اور کراہت ہر دونوں میں متحد ہے اور کراہت حدیث شریف سے ثابت ہے:

”أكل الطين مكروه و كراهية أكله لا لحرمة بل لتهييج الداء. وعن المبارك كان ابن أبي ليلى يرد الجارية عن أكل الطين، وسئل أبو القاسم عمن أكل الطين قال: ليس ذلك من عمل العقلاء.“ كذا في الحاوی للفتاوی (۲)۔

مٹی کے کھانے کی ممانعت حرمت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مورث امراض ہونے کی وجہ سے ہے، نیز یہ فعل عقلاء کا نہیں، اگر مٹی کا کھانا مورث امراض نہ ہو، نیز اس میں منفعت ہو اور ایسی منفعت کہ کسی اور چیز سے حاصل نہ ہو تو بقدر ضرورت کھانا درست ہوگا:

”فی نصاب الاحتساب: و ذکر الحلوانی أن أكل الطين إن كان يضر، يكره، وإلا فلا، وإن كان يتناوله قليلاً أو يفعلهُ أحياناً، لا يكره. قال العبد أصلح الله شأنه: و يقاس على هذا أنه يباح أكل النورة مع الورق مأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإنه الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونه، وهو الحمرة، انتهى. وقد نقل عنه في خزانة الروايات ومجمع البركات أيضاً.“ نفع المفتی، ص: ۱۱۰ (۳)۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ بزرگوں کے مزارات کی مٹی کھانے میں کیا منفعت ہے، اگر کوئی ایسی منفعت ہے جو خصوصیت مزار پر مرتب ہوتی ہے تو اس سے عوام کے عقائد خراب ہوتے ہیں کہ وہ ان بزرگوں کی روح کو

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الأكل وما يتصل به: ۳۴۰/۵، ۳۴۱، رشیدیہ)

(۲) (المصدر السابق من الهندیۃ: ۳۴۰/۵، ۳۴۱)

(۳) (فتاویٰ اللکنوی المسماءة نفع المفتی والسائل الخ، کتاب الحظر والإباحة، ما يتعلق بالأكل والشرب، ص: ۳۷۹، دار ابن حزم، بیروت)

”ویکره أكل الطين؛ لأنه تشبه بفرعون.“ (البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الفصل الخامس فی الأكل: ۳۶۵/۶، رشیدیہ)

متصرف سمجھتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کی نذر مانتے ہیں حتیٰ کہ قبر کو سجدہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے یہ ہرگز جائز نہیں۔ اگر کوئی منفعت ہے جو نفسِ قبر کی مٹی سے حاصل ہو جاتی ہے اور خصوصیتِ مزار سے متعلق نہیں تو بزرگوں کی قبر کی تخصیص کیوں ہے، ہر ایک قبر کی مٹی چاٹنے پر وہ فائدہ مرتب ہونا چاہیے، تو اس میں قبر وغیر قبر سب برابر ہے، قبر کی مٹی میں مذکورہ بالا مفاسد ہیں، اس لئے غیر قبر کو مٹی سے وہ فائدہ حاصل کر لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۱۳۵۵ھ۔

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال [۲۲۲۹]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر شقِ ثانی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شقِ اول ہے تو قرآن و حدیث سے ثبوت ہونا چاہیے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہیے؟ عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

شبیر علی معلم مدرسہ ہذا، ۷/ صفر/ ۱۳۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے، لائنہ وقف (۱) اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے لائنہ ملکہ۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امرِ محدث ہے، میت جب خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو، کھیتی کرنا درست ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر

(۱) ”فبذا تم (أی الوقف) ولزم، لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن“۔ (الدر المختار)۔ ”أی لا

یکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملک: أی لا یقبل التملیک لغيره بالبیع ونحوه“۔ (رد المحتار، کتاب

عالم کسی قبر کی مٹی کو تبرکاً لا کر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کریگا، لہذا اجتناب چاہیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۴ھ۔
صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال [۴۲۵۰]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے، اگر مینڈھ چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مولیٰ پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کر دیں لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں، ہاں اگر قبروں پر مقدار شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۸ھ۔

قبر کھود کر میت کو دیکھنا اور ایصال ثواب کا طریقہ

سوال [۴۲۵۱]: میرے لڑکے کا عمر دس سال انتقال ہو گیا جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرہ آخرت

(۱) ”ویہال التراب علیہ، وتکثرہ زیادة علیہ من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء الخ“۔ (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۶، رشیدیہ)

” (ویہال التراب) سترالہ، ویکثرہ أن یزاد علی التراب الذی أخرج من القبر؛ لأن الزیادة علیہ بمنزلة البناء“۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۴۰، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

بنے۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا، اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں، مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہنچایا جائے گا وہ رفع درجات کا سبب بنے گا (۱)۔ قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے (۲)، صبر میں بڑا اجر ہے (۳)۔ میت کو ثواب پہنچانے کے لئے غرباء

(۱) ”(ولا يستغفر فيها لصبي ومجنون) ومعتوه لعدم تكليفهم وقد قالوا: حسنات الصبي له،

لأبويه، بل لهما ثواب التعليم“۔ (الدر المختار، باب صلاة الجنابة: ۲/۵، سعید)

”وتصح عباداته (أى الصبي) وان لم تجب عليه، واختلفوا فى ثوابها، والمعتمد أنه له وللمعلم

ثواب التعليم، وكذا جميع حسناته“۔ (الحموى شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان:

۲۲/۳، إدارة القرآن، کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، فى مسائل الكراهية:

۱۴۸/۱، اسلامى كتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

(۲) ”مات ولدها فى غير بلد ها وهى لاتصبر، فأرادت أن تنبش، لايجوز، ويترك هناك“۔ (الفتاوى

البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون فى الجنائز، نوع آخر ذهب

إلى المصلى الخ“۔ ۸۱/۴، رشیدیہ)

”قوله ولا ينبش ليوجه: أى لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب لا ينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة

سنة والنبش حرام“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنابة: ۲/۲۳۶، سعید)

”ولو وضع الميت لغير القبلة، أو شقه الأيسر، أو جعل رأسه موضع رجله، وأهيل عليه التراب،

لم ينبش“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس

فى الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: ۱۵۳) =

کو کھانا کھانا بھی درست ہے، کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے (۱)، مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا و فخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں، یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے اس سے ثواب نہیں ہوگا (۲)۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی

= ”عن محمد بن خالد السلمی عن أبيه عن جده رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن العبد إذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله، ابتلاه الله في جسده أو في ماله أو في ولده، ثم صبره على ذلك، حتى يبلغه المنزلة التي سبقت من الله“. (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض: ۱/۱۳۷، قدیمی)

(۱) ”إن سعد بن عبادۃ رضى الله تعالى عنه توفیت أمه وهو غائب عنها فقال: یا رسول الله! إن أمی توفیت وأنا غائب عنها أينفعها شیء إن تصدقت به عنها قال: ”نعم“ قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها“۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أَرْضَى وبستانى صدقة لله عن أمی فهو جائز: ۱/۳۸۶، قدیمی)

”صرح علماءنا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیرها..... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ينقص من أجره شیء“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۲۳، سعید)

”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذکر أو طوافاً أو حجاً أو عمره أو غیر ذلك عند أصحابنا بالکتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغير: ۲/۵۳۵، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) ”عن عبادۃ بن الصامت رضى الله تعالى عنه قال: علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والکتاب، فأهدی إلی رجلٍ منهم قوساً، فقلت: لیست بمال، وأرمى علیها فی سبیل الله، لأتین رسول الله صلى الله تعالى علیه وسلم فلاسلنّه، فأتیته فقلت: یا رسول الله! رجل أهدی إلی قوساً ممن كنت أعلمه الکتاب والقرآن ولیست بمال وأرمى عنها فی سبیل الله تعالى، قال: ”إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نار فأقبلها“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الإجارة، باب کسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمدادیہ)

گنجائش ہے (۱) تاکہ زیارت کے لئے جو لوگ دور دور سے آتے ہیں ان کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں، بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں، بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= ”واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أولقراءة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره..... هذه الأفعال كلها للسمعه والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله“۔ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۱/۲۴۰ سعید)

”ونصه أقول: المفتی به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لأعلى القراءة المجردة، كما صرح به في التاتارخانية قال: لا معنى لهذه الوصية ولصلة القاري بقراءته؛ لأن هذا بمنزلة الأجرة، والإجارة في ذلك باطلة“۔ (رسائل ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل الخ، ص: ۱۶۸، سهيل اكيثمي، لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبع ميمنيه مصر)

(۱) ”لابأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن“۔ (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

”وإن احتيج إلى الكتابة حتى لا يذهب الأثر ولا يمتحن، فلا بأس به“۔ (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيدية)

(۲) ”عن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه، قال لابنه -وهو في سياق الموت-: إذا أنا مت فلا تصحبنى نائحة ولا نار. فإذا دفنتمونى، فشنوا على التراب شناً، ثم أقيموا حول قبرى قدر ما ينحرجزور ويقسم لحمها حتى أستاذس بكم، وأعلم ماذا أراجع به رسل ربى“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمی)

”وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوى بذلك أن يؤنسهم صوت القرآن فإنه يقرأ“۔ (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى التسييح والتسليم والصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم الخ: ۳/۴۲۲، رشيدية)

قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا

سوال [۴۲۵۲]: قبر کے اندر میت کے دفن کرتے وقت کچھ قیمتی چیز نوٹ وغیرہ گری تو پھر دوسرے دن قبر کو کھودنا اور اس کو ادھر ادھر سے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ وغیرہ جو چیز قبر میں غلطی سے رہ گئی ہو، اس کو احتیاط سے نکالنے کی اجازت ہے، میت کو ہرگز نہ ہلائیں نہ اس کا کفن کھول کر دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی

سوال [۴۲۵۳]: ہندوستان کے آخری تاجدار مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کو انگریزوں نے ظلماً ہندوستان سے جلا وطن کیا اور ان کو رنگون میں نظر بند کیا، وہاں ان کا اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے انتقال ہوا، اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا، اب کچھ مسلم زعماء گورنمنٹ ہند کی مدد سے ان کو ہندوستان منتقل کرنا چاہتے ہیں اس مسئلہ میں حسب ذیل امور کی طرف بھی جناب کی توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا:

(۱) ”عن بجیر بن ابی بجیر قال: سمعت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما يقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: حين خرجنا معه إلى الطائف، فمررنا بقبر، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”هذا قبر أبی رغال وآية ذلك أنه دفن معه غصن من ذهب، إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه، فابتدره الناس فاستخرجوا الغصن“ (سنن أبی داود، کتاب الخراج والفی والإمارة، باب نبش القبور العادية: ۸۴/۲، إمدادية)

”ولو دفن بشوب أو درهم للغير يخرج منه“ (الحلبی الكبير، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۰۵ سہیل اکیڈمی، لاہور)

”وأشار بكون الأرض مغصوبةً إلى أن يجوز نبشه لحق الآدمی، كما إذا سقط فیها متاعه

..... ولو كان المال درهماً“ (کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلوۃ الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

۱..... ان کو دفن ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے کہ فقہاء کی تصریحات کی بناء پر ان کی قبر پر کھیتی اور تعمیر مکان جائز ہے۔

۲..... قرن اول میں بعض شہدائے احد کو اور ۱۹۳۰ء میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قبروں کے منتقل کئے جانے کا فتویٰ علماء نے اس بنیاد پر دیا کہ یہ قبریں پانی کے بہاؤ کی زد میں آگئی تھیں۔

۳..... بہادر شاہ ظفر کی قبر کو ہندوستان میں منتقل کرنا اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا باعث ہے اور ہندوستان میں ایک اسلامی اثر کا قیام ہے۔

۴..... بہادر شاہ ظفرؒ کی یہ خود آرزو تھی کہ وہ ہندوستان میں مدفون ہوں، جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

۵..... اس منتقلی کی یہ صورت نہ ہوگی کہ قبر کو کھود کر ان کی ہڈیاں نکالی جائیں اور وہ منتقل کی جائیں، بلکہ اب ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اس کے ذریعے پوری قبر اصل حالت میں مع کچھ اطراف کے منطقہ زمین کے منتقل ہو سکے گی۔

۶..... حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کے تابوت کو مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شام لے کر آئے۔

۷..... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید احد کو ان کی قبر سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... قبر کا احترام لازم ہے، لیکن جب قبر میں میت باقی نہ رہے مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، احترام لازم نہیں رہتا، وہاں تعمیر و زراعت کی اجازت ہو جاتی ہے (۱)۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کیلئے

(۱) ”ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه“۔ (تبیین الحقائق، کتاب

الصلاة، باب الجنائز، : ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعى“۔ (الدر المختار، باب الصلاة الجنائز،

مطلب فى دفن الميت: ۲۳۸/۲، سعید) =

وجہ جواز اگر نمبر: ۱ کو تجویز کیا جائے تو نمبر: ۲، ۶، ۷، کی طرف توجہ مبذول کرانا بے محل اور بے سود ہے، کیونکہ شہداء اور انبیاء علیہم السلام کا جسم محفوظ رہتا ہے اس کو زمین نہیں کھاتی (۱)۔ نمبر: ۵ کا ذکر بے ضرورت ہے۔

نمبر: ۴ کیلئے وجہ جواز کیا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے وصیت کی کہ مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے تو وصیت باطل ہے، قابل نفاذ نہیں: ”و کذا تبطل (أی الوصیة) لو أوصی بأن یکفن فی ثوب کذا أو یدفن فی موضع کذا“۔ شامی: ۱/ ۵۹۱ (۲)۔ یہاں تو وصیت بھی نہیں ہے، محض اشعار سے آرزو مستفاد ہے۔

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/ ۱۶۷، رشیدیہ)

(۱) ”وعن أوس بن أوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”إن من أفضل أيامکم يوم الجمعة، فیہ خلق آدم، وفيہ قبض، وفيہ النفخة، وفيہ الصعقة، فاکثروا علی من الصلاة فیہ، فإن صلاتکم معروضة علی“۔ قال: قالوا: یا رسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- وكيف تعرض صلاتنا علیک وقد أُرمت؟ قال: یقولون بلیت، فقال: ”إن اللہ عز وجل حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء“۔ (سنن أبی داؤد، باب تفریع أبواب الجمعة: ۱/ ۱۵۷، إمدادیہ)

”(إن اللہ حرّم علی الأرض)“: ”أی منعها، وفيہ مبالغة لطيفة“ (أجساد الأنبیاء): ”أی من أن تأکلها، فإن الأنبیاء فی قبورهم أحياء۔ قال الطیبی: فإن قلت: ما وجه الجواب بقوله: إن اللہ حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء، فإن المانع من العرض والسماع هو الموت وهو قائم؟ قلت: لاشک أن حفظ أجسادهم من أن ترم خرق للعادة المستمرة، فكما أن اللہ تعالیٰ یحفظها منه ویحصل لبعض ورّاثهم من الشہداء والأولیاء والعلماء الحظ الأوفی بحفظ أبدانهم الظاهرة“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۱۳۶۱): ۳/ ۴۵۲، ۴۵۳، رشیدیہ)

”لما روی أن یعقوب صلوات اللہ علیہ الخ، مانصه أن ذلک شرع من قبلنا، ولم تتوفر فیہ شروط کونه من شرعنا، ولأن أجساد الأنبیاء علیہم السلام أطیب ما یكون حال الموت کالحیة والشہداء کسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیسوا کغیرهم من جیفتهم أشد نتناً من جیفة البهائم فلا یلحق“۔

(حاشیة الطحطاوی، أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۳، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۹، سعید)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب: تعظیم أولى الأمر واجب: ۲/ ۲۲۱، سعید) =

اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت تو اسلام کا جھنڈا سر بلند کرنے اور احکام اسلام کو غالب کرنے میں ہے، پرانی ہڈیوں یا ہڈیوں کی مٹی منتقل کرنے میں نہیں، بلکہ اس میں اندیشہ تو یہ ہے کہ اس مٹی کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو دیگر معظم قبور کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس پر چراغ جلائیں گے، غلاف چڑھائیں گے، طواف کریں گے، سجدہ کریں گے، شاہی آداب بجالائیں گے، قبہ اور گنبد بنائیں گے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان امور سے اسلام کی خلاف ورزی ہوگی نہ کہ شوکت میں اضافہ، لہذا نمبر: ۳ بھی وجہ جواز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۹۵ھ۔

میت کو بعد دفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق

سوال [۴۲۵۴]: حضرت محترم دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس! جنرل شاہ نواز کے خط کی نقل ہمرشتہ ہے اس سلسلہ میں بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ حضرت

= ”ولو أوصی بأن یحمل بعد موتہ إلى موضع کذا ویدفن ہناک ووصیتہ بالحمل باطل“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ الی تکنون وصیۃ والی لا تکنون الخ: ۹۵/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الوصایا: ۶/۲۶۶، سعید)

(۱) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن تجصیص القبور، وأن یکتب علیہا، وأن یبنی علیہا“۔ (الصحيح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیہا: ۳۱۲/۱، قدیمی)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى تحته: ”وفی الحدیث کراهیۃ تجصیص القبر وأن یبنی علیہ هذا مذهب الشافعی وجمهور العلماء“۔ (المصدر السابق لمسلم)

”عن أبی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ أن یبنی بناء من بیت أوقبہ أو نحو ذلک، لما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲۳۷/۲، سعید)

”لا یجوز التجصیص عند أحد ولا البناء“۔ (العرف الشذی علی هامش الترمذی، أبواب الجنائز، باب کراهیۃ تجصیص القبور والکتابة علیہا: ۲۰۲/۱، سعید)

وانظر للتفصیل: (الفصل السادس من هذا الباب، عنوان: ”قبر پر قبر بنانا“، ص: ۱۵۳)

مولانا ابوالکلام آزاد اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب کی زندگی میں بھی یہ مسئلہ آیا تھا، ان حضرات کا خیال تھا کہ منتقل کرنے کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ قبر کو کھودنے اور لحد کو کھولنے کے بجائے پوری اٹھائی جائے، یعنی قبر کے چاروں طرف سے دوڑھائی گز تک زمین کھود کر یہ پورا ٹکڑا جس میں لحد اور قبر ہے اس طرح اٹھالیا جائے جیسے بڑے درخت کا پینڈا اٹھایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی وہی حکم ہوگا جو لحد کھولنے اور جنازہ کو اس سے نکالنے کا ہوتا ہے، بینوا تو جروا۔ انشاء اللہ۔

نیاز مند محتاج دعا (حضرت مولانا) محمد میاں، ۴/ جمادی الآخر/ ۸۳ھ۔
۳۔ صفدر جنگ روڈ، نئی دہلی، مورخہ، ۱۷/ اکتوبر/ ۶۳ء۔

شاہ نواز کا خط

محترم جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔

۷/ نومبر/ ۶۳ھ، کوچھ بکے شام لال قلعہ دہلی میں جناب بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جا رہی ہے جس کی رسم افتتاح جناب جواہر لال نہرو فرما رہے ہیں، اس موقع پر یہ سوال بھی اٹھے گا کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر کونگون سے دہلی کے لال قلعہ میں منتقل کیا جائے، یہ وہ حسرت ہے جس کو اپنے دل میں لئے ہوئے حضرت ظفر نے وفات پائی، یہ حسرت ان کے اس شعر سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ۔
دو گزر زین بھی نہ ملی کوئے یار میں

۴۳ء میں جنگ آزادی کے دوران نیتاجی سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ رگون گئے تو انہوں نے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کے اوپر کھڑے ہو کر ان کی یہ نظم دہرائی تھی۔
غازیوں میں بور ہے گی جب تلک ایمان کی
تخت لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

نیتاجی سبھاش چندر بوس نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں سبھاش چندر بوس آپ کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہندوستان کی تلوار لندن تک چلاؤں گا اور جو کام جنگ آزادی کا آپ نے شروع کیا ہے، اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا اور دہلی کے لال قلعہ کے اوپر ”یونین جیک“ کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرائے گا تب آپ کو جنگ آزادی کے شہنشاہ کی حیثیت سے پوری شان

وشوکت کے ساتھ دیس واپس لایا جائے گا۔ ظفر کمیٹی کی خواہش ہے کہ نیتاجی سبھاش چندر بوس کے اقرار کو پورا کیا جائے اور شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا جائے اور اس کے اوپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ ممبران کمیٹی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دینی نقطہ نگاہ سے مزار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ میں بہت مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے اس کا جواب دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کر کے جلد از جلد دیں۔

زیادہ آداب، آپ کا مخلص (دستخط) شاہنواز خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہو اسی بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے (۱)۔ ”یئدب دفنه فی جهة موته: أى فی مقابر أهل المكان الذی مات فیہ أو قتل“۔ شامی (۲)۔

(۱) ”أوصی بأن یصلی علیہ فلان أو یحمل بعد موته إلى بلد آخر أو یکفن فی ثوب کذا..... فہی باطلۃ“۔ (الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۶/۶۶۶، سعید)

”ولو أوصی بأن یحمل بعد موته إلى موضع کذا ویدفن هناك..... ووصیته بالحمل باطلۃ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ الی تکنون وصیۃ والی لاتکنون الخ: ۶/۹۵، رشیدیہ)

”وإذا أوصی بأن ینقل إلى بلد آخر، لاتنفذ وصیته، فإن النقل حرام علی المذهب الصحیح المختار الذی قالہ الأكثرون وصرح بہ المحققون“۔ (الأذکار للنووی، باب وصیۃ المیت أن یصلی علیہ إنسان بعینہ أو یدفن علی صفة مخصوصة وفی موضع مخصوصة الخ، ص: ۱۱۶، دار ابن حزم بیروت)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۹، سعید)

”القتیل أو المیت یستحب لهما أن یدفنا فی المكان الذی قتل أو مات فیہ فی مقابر أولئک القوم، الخ“۔ (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۲۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: کتاب الصلاة، الباب الحادی العشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

حضرت عبد الرحمان ابن ابی بکر کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لیجا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر میں پر گزریں تو فرمانے لگیں کہ اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے (۱)۔ تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے میل دو میل کو مقام وفات سے حسب مصالح دور لیجا کر دفن کرنے کی بھی گنجائش بتائی ہے:

”ولابأس بنقله قبل دفنه قيل: مطلقاً، وقيل: إلى مادون السفر. وقيدہ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بقدر ميل أو ميلين؛ لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة، فيكره فيما زاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هو الظاهر“. شامی (۲)۔ لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: ”وأما نقله بعد دفنه، فلا مطلقاً“. شامی (۳)۔

(۱) ”عن ابن أبي مليكة، قال: لما توفي عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله تعالى عنه بالحبشي وموضع فحمل إلى مكة، فدفن بها، فلما قدمت عائشه رضي الله تعالى عنها أتت قبر عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه، فقالت:

كنا كندمانى جزيمة حقة من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرقنا كانى ومالكاً لطول اجتماع لم نبث ليلة معاً

ثم قالت: والله لو حضرتك ما دفنت إلا حيث مت، ولو شهدتك ما زرتك“۔ (مشکوٰۃ

المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمی)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشیدیہ)

(و كذا في حاشية الشيخ الشلبی على تبیین الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته:

۵۸۸/۱، دار الكتب العلمیہ بیروت)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۹، سعید)

”وإن نقل قبل دفن إلى قدر ميل أو ميلين، فلا بأس ولا ينبغي إخراج الميت من القبر

بعد ما دفن الخ“۔ (الفتاویٰ العالمکیریہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل

السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، ۳۴۲، رشیدیہ)

(۳) (الدر المختار، المصدر السابق)

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنیکی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کو کسی غیر کی زمین میں بغیر اجازت مالک دفن کر دیا گیا، جس سے وہ حصہ زمین غصب ہو گیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضا مند نہیں ہے بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے، (خواہ میت کی عظمت و محبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنیکی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے (۱)۔

واقعہ مسئلہ دوسری صورت میں داخل ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دو ڈھائی گز زمین کھود کر اٹھالی جائے کارآمد نہیں، کیونکہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہو کر منتقل ہوگی جس طرح کے میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل، لہذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کر کے لائے ہیں، پھر وہی لا کر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے (۲) اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے: ”وفی الشر نبلانی عن البرهان: یحرم البناء علیہ للزینة ویکرہ للإحکام بعد

(۱) ”النقل بعد الدفن علی ثلاثة أوجه، فی وجه یجوز بالاتفاق، وفی وجه لا یجوز بالاتفاق وفی وجه اختلاف: أما الأول فهو إذا دفن فی أرض مغصوبة أو کفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبه إلا بنقله عن ملكه أو نزاع ثوبه، جاز أن یخرج منه، جاز بالاتفاق. وأما الثاني فکالأم إذا أرادت أن تنظر إلی وجه ولدها أو نقله إلی المقبرة أخرى، لا یجوز بالاتفاق. وأما الثالث إذا غلب الماء علی القبر، فقیل: یجوز تحویله، الخ.“ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۵، قدیمی)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیہ)

(۲) ”أنه سمع جابرأرضی الله تعالی عنه یقول: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم نهی أن یقعد علی القبر

إن یقصد ویبنی علیه.“ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۴، امدادیہ)

الدفن“ طحطاوی (۱)۔

تنبیہ: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ ”میں زندہ ہوں“ تو کیا اس کو نکالا جائے؟

سوال [۴۲۵۵]: ایک لڑکا تقریباً ۲۳/ سال عمر کا رمضان المبارک میں سحری کھا کر نماز کے لئے مسجد

جا رہا تھا کہ راستہ میں وہ گر گیا، ایسا معلوم ہوا کہ اس کو دورہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بھی اس کو دو مرتبہ دورے پڑے تھے اور وہ راستہ میں ایسی حالت میں تھا جیسے سجدہ کر رہا ہو۔ اس کے وارثین کو اطلاع دی گئی اور پھر ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اس کے بشرے اور چہرے وہ میت سے مُردنی کے آثار آٹھ گھنٹے تک معلوم نہیں ہوئے، بعدہ اس کو دفن کر دیا گیا۔ رات کو اس کی ہمشیرہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے میں تو زندہ ہوں، مجھے کیوں دفن دیا، میں تو نجیب آباد گیا تھا اور دیکھا کہ مسجد کی طرف سے زندہ اپنی قبر کی طرف آ رہا ہے وغیرہ ذلک۔ اب اقرباء کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء سے رجوع کریں، مرحوم نہایت پابندِ صوم و صلوٰۃ تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسے قبر کھود کر نکال لیا جائے یا نہیں؟ جواب سے ممنون فرمائیں۔

المستفتی: حشمت اللہ خان، محلّہ احمد تیل کردو، ضلع بجنور (یوپی)۔

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب احکام الجنائز، فصل فی حملہا و دفنہا، ص: ۶۱۱، قدیمی

”(قولہ: ولا یرفع علیہ بناء): ای یحرم لوللزینة“۔ (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن

المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما سنن الدفن: ۲/۶۵، رشیدیہ)

(۲) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: ”أخنع اسم عند اللہ یوم

القیامۃ رجلٌ تسمی بملک الأملاک“۔ قال سفیان: ”شاهان شاہ“ هذا حدیث صحیح، وأخنع یعنی

أقبح“۔ (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان والأدب، باب ماجاء ما یکرہ من الأسماء: ۲/۱۱۱، سعید)

(و کذا فی زاد المعاد لابن قیم الجوزیۃ، فصل فی ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الأسماء والکنی، ص:

۳۴۹، دار الفکر، بیروت)

الجواب حامداً ومصلحاً:

جب ماہر ڈاکٹر نے دیکھ کر تجویز کر دیا کہ موت واقع ہوگئی ہے اور اس یقین کے ساتھ اس کو دفن کیا گیا تو محض خواب کی بنا پر قبر کھودنے کی اجازت نہیں، کذا فی الشامی (۱)، خواب شرعی حجت نہیں (۲) کہ اس کا

(۱) ”لو دفن مستدبراً لها وأهالو التراب، لا ينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنش حرام“۔
(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید)

”و لو وضع الميت لغير القبلة أو على شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجله وأهيل على التراب، لم ينبش“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(۲) ”إن أباقتادة الأنصای رضی اللہ تعالیٰ عنہ -وكان من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فرسانہ- قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الرؤیا من اللہ، والحلم من الشیطان“۔
الحديث“۔ (صحیح البخاری، کتاب التعبير، باب الحلم من الشیطان: ۲/۱۰۳۷، قدیمی)

”الصحيح ما عليه أهل السنة أن الله يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب يقظان، فإذا خلقها فكأنه جعلها علماً على أمور أخرى يخلقها في ثاني الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان، ونظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر وقد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملك فيقع بعدها ما يسر، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضر، والعلم عند الله تعالى“۔ (کتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث فی حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة، بیروت)

”إن الله سبحانه يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب اليقظان وهو سبحانه يخلق ما يشاء لا يمنعه نوم ولا يقظة، وقد جعل سبحانه تلك الاعتقادات علماً على أمور يخلقها في ثاني الحال، ثم إن ما يكون علماً على ما يسر يخلق به غير حضرة الشيطان وما يكون علماً على ما يضر يخلق به حضرة الشيطان“۔ (روح المعاني، (سورة يوسف، پ: ۱۳، آیت: ۵) ۱۲/۱۸۱، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباری، کتاب التعبير، باب أول ما بدى به رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخ، (رقم الباب: ۹۱): ۱۲/۲۳۷، قدیمی)

یقین ضروری ہو۔ اچانک اس طرح موت واقع ہو جانے سے عامۃً تعجب بھی ہوتا ہے اور ذہنوں میں خیال رہتا ہے بسا اوقات اسی کے مطابق خواب نظر آ جاتا ہے۔

اگر واقعاً وہ زندہ دفن کر دیا گیا اور خواب پر اعتماد ہے تو خواب میں اس نے یہ کہا میں تو نجیب آباد گیا تھا تو کیا وہ قبر سے نکل کر، یا بجائے قبر کے نجیب آباد گیا تھا۔ نیز اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف سے آ رہا ہے اور اپنی قبر کی طرف جا رہا ہے تو کیا وہ قبر سے نکل کر مسجد کی طرف گیا تھا۔ غرض یہ سب خیالات ہیں، ان کی بناء پر قبر نہ کھودی جائے گی اور ایک کھلی ہوئی ظاہری بات ہے کہ اتنی مٹی کے نیچے جہاں ہو وہاں کوئی زندہ کیسے رہ سکتا ہے، اگر بطور خرق عادت کے محض قدرت خداوندی کی بنا پر وہ زندہ ہے اور حق تعالیٰ کو اس کو زندہ رکھنا منظور ہے تو اللہ پاک کو قدرت ہے کہ بغیر قبر کھودے اس کو خرق عادت کے طور پر باہر نکال کر بھیج دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۹ھ۔

پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میت کو نکالنا

سوال [۴۲۵۶]: کیا ہر خوانی وغیرہ کے معاملات میں نعش دفن ہو جانے کے بعد بغرض پوسٹ مارٹم نعش برآمد کرنے کی شرعاً ممانعت ہے؟ نعش کا پوسٹ مارٹم ایک وجہ ثبوت ہچومتہ معاملات میں فراہم کرتا ہے۔
۲..... اگر ایسا ہو تو کیا پولیس کو نعش برآمد کرنے سے روکنا، اس کے خلاف احتجاجی کارروائی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؟ خواہ وہ سلسلہ میں مزاحمت سرکاری ملازم کی زد میں بھی آتے ہوں۔

۳..... کیا احترام قبر و میت شرع میں اس حد تک رکھا گیا ہے کہ قصاصی کارروائی کے سلسلہ میں بھی اگر نعش برآمد کرنے کی قانوناً ضرورت ہو تو بھی نہ کی جائے۔

۴..... جو شخص پولیس میں اس مرگِ مفاجات کی رپورٹ کرتا ہے وہ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی شرعی سزا کا مستوجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... دفن کرنے کے بعد مذکورہ مقصد کے لئے نعش کو قبر کھود کر نکالنا شرعاً درست و جائز نہیں (۱)، نعش کو

(۱) "إذا دفن بلا غسل أو وضوء على غير يمينه أو غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب".

(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

چیرنا بھی جائز نہیں (۱)۔ زہر خوانی کا ثبوت مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے (۲)، پوسٹ مارٹم کے

= ولو وضع الميت لغير القبلة أو شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجله وأهيل عليه التراب، لم ينبش“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیہ)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَهُمْ فِي الْوُجُوهِ وَالْأَيْمَانِ﴾ (سورة الإسراء، پارہ: ۱۵، آية: ۷۰)

”عن عائشة رضى الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”كسر عظم الميت ككسره حياً“۔ (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتكسب ذلك المكان: ۲/۱۰۲، إمدادیه)

”ولا يجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع بها؛ لأن الآدمى مكرم لا مبتذل، فلا يجوز أن يكون شئ من أجزائه مهاناً ومبتذلاً..... والآدمى مكرم وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وإبداله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له“۔ (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶/۴۲۵، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(و كذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمى مكرم شرعاً ولو كافراً: ۵/۵۸، سعيد)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات: ۵/۳۵۴، رشیدیہ)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۲۷۵، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) ”المرء مواخذ بإقراره“۔ ”یعنی إذا أقرّ الحرّ البالغ لزمه، أقره مجهولاً كان ما أقره أو معلوماً، وقد رجم -صلى الله تعالى عليه وسلم- ماعزاً بإقراره أربع مرات“۔ (القواعد الفقهية مع حاشية عميم الاحسان المجددى، رقم القاعدة: ۳۱۴، ص: ۱۲۰، الصدف پبلشرز)

”وهى (الشهادة) إخبار صدق لإثبات حق..... بلفظ الشهادة فى مجلس القاضى..... ونصابها

للزنا أربعة رجال ليس منهم ابن زوجها، الخ“۔ (الدر المختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۱، ۴۶۴، سعيد)

”تنبیه: بقى طريق ثبوت الحكم: أى بعد وقوعه..... فقال: له وجهان، أحدهما: اعترافه حيث

كان..... الثانى: الشهادة على حكمه بعد دعوى صحيحة“۔ (رد المختار، كتاب القضاء: ۵/۳۵۴، سعيد)

ذریعہ جو ثبوت ہو وہ شرعی ثبوت نہیں اور ایسے ثبوت پر کسی کو مجرم قرار دے کر سزا دینے کا بھی حق نہیں۔

۲..... ایسی صورت میں قانونی چارہ جوئی و کیلوں سے کی جاسکتی ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کے نتائج بسا اوقات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہوتا ہے اور ایسا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے جس کا خمیازہ بہت سے بے قصوروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

۳..... اس کا جواب نمبر ایک میں آ گیا ہے۔

۴..... اخفائے واردات جرم ہے، اگر اس جرم سے بچنے کے لئے اطلاع کی ہے کہ اگر اطلاع نہ کرتا تو وہ مستوجب سزا ہوتا تب تو مضائقہ نہیں ہے (۱)، اگر اس تحفظ کے علاوہ دوسرا مقصد ہے کہ دوسروں کو بلا وجہ شرعی ذلیل کیا جائے تو یہ سخت معصیت ہے (۲)، اس نے قبر کی بھی بے حرمتی کی اور میت کی بھی بے حرمتی کی، اگر اقتدار اعلیٰ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو شرعی سزا دینے کا مجاز ہو تو وہ حسب صوابدید تعزیر کر سکتا ہے، ہر شخص کو تعزیر کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۹ھ۔

(۱) ”الضرورات تبيح المحظورات“۔ (قواعد الفقہ، رقم القاعدة: ۱۷۰، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

(و کذا فی شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن، کراچی)

(و کذا فی شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلِكُلِّ هَمْزَةٍ لَمْزَةٍ﴾. (سورة الهمزة، پارہ: ۳۰)

قال ابن كثير تحتها: ”الهماز بالقول واللماز بالفعل، يعني يزدرى الناس وينتقص بهم“۔ (تفسير

ابن كثير: ۵۳۸/۴، سهيل اكيڈمی، لاہور)

”عن عقبه بن عامر رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من ستر

مؤمناً كان كمن أحيى موءودة من قبرها“۔ (مسند أحمد، أحاديث عقبه بن عامر رضى الله تعالى عنه، رقم

الحديث، ۱۶۸۸۰: ۵/۱۴۳، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۳) ”وعزر كل مرتكب منكراً أو مؤذياً مسلم بغير حق بقول أو فعل“۔ (الدر المختار، كتاب الحدود، باب

التعزير: ۶۶/۴، سعید)

”قالوا: لكل مسلم إقامة التعزير حال مباشرة المعصية، وأما بعد المباشرة، فليس ذلك لغير

الحاكم..... الأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكراً أو آذى مسلماً بغير حق بقوله أو بفعله

يجب التعزير، الخ“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشیدیہ)

قبر پر کھیتی

سوال [۴۲۵۷]: زید کے باغ میں کوئی قبر تھی اس نے اس کو بذریعہ ہل کے بے نشان کر دیا اور وہاں پر اناج بودیا، فرمائیے اس قبر کا اناج پیدا شدہ اس کے لئے کیا ہوگا، نیز قبر کا بے نشان کرنا شرعاً کیسا ہے؟
بندہ محمد یامین بہٹوی، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبر اتنی پرانی تھی کہ اس میں میت مٹی بن چکی تھی تو اس میں ہل چلانے میں مضائقہ نہیں بلکہ وہاں کھیتی وغیرہ درست ہے (۱)، یا کسی نے بغیر زید کی اجازت کے زید کی زمین میں اپنے مردہ کو دفن کر دیا تھا تب بھی زید کو جائز ہے کہ وہ اس جگہ کھیتی وغیرہ کرے (۲)۔ اور اگر خود کوئی زید کا مردہ تھا، یا زید کی اجازت سے اس میں دفن کیا گیا تھا تو زید کو اس مردہ کے اس قدر پرانا ہونے سے پہلے کہ مٹی ہو جائے اس جگہ کھیتی کرنا درست نہیں، تاہم وہاں کے اناج میں اس سے خرابی نہیں آتی، اس سے قبر کے بے نشان کرنے کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۱۴۰۵ھ۔

(۱) "ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره، وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيريّة، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/ ۱۴۷، رشيدية)
"ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبين الحقائق، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا فى الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

(۲) "(ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمى (بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجهم ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعى". (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

"قال رحمه الله تعالى: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج بحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سواه مع الأرض و انتفع به زراعة أو غيرها". (تبين الحقائق، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۸، دار الكتب العلمية، بيروت)
(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، رشيدية)

قبرستان کو عید گاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا

سوال [۲۲۵۸]: عید گاہ کے متصل جو زمین ہے وہ کسی زمانہ میں قبرستان تھا اور وہ قبرستان کے نام سے کاغذات میں درج ہے لیکن عرصہ سے وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، البتہ چند پختہ قبریں موجود ہیں، وہ زمین پر پڑی ہوئی ہے تو اس کو عید گاہ میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کئی قبریں ہموار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مردے دفن کرنے کے لئے اس زمین کی ضرورت نہیں وہ بیکار پڑی ہے اور عید گاہ میں داخل کرنے کی ضرورت ہے، قبر جب اتنی پرانی ہو جائے کہ اس میں میت باقی نہ رہے بلکہ مٹی بن چکی ہو تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، نہ اس کا احترام باقی رہتا ہے، نہ وہاں نماز ممنوع ہوتی ہے، نہ تعمیر اور کھیتی منع رہتی ہے بلکہ حسب ضرورت ان سب چیزوں کی اجازت ہو جاتی ہے۔ پختہ قبر بنانا تو شرعاً درست ہی نہیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو پختہ قبروں کو برابر کیا جائے (۱) اور زمین کو عید گاہ میں شامل کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۸۸ھ۔

(۱) ”شرطہما (الأمر والنہی) أن لا یؤدی إلى الفتنۃ، كما علم من الحدیث، وأن یظن قبولہ، فإن ظن أنه لا یقبل فیستحسن إظهار شعار الإسلام“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۲، رشیدیہ)

(۲) ”جاز زرعه والبناء علیہ إذا بلی وصار تراباً“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

”ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه، والبناء علیہ“۔ (الفتاویٰ العائمکیریۃ، کتاب الصلوۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

”ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیہ“۔ (تبیین الحقائق، باب

الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا

سوال [۴۲۵۹]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کر کے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد و عورت سب چلتے ہیں، مع حوالہ تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان وقف ہو تو وہاں کو راستہ، سڑک بنانا درست نہیں، درختوں کو کاٹ کر جتنی جگہ کو راستہ بنایا جاوے گا اس میں مردے دفن نہیں کئے جاسکیں گے، یہ منشاء واقف کے خلاف ہے: ”شرط الواقف كنص الشارع، ۱ھ“ شامی (۱)۔ ہاں اگر مردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں تو راستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جاسکیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبروں پر چلنا

سوال [۴۲۶۰]: قبرستان میں قبروں کے ٹوٹے ہوئے اور بے ترتیب ہونے کے باعث قبرستان میں میت لاتے وقت لوگ قبروں کو اپنے پیروں سے مسلتے چلے جاتے ہیں، اس وجہ سے اگر چند قبروں کو ہموار کر کے سیدھے راستے بنا دیئے جائیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں قبریں ہوں وہاں میت کو لے کر سب آدمی جمع ہو کر نہ جائیں جس سے قبروں پر پیرائیں، بلکہ بچا بچا کر بقدر ضرورت آدمی جائیں اور قبروں کو بچا کر جائیں (۲)، اسی طرح دفن کرنے کے لئے آنے جانے

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته: ۴/۴۳۳، سعید)

”أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يُعمل به“۔ (البحر الرائق، کتاب

الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیہ)

”لأن شرط الواقف معتبر یراعی كالنصوص، الخ“۔ (تبیین الحقائق، کتاب

الوقف: ۴/۲۶۹، سعید)

(۲) ”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن تجصص القبور =

کے قابل جگہ چھوڑ کر قبر بنائیں، قبروں کو ہموار کر کے راستہ بنانے کی گنجائش ہے، جبکہ قبر اتنی پرانی ہو کہ میت مٹی بن چکی ہو (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی کی قبر پر ٹیک لگانا

سوال [۴۲۶۱]: قبر سے ٹیک لگانا یہ احتراماً ممنوع ہے یا اس سے مردے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاف احترام سے بھی اذیت ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

= وأن یکتب علیہا وأن ینبئ علیہا وأن توطأ“ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراہیۃ تجصص القبور والکتابة علیہا: ۲۰۳/۱، سعید)

”ویکرہ الجلوس علی القبر ووطؤه“ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۴۵، سعید)

”ویکرہ أن یطأ القبر أو یجلس أو ینام علیہ، الخ“ (البحر الرائق، باب صلاة الجنائز، فصل:

السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس

فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۱) ”ولوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ“ (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

”ولوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ“ (تبیین الحقائق،

کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(۲) ”عن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متکئاً علی قبر، =

قبر کے قریب پیشاب کرنا

سوال [۴۲۶۲]: اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر سے گز دو گز کے فاصلہ پر پیشاب واستنجا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین قبر پر پیشاب یا پاخانہ کرنا حرام ہے، بزرگانِ دین کی قبر کا زیادہ احترام کرنا چاہیے، قبر سے فاصلہ پر ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۷ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۷ھ۔

= فقال: "لا تؤذ صاحب هذا القبر" أو "لا تؤذه". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۴۹/۲، قدیمی)

"ویکره الجلوس علی القبر ووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنابة: ۲/۲۴۵، سعید)
"ویکره أن یضأ القبر أو یجلس أو ینام علیہ، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنابة، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۲/۳۴۱، رشیدیہ)
(وکذا فی الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۱) "عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لأن یجلس أحدکم علی جمرة، فتحرق ثیابه، حتی تخلص إلى جلده خیر من أن یجلس علی قبر"..... وقال أيضاً: "لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا إليها". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی کراهیۃ القعود علی القبر: ۲/۱۰۴، إمدادیہ)

"(ویکره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدر المنتقى فی شرح الملتقى علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

"وکرہ أبو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ أن یوطأ علی قبر أو یجلس علیہ أو ینام علیہ أو تقضى علیہ حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی سنة الدفن: ۲/۶۵، رشیدیہ)
(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة: ۲/۲۴۵، سعید)

قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا

سوال [۴۲۶۳]: یہاں قبرستان میں بہت زیادہ خاردار پودے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بغیر جوتا پہنے قبرستان میں جانا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

- (الف)..... جوتا پہن کر قبرستان میں جاسکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟
 (ب)..... خاردار پودے سوائے جلانے کے ختم نہیں ہو سکتے تو کیا قبرستان میں آگ جلا کر ان پودوں کو ختم کر سکتے ہیں؟

(ج)..... میت پر بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

- (الف)..... اس حالت میں کراہت نہیں (۱)۔
 (ب)..... قبرستان سے جو اصل غرض متعلق ہے (تدفین) جب اس کا حصول ان خاردار پودوں کی وجہ سے دشوار ہو گیا اور بغیر جلانے ان کانٹوں کو دور نہیں کیا جاسکتا تو جلا کر ان کو ختم کر دیا جائے (۲)۔
 (ج)..... غالباً سائل کا مقصود میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کو دریافت کرنا ہے تو شرعاً جائز ہے، نافع ہے، دفن کے بعد سر کی طرف سورۃ بقرہ کا اول اور پیر کی طرف سورۃ بقرہ کا اخیر

(۱) ”والمشى فى المقابر بنعلین لا یکره عندنا“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ“: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

”ولا یکره المشى فى المقابر بالنعلین عندنا“۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب

الصلاة، أحكام الجنائز، ص: ۶۲۰، قدیمی)

(۲) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الإیمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبۃ، فأفضلها قول: لا إله إلا الله، وأدناها إمطة الأذى عن الطريق، والحياء شعبۃ من الإیمان“۔

”قوله: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”أدناها إمطة الأذى عن الطريق“۔ أى تنحيته وإبعاده، والمراد بالأذى كل ما يؤذى من حجر أو مدر أو شوک أو غیر“۔ (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوی رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الإیمان، باب بیان عدد شعب الإیمان الخ: ۱/۴۷، قدیمی)

پڑھنا بعض آثار صحابہ سے ثابت ہے (۱)۔

مشکوٰۃ شریف، ص: ۱۴۹: ”عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: ”إذا مات أحدکم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجله بخاتمة البقرة، الخ“ (۲)۔

تلاوت کلام پاک سر او جہر دونوں طرح درست ہے، دعاء ہاتھ اٹھا کر اور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں طرح درست ہے، اگر ہاتھ اٹھائے تو رخ قبلہ کی طرف کرے، کذا فی فتح الباری (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۲ھ۔

جنات کا دفن

سوال [۴۲۶۴]: جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟ اس کے بارے میں لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین میں، سمندر میں اور پہاڑوں میں بھی دفن ہوتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”قال لی أبی اللجلاج أبو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ”یا بنی! إذا أنامت فالحد لی، فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم اللہ وعلى ملة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم سن علی التراب سناً، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمها، فإني سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول ذلك“۔ رواه الطبرانی فی المعجم الكبير وإسناده صحيح“۔ (آثار السنن، کتاب الجنائز، باب قراءة القرآن للمیت، ص: ۳۳۸، مکتبہ امدادیہ)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی دفن المیت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قدیمی)

(۳) ”وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی النجادین“ الحدیث۔ وفیه: ”فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه“ أخرجه أبو عوانة فی صحيحه“۔ (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء، مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۳۵: ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال [۴۲۶۵]: قبرستان میں فاتحہ کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا چاہیے

یا نہیں؟

احقر الناس بندہ محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں، بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ثواب پہنچ جاتا ہے، نیز اس سے دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید صاحبِ قبر سے کچھ مانگ رہا ہے، اس لئے بہتر یہ کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں (۱)، اگر اٹھانا ہی ہو تو قبلہ رو ہو کر اٹھائے جائیں تاکہ شبہ مذکور نہ رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: مر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقبور المدینۃ، فأقبل علیہم بوجہہ فقال: ”السلام علیکم یا أهل القبور، یغفر اللہ لنا ولکم، أنتم سلفنا، ونحن بالأثر“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما یقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعید)
(و کذا فی الأذکار للنووی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب ما یقولہ زائر القبور، ص: ۱۱۸، دار ابن حزم)
مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للإمام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارہم ورؤیتہم لہم، ص: ۲۰۱-۲۲۵)
(۲) ”وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی النجادین“۔ الحدیث۔ وفیہ: ”فلما فرغ من دفنہ، استقبل القبلة رافعاً یدیه“ أخرجه أبو عوانہ فی صحیحہ“۔ (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

”عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمی؟ قال: فظننا أنه یرید أمہ التي ولدته. قال: قالت: عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ قلنا: بلی، قال: قالت: لما كانت لیلتي التي كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم =

ایضاً

سوال [۲۲۶۶]: میت کو دفن کرنے کے بعد فوراً قبر پر میت کے لئے دعاء کرنا کیسا ہے؟ اگر درست ہے تو قبر کے پاس ہی یا الگ ہٹ کر؟ نیز فاصلہ کی بھی اگر کہیں تصریح ہو تو تحریر فرمائیں۔

مفہوم حدیث: نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ دعاء کرو اپنے بھائی کے لئے، اس کو قبر میں دفن کرنے کے بعد اتنی دیر تک جتنی دیر نکیرین سوال کرتے ہیں، کیونکہ اس عمل سے مردہ کو جواب دینے میں سہولت ہوتی ہے (۱) اور وہ نکیرین کے سوال سے گھبراتا نہیں ہے، یہ حکم عام تھا یا خاص؟ دوسرے اگر دعاء مانگی جائے تو ہاتھ اٹھا کر یا ایسے ہی؟ نیز گزشتہ سال دو طالب علموں کے دفن میں شرکت کا موقع ملا، لیکن کسی کو اجتماعی شکل میں دفن کے بعد دعاء کرتے نہیں دیکھا، البتہ موجودہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو دیکھا گیا کہ دفن کے بعد قبر پر بیٹھے رہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو دفن کرنے کے بعد ایصال ثواب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ متعدد احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب فرمائی ہے، دفن کے بعد کسی جگہ کھڑے ہو کر کیا پڑھے، اس میں مختلف صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ بھی ہے کہ دفن کے بعد میت کے قریب سرہانے ہو کر سورۃ فاتحہ یا سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات تا ﴿أولئك هم المفلحون﴾ پڑھے اور پیروں کی طرف کھڑے ہو کر سورۃ بقرہ کا آخری رلوع ﴿لِلّٰهِ

= فیہا عندی انقلب حتی جاء البقیع، فقام فأطال القيام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات "۔ الحدیث۔ (قولہا: جاء البقیع، فأطال القيام، ثم رفع یدیه الخ) فیہ استحباب إطالة الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین فیہ، الخ"۔ (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووی رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الجنائز، فصل فی الذهاب إلی زیارة القبور: ۱/۳۱۳، قدیمی)

(۱) "عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف علیہ، فقال: "استغفروا لأخیکم، واسألوا له بالتبیت، فإنه الآن یسئل"۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمدادیہ)

مافی السموات والأرض ﴿ تا آخر پڑھے اور میت کو ایصالِ ثواب کر کے میت کے لئے سہولتِ سوال و جواب و تخفیفِ ہول قبر و اثباتِ علیٰ ایمان کی دعاء کرے:

”وأخرج الطبرانی والبيهقي في الشعب عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وقرأ عند رأسه الفاتحة الكتاب“. ولفظ البيهقي: ”فاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمة البقرة في قبره“. شرح الصدور، ص: ۶۸ (۱)۔

”يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه بالثبات“. شرح الصدور، ص: ۶۹ (۲)۔

اس سلسلہ میں قبر پر دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے اور جہاں کہیں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے میں مضائقہ بھی نہیں لیکن اس صورت میں رخ قبلہ کی طرف کرے:

”وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

(۱) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب ما يقال عند الدفن والتلقين، ص: ۱۰۹، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۳۹، قديمي)

”وكان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها فقد ثبت أنه عليه الصلوة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخبرها عن درجته“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۲) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب ما يقال عند الدفن والتلقين، ص: ۱۱۱، دار المعرفة بيروت)

”جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه“. (الدر المختار،

باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيدية)

فی قبر عبد اللہ ذی النجادین۔ الحدیث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً يديه" أخرجه أبو عوانة في صحيحه، ۱ھ. فتح الباری شری بخاری شریف: ۱۱/۱۲۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حرره العبد محمود غفرله، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۴۲۶۷]: میت کو دفن کرنے کے بعد جو دعائے مغفرت کی جاتی ہے وہ ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا چاہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کر لیا جائے:

"وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی النجادین۔ الحدیث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً يديه" أخرجه أبو عوانة في صحيحه، ۱ھ. فتح الباری شرح بخاری شریف: ۱۱/۱۲۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حرره العبد محمود غفرله، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

(۲) (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عنی وعن أمی؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته، قال: قالت عائشة رضي الله تعالى عنها: ألا أحدثكم عنی وعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قلنا: بلى، قال: قالت: "لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فيها عندي انقلب..... حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحدیث. (قولها: جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ) فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه الخ". =

دفن میت کے بعد دعاء اور فاتحہ

سوال [۴۲۶۸]: میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوال قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور آخر میں ”الفاتحہ“ کہہ کر کچھ پڑھتے ہیں۔ تو یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوال قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمائے، حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے (۱)، لیکن ”الفاتحہ“ کا طریقہ ثابت نہیں، اس کو ترک کرنا چاہیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہی ہدایت و نجات کا ذریعہ ہے: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فہو رد“ متفق علیہ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

= (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۱) ”عن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه قال لابنه - وهو في سياق الموت -: ”إذا أنا متُ فلا تصحبنى نائحة ولا ناز، فإذا دفنتموني فشنوا على التراب شناً، ثم أقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستانس بكم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربى“۔ (مشکوٰۃ المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

”عن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: ”استغفروا لإخيكم واسألوا له بالتشيت، فإنه الآن يسئل“۔ (سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

”جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه“۔ (الدر المختار،

باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمية، كتاب الصلاة، باب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب: إذا صطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي) =

دفن کے وقت اگر بتی جلانا اور بعد دفن دعاء کرنا

الاستفتاء [۴۲۶۹]: قبرستان میں اگر بتی لو بان جلانا کیسا ہے؟ قبر پر دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ

پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان میں اگر بتی اور لو بان جلانا نہیں چاہیے، میت کو غسل دیتے وقت اس تختے کو دھونی دینا درست ہے جس پر غسل دیا جائے (۱)، نیز کفن کو دھونی دے کر میت کو پہنایا جائے (۲)، باقی قبر پر ثابت نہیں ہے،

= ”(من أحدث) أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه. (ماليس منه): أي رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عارضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهورد): أي مردود على فاعله لبطالنه الخ“. (فيض القدير، رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبة نزار مصطفى الباز، رياض (۱) ”(ويوضع) كمات (كماتيسر) في الأصح (على سرير مجمر وتراً) إلى سبع، فقط“. (الدر المختار). ”(مجمر): أي مبخر، وفيه إشارة إلى أن السرير يجمر قبل وضعه عليه تعظيماً وإزالة للرائحة الكريهة“. (رد المحتار، باب صلاة الجنابة: ۲/۱۹۵، سعيد)

”ويوضع على سرير مجمر وتراً قبل وضع الميت عليه“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيدية) (وكذا في البحر الرائق، باب صلاة الجنابة: ۲/۳۰۰، رشيدية)

(۲) ”عن أبي وائل قال: عند علي رضي الله تعالى عنه مسك، فأوصى أن يحنط به. وقال: هو فضل حنوط رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم“. قال النووي: إسناده حسن“. (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل، (رقم الحديث، ۲۹۹۷): ۲/۲۵۹، مكتبة المكيه جده)

”(وجعل على رأسه ولحيته)؛ لأن التطيب سنة. وذكر الرازي أن هذا الجعل مستحب. والحنوط عطر مركب من أشياء طيبة ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس اعتباراً بالحياة، وقد ورد النهي عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران في الكفن عند رأس الميت في زماننا“. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۳، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۷، دار المعرفة، بيروت)

بدعت اور منع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھی جائے (۱)۔ اگر ہاتھ اٹھانا ہو تو قبر کی طرف پشت کرے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، ایسا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فہو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا صطلحوا علی صلح جور فہو مردود: ۱/۱۷۳، قدیمی)

” (من أحدث): أى أنشأ وأخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه (ماليس منه): أى رأياً ليس له فى الكتاب أو السنة عاصد ظاهر أو خفى، ملفوظ أو مستنبط (فہور د): أى مردود علی فاعله لبطالته، الخ“۔ (فیض القدیر، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مکتبہ نزار مصطفى الباز، ریاض) ”ویکره عند القبر کل مال یعهد من السنة، الخ“۔ (البحر الرائق، کتاب الجنائز، قبیل باب الشہید: ۲/۳۴۳، رشیدیہ)

(۲) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: مر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقبور المدینة فأقبل علیہم بوجہہ فقال: ”السلام علیکم یا أهل القبور! یغفر اللہ لنا ولکم أنتم سلفنا ونحن بالآثر“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما یقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعید)

(و کذا فی الأذکار للنواوی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب ما یقولہ زائر القبور، ص: ۱۱۸، دار ابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للإمام جلال الدین السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارہم ورؤیتہم لہم، ص ۲۰۱-۲۲۵)

”وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی النجادین“۔ الحدیث۔ وفیہ: ”فلما فرغ من دفنہ، استقبل القبلة رافعاً یدیه“ أخرجه أبو عوانة فی صحیحہ“۔ (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

”عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمی؟ قال: فظننا أنه یرید أمہ التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ قلنا: بلی، قال: قالت: لما كانت لیلتي التي كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیہا عندی انقلب حتی جاء البقیع، فقام فأطال القيام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات“۔ الحدیث۔ =

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا

سوال [۴۲۷۰]: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ میت کے لئے استغفار کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبرستان میں جائز ہے، بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی درست ہے (۱)، لیکن چونکہ لوگ بکثرت اپنی مرادیں مزارات پر جا کر اصحابِ قبور سے مانگتے ہیں جو کہ حرام اور شرک ہے (۲)، اس لئے ہاتھ نہ اٹھایا جائے تاکہ ان کے ساتھ تشبہ نہ ہو اور ان کے عمل کو تقویت

= ”(قولها: جاء البقیع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ) فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، الخ“۔ (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/۱، قديمي)

(۱) ”قالت عائشة ألا أحدثكم عنى وعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قلنا بلى واختمرت وتغنعت ازارى ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقیع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات“۔

وفى شرح النووي لمسلم: ”(قوله: جاء البقیع فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات) فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس فى القبور“۔ (الصحيح لمسلم مع شرح النووي لمسلم، كتاب الجنائز: ۳۱۳/۱، قديمي)

”ومن آدابه أن يسلم بلفظ سلام ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً منه وقريباً بحسب مراتبه فى حال حياته“۔ (المسلك المنقسط فى المنسك المتوسط، فصل يستحب زيارة أهل المعلى، ص: ۵۵۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى المدخل لابن الحاج، فصل زيارة القبور: ۲۵۴/۱، دار الفكر)

(۲) ”ويحذرهم من تلك البدع التى أحدثت هناك، فترى من لا علم عنده يطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام، ويمسح به، ويقبله، ويلقون عليه مناديلهم، وثيابهم، يقصدون به التبرك، وذلك كله من البدع؛ لأن التبرك إنما يكون بالاتباع له عليه الصلوة والسلام، وما كان سبب عبادة الجاهلية للأصنام إلا من هذا الباب“۔ (المدخل لابن الحاج، فصل فى زيارة القبور: ۲۶۳/۱، دار الفكر)

(وكذا فى المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط، فصل وليغتم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص:

= ۵۶۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

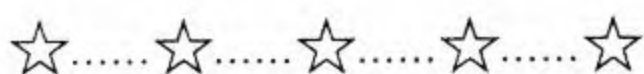
وتائید حاصل نہ ہو سکے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفن میت کے بعد چھوارے تقسیم کرنا

سوال [۴۲۷۱]: میت کے دفن کے بعد چھوارے یا کھجور تقسیم کرتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے، اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل نہیں، کہیں ثابت نہیں، شاید یہ تصور کرتے ہوں گے کہ میت کا قبر سے نکاح ہوا ہے، اس خوشی میں چھوارے تقسیم کرتے ہیں، یہ جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۱۳۹۹ھ۔



= ”ولا يجوز ما يفعله الجهال يقير الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج إليها ومن اجتماع بعد الحول كالعباد ويسمونہ عرساً“۔ (تفسیر مظہری، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۹۵/۲، دارالاشاعت)

(۱) ”من تشبه بقوم فهو منهم“۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس: ۳۷۵/۲، قدیمی

”(من تشبه بقوم) أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم): أي: في الإثم والخير“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشیدیہ)

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر کی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

قبر پر قبہ بنانا

سوال [۴۲۷۲]: مسلمانوں کی عام قبور پر یا علماء، صلحاء، اولیائے کرام کی قبر پر پختہ قبہ بنانا، یا قبر پختہ بنانا جائز ہے یا حرام؟ قرآن شریف، فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالہ سے جواب ارقام فرمایا جائے۔ اور کیا عیسیٰ شرح بخاری و مرقاة شرح مشکوٰۃ و تفسیر روح البیان و تحریر المختار حاشیہ در مختار میں قبہ یا قبر کا جائز ہونا واقعی لکھا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو کیا قرآن و حدیث و فقہ حنفی کی معتبر مستند کتب میں سے ہیں یا نہیں؟ مخالف جو مولوی قبہ کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں ان کی نسبت شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ جن بزرگوں کی قبروں پر قبہ بنانے کا جھگڑا ہے وہ خود اپنی حیات میں پختہ قبر و قبہ کو ناجائز ہی فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی قبر کو پختہ نہ بنانے کی وصیت بھی فرمائی تھی، مگر مریدین نے راتوں رات قبر کو پختہ ہی بنایا اور اب سترہ اٹھارہ سال بعد قبہ بنانے کا جھگڑا نکالا ہے۔ اس میں کون فریق حق ہے، آیا روکنے والے یا بنانے والے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: عبداللطیف ابن شاکر، مالیگاؤں، ضلع ناسک، ۱۳/ جون/ ۵۴ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر پختہ بنانا اور قبر پر قبہ وغیرہ پختہ تعمیر کرنا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، یہ ممانعت حدیث و فقہ سے ثابت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بصراحت منقول ہے، امام محمد ”کتاب الآثار، ص: ۴۳“ میں فرماتے ہیں: ”ولا نری أن یزاد علی ما خرج منه (أی من القبر)، و نکره أن یجصص، أو یطین، أو

يجعل عنده مسجداً أو علماً، أو يكتب عليه، ويكره الآخر أن يبنى به، أو يدخل القبر. ولا نرى برش الماء عليه بأساً. وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى“ (۱).

علامہ طحاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح، ص: ۳۳۵، میں لکھا ہے:

”ولا يجصص، به قالت الثلاثة، لقول جابر رضي الله تعالى عنه: ”نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها“. رواه مسلم وأبو داود والترمذي، وصححه، وزاد: ”وأن تؤطأ“ (۲).

(۱) (كتاب الآثار للإمام محمد رحمه الله تعالى، كتاب الصلوة، باب تسنيم القبور و تجصيصها، ص: ۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في حاشية الطحاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمی)

(۲) (حاشية الطحاوی، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمی)
والحديث رواه الإمام مسلم رحمه الله تعالى في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمی)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى تحته: ”و في هذا الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبنى عليه هذا مذهب الشافعي و جمهور العلماء“. (شرح النووي على الصحيح لمسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبور اه: ۳۱۲/۱، قديمی)

وقال القاري رحمه الله تعالى تحته: ”قال في الأزهار: النهي عن تجصيص القبور للكره إن كان في ملكه، وللحرمة في المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وإن كان مسجداً. وقال التوربشتي يحتمل وجهين: أحدهما: البناء على القبر بالحجارة و ما يجري مجراها، والثاني: أن يضرب عليها خبأ ونحوه، و كلاهما منهي لعدم الفائدة ثم قال التوربشتي: و لأنه من صنيع الجاهلية: أي كانوا يظللون على الميت إلى سنة، قال: و عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه رأى فسطاطاً على قبر أخيه عبد الرحمن، فقال: إنزعه يا غلام، و إنما يظله عمله“. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول: ۱/۴، ۱/۸، رقم الحديث: ۱۶۹۷، رشيدیه)

(و أبو داود في سننه في كتاب الجنائز، باب في البناء على القبر: ۱۰۴/۲، مكتبه امداديه ملتان) =

مراقی الفلاح میں ہے: ”و یحرم البناء علیہ للزینۃ لما روینا، و یکرہ البناء علیہ للأحكام، اھ۔ (قوله: لما روینا من النهی عن التجسیص والتربیع) فإنه من البناء۔ (وقوله: یکرہ البناء علیہ) ظاهر إطلاقه کراهة أنها تحریمية۔ قال فی غریب الخطابی: نهی عن تقصیص القبور والتکیل بناء الكل، وهی القباب والصوامع التی تبنى علی القبر، اھ۔ (۱)۔

طحاوی نے اس حدیث کی شرح ”شرح مجمع البحار: ۳/۲۲۶“ میں اس طرح کی ہے: ”نهی عن تقصیص القبور و تکیلیها: أى رفعها بالبناء مثل الكل، وهی الصوامع والقباب، وقیل: هو ضرب الكلة علیها، وهی ستر مربع بقرب علی القبور، وقیل: ستر رقیق، وهی کالیبت یتوقی قبه من البق اھ۔ (۲)۔

عرف الشذی، ص: ۳۸۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں (۳)، کتاب ”المدخل“ میں اس کو بہت بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے (۴) ان تصریحات حدیثیہ و فقہیہ کے بعد کسی آوردیل کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے خلاف اگر اقوال رجال سے کوئی استدلال کرے تو وہ معتبر نہیں۔

”تحریر المختار: ۱/۱۲۳“ میں تفسیر روح البیان سے قبوں کا جواز نقل کیا ہے (۵)، لیکن تفسیر روح البیان خود کوئی معتبر کتاب نہیں، اس میں بہت سے مسائل غیر معتبر موجود ہیں، پھر یہ کہ اس جواز کے لئے کوئی سند نقل نہیں، کی محض قصد تعظیم و اجلال پر اعتماد کیا ہے، ایسے مسائل منصوصہ میں کسی کا قول بغیر سند خلاف نص کیسے حجت ہو سکتا

= (والترمذی فی سننہ فی أبواب الجنائز، باب فی کراهیۃ تجسیص القبور والکتابة علیها: ۲۰۳/۱، سعید)

(۱) (مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۲۱۱، قدیمی)

(۲) لم أظفر علی شرح مجمع السحار، وقد وجدت فی مجمع بजार الأنوار بلفظه: ”وفیه نهی عن ”تقصیص“ القبور“ بناءها بالقصة وهی الجص“۔ (باب القاف مع الصاد: ۲۸۳/۲، مجلس دائرة المعارف الإسلامیہ، حیدر آباد، دکن)

(۳) قال: ”باب کراهیۃ تجسیص القبور والکتابة علیها، لا یجوز التجسیص عند أحد ولا البناء“۔

(العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۲۰۲/۱، سعید)

(۴) (المدخل لابن الحاج، مبحث صفة القبر، قبیل الختان: ۲۶۳/۳، ۲۶۴، دار الفکر، بیروت)

(۵) (التحریر المختار علی رد المحتار (تقریرات الرافعی)، باب الجنائز: ۱۲۳/۲، سعید)

ہے۔ اصل عبارت روح البیان کی یہ ہے:

”فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء، ووضع الستور والقمام والثياب على قبورهم أمرٌ جائزٌ إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة، حتى لا يحتقروا هذا القبر، وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال أيضاً للأولياء، فالمقصد فيها مقصد حسن، اهـ“۔

حالانکہ ردالمحتار: ۱/۸۳۹، میں ہے: ”وأما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: يكره أن يبنى بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالى عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخ“ (۱)۔ بس روح البیان کا یہ مسئلہ خلاف اجماع ہے۔

اس (روح البیان) میں نقل کیا ہے: ”و نذر الزيت والشمع للأولياء يوقد عند قبورهم تعظيماً لهم ومحبةً فيهم جائز أيضاً لا ينبغي النهي عنه“ (۲)۔

حالانکہ درمختار، طحاوی، بحر وغیرہ میں اس نذر کو بالاجماع باطل و حرام لکھا ہے: ”واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم بالاجماع باطل و حرام، اهـ“۔ درمختار، قبل الاعتكاف (۳)۔ بحر، طحاوی میں اس کی وجوہ بیان کی ہیں (۴)۔

تحریر المختار بھی کوئی فتویٰ کی کتاب نہیں بلکہ اس میں از قبیل لطائف وغرائب کچھ تحریرات جمع ہیں، بعض

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۲) (راجع التحرير المختار على رد المحتار (تقريرات الرافعي) الملحق بررد المحتار، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعید)

(۳) (رد المحتار، کتاب الصوم، قبل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعید)

(۴) (البحر الرائق، کتاب الصوم، قبل باب الاعتكاف: ۲/۵۲۰، رشیدیہ)

(و حاشیة الطحاوی على مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

محَل اشکالات ہیں، کہیں اشکالات کے جواب ہیں، کہیں طبی نکات ہیں، کہیں تاریخی لطائف۔ چنانچہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے نہیں تھی کہ یہ کتاب منظر عام پر آوے اور اپنی زندگی میں اس رائے میں کامیابی ہوئی جیسا کہ ناشر نے شروع میں لکھا ہے:

”ولم یسمح رحمہ اللہ أن یرج تحریرہ للناس فی صورته مع شدة الحاجة إلیہ بتوارد الطلاب علیہ تواضعاً منه فی جانب اللہ تعالیٰ“۔ إلی آخره. تحریر المختار (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کا جب انتقال ہوا تو ان کی زوجہ نے ان کی قبر پر قبہ لگایا، اس کی تفسیر ملا علی القاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۲/۴۰۰، میں خیمہ سے کی ہے (۲)، پھر ایک سال کے بعد اکھاڑ دیا گیا: ”فسمعت المرأة صائحاً: أی هاتفاً غیبياً يقول: ألا! هل وجدوا ما فقدوا، فأجابه آخر: بل یثسوا والظاهر سثموا ولكن لما كان فی صورة الیأس، قال: یثسوا فانقلبوا: أی رجعوا إلی آخره“ مرقاة شرح مشکوۃ: ۴/۱۰۵ (۳)۔

اس خیمہ کو شارح مشکوۃ نے لکھا ہے کہ یہ ذکر، قراءت وغیرہ کے جمع ہونے کے لئے تھا، اس کو فعل عبث مکروہ پر حمل کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے اہل بیت کی شان کے مناسب نہیں (۴)۔ غور کیا جائے کہ اولاً یہ دلیل نصوص حدیث وغیرہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے، ثانیاً اس سے قبہ متعارفہ پر استدلال کرنا کہاں تک بر محل ہے، وہاں صرف خیمہ تھا یہاں پختہ قبہ ہے، وہاں سال بھر بعد اکھاڑ دیا گیا

(۱) (تحریر المختار المسمی بتقریرات الرافعی علی حاشیة ابن عابدین: ۲/۱، سعید)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۸، رقم الحاشیة: ۲)

(۳) (المرقاة شرح مشکوۃ، کتاب الجنائز، باب البكاء علی المیت، الفصل الثالث: ۲/۲۳۷، رقم الحدیث: ۱۷۴۹، رشیدیہ)

(والحدیث رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور: ۱/قدیمی)

(۴) ”الظاهر أنه لا اجتماع لأحباب للذكر والقراءة، و حضور الأصحاب للدعاء والمغفرة والرحمة، و أما حمل فعلها علی العبث المكروه، كما فعله ابن حجر، فغير لائق بصنيع أهل البيت“۔ (مرقاة المفاتیح، باب البكاء علی المیت، الفصل الثالث: ۲/۲۳۷، رقم الحدیث: ۱۷۴۹، رشیدیہ)

تھا یہاں ۱۷، ۱۸/ سال بعد بنانے کی تجویز ہے۔ اگر ملا علی القاری اس کے جواز کے قائل ہوتے تو ”شرح نقایہ: ۱/ ۱۳۹، میں تجصیص کی ممانعت تحریر نہ فرماتے (۱)۔“ عینی نے شرح بخاری: ۴/ ۱۳۹ (۲) میں قبر پر خیمہ لگانے کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں، بعض میں حرمت ہے، بعض میں جواز۔ حضرت امام احمد، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن المسیب وغیرہ سے کراہت نقل کی ہے۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ دو تین روز تک نبش قبر کی رعایت سے خیمہ کی گنجائش ہے، پختہ قبر بنانے کا جواز کہیں منقول نہیں۔

نیز علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ”شرح ہدایہ: ۱/ ۱۳۹“ میں خود فرماتے ہیں: ”و کرہ أبو حنیفة رحمہ

(۱) ”قال: ذكره الآجر والخشب، وليقال ويسنم القبر ويكره التربع عندها، وليس عند مالک والشافعی لما فی صحيح مسلم قلنا: هو محمول على ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء العالي، رواه محمد بن الحسن في الآثار: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا شيخ لنا يرفعه إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه نهى عن تربع القبور وتجصيصها“ (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب في الجنائز: ۱/ ۱۳۹، مكتبة اعزازية، سہارنپور، ہند)

(۲) ”وقال ابن بطلال: ضربت القبة على الحسن، وسكنت فيها، فصارت كالمسجد، وأورد البخاری ذلك دليلاً على الكراهة، وكره أحمد أن يضرب على القبر فسطاطاً، وأوصى إبراهيم مرة أن لا تضربوا على فسطاطاً وقال ابن التين: ومن كره ضربه على قبر الرجل ابن عمر وأبو سعيد، وابن المسيب، وضربت عائشة رضي الله تعالى عنها على قبر أخيها، فنزعه ابن عمر رضي الله تعالى عنهما وقال ابن حبیب: أراد في اليوم واليومين والثلاثة واسعاً إذا خيف من نبش أو غيره، والحسن بن الحسين مات سنة سبع وتسعين، وامرأته فاطمة بنت حسين بن علي قال الجوهری: القبة بالضم من البناء وقال ابن الأثير: القبة من الخيام بيت صغير مستدير، وهو من بيوت العرب، وضرب القبة نصبها وإقامتها على أوتار مضروبة في الأرض وقال الجوهری: الفسطاط بيت من شعر، وفي المغرب: خيمة عظيمة وقال الزمخشري: هو ضرب من الابنية في السفر دون السراشق، وقال ابن قرقول: هو الخباء ونحوه، وقال ابن السكيت: الفسطاط“ (عمدة القاری، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۸/ ۱۳۴، ۱۳۵، إدارة

اللہ تعالیٰ أن یبنی علی القبر“۔ الی آخرہ (۱)۔ جس قبہ میں عینی کے کلام سے اختلاف معلوم ہوتا ہے اس کی تفسیر نہایہ میں یہ ہے: ”القبة من الخيام بیت صغیر“ (۲)۔ مسند میں: ”و هو من بیوت العرب“۔ الی آخرہ۔ حافظ عینی نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس میں لفظ ”قبہ“ کے بجائے لفظ ”فسطاط“ ہے جس کے متعلق ”مجمع البحار: ۷۷/۳“ میں ہے: ”خباء“ من شعر أو غیرہ“ الی آخرہ (۳)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی اور وہ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”فتح الباری شرح بخاری: ۱۶۱/۳“ میں ان کی زوجہ کے اس فعل کو بھی روکیا ہے، اور ناقابل استدلال قرار دیا ہے (۴)، حالانکہ ان کے اس فعل سے اور مندرجہ سوال قبہ تعمیر کرانے میں کوئی مناسبت نہیں، پھر اس سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/رجب/۶۴ھ۔

پختہ قبر کا حکم

سوال [۲۲۷۳]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبہ تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ

کیا ہے؟

(۱) (البنایہ للعینی، کتاب الصلوۃ الجنائز، فصل فی حمل الجنازة: ۱۱۳/۱، ملک سنز، فیصل آباد)

(۲) (النهاية: ۱۳۹/۴، دائرة معارف نعمانیہ، حیدر آباد، دکن)

(۳) (مجمع بحار الأنوار، باب الفاء والسين: ۱۳۹/۴، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن)

(۴) ”و مناسبة هذا الأثر لحديث الباب أن المقيم في الفسطاط لا يخلو من الصلوة هناك، فيلزم اتخاذ المسجد عند القبر، وقد يكون القبر في جهة القبلة، فتزداد الكراهة، وقال ابن المنير: إنما ضربت الخيمة هناك للاستمتاع بالميت بالقرب منه تعليلاً للنفس كما يتعلل بالوقوف على الأطلال البالية و مخاطبة المنازل الخالية، فجاءتهم الموعظة على لسان الهاتفين بتقبيح ما صنعوا، وكأنهما من الملائكة، أو من مؤمنی الجن“۔ (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور: ۲۵۷/۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں: ”لما روى جابر رضى الله تعالى عنه: ”نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليه“. رواه مسلم، اهـ۔ (۱) شامی: ۱/۱/۶۰ (۲)۔ ”أما الغناء المعتاد الذى يحرك الساكن ويهيج الكبا من الذى فيه وصف محاسن الصبيان والنساء ونحوها من الأمور المحرمة، فلا يختلف فى تحريمه، اهـ۔ تنقيح الفتاوى الحامدية (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

پکی قبر کا حکم

سوال [۲۲۷۴]: پکی قبر بنانا سنت ہے یا کچی؟ اگر پکی سنت ہے تو عام مسلمانوں کی قبریں خلاف سنت ہوئیں، اگر کچی سنت ہے تو خلاف سنت کو ثواب قرار دینے والا یعنی پکی قبر بنانے کو ثواب کہتا ہے، اور ہر طرح کی جانی و مالی کوشش کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے گھر کا کھانا پینا اور اس کی مدد کرنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتب جواب تحریر فرماویں۔

(۱) (الصحيح لمسلم رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز، فصل: النهى عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فى البناء على القبر: ۱۰۴/۲، مكتبة امدادیہ ملتان)

(وجامع الترمذی، باب فى كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

(۲) رد المحتار، باب الجنائز: ۲۳۷/۲، سعيد)

(۳) (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل و فوائد شتى من الحظر والإباحة، مطلب فى تحريم الغناء:

۳۵۹/۲، المطبعة الميمنية مصر)

وأما الأعراس فراجع ”المدخل لابن الحاج“ فيه تفصيلٌ يحتوى على خمسة و ثلاثين صفحة،

فصل فى المولد: ۱/۲، ۳۵، مصطفى البابى الحلبي، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچی قبر بنانا سنت ہے، پکی قبر بنانا خلاف شرع اور گناہ ہے، الطحطاوی، ص: ۳۳۵ (۱)۔ ناجائز کام میں جانی و مالی کوشش کرنے والا گنہ گار ہے، اس کو سمجھا کر اس سے روکنا چاہئے، اگر وہ نہ مانے تو اس کام میں اس کی اعانت نہ کی جائے، اگر توقع ہو کہ اس کے گھر کھانا پینا چھوڑنے سے اس کی اصلاح ہو جائے گی تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازہ میں شرکت کرنا

سوال [۴۲۷۵]: میرے والد کی پکی قبر میرے سوتیلے بھائی کی زمین میں بنی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت اس پکی قبر میں دفن نہ کی جائے، بلکہ قبرستان میں دفن کی جائے، ایسی صورت میں والد صاحب کے جنازے میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں، جب کہ والد صاحب نے اپنی حیات میں ہی پختہ قبر بنالی ہے اور جو جائیداد ہے اس کو ہم تینوں بھائیوں میں تقسیم کر کے ہبہ کر دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل و کفن اور نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرنی چاہیے، پکی قبر بنانا جائز نہیں (۲)۔ اگر کوئی اپنی زندگی

(۱) "قوله: (و لا یجصص) به قالت الثلاثة، لقول جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن تجصیص القبور، وأن یکتب علیہا، وأن یبنی علیہ" رواہ مسلم وأبو داؤد والترمذی قوله: (ویکرہ البناء علیہ) ظاہر إطلاقہ کراہۃ أنها تحريمية. قال فی غریب الخطابی: نہی عن تقصیص القبور و تکلیفہا، انتہی. التقصیص التجصیص، والتکلیف بناء الكاسل، وهی القباب، والصوامع التي تبني علی القبر". (حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملہا ودفنہا، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نہی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن تجصیص القبور، وأن یکتب علیہا، وأن یبنی علیہا". (الصحيح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیہا: ۳۱۲/۱، قدیمی)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى تحته: "وفي هذا الحديث كراهة تجصیص القبور وأن یبنی =

میں پکی قبر بنا کر اس میں دفن ہونے کی وصیت کر دے تو یہ وصیت ہی قابل عمل نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم، یوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روضہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد

سوال [۲۲۷۶]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار، گنبد پختہ کیوں بنایا گیا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا انتظام کیا گیا تھا، یا بعد وصال خلیفہ اور صحابہ کرام کے وقت شرعی اسلامی حکومت میں بنایا گیا؟ اور آپ کا اصلی مقام تو بالکل خام ہے اور کس نے بنوایا تھا اور کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر اگر بتی، لوبان، عود، پھول وغیرہ سلگایا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقام تو اب بھی خام ہے، ولید بن عبدالحکیم کے زمانہ میں حجرہ خام کو گرا کر منقش پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور ایک حظیرہ بنایا گیا، حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع بھی کیا لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی، پھر وقتاً فوقتاً تغیر و تزئین ہوتی رہی، حتیٰ کہ ۶۷۸ھ میں قبہ خضراء تعمیر کیا گیا، جذب القلوب۔ اور اب اصل مزار تک پہنچنے ہی کی جگہ نہیں، پھر پھول لوبان وغیرہ کی گنجائش کہاں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= علیہ..... هذا مذهب الشافعي وجمهور العلماء. (شرح النووی، المصدر السابق لمسلم)

”عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: يكره أن يبنى بناء من بيت أوقبة أو نحو ذلك لما روى جابر رضي الله تعالى عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخ.“ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۱) ”و كذا تبطل ولو أوصى بأن يكفن في ثوب كذا، أو يدفن في موضع كذا.“ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۱۲۱، سعید)

= ”ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا، ويدفن هناك، ووصيته بالحمل باطلة.“ =

ایضاً

سوال [۴۲۷۷]: ارشاد ہوتا ہے کہ ”تم سے پہلی قوموں نے انبیائے کرام اور اولیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تم ایسا ہرگز نہ کرنا“ اور ”لعن اللہ الیہود والنصارى جعلوا قبور أنبیاءہم مساجد“۔ او کما قال۔ سوال یہ ہے کہ ان صریح احکامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کیوں صحن مسجد نبوی میں بنائی گئی اور پکی قبر پختہ کیوں بنایا گیا اور ”العلماء ورثة الانبیاء“ کو مد نظر رکھتے ہوئے پھر ان کے لئے بھی یہ جائز اور درست ہونا چاہئے، یا پھر چون کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانى، و ما توفیقى إلا باللہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحن مسجد میں قبر شریف نہیں بنائی گئی بلکہ وہ حجرہ شریفہ میں ہے، پھر مسجد شریف کی توسیع کی گئی اس لئے وہ حجرہ شریفہ مسجد کے اندر آ گیا، اس کے طرف دیواریں ہیں، وہ سجدہ گاہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کی طرف پشت کر کے نماز ادا نہ کی جاتی۔ قبر شریف پر پختہ قبہ بھی نہیں بنایا گیا بلکہ اس پر تو کوئی بھی تعمیر نہیں، قبہ تو حجرہ شریفہ پر بنایا گیا جو کہ قبر شریف سے پہلے سے بنا ہوا ہے، پھر وہ کسی آیت و حدیث کے ماتحت نہیں بنایا گیا، نہ ایسے لوگوں نے بنایا ہے جن کا عمل حجت میں پیش کیا جاسکے، علماء یا مشائخ کے لئے اس کا جواز نکالنا بے محل ہے، جب کہ علماء سے اس پر نکیر منقول ہے (۱)، تاہم اب اس کا ہدم درست نہیں بلکہ احتراز لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روضہ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟

سوال [۴۲۷۸]: زید کہتا ہے کہ جب علمائے دیوبند قبروں پر گنبد بنانے سے منع کرتے ہیں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر گنبد کیوں ہے؟ اولیائے کرام میں سے حضرت غوث اعظم اور خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبروں پر گنبد

= (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ التي تكون وصية والتي لا تكون

الخ: ۹۵/۶، رشیدیہ)

(۱) (راجع، للتخریج، ص: ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷)

کیوں بنے ہوئے ہیں؟ ان کو کس نے بنایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر تعمیر (گنبد وغیرہ) کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے، اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا حکم نہیں دیا، جس نے بنایا خلاف حدیث شریف بنایا، اس کو قصور وار کہا جائے، حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا اور اس کے عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا، اتباع کے لئے حدیث شریف ہے نہ کہ بادشاہوں کا عمل۔ اولیائے کرام نے اپنے قبور پر گنبد بنانے کو نہیں فرمایا اور فرماتے بھی کیسے، جب کہ حدیث پاک میں مخالفت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ داری اولیائے کرام پر نہیں۔

”عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن تجسیص القبور، وأن یبنی علیہ أن یقعد علیہ، الحدیث، مسلم (۱) وأصحاب السنن (۲) جمع الفوائد (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟

سوال [۴۲۷۹]: جب کہ پختہ قبریں و گنبد بنانا حرام ہے تو زمانہ سابقہ میں اور اسلامی حکومتوں میں

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجسیص القبور، والقعود، والبناء علیها: ۳۱۲/۱، قدیمی)

(۲) (سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب في البناء علی القبر: ۱۰۴/۲، إمدادیہ)

(و جامع الترمذی، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجسیص القبور و الكتابة علیها: ۲۰۳/۱، سعید)

(و سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن البناء علی القبور الخ، ص: ۱۱۲، قدیمی)

(و سنن النسائی، كتاب الجنائز، باب البناء علی القبر: ۲۸۵/۱، قدیمی)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الجنائز، تشييع الجنازه و حملها و دفنها، (رقم الحديث: ۲۶۱۲): ۳۶۵/۱،

إدارة القرآن كراچی)

پھر کیوں بڑے اولیاء اللہ کے مزار و گنبد بنوائے گئے تھے، جیسے روضہ بغداد، روضہ اجمیری، روضہ کلیری، روضہ نظام الدین وغیرہ وغیرہ، حالانکہ زمانہ سابقہ میں بڑے بڑے جید علماء موجود تھے اور خلیفہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جید علماء نے منع کیا مگر حکومت نے نہیں مانا، حکومت کا یہ فعل سند نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبور مشائخ پر قبہ کا حکم

سوال [۴۲۸۰]: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی کی کتاب ”بہار شریعت“ ص: ۱۵۲، حصہ چہارم میں ہے: ”علماء و مشائخ و سادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانے میں حرج نہیں اور قبر کو پختہ نہ کیا جاوے، درمختار اور ردالمختار۔ یعنی اندر سے پختہ نہ کیا جاوے اور اگر اندر خام ہو اوپر سے پختہ ہو تو حرج نہیں“۔ فقط عبارت ختم ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتاب کے مسائل کا پورا حال تو اصل کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا، لیکن مسائل مذکورہ کا جواب

یہ ہے:

درمختار میں مذکور نہیں ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے: ”ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء، وقیل:

لابأس به، وهو المختار، کما فی کراہۃ السراجیۃ“ (۱)۔

اس عبارت میں علماء، مشائخ، سادات کا ذکر تک نہیں، نیز اس عبارت کو فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے اور نقل میں تقدیم و تاخیر ہوگئی، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا ہے: ”(قوله: وقیل: لا بأس

به الخ) المناسب ذكره عقب قوله: ولا یطین؛ لأن عبارة السراجیۃ - كما نقله الرحمتی - ذكر

فی تجرید أبی الفضل أن تطین القبور مکروه، والمختار أنه لا یکره، اه“ (۲)۔

(۱) (الدر المختار، باب الجنائز من کتاب الصلوۃ: ۲/۲۳۷، سعید)

(۲) (ردالمحتار مع الدر المختار، المصدر السابق)

اختلاف تطہین قبور میں ہے نہ کہ بناء علی القبور میں اور چونکہ درمختار میں: (قوله: لا بأس به) کو مؤخر ذکر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اختلاف بناء علی القبور میں ہے، اس لئے شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور اس کے بعد صراحتاً تردید بھی کر دی، ہے چنانچہ لکھا ہے: "و أما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه اهـ" (۱)۔ البتہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل "ولا يرفع عليه بناء" کے ذیل میں لکھا ہے: "أي يحرم لو للزينة، ويكره لو للإحكام بعد الدفن، وأما قبله فليس بقبر"، امداد. وفي الأحكام عن جامع الفتاوى: وقيل لا يكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات اهـ" (۲)۔

سوا اولاً تو اس کو "قيل" کے ساتھ نقل کیا ہے جو کہ "لا يرفع عليه بناء" کے مقابلہ میں ضعیف ہے۔ ثانیاً: "لا يرفع" کی تفسیر "یحرم" اور "یکرہ" سے کی ہے اور اس کے مقابل کو لا کر "یکرہ" سے بیان کیا ہے، اور محرم، میسج میں جب تقابل ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، کما تقرر فی الاصول (۳)۔ ثالثاً: "لا يرفع" متون میں ہے اور "لا یکرہ" فتاویٰ میں ہے اور متون کو تقدیم ہوتی ہے شروع اور فتاویٰ پر کما فی شرح عقود رسم المفتی (۴)۔ رابعاً: شامی نے خود آگے اس کے خلاف تحریر کیا ہے یعنی:

"و أما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه، وفي شرح المنية عن منية المفتي: المختار أنه لا يكره التطيين. وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالى عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن

(۱) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "إذا تعارض المانع والمقتضى، يقدم المانع". (قواعد الفقه، ص: ۵۶، الصدف پبلشرز)

(۴) "التاسعة..... قلت: حاصله أن أصحاب المتون التزموا وضع القول الصحيح، فيكون ما في

غيرها مقابل الصحيح ما لم يصرح بتصحيحه، فقدم عليها..... إذ صرحوا بأنه إذا تعارض ما في

المتون والفتاوى، فالمعتمد ما في المتون اهـ". (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۸۴، عند بحث

تجسیص القبور: وأن یکتب علیہا، وأن ینبئ علیہا“۔ رواہ مسلم وغیرہ“ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب عدم جواز ہے، پھر اس کے مقابلہ میں ”قیل“ کی حیثیت کچھ نہیں، لہذا علامہ شامی کی رائے کے موافق بھی جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر ان کی رائے جواز کی ہوتی تو آگے اس کی تردید نہ کرتے۔ نیز مشائخ کی قبور پر جو بدعات و خرافات عام طور پر ہوتی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، لہذا قبر کو نہ اندر سے پختہ بنانا جائز ہے نہ اوپر سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

پختہ قبر کو ڈھا دینا

سوال [۴۲۸۱]: پختہ قبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چاروں طرف پختہ ہو، اور بیچ میں مٹی ہو تو کیا حکم ہے؟ فتویٰ اور احتیاط دونوں صورتوں میں تحریر فرمائیں۔

میرے ایک رشتہ دار کا انتقال ہوا، باوجود بہت منع کرنے کے ان کے لڑکے نے قبر پختہ بنا دی، چاروں طرف اینٹ اور درمیان میں مٹی ہے۔ اب تک ہمارے یہاں کچی ہی قبر کا رواج تھا، لیکن اس سے پختہ کرنے کا عام رواج پڑنے کا خوف ہے، آگے یہ فتنہ کی صورت بن سکتی ہے، اگر اسے میں ڈھا دوں تو کوئی لڑائی جھگڑے کی صورت نہیں بنے گی۔ ایسی حالت میں میں کیا کروں، غیر کی ملک میں تصرف کرنے سے گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ اس فتنہ کے روکنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باوجود بہت منع کرنے کے بھی جب قبر پختہ بنا دی گئی، تو آپ خود غور کر لیں کہ اگر اسے آپ ڈھا دیں گے تو جھگڑا ہوگا یا نہیں، ”تغییر منکر“ بڑا منصب ہے مگر اس کے لئے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے اور شرائط بھی سخت ہیں (۲)، بسا اوقات ایسی صورت میں بڑا فتنہ ہو جاتا ہے، جس کو دینی اور دنیوی حیثیت سے برداشت کرنا دشوار

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(والصحيح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجسیص القبور اھ: ۳۱۲/۱، قدیمی)

(و راجع أيضاً عنوان: ”قبر پر قبہ بنانا“۔)

(۲) ”و شرطها (أى الأمر والنهى) أن لا يؤدى إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن =

ہوتا ہے میت کے ورثاء کو اگر مسئلہ سمجھا کر صاف کیا جائے، اور وہ اپنی غلطی کا خود ہی تدارک کریں اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اچھا اثر پڑے گا، اور عام رواج نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۰ھ۔

پختہ قبر کو منہدم کرنا

سوال [۲۲۸۲]: پہلے کئی قبریں جو بنی ہوئی ہیں ان کے لئے انہدام جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انہدام جائز ہے، پختہ قبریں گرا کر کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے، لیکن اگر اس سے شورش پیدا ہو اور فتنہ برپا ہو، تو اس سے اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار شعار الإسلام. (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۲، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشیدیہ)

(۱) "وعن أبي الهياج الأسدي، قال: قال لي علي: ألا ابعثك على مابعثني عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أن لاتدع تصالاً إلا طمسته، ولا قرباً مشرفاً إلا سويته عن جابر رضي الله تعالى عنه، قال: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يحصص القبر وأن يُبنى عليه وأن يقعد عليه رواه مسلم (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول، ص: ۱۲۸، قديمی)

قال الملا علي القاري في شرحه: " (ولا قبراً مشرفاً) هو الذي بنى عليه حتى ارتفع ويستحب الهدم قال في الازهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذلك وتجصيص وجهه والنهي في البناء للكراهة إن كانا في ملكه، والحمرة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب دفن الميت، (رقم الحديث:

(۱۶۹۶، ۱۶۹۷): ۱۷۷/۴، رشیدیہ)

قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۴۲۸۳]: والد صاحب نے اپنی کل جائداد مع دونوں مکانوں کے ہم تینوں لڑکوں کے نام ہبہ کر دیا ہے اور اسی جائداد کے ساتھ میں قریب تین ہزار پکی اینٹیں ہم کو ملی ہیں، اب انہیں اینٹوں میں سے پانچ سو اینٹ اپنی قبر کے اوپر چبوترہ بنانے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم والد صاحب کو اینٹ دیں یا نہ دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی اینٹ دیدیں پھر ان کے انتقال کے بعد ان کو قبرستان میں کچی قبر میں دفن کر دیں (۱) اور اس دی ہوئی اینٹ کو چبوترہ توڑ کر بطور ترکہ تقسیم کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

(۱) چونکہ قبر پکی کرنے سے احادیث میں منع آیا ہے اس لئے اس قسم کی وصیت درست اور قابل نفاذ نہیں:

” (أو وصی بأن یطین قبره أو یضرب علیه قبة فہی باطلۃ) كما فی الخانیة و غیرها وقد مناه عن السراجیة و غیرها فینبغی أن یكون القول ببطلان الوصیة بالتطین مبنیاً علی القول بالکراهة لأنها حینئذٍ وصیة بالمکروه“۔ (الدر المختار)۔ ”ولم یتعرض لبناء القبة فهو مکروه اتفاقاً“۔ (رد المحتار، قبیل باب الوصیة بالخدمة والسکنی والثمرۃ: ۶/۲۹۰، سعید)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”أن یجصص القبر وأن یبنی علیہ وأن یقعد علیہ“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، ص: ۱۴۸، قدیمی)
نقل الملا علی القاری عن الأزهار تحت هذا الحدیث: ”النہی عن تجصص القبور للکراهة، وهو یتناول البناء بذلک وتجصص وجهه، والنہی فی البناء للکراهة إن کان فی ملک، وللحرمة فی المعبرۃ المسبلۃ ویجب الهدم وإن کان مسجداً، وقال التورپشتی: یتحمل وجهین أحدهما: البناء علی القبر بالحجارة وماتجرى مجراها، والآخر أن یضرب علیها ضباء ونحوه وكلاهما منہی لعدم الفائدة فیہ“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، (رقم الحدیث:

(۱۶۹۷): ۳/۱۷۷، رشیدیہ)

قبروں پر آڑ لگانا

سوال [۴۲۸۴]: قبرستان پر اگر پکی قبریں نہ بنا کر آڑ لگا دیا جائے تو کیا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز بلکہ بہت مناسب ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) اگر کفن چاہئے کرنے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے تین دن تک قبر پر خیمہ لگانے کو فقہائے کرام نے جائز قرار دیا ہے، لہذا اسی طرح اگر قبر کو موشی وغیرہ سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو بطور حفاظت آڑ لگانا چاہئے: ”وقال ابن حبيب: أراد (أى ضرب الفسطاط على القبر) فى اليوم واليومين والثلاثة وأسعاً إذا خيف من نبش أو غيره“۔ (عمدة القارى، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱۳۴/۸، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

الفصل السابع في إلقاء الرياحين وغيرها على القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

قبر پر پھول ڈالنا

سوال [۴۲۸۵]: قبر پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ ردالمحتار کی عبارت سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے: ”قبر پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک تر رہیں گے، تسبیح کریں گے اور میت کا دل بہلے گا۔“ ردالمحتار۔ یوں ہی جنازہ پر پھول، چادر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں!

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارت ردالمحتار جس کو پھول ڈالنے کے لئے نقل کیا ہے دراصل گھاس کو قبر سے کاٹنے کے متعلق ہے اصل عبارت یہ ہے: ”یکره أيضاً قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس، كما في البحر والدرد وشرح المنية. وعلة في الإمداد بأنه مادام رطباً يسبح الله تعالى، فيونس الميت وتنزل بذكره الرحمة، اه“ (۱)۔ اس کے بعد شامی نے بطور قیاس لکھا ہے: ”ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع أغصان الأس ونحوه اه“ (۲)۔ اپنی طرف سے صرف یہ قیاس کیا ہے اور مجتہدین سے کوئی نقل پیش نہیں کی۔ شافعیہ سے نقل کیا ہے: ”وصرح بذلك أيضاً جماعة من الشافعية، اه“ (۳)۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت حدیث ”وضع الجريدة“ کی تخصیص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت تھی، علامہ شامی کو شافعیہ کی رائے پسند ہے: ”وهذا أولى مما قاله بعض المالكية من أن

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب فی وضع الجريد ونحو الآس علی القبور:

۲/۲۴۵، سعید)

(۲) (رد المحتار، المصدر السابق)

(۳) (رد المحتار، المصدر السابق)

التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعائه لهما، فلا يقاس عليه غيره، اهـ“ (۱)۔ اگر قیاس ہی کرنا ہے تو جس قدر کاثبوت ہے اس کو اتنی ہی مقدار میں قیاس کیا جاوے: ”وقد ذكر البخاری فی صحیحہ أن بريدة ابن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أوصی بأن يجعل فی قبره جریدتان، اهـ“ (۲)۔ پھر یہ کہ عامہ مشائخ اور اولیائے کرام کے مزارات پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی دشوار ہے کہ ان کے لئے تخفیف عذاب کی ضرورت ہے اور اگر کوئی دنیا دار آدمی ہو جس کے ذمہ بہت سے حقوق ہوں اور حکم نصوص عذاب قبر کے مستحق ہوں ان کی قبر پر پھول نہیں ڈالے جاتے۔ جنازہ پر پھول چادر ڈالنا اگر کسی صحابی، تابعی، مجتہد سے ثابت ہو تو اس کو پیش کیا جائے۔ کفن میں خوشبو، حنوط وغیرہ لگانا درمختار نے جہل لکھا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا

سوال [۴۲۸۶]: جب دین مکمل ہے تو ہر چیز کا حکم اور نہی موجود ہوگی، اسی طرح فاتحہ اور پھول مالا وغیرہ رسوم کی مخالفت بھی موجود ہوگی، خصوصاً جبکہ ان امور کو مستحب سمجھ کر کیا جاتا ہو تو پھر دیوبندی حضرات کیوں نہیں کرتے اور کیوں منع کرتے ہیں جبکہ مخالفت کی صریح دلیل نہیں اور حنفیہ کے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار بھی نہیں، دیوبندی حضرات بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے امر مستحب پھول، مالا، دعائے ثانیہ وغیرہ سے منع کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت اور قبر سے متعلق فرائض، واجبات، سنن مستحبات سب احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں، جو کہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ماخوذ ہیں۔ اگر یہ پھول وغیرہ اور دعائے ثانیہ دین کی لازمی چیزیں ہوتیں تو ان کا بھی

(۱) (رد المحتار، باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی وضع الجرید علی القبور: ۲/۲۴۰، سعید)

(۲) (رد المحتار، المصدر السابق)

(۳) ”(ویجعل الحنوط) وهو بفتح الحاء العطر المركب من الأشياء الطيبة غیر زعفران وودس

لکراہتہما للرجال وجعلہما فی الکفن جہل“۔ (الدر المختار، باب صلوۃ الجنائز: ۲/۱۹۷، سعید)

ثبوت ہوتا، مدعی کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے منکر کے لئے عدم ثبوت کافی ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کفن یا قبر پر پھول ڈالنا

سوال [۴۲۸۷]: قبر یا کفن پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ خوشبو لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو کفن پہناتے وقت جو خوشبو لگائی جاتی ہے وہ ثابت ہے (۲) اور وہی کافی ہے، نہ کفن پر پھول ڈالے جائیں نہ قبر میں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۴ھ۔

ایضاً

سوال [۴۲۸۸]: میت کو کفن پہناتے وقت کفن کے اندر پھول چھڑک دیتے ہیں اسی طرح قبر میں پھول ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۱) قال العلامة النووي: "وجاء في رواية البيهقي وغيره بإسناد حسن أو صحيح..... عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال..... "البينة على المدعى"..... اهـ"
الحديث..... قال: وهذا الحديث قاعدة كبيرة من قواعد أحكام الشرع، ففيه: أنه لا يقبل قول الإنسان فيما يدعيه بمجرد دعواه، بل يحتاج إلى بينة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب اليمين على المدعى عليه: ۷۴/۲، قديمي)

(۲) "وجميع ما يجمر فيه الميت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة، وعند غسله، وعند تكفينه، ولا يجمر خلفه ولا في القبر". (البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۳۱۰/۲، رشيدية)
(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة، ۱۹۵/۲، سعيد)

(وفتح القدير، باب الجنائز، فصل في الغسل: ۱۰۸/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "قال العيني رحمه الله تعالى: إن إلقاء الرياحين ليس بشئ". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۴۸۹/۲، مكتبه حضر راه بکڈپو دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں غلط طریقہ ہے (۱)، البتہ کفن پہناتے وقت میت کو خوشبو لگانا ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر پر پھول، چادر، روشنی کرنا

سوال [۴۲۸۹]: قبر کے گرد روشنی کرنا، قبر پر غلاف ڈالنا اور پھولوں کی چادر جنازہ یا قبر پر ڈالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب چیزیں بھی بدعت ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۱) قال العلامة العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: "أنکر الخطابی و من تبعه وضع الجريد اليابس، وكذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين و البقول و نحوهما على القبور ليس بشيء". (عمدة القاری، کتاب الوضوء، قبیل باب ما جاء فی غسل البول: ۳/۱۲۱، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(و کذا فی فیض الباری، باب من الکبائر أن لا یستر من البول: ۱/۳۱۱، خضر راہ بکڈپو دیوبند)
(و بمعناه فی شرح النووی علی الصحيح لمسلم، کتاب الطهارة باب الدلیل علی نجاسة البول و وجوب الاستبراء منه: ۱/۱۴۱، قدیمی)

(۲) "أخرج الحاکم فی المستدرک عن أبی وائل، قال: کان عند علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسک فأوصی أن یحنط به، و قال: هو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم". (نصب الراية لأحاديث الهداية، باب الجنائز: ۲/۲۵۹، مؤسسة الريان)

"وتجمر الأكفان قبل أن یدرج فیها المیت و تراً؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أمر بإجمار أكفان بنته و تراً والإجمار هو التطيب". (الهداية، باب الجنائز، قبیل فصل فی الصلوة علی المیت: ۱/۱۸۰، مکتبه شركة علمیه، ملتان)

(و کذا فی الحلبي الكبير، فصل فی الجنائز، ص: ۵۸۲، سهیل اکیڈمی لاہور)

(۳) (سیأتی تخرجه تحت عنوان: "مصنوعی قبروں پر پھول چادر چڑھانا")۔

مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا

سوال [۴۲۹۰]: اکثر مقامات پر مصنوعی قبریں بنا کر چادر وغیرہ چڑھاتے ہیں، کیا مصنوعی قبروں پر ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسے لوگ مثال دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی سبز ٹہنی گاڑ دی تھی، وہ تو قبر والوں پر عذاب ہو رہا تھا، لہذا اس کا منشاء اور تھا، لیکن اس جگہ تو زینت کے لئے پھول وغیرہ چڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصنوعی قبروں کو بنا کر مخلوق کو دھوکا دینا ہے جو کہ معصیت ہے (۱) اور قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانا درست نہیں ہے (۲)۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قبروں پر شاخ گاڑنا منقول ہے وہ بھی اس لئے کہ ان دونوں پر عذاب قبر ہو رہا تھا (۳)، وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت

= ”وما يؤخذ من الدراهم والمشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام“۔ (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموال الخ: ۲/۴۳۹، سعید)

”واخراج الشموع إلى رأس القبور الليالي الأولى بدعة، كذا في السراجية“ (الفتاوى العالمکیرية، كتاب الکراهية، الباب السادس عشر فی زیارة القبور الخ: ۵/۳۵۱، رشیدیہ)

(۱) ”فقال السيد: هو (أى الخداع) أن يؤهم صاحبه خلاف ما وأما المؤمنون وإن جاز أن يخدعوا إلا أنه يبعد أن يقصدوا خدع المنافقين؛ لأنه غير مستحسن، بل مذموم مستهجن، وهى أشبه شئ بالنفاق، وهم فى غنى عنه ﴿وما يشعرون﴾ هلاک أنفسهم وإيقاعها فى الشقاء الأبدى بكفرهم ونفاقهم والمراد لا يشعرون بشئ“۔ (روح المعانى، (سورة البقرة: ۹): ۱/۱۴۵، ۱۴۸، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۲) ”وقال العینی رحمه الله تعالى: إن إلقاء الرياحين ليس بشئ“۔ (فیض الباری، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۲/۴۸۹، مکتبه خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۳) ”عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال: مرّ النبی صلی الله علیه وسلم على قبرین، فقال: إنهما یعذبان ثم دعا بعسیب رطب، فشقه بـثنّین، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: ”لعله یخفف عنهما ما لم یبسا“۔ (صحیح البخاری، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر:

۱/۱۸۱-۱۸۲، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد واللفظ له، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۱/۴، مکتبه دار الحديث ملتان)

شامل تھی (۱)۔ اگر اس سے استدلال کر کے بزرگان دین کے مزارات پر پھول چڑھائے جاتے ہیں تو کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگان دین کو عذاب قبر ہو رہا ہے (معاذ اللہ)۔ ان دو قبروں کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں شاخ کا گاڑنا بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا

سوال [۴۲۹۱]: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر تعداد میں شہید ہوئے اور امامان شریعت و طریقت بھی ہوئے۔ کیا ان کے مزارات پر غلاف یا پھول وغیرہ چڑھایا جاتا ہے اور ان کا سویم، دسواں، چالیسواں وغیرہ بھی ہوتا ہے جس طرح ہندوستان میں ہوتا ہے؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

ہندوستان میں بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں مجھے علم نہیں کہ کسی دوسرے ممالک میں بھی یہ سب کیا جاتا ہے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارات تو ان چیزوں سے محفوظ ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال

سوال [۴۲۹۲]: جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کو شق کر کے گاڑ دیا اور فرمایا کہ ”جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی“۔ اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں (۳)۔ کہتے ہیں: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبَحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ

(۱) ”قال الطرطوشي: لأن ذلك خاص ببركة يده صلى الله تعالى عليه وسلم“۔ (إعلاء السنن، كتاب

الجنائز، باب استحباب غرز الجريد الرطبة على القبر: ۲۸۹/۸، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) بلکہ سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرب ممالک میں دفن ہیں اور ان تمام ممالک میں کسی بھی ملک میں نہ غلاف چڑھائے جاتے ہیں اور نہ پھول وغیرہ، اگر اس طرح کا کوئی عمل مسنون یا مستحب ہوتا، تو وہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں، لیکن یہ طریقے اہل بدعت کے ایجاد کردہ ہیں۔

(۳) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على قبرين، فقال: =

تسبیحہم ﴿الآیۃ قول اللہ تعالیٰ ہے﴾ (۱) اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور ترک لکڑی ذی حیات ہے۔ تو یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہو گیا تھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے (۲)، کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں، کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہو رہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۃ حاضر ہو کر مقابر اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے (۳) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے؟!

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے تخصیص کا احتمال بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (۴) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تیقن کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ

= ”إنهما يعذبان“ ثم دعا بعسیب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: ”لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا“. (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۳/۱، دار الحديث ملتان)

(و رواه البخاری فی الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۱/۱۸۱، ۱۸۲ قدیمی)

(۱) (الإسراء: ۴۴)

(۲) ”قال المازری: یحتمل أن یكون أوحى إلیه أن العذاب یخفف عنها هذه المدة“. (فتح الباری،

كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا یستتر من بوله: ۱/۴۲۵، قدیمی)

(۳) ”قلت إن كانوا یذعون اتباع الحدیث، فعلیهم أن یضعوا الجرائد دون الریاحین، وعلى

المعذبین دون المقربین؛ لأن الحدیث إنما ورد فی المعذبین الخ“. (البدر الساری علی حاشیة

فیض الباری، باب من الكبائر أن الخ: ۱/۳۱۱، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۴) ”بعض العلماء قال: إنها واقعة عین یحتمل أن تكون مخصوصة بمن اطلعه الله تعالى على حال

المیت“. (فتح الباری، كتاب الجنائز، باب الجریدة علی القبر: ۳/۲۲۴، دار المعرفة، بیروت) =

”لعل“ فرمایا ہے (۱)۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”إن إلقاء الرياحين ليس بشيء، اه“ (۲)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری: ۱/۲۷۷ میں لکھا ہے:

”وأما حديث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانا مسلمين، ففي رواية ابن ماجة: ”مر بقبرين جديدين“ (۳)، فانتفى كونهما في الجاهلية. وفي حديث أبي أمامة عند أحمد: أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مر بالبقيع فقال: ”من دفنتم اليوم ههنا“ (۴)؟ فهذا يدل على أنهما كانا مسلمين۔ وفي رواية أبي بكرة عند أحمد، والطبرانی بإسناد صحيح: ”يعذبان، وما يعذبان في كبير، وما يعذبان إلا في الغيبة والبول“ (۵). فهذا الحصر ينفي كونهما كانا كافرين؛ لأن الكافر وإن عذب على ترك أحكام الإسلام، فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلا خلاف“ (۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= ”وقد استنكر الخطابي و من تبعه وضع الناس لجريدة ونحوه في القبر عملاً بهذا الحديث، قال الطرطوسي: لأن ذلك خاص ببركة يده صلى الله تعالى عليه وسلم..... الخ“ (فتح الباری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۴۲۵/۱، قديمی)

(وکذا فی فیض الباری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۳۱۱/۱، خضر راہ بکڈپو دیوبند) (۱) و ”لعل“ للترجی.

(۲) (عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱۸۰/۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) (سنن ابن ماجة، کتاب الطہارۃ، باب التشدید فی البول، ص: ۲۹، قديمی)

(۴) (مسند الإمام أحمد، حدیث أبي أمامة، (رقم الحديث: ۲۱۷۸۹): ۳۵۷/۵، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، حدیث أبي بكرة نفيح بن حارث، (رقم الحديث: ۱۹۸۶۰): ۱۳/۵، دار إحياء التراث العربی بیروت)

”عن عائشة رضي الله عنها: قالت: مر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال: ”إنهما يعذبان، وما يعذبان في كبير، كان أحدهما لا يتنزه من البول“. الحديث. رواه الطبرانی في الأوسط“. (مجمع الزوائد: ۲۰۷/۱، دار الفكر، بیروت)

(۶) (فتح الباری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۴۲۶/۱، قديمی)

قبر پر چادر

سوال [۴۲۹۳]: مزارات پر چادر چڑھانا، اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے: ”ویکفرہ الستور علی القبور“ (۱)۔ اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہو کر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے: ”ویکفر بقولہ أرواح المشایخ حاضرة تعلم“۔ مجمع الأنهر: ۶۹۹/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر چراغ، اگر بتی، لوبان وغیرہ

سوال [۴۲۹۴]: قبر کے اوپر چراغ، اگر بتی، لوبان وغیرہ کا جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعت اور ممنوع ہے، میت کے لئے خوشبو لگانا تین وقت ثابت ہے: ایک جب اس کی روح نکلے، دوسرے جب اس کو غسل دیا جائے، تیسرے کفن پہنانے کے قریب، بحر: ۱۹۱/۲ (۳)۔ قبر پر ثابت نہیں نہ دفن سے پہلے اور نہ دفن کے بعد جو لوگ قبر پر چراغ جلاتے ہیں ان پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی النظر واللمس: ۳۶۳/۲، سعید)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الکفر أنواع: ۵۰۵/۲، المكتبة الغفارية کوئٹہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحكام المرتدین: ۲۰۹/۵، رشیدیہ)

(۳) ”وجميع ما یجتمه، ۹۰ المیت ثلاثه مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكریهة، وعند غسله،

وعند تكفینہ، ولا یجتمہ خلفه ولا فی القبر.“ (البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۳۱۰/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائز: ۱۹۵/۲، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الغسل: ۱۰۸/۲، مصطفى البابی الحلبي مصر)

فرمائی ہے۔ مشکوٰۃ شریف، ص: ۷۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شب براءت میں قبروں پر روشنی اور اگر بتی

سوال [۴۲۹۵]: شب براءت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگر بتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم جہالت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر اگر بتی جلانا، اذان دینا، تیجہ کرنا

سوال [۴۲۹۶]: بعض جگہ میں عام دستور ہے کہ اگر کوئی مرجاتا ہے تو تین روز تک قبر پر بتیاں جلائی

جاتی ہیں اور اذان پڑھی جاتی ہے اور تیسرے دن تیجہ کے نام سے کلام مجید اور آیت کریمہ پڑھنا لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ صورتیں جائز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امور بدعت اور ناجائز ہیں (۳)۔ قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز پڑھ کر، یا روزہ رکھ کر، یا غرباء کو کھانا، کپڑا، نقد و کیکر بلا تعین تاریخ ثواب پہنچانا اور جس قدر جلدی ممکن ہو اس میں جلدی کرنا بلکہ دفن سے پہلے پہلے کرنا مستحسن اور باعث ثواب ہے (۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/۹/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ذیقعدہ/۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ذیقعدہ/۵۹ھ۔

(۱) "وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زائرات القبور، والمتخذین علیہا المساجد والسرج". رواہ أبو داود والترمذی والنسائی. (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، ص: ۷۱، قدیمی)

(۲) "وإخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي الأولى بدعة". (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب السادس عشر فی زیارة القبور الخ: ۵/۳۵۱، رشیدیہ)

(۳) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: "شب براءت میں قبروں پر روشنی اور اگر بتی")

(۴) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوٰۃ كان أو صوماً أو صدقة أو =

قبروں پر پانی چھڑکنا

سوال [۴۲۹۷]: قبر کے اوپر مٹی ڈالنے کے بعد لوٹے سے ایک لوٹا پانی ڈالتے ہیں اس نیت سے کہ میت کو ٹھنڈک پہونچے۔ کیا یہ صورت یا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ غلط ہے، البتہ مٹی جمنے کی غرض سے پانی ڈالتے ہیں کہ ہوا سے منتشر نہ ہو جائے، یہ ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر سے متعلق چند خرافات

سوال [۴۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے ماننے والوں نے تجہیز و تکفین و تدفین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کئے:

= قراءة للقرآن أو الأذکار أو غیر ذلک من أنواع البر، ویصل ذلک إلى المیت، وینفعه، قاله الزیلعی فی باب الحج عن الغیر۔“ (مراقی الفلاح کتاب الصلوٰۃ، فصل فی زیارة القبور، ص: ۵۲۱، ۵۲۲، قدیمی)

(و کذا فی البحر والفتح، والهدایة کلهم فی باب الحج عن الغیر)

(۱) ”و عن جعفر بن محمد، عن أبیه مرسلًا، أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حثا علی المیت ثلاث حیثیات بیديه جميعاً، و أنه رش علی قبر ابنه إبراهیم، و وضع علیہ حصباء“۔ رواہ فی شرح السنة“۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، الفصل الثانی، ص: ۱۴۸، قدیمی)

(و مراسیل أبی داؤد الملحق بسننه، ما جاء فی الجنائز، فی الدفن، ص: ۱۸، سعید)

(وابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی إدخال المیت القبر، ص: ۱۱۱، قدیمی)

”ولا بأس برش الماء علیہ حفظاً لثرا به عن الاندرا س“۔ (الدر المختار)۔ ”بل ینبغی أن یندب؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعله بقبر سعد، كما رواه ابن ماجہ. و بقبر ولده إبراهیم، كما رواه أبو داؤد فی مراسیلہ. و أمر به فی قبر عثمان بن مظعون، كما رواه البزار“۔ (ردالمحتار، باب الجنائز:

۱..... نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد بالقصد قبر کھودنے میں دیر کرنا بایں وجہ کہ ان کے مریدین دور دراز سے آنے والے ہیں وہ لوگ پیر کے چہرہ کو دیکھ لیں:

۲..... قبر میں مردہ کو رکھ کر ایک دو روز تک قبر کھلی ہوئی رکھنا،

۳..... چھوٹی لاپچی پس کر مردے کے بدن پر لگانا۔

۴..... میت کے غسالہ (دھوون) کو تبرک سمجھ کر پینا، پلانا۔

۵..... قبر کو چھ فٹ گہرا کھودنا تا کہ پیر قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے۔

۶..... قبر میں گدے بچھانا، پھولوں کی تیج بچھانا، تین تیکے: ایک دائیں جانب، دوسرے بائیں جانب،

تیسرے سر ہانے کی جانب رکھنا، چھڑی اور بدھنا رکھنا، ٹوپی وغیرہ پہنانا۔

۷..... شخص مذکور کے ماننے والے نے اس قسم کی باتیں بھی کہی ہیں، مثلاً تمام نبیوں سے اعلیٰ ہے میرا

پیر، نیز یہ بھی کہا ہے کہ اسی سیرت کی پوجا کرو اسی میں کامرہی ہے (العیاذ باللہ)۔

نوٹ: جمیع سوالات کے جوابات مدلل و مفصل بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔

محمد مصطفیٰ قاسمی، جامع العلوم، جامع مسجد فیروز آباد، آگرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت اور اس کے غسل اور دفن اور قبر سے متعلق چھوٹے سے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور

ہیں، امورِ مسئلہ کا ذکر نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ فقہ کی مستند کتب میں، پس یہ سب

چیزیں بے اصل ہیں، بے دلیل ہیں، جہالت ہیں، ضلالت ہیں، بدعت ہیں (۱) اور بعض ان میں شرک

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا

هذا ما لیس منه، فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو

مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الأقضية، باب نقض الأحکام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قدیمی)

قال العلامة المناوی تحتہ: ”أی أنشأ و اخترع و أتى بأمر حدیث من قبل نفسه..... (ما لیس

منه): ”أی رأياً لیس له فی الکتاب، أو السنة عاصداً ظاهراً أو خفياً، ملفوظاً أو مستنبطاً، (فهو رد): ”أی مردود

علی فاعله لبطلانه“۔ (فیض القدير: ۱۱/۵۵۹۴، حدیث رقم: ۸۳۳۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ریاض) =

ہیں (۱)، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح راستے پر چلائے۔ اگر دلائل کا مطالبہ کرنا ہے تو جو لوگ ان چیزوں کے مرتکب ہیں ان سے ثبوت طلب کیا جائے، ہمارے واسطے تو اتنی بات کافی ہے کہ ان چیزوں کا کہیں ثبوت نہیں۔

میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کرنے کا حکم حدیث وفقہ میں موجود ہے (۲)۔ قبر کا اتنا گہرا کھودنا غلط ہے بلکہ اتنی گہری ہونی چاہئے کہ میت کو اس میں رکھنے کے بعد جو تختہ وغیرہ رکھا جائے تو اس کے جسم سے مس نہ کرے، البتہ اوپر کا حصہ ایک آدمی کی قد کے برابر یا اس سے کچھ کم گہرا ہونا چاہیے (۳)۔ میت کے

= (و بمعناه مفصلاً فی المرقاة شرح مشکوٰۃ، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۶، ۳۶۷، رشیدیہ)

(۱) قوله: ”اسی سیرت کی پوجا کرو“ پوجا کرنا شرک ہے، کیونکہ سجدہ کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ”وقال شمس الأئمة السرخسی: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر“۔ (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی البیع: ۸/۳۶۴، رشیدیہ)

(و بمعناه فی شرح الفقه الأكبر للقاری، أو اخر فصل فی الکفر صریحاً و کنایة، ص: ۱۹۳، قدیمی)
(۲) ”عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”إذا مات أحدکم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره“۔ الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان.“
(مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۴۱۹، قدیمی)

قال القاری: ”(فلا تحبسوه): أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام: يستحب الإسراع بتجهيزه كله حين يموت (و أسرعوا به إلى قبره) هو تأكيد و إشارة إلى سنة الإسراع فی الجنازة“۔ (المرقاۃ، باب دفن الميت: ۴/۱۹۷، رقم الحديث: ۱۷۱۷، رشیدیہ)

(۳) ”و عن هشام بن عامر رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال يوم أحد: ”احفروا و أوسعوا و أعمقوا و أحسنوا“۔ الحديث. (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، ص: ۱۴۸، قدیمی)

”قال المظهر: أي اجعلوا عمقه قدر قامة الرجل إذا مَدَّ يده إلى رؤوس أصابعه“۔ (المرقاۃ،

باب دفن الميت: ۴/۱۸۱، رقم الحديث: ۱۷۰۲، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعید)

نیچے گدا بچھانا صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور جملہ اصحاب عظام سے کہیں ثابت نہیں۔ تین تکیوں کی مصلحت بھی وہی بتائیں گے، حدیث وفقہ میں تو کہیں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر خرافات

سوال [۴۲۹۹]: قبروں پر قبے بنانا، چادریں ڈالنا، چڑھاوے چڑھانا، جھنڈے لگانا، نذر و نیاز کے طور پر مزاروں پر بکرے ذبح کرنا، شیرینی تقسیم کرنا، قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں اور سنت طریقہ ہے یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام شرعاً ناجائز، مکروہ اور گناہ ہیں (۲)۔

(۱) بلکہ اس کو شارحین حدیث اور فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی قرار دے کر رد کیا ہے: قال النووی فی شرحہ علی مسلم: ”وقد نص الشافعی و جمیع أصحابنا و غیرہم من العلماء علی کراہۃ وضع قطیفۃ أو مضریۃ أو مخدۃ و نحو ذلک تحت المیت فی القبر، و شدّ منهم البغوی من أصحابنا و الصواب کراہتہ کما قالہ الجمهور. و أجابوا عن هذا الحدیث بأن شقران انفراد بفعل ذلک، و لم یوافقہ غیرہ و خالفہ غیرہ، فروی البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنه کرہ أن یجعلہ تحت المیت ثوب فی قبرہ، واللہ تعالیٰ اعلم.“ (الکامل للنووی، باب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد: ۳۱۱/۱، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳/۲، سعید)

(و کذا فی المرقاة شرح مشکوٰۃ، باب دفن المیت: ۱۷۵/۴، رقم الحدیث: ۱۶۹۴، رشیدیہ)

(۲) أما بطلان قوله: ”قبروں پر قبے بنانا“ فلیمّا فی الدر المختار: ”ولا یجصص للنهی عنه، ولا یطین، ولا یرفع علیہ بناء.“ قال ابن عابدین: ”وعن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: یکرہ أن یبنی علیہ بناءً من بیت أو قبة أو نحو ذلک، لما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن تجصيص القبور، وأن یکتب علیہا، وأن یبنی علیہا“ رواہ مسلم و غیرہ. (رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائز: ۲۳۷/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۳۴۰/۲، رشیدیہ)

اور بعض شرک کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں (۱)، نظام تصوف نمبر، اگست، ۶۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔



وأما قوله: ”چادریں ڈالنا، جھنڈے لگانا“ فراجع للتخريج (ص: ۱۷۴، رقم الحاشية: ۱، وص:
۱۷۴، رقم الحاشية: ۳)

وأيضاً قال العلامة الشامي: ”وكره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور
الصالحين والأولياء، قال في فتاوى الحجة: وتكره الستور على القبور“. (ردالمحتار، كتاب الكراهية،
قبيل فصل في النظر واللمس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(۱) وأما قوله: ”چڑھاوے چڑھانا، نذر و نیاز کے طور پر مزاروں پر بکری ذبح کرنا“ فليما قال العلامة الطحطاوى
رحمه الله: ”واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع والزيت،
ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل، وحرام. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر
لمخلوق، ولا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت، والميت لا
يملك. ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى، كفر. اللهم! إلا أن يقول: يا الله!
إني نذرت لك إن شفيت مريضى..... اه..... أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة..... إلى
غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء“. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصوم، باب ما
يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۵۲۰/۲، ۵۲۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمية، كتاب الصوم، فصل في المتفرقات، قبيل كتاب المناسك:

۲۱۶/۱، رشيدية)

(وحاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۴۷۱/۱، دار

المعرفة، بيروت)

باب زیارة القبور

(زیارت قبور کا بیان)

زیارت قبور کا طریقہ

سوال [۴۳۰۰]: قبرستان جانے اور فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرمادیتے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنجشنبہ یا جمعہ کو بغیر کسی خاص پابندی کے جا کر قبلہ کی طرف پشت کر کے قبر کی طرف رخ کر کے سورہ یسین، قل هو اللہ أحد الخ وغیرہ پڑھ کر کہہ دے: یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچا دے اور پڑھنے سے پہلے وہاں جا کر کہے: ”السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا انشاء اللہ بکم لاحقون“ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

(۱) ”ولا بأس..... زیارة القبور.....“ و يقول: السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا انشاء اللہ بکم لاحقون، و یقرأ یس، و فی الحدیث: ”من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطی من الأجر بعدد الأموات.“ (الدر المختار).

”قوله: وبزیارة القبور): أى لا بأس بها، بل تندب..... و تزار فی کل أسبوع..... والأفضل يوم الجمعة والاثنين والخميس، الخ.“ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۴۲، سعید)

”يستحب زیارة القبور، و كيفية زیارة كزیارة ذلک المیت فی حیاته من القرب والبعد. وإذا أراد زیارة القبور، يستحب له أن یصلی فی بیتہ رکعتین یقرأ فی کل رکعة الفاتحة وأية الكرسي مرة واحدة، والإخلاص ثلاث مرات، ویجعل ثوابها للمیت، یبعث اللہ تعالیٰ إلی المیت فی قبره نوراً ویكتب للمصلی ثواباً كثيراً.....“ ”ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه المیت، و یقول: السلام علیکم =

اقسام زيارت قبور

سوال [٢٣٠١]: زيارة القبور ليست مشروعة مطلقاً، بل نوعان: شرعية وغير شرعية، فالمسنونة منها شرعية، وغير المسنونة غير شرعية، فبعضها معصية كبيرة وبعضها كفر وشرك؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زيارة القبور من حيث المقاصد والأعمال مختلفة بعضها: مستحبة، والبعض مباحة، والبعض بدعة محرمة، والبعض شرك (١) - وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة على سيد المرسلين وآله وأصحابه أجمعين - فقط والله سبحانه تعالى أعلم -

حرره العبد محمود كنكو، غفر له، دار العلوم ديوبند، ١٢/١١/٨٨ هـ -

= يا أهل القبور! يغفر الله لنا ولكم أنتم لنا سلف ونحن بالأثر وأفضل أيام الزيارة أربعة: يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن". (الفتاوى العالمية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر: ٥/٣٥٠، رشديه)

(١) "الزيارة تنقسم إلى قسمين: زيارة شرعية وزيارة بدعية، فالزيارة الشرعية: السلام على الميت، والدعاء له، بمنزلة الصلاة على جنازته وأما الزيارة البدعية: فمن جنس زيارة اليهود والنصارى، وأهل البدع الذين يتخذون قبور الأنبياء والصالحين مساجد فالزيارة البدعية مثل قصد قبر للصلاة عنده أو طلب الحوائج منه، الخ". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، باب زيارة القبور: ١٢/١٨٤، ١٨٨، مكتبة العبيكان الرياض)

وتفصيل هذه المسئلة في: (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، فصل في مقامات الأنبياء والصالحين، ص: ٢١١، ٢١٤، مكتبة نزار مصطفى الباز)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، يخرج من آخر الليل: إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ما توعدون غداً مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد". (الصحيح لمسلم، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ١/٣١٣، قديمي) =

ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور

سوال [۴۳۰۲]: بنارس میں اعراس کے شیدائی اور اہل بدعت کے غوغائی حضرات نے اس وقت موسم کے لحاظ سے نیاز، فاتحہ، عرس اور دوسرے تمام لوازمات کی غزل پڑھنا شروع کر دی ہے، اس سلسلہ میں سالانہ مزارات کی حاضری کے بارے میں فریقِ مخالف نے بس یہ تحریر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال صحابہ کو لیکر اُحد جاتے تھے۔ میں نے جب تلاش کیا تو شنبہ میں آپ کا جانا ثابت ہے، اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ضرور تھے کہ دعائے مغفرت کے سماں کا کیف و سرور کو انھوں نے انتہائی ذوق و شوق سے بیان فرمایا ہے، اور بھی دو جگہ ہے، مگر صحابہ کے ساتھ ہر سال کا جانا صحاح میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ مولانا فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں ابن جریرہ کے حوالہ سے ایک حدیث ”علی رأس کل حول“ ملی۔

اس کے بعد فتاویٰ دارالعلوم ج پنجم، ص: ۱۹۶، میں یہ حدیث ملی: ”لما أخرج ابن جريرة عن محمد بن إبراهيم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يأتي قبور الشهداء على رأس كل حول“

= قال الإمام النووي: ”قوله: وإنا إن شاء الله الحديث وفي هذا الحديث: دليل لاستحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم“. (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/۱، قديمی)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: زار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم:“ (فروروا القبور، فإنها تذكركم الموت“. (الصحيح لمسلم: ۳۱۴/۱)

”ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات و صرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها“. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشیدیہ)

”ولا بأس بزيارة القبور ولوللنساء“. (الدر المختار). ”(قوله: و بزيارة القبور): أي لا بأس بها بل تندب (قوله: و لو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، فلا بأس إذا كن عجائز“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲۴۲/۲، سعيد)

فیقول: ”سلام علیکم بما صبرتم، فنعم عقبی الدار“ وأبو بکر وعمر وعثمان“ (۱)۔

اس حدیث کے بارے میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ سنداً یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور یہ تو تعین تاریخ کے لئے بہت مفید ہے۔ راویوں میں اگر کوئی راوی کمزور ہو تو اس کا نام تحریر فرمادیں گے اور صاحب رجال نے جو اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہو اس کو بھی۔

چونکہ ابن جریر یہاں نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مجھ میں صلاحیت کہاں، یقین ہے کہ جواب سے شکر گزار فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شہدائے احد کے ساتھ بعض خصوصی معاملات بھی ہوئے، مثلاً یہ کہ قبل دفن ان پر صلوٰۃ جنازہ پڑھ لینے کے باوجود ان پر حیات طیبہ میں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی (۲) اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بار بار تمام شہدائے احد کے ساتھ نماز پڑھی گئی (۳)، ہو سکتا ہے کہ یہ ”علی رأس کل حول“ کی زیات بھی خصوصیات میں سے ہو، ورنہ اس قسم کی چیز شہدائے بدر کی زیارت سے متعلق بھی ثابت ہوتی، خاص کر جبکہ ان کا مقام شہدائے احد سے بلند ہے، اور مدفون بقیع کی زیارت کے متعلق بھی ثابت ہوتی کہ ان کے مناقب مستقلاً احادیث میں موجود ہیں۔

(۱) (لم أطلع عليه في فتاوى دار العلوم ديوبند)

(۲) ”وقد روى أيضاً عن عقبة بن عامر رضى الله تعالى عنه أن البنى صلى الله تعالى عليه وسلم صلى على قتلى أحد بعد مقتلهم بثمان سنين. حدثنا يونس أنه سمع عقبة بن عامر رضى الله تعالى عنه يقول: إن آخر ما خطب لنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أنه صلى على شهداء أحد“. الحديث. (شرح معانى الآثار للطحاوى رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الشهداء: ۳۳۸/۱، سعید)

(وآخرجه البخارى فى المغازى، باب غزوة أحد: ۵۷۸/۲، قديمی)

(۳) ”عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يوضع بين يديه يوم أحد عشرة، فيصلى عليهم وعلى حمزة، ثم يرفع العشرة وحمزة رضى الله تعالى عنه موضوع، ثم يوضع عشرة، فيصلى عليهم وعلى حمزة معهم“. (شرح معانى الآثار المرجع السابق)

نیز غزوہ احد شوال میں ہوا (۱) اور ”رأس کل حول“ کا مصداق محرم ہے اور اعراس کا معمول تاریخ وفات پر ہے نہ کہ رأس کل حول پر پھر اس زیارت پر اس کل حول سے استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ زیارت رأس کل حول بھی مسلسل اور دائمی ثابت نہیں، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد میں بھی اس کا اہتمام فرماتے اور محدثین و مجتہدین بھی (۲)۔ اس لئے مبتدعین کا استدلال بالکل بے محل ہے، روایت پر جرح کی ضرورت نہیں۔ شامی نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۷/۹۱ھ۔

قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟

سوال [۳۳۰۳]: زید نے قبر کی شرق کی جانب سے قبلہ رو ہو کر جیسے نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں فاتحہ پڑھی، بکر کہتا ہے کہ اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، شرق یا شرق کے کسی گوشہ کی جانب رخ کر کے پڑھنا چاہئے۔ شرعاً بکر کا قول کس درجہ میں ہے؟

۲..... جب کہ ہر چہار سو قبریں ہوں اور یہ شخص اپنے عزیز کی قبر پر فاتحہ کے لئے جائے تو فاتحہ کے لئے کونسی سمت کو اختیار کرنا چاہئے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱..... اگر میت کے سر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت کی جائے تو یہ میت پر باعث دشواری ہے، لہذا پیر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت اور فاتحہ پڑھنی چاہئے:

”يَأْتِي الزَّائِرُ مِنْ قِبَلِ رِجْلِي الْمَوْتَى لَا مِنْ قَبْلِ رَأْسِهِ؛ لِأَنَّهُ أَتْعَبَ لِبَصَرِ الْمَيِّتِ، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ؛ لِأَنَّهُ يَكُونُ مُقَابِلَ بَصَرِهِ“۔ شامی: ۱/۹۴۲ (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

(۱) قال ابن حجر رحمه الله تعالى: ”وكان الواقعة (أى واقعة أحد) المشهورة فى شوال سنة ثلاث

باتفاق الجمهور“۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد: ۳۴۶/۷، دار المعرفة، بیروت)

(۲) یعنی وہ خصوصیت بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تک تھی، ورنہ تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کی ترغیب بھی دوسرے اعمال کی طرح ثابت ہوتی۔

(۳) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

(۴) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید) =

جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت

سوال [۴۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا حالت

ناپاکی میں قبرستان میں یا قبر کے پاس جانا کیسا ہے یعنی حالت جنابت میں؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی: نیازمند، احسان الحق، سر محمد اسحاق، محلہ سرائے قیصر علی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کی زیارت کے لئے پاکی کی حالت میں جانا چاہئے، کیونکہ وہاں جا کر قرآن شریف پڑھنا بھی

مسنون ہے اور قرآن شریف ناپاکی کی حالت میں پڑھنا ناجائز ہے، اگر قرآن شریف نہ پڑھے تو بحالت جنابت

جانا بھی گناہ نہیں، البتہ خلاف افضل ضرور ہے: ”والأفضل أن يكون ذلك يوم الخميس متطهراً“.

شامی، بحث زیارة القبور: ۱/۹۴۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

عورتوں کا قبرستان میں جانا

سوال [۴۳۰۵]: عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟

جمیل احمد آ رہ بہار۔

= ”من آداب زیارة القبور مطلقاً ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل رأسه،

فإنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلى جهة قدمه إذا كان على جنبه“.

(مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، فصل: يستحب زیارة أهل المعلى الخ، ص: ۵۰۱،

إدارة القرآن کراچی)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

”والأفضل)، و فی نسخة: يستحب (أن يكون ذلك): أى وقت زیارتهم (يوم الخميس

متطهراً): أى الأقدار والأوزار الخ“ (مناسک الملا علی القاری، باب زیارة سيد المرسلین صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم، فصل فی زیارة جبل أحد وأهله، ص: ۵۲۵، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو ہے لیکن نہ جانا ہی زیادہ بہتر ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

سوال [۴۳۰۶]: عورتوں کا بزرگانِ دین کی زیارت کے لئے جانا کیسا ہے اور کیا بزرگانِ دین کی قبروں کے لئے اور قبروں پر جانا اسی میں ہے، یا اس سے مستثنیٰ ہے؟ اور مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جائز فرماتے ہیں اور مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی ناجائز فرماتے ہیں اور کتاب بہشتی زیور اور مجالس الابرار میں ایسی عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں، کتاب رکنِ دین میں بھی جائز فرما رہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس کو مفصل تحریر فرمائیے گا تا کہ خوب سمجھ میں آجائے۔ اور کس پر عمل کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عورتوں میں تحمل کم ہوتا ہے، قبروں کو دیکھ کر بسا اوقات بے صبری کی حالت میں رونا، چلانا، کپڑے پھاڑنا، منہ پیٹنا وغیرہ حرکات شروع کر دیتی ہیں۔ نیز مطلقاً عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ ہے اور اس

(۱) ”والأصح أن الرخصة ثابتة لهن وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۴۲، سعید)

”واختلف المشايخ في زيارة القبور للنساء، قال شمس الأئمة: الأصح أنه لا بأس بها“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب السادس عشر فی زیارة القبور الخ: ۳۵۰/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)

”وحاصل الکلام من هذا كله أن زیارة القبور مکروهة للنساء بل حرام فی هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن علی وجه الفساد والفتنة الخ“۔ (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، بیان ما یستفاد منه: ۶۹/۸، ۷۰، مطبعة منیریہ، بیروت)

میں مفاسد کثیرہ ہیں (۱) اس لئے ممنوع ہے۔ مجالس الابرار میں صحیح لکھا ہے کہ حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے (۲)۔ جن لوگوں نے اجازت دی ہے انہوں نے مفاسد پر غور نہیں کیا ہوگا، مولانا کفایت اللہ صاحب کی تحریر ہمارے سامنے نہیں، رکن دین کی بعض روایتیں ضعیف ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) ”وقال ابن عبد البر: أن يكون هذا قبل الإباحة، قال: وتوقى ذلك للنساء المتجملات أحب إلى، وأما الشواب فلا يؤمن من الفتنة عليهن و بهن حيث خرجن، ولا شيء للمرأة أحسن من لزوم قعر بيتها، ولقد كره أكثر العلماء خروجهن إلى الصلوات، فكيف إلى المقابر و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذا الزمان ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، وإنما رخصة الزيارة لتذكر أمر الآخرة وللاعتبار بمن مضى وللتزهد في الدنيا.“ (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، بیان ما يستفاد منه : ۶۹/۸، ۷۰، مطبعة منیریہ، بیروت)

”(قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث: ”لعن الله زائرات القبور“. وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المسجد، وهو توفيق حسن.“ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۴۲، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمی)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لعن زائرات القبور“ قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. و قد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء. وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن.“ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء: ۱/۲۰۳، سعيد)

ایضاً

سوال [۴۳۰۷]: کیا عورتیں قبور کی زیارت کر سکتی ہیں؟ حسب ذیل احادیث کی روشنی میں جواب

دیتے:

۱- ”لعن اللہ زوارات القبور“۔ مشکوٰۃ شریف، باب زیارة القبور (۱)۔

۲- ”كنت نهيتكم عن زیارة القبور، فزوروها فإنها تذهب فی الدنيا و تذهب

الأخرة“ (۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دو حدیثوں کی وجہ سے اس مسئلہ میں دو قول ہیں: بعض حضرات نے ممانعت کو صرف مردوں کے حق میں منسوخ مان کر عورتوں کے حق میں ممانعت کو بدستور باقی مانا اور موجب لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض علماء نے ممانعت کو عورتوں کے حق میں بھی بدستور منسوخ مان کر ان کے لئے زیارت قبور کو فی نفسہ تو جائز قرار دیا ہے، لیکن عورتیں اگر زیارت قبور کو قبرستان جائیں تو اس میں دوسرے مفاسد ہیں مثلاً پردہ کا اہتمام نہیں کریں گی، وہاں جا کر قبور کو دیکھ کر خاص کر جب کہ وہ ان کے اعزہ، اولاد، والدین، شوہر وغیرہ کی قبریں ہوں بے صبری کے ساتھ چلا کر بیان کر کے روئیں گی، سینہ کو پی کریں گی، بال نوچیں گی، منہ پیٹیں گی، اگر وہ بزرگوں کی قبریں ہوں تو وہ ان کا طواف کریں گی، ان کو سجدہ کریں گی، ان سے مرادیں مانگیں گی، ان پر چادر ڈالیں گی، وہاں چراغ جلائیں گی، چڑھاوا چڑھائیں گی۔

غرض شرکیات و محرمات میں مبتلا ہوں گی جیسا کہ عامۃ اولیاء اللہ کے مزارات پر بہت سے مقامات پر ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کو زیارت قبور کے لئے جانے سے منع فرماتے ہیں کہ ایک مستحب کی خاطر کسی ناجائز چیز کو برداشت نہیں کیا جاسکتا اور جن مردوں کا حال بھی عورتوں کی طرح ہو ان کو بھی منع کیا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور : ۱/ ۱۵۴، قدیمی)

(و) ورواہ الترمذی فی سننہ فی أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهیة زیارة القبور للنساء، ۱/ ۲۰۳، سعید

(۲) (سنن ابن ماجہ أبواب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی زیارة القبور، ص: ۱۱۲، قدیمی)

(۳) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”لعن زوارات القبور“۔“ =

ایضاً

سوال [۴۳۰۸]: عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟ ان کے جانے کے متعلق کوئی حدیث ہو تو تحریر فرمادیں۔

آپ کا خادم پیش امام: افتخار احمد تھانوی، ۱۷/ اگست/ ۱۴۰۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رونے اور غم تازہ کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع ہے، صلحاء کی قبور پر تبرک اور عبرت کے لئے بوڑھی عورت کو پردہ کے ساتھ جانا درست ہے اور جوان عورت کو ہر حال میں جانا منع ہے کیونکہ عورتیں عموماً جا کر ضرور منکرات میں مبتلا ہوتی ہیں خواہ جوان ہوں خواہ بوڑھی، اس لئے جہاں تک ہو سکے ان کو جانے سے روکنا چاہئے:

”ولا بأس بزيارة القبور ولو للنساء لحديث: ”كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا! فزوروها“۔ در مختار۔ وفي رد المحتار: ”(قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، بحر. وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنائز. وقال الخیر الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز،

= قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء. قال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ۲۰۳/۱، سعید)

”(قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن..... وقال الخیر الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث: ”لعن الله زائرات القبور“۔ وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن“۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲۴۲/۲، سعید)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۲۲۰، قديمی)

وعليه حمل الحديث : "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد وهو توفيق حسن، اهـ". ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۵۵ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۵۵ھ۔

عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا

سوال [۳۳۰۹]: عورتوں کا اولیائے کرام کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم کو دیکھنا، چاہے وہ اولیائے کرام ہوں چاہے کوئی اور، ممنوع ہے (۲) اور ان کے مزارات پر

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور : ۲/۲۴۲، سعید)

"(ندب زیارتها) (للرجال والنساء)، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء، فتندب لهن أيضاً". (مراقی الفلاح). "(وقيل: تحرم على النساء) وسئل القاضي عن جواز خروج النساء إلى المقابر، فقال: لا تسأل عن الجواز والفساد في مثل هذا، وإنما تسأل عن مقدار ما يلحقها من اللعن فيه، و اعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت في لعنة الله و ملائكته، وإذا خرجت تحفها الشياطين من كل جانب، وإذا أتت القبور تلعنها روح الميت، وإذا رجعت كانت في لعنة الله و أما النساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب كما جرت به عادتهن، فلا تجوز لهن الزيارة ولا بأس به إذا كن عجائز، وكره ذلك للشابات، الخ".

(حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۲۲۰، قديمی)

"و حاصل الکلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولا

سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القارى، كتاب الجنائز، باب

زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه : ۸/۶۹، ۷۰، مطبعة منيرية، بيروت)

(۲) "أن أم سلمة رضي الله تعالى عنها حدثت أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم

وميمونة رضي الله تعالى عنها قالت : فبينما نحن عنده، أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، و ذلك بعد ما =

جانے سے مفاسد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اسلئے ان کو منع کیا جاتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ صفر/ ۱۳۸۸ھ۔

اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر

سوال [۴۳۱۰]: اگر ہم گھر سے نیت کر کے چلے اجمیر شریف کی زیارت کرنے کے لئے اور وہاں پر

پہنچ کر زیارت کی اور جو کچھ ہو سکتا ہم نے درود شریف پڑھا اور بخشا اور چلے آئے، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے (۲)،

= أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "احتجبا منه" فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا؟ ولا يعرفنا، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أفعميا وإن أنتما، ألستما تبصرانه؟" هذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان، باب ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال: ۱۰۶/۲، سعید)

(۱) "وحاصل الکلام من هذا كله أن زیارة القبور مکروهة للنساء بل حرام فی هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن علی وجه الفساد والفتنة، الخ". (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، بیان ما استفاد منه: ۷۰/۸، مطبعة منیریہ، بیروت)

"إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب علی ما جرت به عادتهن، فلا تجوز ویکره إذا کن شواب کحضور الجماعة فی المساجد". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، ۲/۲۴۲، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالى عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كلما كان ليلتهما من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم المؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غداً مؤجلون، وإن شاء الله بكم لاحقون، اللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد". =

قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہونچانا بھی ثابت اور مفید ہے (۱)، جو کام محض ثواب کے ہیں ان میں بھی لوگوں نے

= ”قوله: ”وإن إن شاء الله“. الحديث..... وفي هذه الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور، والسلام على أهلها، والدعاء لهم، والترحم عليهم“. (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز: ۳۱۳/۱، قديمی)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: زار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم..... ”فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت“. (الصحيح لمسلم، المصدر السابق: ۳۱۳/۱)

”ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات..... وصرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها“. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشیدیہ)

”ولا بأس..... بزيارة القبور ولو للنساء“. (الدر المختار). ”(قوله: وبزيارة القبور): أي لابأس بهابل تندب. (قوله: ولو للنساء)، وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن..... فلا بأس إذا كن عجائز“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۴۲، سعيد)

(۱) ”ان سعد بن عبادۃ رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالى عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“، قال: فإنني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها“. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أَرْضَى وبستاني صدقة لله عن أمي: ۳۸۶/۱، قديمی)

”صرح علماء نافي باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها..... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“. (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

ایسی چیزیں داخل کر لیں کہ ثواب کے بجائے ان سے گناہ ہوتا ہے، مثلاً اجمیر شریف جا کر مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں، ان سے منت مانگتے ہیں، قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، قوالی کرتے یا سنتے ہیں، وہاں بے پردہ عورتیں بھی جاتی ہیں (۱)، ایسی باتیں شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ اور حرام ہیں، بعض باتیں شرک کے قریب ہیں (۲)۔

اگر کوئی شخص خود یہ باتیں نہ کرے تب بھی دوسرے لوگ جو یہ باتیں کرتے ہیں ان کو دیکھنا یا ان کے ساتھ شریک ہونا پڑتا ہے، لہذا ایسی حالت میں وہاں جانا درست نہیں اور زیارت قبور کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ میلہ اور تماشہ بن جاتا ہے، اپنے مکان پر جو کچھ ہو سکے پڑھ کر ثواب پہونچا دیا جائے، گورغریباں کی زیارت کبھی کبھی اپنی بستی کے قبرستان میں جا کر کر لیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۰ھ۔

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لعن زورات القبور“۔ قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح“۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة زیارة القبور للنساء: ۲۰۳/۱، سعید)

”ویکره إذا کن شواب کحضور الجماعة فی المساجد“۔ (ردالمحتار، باب صلوة الجنابة: ۲۴۲/۲، سعید)

”وحاصل الکلام من هذا کله أن زیارة القبور مکروهة للنساء، بل حرام فی هذا الزمان، ولا سیما نساء مصر؛ لأن خروجهن علی وجه الفساد والفتنة الخ“۔ (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، بیان ما یستفاد منه: ۶۹/۸، ۷۰، مطبعة منیریہ، بیروت)

(۲) جیسے کہ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ: ”عن أبي مرثد الغنوی رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا إليها“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، ص: ۱۴۸، قدیمی)

قال الملا علی القاری: ”(ولا تصلوا): أي مستقبلین (إليها) لما فيه من التعظیم البالغ؛ لأنه من مرتبة المعبود..... ولو کان هذا التعظیم حقيقةً للقبر أو لصاحبه لکفر المعظم التشبه مکروه وینبغي أن تكون کراهة تحریم“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، (رقم الحديث: ۱۶۹۸):

۱۷۸/۴، رشیدیہ)

کیا حج کے لئے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟

سوال [۲۳۱۱]: بعض جگہ عوام سمجھتے ہیں کہ حرمین کی زیارت سے پہلے خواجہ اجمیری کے مزار کی زیارت کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جو شخص سات مرتبہ خواجہ اجمیری کے عرس میں شرکت کرے اس کو ایک حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ایسا سمجھنا کہاں تک درست ہے؟

پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھانا

سوال [۲۳۱۲]: بعض جگہ لوگ اپنے بزرگوں کا فوٹو اور ان کا مجسمہ تبرک کے لئے اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، تبرک کے علاوہ اس فوٹو کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان بزرگوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں ایسا کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲۱..... یہ دونوں شرکیہ افعال وعقائد ہیں، ان سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ

تعالیٰ اعلم۔

سفر برائے زیارت قبور

سوال [۲۳۱۳]: کیا سوائے مسجد اقصیٰ، مسجد حرام، مسجد نبویؐ کے ثواب کی نیت سے کسی بزرگ کے مزار کی طرف سفر کرنا مسنون یا جائز ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر خلفائے راشدین نے یا کسی بھی صحابی یا تابعی یا تابعی نے پھولوں کی چادر چڑھائی ہے، یا عطر وغیرہ کی شیشیاں چڑھائی ہیں جیسا کہ آج کل اجمیر و کلیں و دہلی کے اکثر مزارات پر لوگ چڑھاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تینوں زمانوں میں کسی بھی صحابی یا تابعی یا تابعی نے نذر نیاز منت مانی ہے؟

(۱) یہ قوم نوح کے مشرکین کا عمل ہے: "قال کانوا (أی الود والسواع ویغوث ویعوق وانسر) قوماً صالحین من بنی آدم، وکان لہم اتباع یعتمدون بہم، فلما ماتوا قال أصحابہم الذین کانوا یقتدون بہم: لو صورناہم، کان أشوق لنا إلی العبادۃ إذا ذکرناہم فصوروہم، فلما ماتوا، وجاء الآخرون، دب إلیہم إبلیس فقال: إنہم کانوا یعبدونہم، وبہم یسقون المطر، فاعبدوہم"۔ (تفسیر ابن جریر الطبری: ۶۳/۲۱،

دار المعرفت، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کی زیارت کرنے کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، امام غزالی کے کلام سے جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وہ کذا يفهم من عبارة الشامي في رد المحتار (۱)۔ روضۃ اطہر پر صحابہ تابعین تبع تابعین سے پھول وغیرہ چڑھانا جیسا کہ کلیراجمیر وغیرہ میں رواج ہے، ہرگز ثابت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نذر ماننا ثابت نہیں۔

زیارت قبر کیلئے احرام

سوال [۴۳۱۴]: بعض بزرگوں کے عرس میں شرکت کرنے والے خاص قسم کا جوڑا پہن کر جاتے ہیں اور اس جوڑے کو احرام کہتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سراسر جہالت یا غواہیت ہے، اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عید کے دن زیارت قبور

سوال [۴۳۱۵]: ہمارے گاؤں میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں، وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں، تو قبرستان جانا خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارت قبور سے آخرت یاد آتی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں (۲)، لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست

(۱) ”والمعنى - كما أفاده في الإحياء - أنه لا تشد الرحال لمسجد من المساجد إلا لهذه الثلاثة، لما فيها من المضاعفة، بخلاف بقية المساجد، فإنها متساوية في ذلك، فلا يرد أنه قد تشد الرحال لغير ذلك، كصلة الرحم، وتعلم علم، وزيارة المشاهد كقبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وقبر الخليل عليه السلام، وسائر الأئمة“ (رد المحتار، كتاب الحج، باب الهدى، قبيل مطلب في المجاورة بالمدينة المشرفة ومكة المكرمة: ۲/۶۲۷، سعيد)

(۲) ”عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”كنت نهيتكم“

نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے، تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



= عن زیارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد فی الدنيا، وتذكر الآخرة“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الثالث: ۱/۵۴، قدیمی)

”فزوروها“..... ”فإنها“: أى زیارة القبور أو القبور: أى رؤیتها ”تزهد فی الدنيا“: فإن ذکر الموت هادم اللذات، ومهون الكدورات“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، الفصل الثالث: ۲۵۶/۳، رشیدیہ)

(۱) قال الطیبی: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشہد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشیدیہ)

باب إهداء الثواب للمیت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال [۲۳۱۶]: ایصالِ ثواب مردوں کو کس طرح کیا جائے؟ صرف نیت ہو جانے پر کہ فلاں میت کو میرے قرآن شریف پڑھنے کی یا نوافل یا خیر و خیرات دینے کا ثواب پہنچ جائے، یہ کافی ہے، یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل بھی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نیک عمل، تلاوت، قرآن پاک، نوافل، خیرات اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے تب بھی کافی ہے، اگر بغیر اس نیت کے کیا جائے تو بعد میں یہ دعاء کرے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے، شامی میں اسی طرح لکھا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ”صرح علماء نافی باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

”السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد، بل أطلق صلى الله تعالى عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلك وقل: ”اللهم هذا عن فلان“ والله سبحانه يعلم =

ایصالِ ثواب کے طریقے

سوال [۲۳۱۷]: میرے لڑکے کا عمر دس سال انتقال ہو گیا، جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرہ آخرت بنے۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا۔ اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں؟ مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہونچایا جائے گا وہ رفع درجات کا سبب بنے گا۔

قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔ صبر میں بڑا اجر ہے، میت کو ثواب پہونچانے کے لئے غرباء کو کھانا کھلانا بھی درست ہے۔ کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے۔ مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا و فخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں۔ یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے۔ اس سے ثواب نہیں ہوگا۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی گنجائش ہے تاکہ زیارت کے لئے جو لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اُن کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں۔ بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں۔ بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد وصل إليه، ولا

يحتاج أن يقول: إني صائم غداً عن فلان بن فلان. واللہ تعالیٰ اعلم. (كتاب الروح لابن قيم الجوزية

رحمه الله تعالى، المسألة السادسة عشرة: هل تنفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل:

فإن قيل فهل تشترطون في وصول، ص: ۱۸۴، مكتبة فاروقية پشاور)

ایصالِ ثواب کا فائدہ

سوال [۲۳۱۸]: ایصالِ ثواب سے مرنے والے کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات میں ترقی ہوتی ہے، حزن میں کمی ہوتی ہے، سرور میں زیادتی ہوتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف۔

(۱) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من دخل المقابر فقرا سورة يس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب في قراءة القرآن للميت او على القبر، رقم الحديث: ۷، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

”وأخرج الطبرانی في الأوسط بسند رواه عن أنس رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ”أمتي أمة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها“۔

”وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة، فإذا أنا بنور مُشرق فيها، فقلت: لا إله إلا الله نرى أن الله عز وجل قد غفر لأهل المقابر، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالك بن دينار! هذه هدية من المؤمنين إلى إخوانهم من أهل المقابر، قلت: بالذي أنطقك إلا أخبرتنى ما هو؟ قال: رجل من المؤمنين: قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين وقال: اللهم! إنني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، دار المعرفة، بيروت)

”ودعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: ”أن الله يرفع درجة العبد في الجنة فيقول: أنى لى هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك“۔ (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالى، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعى الأحياء أم لا؟ فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبة فاروقيه پشاور)

کیا ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال [۴۳۱۹]: زید روزانہ تلاوتِ کلام اللہ کے بعد اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کل مومنین و مومنات، مسلمین و مسلمات کو ثواب بخش دے تو کیا زید کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو بھی ثواب ملے گا، وہ ہرگز محروم نہیں رہے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال [۴۳۲۰]: کسی نے پورا قرآن شریف پڑھا اور کل کا ایصالِ ثواب کر دیا اور جب جب پڑھتا ہے سب ایصالِ ثواب کر دیتا ہے، تو پڑھنے والے کو کچھ بچے گا اور ثواب ملے گا یا بالکل خالی ہاتھ ہو جائے گا؟ اور اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی تعداد کے مردوں کو ثواب بخشے گا، ان کے عدد کے برابر اس کو بھی ثواب ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

(۱) ”وأخرج أبو محمد السمرقندی في فضائل: ”قل هو الله أحد“ عن علي رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ”من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

”صرح علماء نافي باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن)

(۲) ”وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: =

ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال

سوال [۴۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

۱..... مذہب اسلام نے ایصالِ ثواب کو جائز رکھا ہے یا نہیں، اگر جائز ہے اور ایک سورت کو پڑھ کر بہت سے مُردوں کو بخشے اس سورت کا ثواب تمام مردوں کو برابر ایک سورت کا ملے گا یا بقدر حصہ؟

۲..... ایک شخص ایصالِ ثواب کو بدعت کہتا ہے اور استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث و آیات پیش کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے:

- ۱۔ کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آیت کا بھی ثواب کسی کو نہیں بخشا۔
- ۲۔ کسی صحابی نے کبھی بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔
- ۳۔ کبھی کسی پیغمبر نے بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔
- ۴۔ تمام پیغمبروں نے ہمیشہ گناہگاروں کے لئے دعائے مغفرت کی۔
- ۵۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔
- ۶۔ قرآن میں بہت سے مقامات پر صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو نہیں مل

= ”إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبيه، فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيء.“ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء.“ (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۳۱۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

”وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ”من مر على المقابر، وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات.“ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

سکتا، مثلاً: ﴿وَأَنْ لِّسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ (۱)۔ ﴿وَأِنْ أَحَسَّتُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ الآية (۲)
 ﴿مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ﴾ الآية (بنی اسرائیل) (۳)۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾
 الآية (۴)۔

محمد عبدالحکیم قاسمی سنسار پور، ضلع لکھنؤ پور کھیری، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة، اهـ“۔ ہدایہ: ۱/۲۷۶ (۵)۔ ”ویصح إهداء نصف الثواب وربعه كما نص عليه أحمد، ولا مانع منه، ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي: أما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل، اهـ“۔ شامی، کتاب الجنائز: ۱/۶۰۵ (۶)۔

(۱) (سورة النجم، پ: ۲۷، آیت: ۳۹)

(۲) (سورة بنی اسرائیل، پ: ۱۵، آیت: ۷)

(۳) (سورة بنی اسرائیل، پ: ۱۵، آية: ۱۵)

(۴) (سورة فاطر: ۱۸)

(۵) (الهدایة، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مکتبہ شریکة علمية)

”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغير: ۲/۵۳۵، إدارة القرآن کراچی)

(۶) (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی قراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۵، سعید)

(و کذا فی کتاب الروح لابن القيم، المسئلة السادسة عشر: هل تنفع أرواح الموتی الخ، فصل: وأما =

عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے اور ایک سورت کا ثواب چند مردوں کو بخشا جائے تو اس میں دونوں قول ہیں، باری تعالیٰ کے فضل کے لائق یہ ہے کہ سب کو پوری پوری سورت کا ثواب پہونچے۔ ایصالِ ثواب بدعت نہیں بلکہ خیر القرون سے اس پر عمل جاری ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد والے حضرات کو نیز بعد کے حضرات نے اپنے اعزہ کے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اتنی وسعت سے روایات ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کی طرف سے قربانی کی، صوم (۱) صلوٰۃ (۲) صدقہ (۳) حج (۴) قرأت (۵)

= قولکم: لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مکتبہ فاروقیہ، پشاور

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: جاء رجل إلى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! إن أمی ماتت و علیہا صوم شهر أفأقضیہ عنہا؟ قال: "نعم فدين الله أحق أن يقضى". (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من مات و علیہ صوم: ۲۶۲/۱، قدیمی)

(۲) "إن رجلاً سألہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: کان لی أبوان أبرہما حال حیاتیہما، فكیف لی ببرہما بعد موتہما؟ فقال له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلى لهما مع صلاتک، و تصوم لهما مع صیامک". (فتح القدیر، باب الحج عن الغير: ۱۳۳/۳، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۳) "إن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمہ و هو غائب عنہا، فقال: یا رسول اللہ! - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - إن أمی توفیت و أنا غائب عنہا، أينفعها شیء إن تصدقت به عنہا؟ قال: "نعم". قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیہا". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أَرْضی و بستانی صدقة لله عن أمی: ۳۸۶/۱، قدیمی)

(۴) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أتى رجل إلى النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فقال له: إن أختی نذرت أن تحج وأنہا ماتت، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لو کان علیہا دين أکنت قاضیہ؟" قال: نعم، قال: "فاقض الله فهو أحق بالقضاء". (صحیح البخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب من مات و علیہ نذر: ۹۹۱/۲، قدیمی)

(۵) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يس، خفف الله عنهم، و کان له بعدد من فیہا حسنات". (شرح الصدور للسيوطی، باب فی قراءة =

اضحیہ (۱) سب ہی کا احادیث میں ثواب پہنچانا ثابت ہے، ہدایہ میں ہے:

”لما روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخر عن أمته ممن أقر بوحداية الله تعالى وشهد له بالبلاغ، اهـ“ (۲)۔ اس حدیث کی تخریج زیلعی میں سات صحابہ سے کی گئی ہے (۳)، شیخ ابن ہمام نے اس کو حدیث مشہور قرار دے کر فرمایا ہے: ”يجوز تقييد الكتاب به“ (۴)۔ نیز دارقطنی کی روایت ہے:

”إن رجلاً سأله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن من البر بعد الموت أن تصلى لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك“ (۵)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: ”من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات“ (۶)۔

= القرآن للميت، ص: ۳۰۲، دار المعرفة، بيروت)

(۱) ”عن أبي طلحة الأنصاري رضي الله تعالى عنه - واسمه زيد بن سهل - أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين، فقال عند الأول: ”عن محمد و آل محمد“ وقال عند الثاني: ”عن آمن بي و صدقني من أمتي“۔ (نصب الراية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (رقم الحديث: ۴۷۲۳: ۱۵۳/۳، المكتبة المكية)

(۲) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، مكتبة شركة علميه ملتان)

(۳) ”أخرجه الزيلعي في كتاب الحج عن الغير، رقم الحديث: ۴۷۱۵، وقال: قلت: روى من حديث عائشة، و أبي هريرة، و من حديث جابر، و من حديث أبي رافع، و من حديث حذيفة ابن أسيد الغفاري، و من حديث أبي طلحة الأنصاري و من حديث أنس رضي الله تعالى عنهم“۔ (نصب الراية: ۱۵۱/۳، المكتبة المكية)

(۴) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۴۳/۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۵) (فتح القدير، المصدر السابق)

(۶) (أخرجه السيوطي في شرح الصدور، باب في قراءة القرآن للميت، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا: ”یا رسول اللہ! إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعولهم، فهل يصل ذلك إليهم؟“ قال: ”نعم، إنه يصل إليهم، وإنهم ليفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه اهـ“ (۱)۔

ان سب کو نیز دیگر احادیث و آثار کو نقل کر کے فتح القدیر، باب الحج عن الغير: ۲/۳۰۹، میں لکھا ہے:

”فهذه الآثار وما قبلها وما في السنة أيضاً من نحوها عن كثير قد تركناه لحال الطول يبلغ القدر المشترك بين الكل - وهو أن من جعل شيئاً من الصالحات لغيره، نفعه الله تعالى به - مبلغ التواتر، وكذا ما في كتاب الله تعالى من الأمر بالدعاء للوالدين في قوله تعالى: ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ ومن الأخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين، قال تعالى: ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَسْبَحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ وقال تعالى في آية أخرى: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ..... وَهُمْ السَّيَّاتُ﴾ قطعاً في حصول الانتفاع بعمل الغير، فيخالف ظاهر الآية التي استدلو بها: أي المعتزلة، وهي: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ إذ ظاهرها أنه لا ينفع استغفار أحد لأحد بوجه من الوجوه؛ لأنه ليس من سعيه، فلا يكون له منه شيء، فقطعنا بانتفاء إرادة ظاهرها على صراحته فتقيد بما لم يهبه العامل“ (۲)۔

آیت مذکورہ سے استدلال کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ حافظ عینی نے شرح ہدایہ (۳) میں اور زیلعی نے

(۱) (فتح القدیر، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۳، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۲) (فتح القدیر، المصدر السابق)

(۳) ”وأما الجواب عن الآية فثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا

وَاتَّبَعْتَهُمْ﴾ الآية. الثاني: خاصة بقوم إبراهيم وقوم موسى يعني في صحف إبراهيم وموسى.....

الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا، وأما المؤمن فله ما سعى..... الخامس: أن معنى ما سعى: ”ما

نوى“ قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله في الدنيا، فيثاب

عليه في الدنيا حتى لا يبقى له في الآخرة خيرٌ البتة. السابع: اللام بمعنى ”على“: أي ليس على الإنسان

إلا ما سعى..... الثامن: ليس إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارة يكون سعيداً في تحصيل =

شرح کنز میں (۱) اور طحاوی نے شرح مراقی الفلاح (۲) میں معتزلہ کی اس دلیل کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔ ابن قیم نے تو کتاب الروح گویا کہ اس قسم کے مسائل کے لئے ہی تصنیف کی ہے اور ہر عنوان پر سیر حاصل بحث

= الشیء بنفسه و تارةً لتحصيل سببه الخ“۔ (البنایة شرح الهدایة للعلامة العینی، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳۹۶/۵، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

(۱) ”وأما قوله تعالى: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آیت: ۳۹) فقد قال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما: إنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ﴾ (سورة الطور، پ: ۲۷، آیت: ۲۱) ”وقيل: هي خاصة بقوم موسى وإبراهيم لأية وقع حكاية عما في صحفهما على نبينا وعليهما السلام، بقوله تعالى: ﴿أَمْ لَمْ يَنْبَأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آیت: ۳۷) وقيل: أريد به الإنسان الكافر، وأما المؤمن فله ما سعى أخوه. وقيل: ليس له من طريق العدل، وله من طريق الفضل. وقيل: ”اللام“ في للإنسان بمعنى ”على“ كقوله تعالى: ﴿وَأِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا﴾ (سورة الإسراء، پ ۱۵، آية: ۷): أي فعلیها أو كقوله تعالى: ﴿لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ (سورة الرعد، پ: ۱۳، آیت: ۲۵): أي علیهم. وقيل: ليس له إلا سعيه، لكن سعيه بمباشرة أسبابه بتكثير الإخوان وتحصيل الإيمان حتى صار ممن تنفعه شفاعة الشافعين“۔ (تبیین الحقائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۴۲۱/۲، ۴۲۲، دار الكتب العلمیہ، بیروت)

(۲) ”وقالت المعتزلة: ليس للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره لقوله تعالى: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ الجواب عنه من ثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة بالحكم بقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ﴾ الآية..... الثانی: أنها خاصة بقوم إبراهيم وموسى..... الثالث: المراد الإنسان الكافر..... الرابع: ﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ من طريق العدل، فأما من طريق الفضل فجائز..... الخامس: أن معنى ﴿مَا سَعَى﴾ ”نوى“ قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن ”اللام“ بمعنى ”على“ كما في قوله تعالى: ﴿وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ السابع: أنه ليس له إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيه في تحصيل الخير بنفسه، وتارةً يكون في تحصيل سببه مثل سعيه في تحصيل قرابة، وولد يترحم عليه، وصديق يستغفر له، وقد يسعى في خدمة الدين..... الثامن: أن الحصر قد يكون في معظم المقصود بالحصر لا في كله“۔ (حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۲، قدیمی)

کی ہے (۱)۔

آثار السنن میں مستقل ”باب قراءة القرآن للمیت“ منعقد کیا گیا ہے (۲) دوسری اور تیسری اور چوتھی آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل بے محل ہے، ان آیات کو مسئلہ مذکورہ سے کوئی علاقہ نہیں، کما لا يخفى على من له ممارسة بالتفسير - فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۷/۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/رجب/۶۹ھ۔

اپنی زندگی میں مردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرانا

سوال [۴۳۲۲]: قبر پر خواہ صالح کی ہو یا عام قبر ہو بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنا کیسا ہے؟ جیسا کہ رسم و رواج ہے کہ فاتحہ پڑھو؟

۲..... بعض لوگ اپنی حیات میں تیجہ، چالیسواں، برسی، ختم قرآن، صدقہ اپنی روح کو کراتے ہیں اور اپنے آپ کو پھر وہ مردہ سمجھتے ہیں اور کسی کے یہاں وہ موت و زندگی میں شریک نہیں ہوتے اور نہ میت کا کھانا کھاتے ہیں اسی خیال سے اپنی فاتحہ اپنی زندگی میں کروا ڈالتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی فاتحہ کرے یا نہ کرے، کیا حیات میں بھی دوسروں سے اپنی روح کو ایصالِ ثواب پہنچوانے کے لئے اپنے نام قرآن پڑھوا کر بخشنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲..... نفس ایصالِ ثواب بغیر التزامِ تاریخ، یوم و ہیئت وغیرہ کے زندہ کے لئے بھی درست ہے اور مردہ کے لئے بھی درست ہے (۳)، مگر تیجہ، چالیسواں، برسی، فاتحہ مروجہ وغیرہ یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل، بدعت

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة السادسة عشرة هل تنفع أرواح الموتى بشيء من سعی الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

(۲) (آثار السنن أبواب الجنائز، باب فی قراءة القرآن للمیت، ص: ۳۳۸، مکتبہ إمدادیہ، ملتان)

(۳) ”إن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمہ وهو غائب عنها، فقال: یا رسول اللہ! - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - إن أمی توفیت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“. قال: =

اور ناجائز ہیں، ان سے اجتناب واجب ہے (۱)۔ ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا دیا جاتا ہے، وہ غرباء و مساکین کو دینا چاہئے، مالدار کو نہیں (۲)۔ کسی کے یہاں موت اور زندگی میں بلاوجہ شریک نہ ہونا اور سب سے قطع تعلق

= فہنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیہا“۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة لله عن أمی: ۳۸۶/۱، قدیمی)

”صرح علماء نافی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور: ۳۷۰/۱، قدیمی)

”ویکره اتخاذ الطعام فی اليوم والأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر فی المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء، فیحترز عنہا؛ لأنہم لا یریدون بها وجه اللہ تعالیٰ“۔ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲۴۰/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع آخر: ذهب إلى المصلی قبل الجنائز الخ: ۸۱/۴، رشیدیہ)

(۲) صدقہ کا مال فقیر کو دیا جاتا ہے جب کہ مالدار کو دینے سے ہبہ بن جاتا ہے صدقہ نہیں رہتا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین﴾۔ (سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ۶)

”إن الصدقة علی الغنی هبة“۔ (ردالمحتار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی

وغیرہ: ۶۹۸/۶، سعید)

کرو دینا، رہبانیت، قطع رحمی، اضاعتِ حقوق ہے، شرع نے اس سے منع کیا ہے (۱)۔

..... نفس دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ہو سکتی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر مانگنا ہو تو قبلہ رو ہو کر مانگنا چاہئے تاکہ

یہ شبہ نہ ہو کہ صاحب قبر سے کچھ مانگا جا رہا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگہ، ہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۱۱ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ، وَتَقْطَعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ، فَأَصْمَهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾ (سورة محمد: ۲۳)

”والآية ظاهرة في حرمة قطع الرحم. وحكى القرطبي في تفسيره: اتفاق الأمة على حرمة قطعها ووجوب صلتها، ولا ينبغي التوقف في كون القطع كبيرة“. (روح المعاني: ۲۶/ ۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”الرحم شجنة من الرحمن فقال الله: (من صدك وصلته، ومن قطعك قطعته)“. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من وصل وصله الله: ۸۸۵/ ۲، قديمي)

(۲) ”وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين، الحديث. وفيه: ”فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه“. أخرجه أبو عوانة في صحيحه“. (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵، ۱۷۳/ ۱۱، قديمي)

”عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عنى وعن أمى؟ قال فظننا أنه يريد أمه التى ولدته. قال: قالت عائشة رضي الله تعالى عنها: ألا أحدثكم عنى وعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قلنا: بلى، قال: قالت: لما كانت ليلتى التى كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فيها عندى، انقلب حتى جاء البقيع، فقام، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات“. الحديث.

(الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى ذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/ ۱، قديمي)

نوٹ: حضرت مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سوال کا جواب آخر میں لکھا ہے، تخریج اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۲۳]: ایک صاحب چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں کلام پاک کا ہدیہ ادا کر کے دس پانچ کلام پاک پڑھوا کر اپنی عاقبت کے لئے محفوظ کر لیں۔ کیا ایسا عمل احکام شرعی فقہ و حدیث سے درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدیہ اجرت دیکر قرآن کریم پڑھوانا جائز نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے (۱)، بلا ہدیہ لئے کوئی پڑھے تو درست ہے، قرآن کریم کے مدرسہ میں کچھ قرآن شریف دیدیں، بچے جب تک ان کو پڑھیں گے ثواب ہوتا رہے گا۔ اسی طرح حدیث شریف کی کتابیں کسی بڑے عربی مدرسہ میں دیدیں، مسجدوں کو صفیں دیدیں، جب تک ان پر نماز پڑھی جائے گی ثواب ہوتا رہے گا، کنواں بنوادیں، مسافر خانہ بنوادیں، غرض اپنی زندگی میں ثواب کے انتظام کی بہت سی صورتیں ہیں اور جس قدر ہو سکے خود ہی صدقہ جاریہ کی صورتیں کی جائیں تو اچھا ہے، بعد میں کوئی ثواب پہنچائے یا نہ پہنچائے، اپنے بس میں پھر کچھ نہیں رہتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۹۴ھ۔

(۱) "قال عبد الرحمن بن شبل رضى الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "اقرأوا القرآن، ولا تغفلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۵۱۰۳: ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

"إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطى آثمان". (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، نسعید)

(۲) "عن أبی هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علمه ونشره، أو ولدًا صالحاً تركه، أو مصحفاً ورثه، أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبیل بناه، أو نهراً أجراه، أو صدقةً أخرجها من ماله فى صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور، باب ما ينفع المیت فى قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بیروت) =

مردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے؟

سوال [۴۳۲۲]: ایصالِ ثواب کس کیفیت سے ہمارے موتی تک پہنچتا ہے (نفس ایصالِ ثواب کو دریافت نہیں کرتا)۔ کیا موتی کو ایصالِ ثواب کے لئے آخرت میں بھی محکمہ ڈاک، ٹیلی گراف، وائرلیس وغیرہ (خبررسانی) کا محکمہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے یہاں جو کچھ عمل کیا جائے (نماز، روزہ، صدقہ، حج، تلاوت، ذکر، خدمتِ خلق وغیرہ) اور دعاء کر لی جائے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے، شامی: ۸۴۴/۱ (۱)، یہ دعاء اللہ پاک

= ”فالدلیل علی انتفاعہ بما تسبب إلیہ فی حیاتہ ما رواہ فی صحیحہ من حدیث أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جاریة أو علم ینتفع بہ، أو ولد صالح یدعولہ“۔ [الصحيح لمسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد موته: ۴۱/۲، قدیمی] فاستثناء هذه الثلاث من عمله يدل علی أنها منه، فإنه هو الذی تسبب إلیها“۔ (کتاب الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة السادسة عشرة: وہی هل تنفع أرواح الموتی بشیء من سعی الأحياء أم لا، ص: ۱۵۳، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

(۱) ”صرح علماءنا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ينقص من أجره شیء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

”السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء فی حدیث واحد، بل أطلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم یقل لفاعل ذلك: وقل اللهم هذا عن فلان، واللہ سبحانہ یعلم نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترک ذكره واكتفى بالنية والقصد، وصل إلیه، الخ“ (کتاب الروح لابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنفع أرواح الموتی بشیء من سعی الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل: فهل تشترطون فی وصول الخ، ص: ۱۸۴، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

سے کی جاتی ہے، اس کے لئے کسی فون، ٹیلی گرام وغیرہ مادی آلات کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ پاک کی شان یہ ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا يَسْرُونَ وَمَا يَعْلَنُونَ﴾، إنه علیم بذات الصدور ﴿الآیة (۱)﴾، ﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ﴿الآیة (۲)﴾، ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ﴾ ﴿الآیة (۳)﴾، ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ﴿الآیة (۴)﴾۔

جب یہاں سے کسی کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں ترقی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، وہاں کی تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے۔ جو چیز ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ کی گئی ہے وہ بعینہ نہیں پہنچتی، میت پر جب انعامات ہوتے ہیں تو ان کو بتلادیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے تمہارے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے، یہ اس کا ثمرہ ہے، کتاب الروح (۵) شرح الصدور (۶) الورقة الفاخرة وغیرہ میں تفصیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۰ھ۔

(۱) (سورة هود: ۵)

(۲) (سورة النمل، پ: ۲۰، آیت: ۲۵)

(۳) (سورة السبا، پ: ۲۲، آیت: ۳)

(۴) (سورة التغابن، پ: ۲۸، آیت: ۴)

(۵) ”ودعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للأموات فعلاً وتعلیماً، ودعاء الصحابة والتابعین والمسلمین عصرأ بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء أن الله يرفع درجة العبد فی الجنة فيقول: أنى لى هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك“۔ (کتاب الروح لابن قیم الجوزية رحمه الله تعالى، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من يسعى الأحياء أم لا، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مکتبه فاروقيه پشاور)

(۶) ”عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنى هذا؟ فيقال: باستغفار ولدك لك“۔ (رقم الحديث: ۲۰)

”وأخرج ابن أبى الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة فى النوم وكنت كثير الدعاء لها =

میت کو بعینہ صدقہ نہیں پہنچتا بلکہ ثواب پہنچتا ہے

سوال [۴۳۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعظ ”طریق القلندر“ میں فرمایا ”جو حضرات پھول مالا چڑھاتے ہیں، دو حال سے خالی نہیں: میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پہنچتا ہے تو فعل عبث ہوگا اور اگر پہنچتا ہے تو ظاہر ہے جنت کے پھول کے مقابلہ میں جو شیخ کو حاصل ہے تمہارے یہ دنیا کے پھول سو روپیہ، تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا مہکتا ہوا عطر ہے۔ تو قبر پر پھول چڑھانا ایسا ہوا جیسا کہ سو روپیہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ والا عطر لگا دینا تو پھول چڑھا کر حضرت کی روح کو تکلیف دی۔“ اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بطور معاوضہ صدقہ طعام اور لباس وغیرہ پر قیاس کرے جس کو ہم لوگ بھی کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جواب ظاہر ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں کہ یہ صدقہ بعینہ ان کے پاس پہنچتا ہے بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس کا ثواب نعمائے جنت کی شکل میں ان کے پاس پہنچتا ہے (۱)، ہاں جو وہاں جا کر بھی اردکی، پھریری، دال،

= فقالت لی: یا بشار! هَذَا يَاكَ تَأْتِينَا عَلَى أَطْبَاقٍ مِنْ نُورٍ مَخْمَرَةٍ بِمَنَادِيلِ الْحَرِيرِ، قُلْتَ: وَكَيْفَ ذَلِكَ؟
قَالَتْ: هَكَذَا دَعَاءُ الْمُؤْمِنِينَ الْأَحْيَاءِ إِذَا دَعَوْا لِلْمَوْتَى، فَاسْتَجِيبَ لَهُمْ، جَعَلَ ذَلِكَ الدُّعَاءَ عَلَى أَطْبَاقِ
النُّورِ، ثُمَّ خَمَّرَ بِمَنَادِيلِ الْحَرِيرِ، ثُمَّ أَتَى بِهِ الَّذِي دُعِيَ لَهُ مِنَ الْمَوْتَى، فَقِيلَ لَهُ: هَذِهِ هَدِيَّةُ فُلَانٍ إِلَيْكَ“
(شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ۲۹)،
ص: ۲۹۶، ۲۹۸، دار المعرفة)

(۱) ”ودعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: أن الله يرفع درجة العبد في الجنة، فيقول: أنى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك“۔ (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالى، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى شيء من يسعى الأحياء أم لا؟، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبة فاروقية پشاور)

”عن أنس سعيده الخذري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنى هذه؟ فيقال: باستغفار ولدك لك“۔ =

سوڈاواثر وغیرہ طلب کریں اور اپنی طبعی مرغوبہ چیزوں پر فاتحہ کی وصیت کر جائیں، ان پر ضرور یہ اشکال وارد ہے کہ شاید ان کے نزدیک یہ چیزیں پہونچتی ہیں اور اس دنیا کی طبیعت و مزاج و خواہش کو لے کر دنیا سے گئے ہیں، اس لئے یہیں کی چیزوں کی طلب ہے، جیسے مسافر اپنی طبیعت کے موافق ناشتہ ساتھ لے کر جاتا ہے اور اسی کا طلب گار رہتا ہے۔

شاید یاد ہو کہ گاندھی جی جب ولایت گئے تھے تو بکری اور چھوڑے ساتھ لے گئے تھے، چھوڑے کھاتے تھے اور بکری کا دودھ پیتے تھے، غیر ملکی غذا ان کو ناپسند تھی۔ تو برزخ بھی دوسرا ملک ہے، منعم علیہم شہداء وغیرہ کے لئے ان کو جنت سے غذا ملتی ہے، برزخ کا دوسرا رخ ان کے لئے جنت کی طرف ہے۔ جو لوگ اپنے کو جنتی تصور کرتے ہیں اور پھر برزخ میں جا کر دنیا ہی کے ناشتے طلب کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان کو جنت کے ناشتوں کے مقابلے میں دنیا ہی کے ناشتے پسند اور مرغوب ہیں، یا پھر ان کو جنت کا ناشتہ نہیں ملتا، بلکہ ان کی قبر کا رخ کسی اور طرف ہے۔ أعاذنا اللہ منہ۔ دونوں باتیں کس قدر خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۷ھ۔

مشترکہ ایصال ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟

سوال [۲۳۲۶]: کیا روحیں قبروں میں رہتی ہیں، کیونکہ ”السلام علیکم یا أهل القبور“ کہا

= (شرح الصدور، رقم الحدیث: ۲۰)

”وأخرج ابن أبي الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة في النوم و كنت كثير الدعاء لها، فقالت لي: يا بشار! هذأيَاكَ تأتينا على أطباق من نور مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلك؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلك الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتى به الذى دُعى له من الموتى، ف قيل له: هذه هدية فلان إليك.“

(شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحدیث: ۲۹)،

ص: ۲۹۶، ۲۹۸، دارالمعرفة، بیروت)

جاتا ہے، کیونکہ قبرستان میں جس وقت کوئی تلاوت قرآن کر کے بخشا ہے تو ثواب روحیں آپس میں بانٹ لیتی ہیں، کہاں تک درست ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض ارواح قبر میں بھی رہتی ہیں، کذا فی کتاب الروح (۱)، لیکن سلام کرنے یا ثواب پہنچانے کے لئے روح کا قبر میں ہونا ضروری نہیں، نفس تعلق کافی ہے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مشترک طور پر بخشا جاتا ہے، تو اظہر یہی ہے کہ ارواح کے درمیان تقسیم ہوگا (۲)، لیکن یہ تقسیم ملائکہ کے ذریعہ ہوگی، ارواح کو خود بانٹنے یا لڑنے جھگڑنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

(۱) ”ومنہم: من یکون محبوساً فی قبرہ کحدیث صاحب الشملة التي غلها، ثم استشهد، فقال الناس: هنيئاً له الجنة، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”والذي نفسي بيده! إن الشملة التي غلها لتشتعل عليه ناراً في قبره“۔ (کتاب الروح لابن قیم الجوزية رحمه الله تعالى، المسألة الخامسة عشرة: وهي أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة، فصل: وأما قول من قال: إن مستقرها بعد الموت الخ، ص: ۱۵۰، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

”وقیل: هی علی أفیة قبورها، قال ابن عبد البر: وهذا أصح ما قيل، قال: وأحادیث السؤال، وعرض المقعد، وعذاب القبر ونعيمه، وزیارة القبور، والسلام علیها، وخطابهم مخاطبة الحاضر العاقل دالة علی ذلك“۔ (شرح الصدور للسيوطی رحمه الله تعالى، باب: مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دار المعرفة، بیروت)

(۲) ”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شیء“۔ (التاتارخانية، کتاب الزکاة، الفصل السادس عشر فی إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدی: ۳۱۹/۲، إدارة القرآن کراچی)

”صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شیء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۳۳/۲، سعید)

مردوں کو ایصالِ ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟

سوال [۲۳۲۷]: ایک شخص اپنے والد کے ایصالِ ثواب کے لئے ایک روپیہ خیرات کرتا ہے، یا چند مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی نیت کرتا ہے کہ والد کے علاوہ فلاں فلاں دوسرے اموات کو اس کا ثواب پہونچے۔ سوال یہ ہے کہ ایک روپیہ کا پورا ثواب اور اجر جو حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے، صورتِ مسئلہ میں وہ پورا باپ کو پہونچ کر دوسروں کو اس کے علاوہ ملے گا، یا اسی روپیہ کے ثواب میں سے جملہ اموات کو حسبِ حصہ سہام تقسیم ہوں گے اور دوسری اموات کے ملانے سے باپ کے حصہ میں کمی ہو جائے گی؟

حافظ نجیب خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے: بعض حضرات کی رائے ہے کہ حسبِ حصہ ثواب پہونچے گا جیسا کہ کوئی شخص ایک روپیہ کے پیسے چند فقیروں کو تقسیم کر دے تو سب کو ایک ایک روپیہ نہیں پہونچتا بلکہ اس میں سے تقسیم ہو کر حسبِ حصہ پہونچتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا پہونچتا ہے کیوں کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے، وہ اگر سب کو ایک ایک روپیہ کا پورا پورا ثواب پہونچا دیں گے تو ان کے یہاں کچھ کمی نہیں آئے گی، بلکہ وسعتِ رحمت کا تقاضہ یہی ہے کہ سب کو پورا پورا پہونچے، اور زیادہ تر دار و مدار ثواب کی کمی زیادتی کا زیادتی خلوص پر ہے، اگر خلوص کے ساتھ تھوڑی چیز کا ثواب پہونچایا جائے وہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ زیادہ چیز کا ثواب بلا خلوص پہونچایا جائے، تو زیادہ ضرورت خلوص کی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چیز بھی اگر زیادہ ہے تو وہ سونے پر سہاگہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/جمادی الاولیٰ/۵۷ھ۔

(۱) ”وفی کتاب الروح للحافظ أبی عبد اللہ الدمشقی الحنبلی الشہیر بابن قیم الجوزیہ..... ویوضحہ أنه لو أهدی الكل إلى أربعة، یحصل لكل منهم ربع، فكذا لو أهدی الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل یقسم الثواب بینهم أو یصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتی مع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل.“ =

ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہو کر پہونچتا ہے؟

سوال [۲۳۲۸]: اگر کوئی شخص ایصالِ ثواب کرنا چاہے تو کس طرح کرے اور کیا کہے اور کسی چیز کا ثواب ایک شخص کو پہونچ سکتا ہے یا کئی نفوس کو؟ مثلاً کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے گھر یا مسجد یا قبرستان میں ایک سورۃ یا ایک پارہ پڑھا اور یہ کہا، اے اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور تلاوت کیا اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکل انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و مسلمین و مسلمات اور ہمارے ماں باپ دادا دادی وغیرہ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پہونچا دے۔ تو کیا ہر شخص کو جتنا ایک پارہ و سورت پر ثواب مقرر ہے ملے گا، یا سب اسی میں شریک ہوں گے؟ نیز اس طرح کے الفاظ دعاء میں کہنا درست ہے یا نہیں، نیز اول و آخر درود شریف پڑھنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کہنا اور ثواب پہونچانا درست ہے (۱)، جس قدر خدا کو منظور ہے سب کو پہونچ جائے گا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ سب کو تقسیم ہو کر پہونچے گا، پورا پورا سب کو پہونچنے کا تذکرہ کسی نص میں نہیں دیکھا (۲)، بعض

= (ردالمحتار، باب صلوۃ الجنائزۃ، مطلب فی القراءۃ للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۳، ۲۳۴، سعید)
”نص علیہ الإمام أحمد فی رواية محمد بن یحیٰی الکمال، ووجه هذا: أن الثواب ملک له، فله أن یهدی بعضه یوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً یحصل لكل منهم رבעه، فإذا أهدی الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غیره“۔ (کتاب الروح لابن قیم الجوزیة رحمه الله تعالى، المسألة السادسة عشرة: هل تنفع أرواح الموتی بشیء من یسعی الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولکم لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مکتبه فاروقیه پشاور)

(۱) ”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ینوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجره شیء“۔ (التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل السادس عشر فی إيجاب الصدقة وما یتصل به من الهدی: ۳۱۹/۲، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی رد المحتار، باب صلوۃ الجنائزۃ، مطلب فی القراءۃ للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۳، سعید)
(۲) ”ویوضحه أنه لو أهدی الكل إلى أربعة یحصل لكل منهم رבעه، فکذا لو أهدی الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه“۔ (ردالمحتار، باب صلوۃ الجنائزۃ، مطلب فی القراءۃ للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۳، سعید)=

شافعیہ اس کے قائل ہیں کہ سب کو بلا تقسیم کے پورا پورا پہونچے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے (۱)، نفس تلاوت کے لئے تو اول و آخر درود شریف پڑھنے کی تاکید و تخصیص کہیں نہیں دیکھی، البتہ دعاء کرتے وقت اول و آخر درود شریف پڑھنا حصین میں موجود ہے (۲)، ویسے بھی درود شریف کے فضائل و فوائد بے

= ”نص علیہ الإمام أحمد فی رواية محمد بن یحیٰی الکمال، ووجه هذا: أن الثواب ملک له، فله أن یهدی بعضه یوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً، یحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غیره“. (کتاب الروح لابن قیم الجوزیة رحمه الله تعالى، المسألة السادسة عشرة: هل تنفع أرواح الموتی بشیء من سعی الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولکم لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مکتبه فاروقیہ پشاور)

”وأخرج القاضی أبوبکر بن عبد الباقي الأنصاری فی مشیخته عن سلمة بن عبید قال: قال حماد المکی: خرجت لیلة إلى مقابر مكة، فوضعت رأسی علی قبر فنمت، فرأیت أهل المقابر حلقة حلقة فقلت: قامت القيامة؟ قالوا: لا، ولكن رجل من إخواننا قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ وجعل ثوابها لنا، فنحن نقسمه منذ سنة“. (شرح الصدور للسیوطی رحمه الله تعالى، باب فی قراءة القرآن للمیت أو علی القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة بیروت)

(۱) ”قلت: لكن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل یقسم الثواب بینهم أو یصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتی جمعاً بالثانی، وهو اللائق بسعة الفضل“. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۴، سعید)

(۲) ”منها ما یبلغ أن یكون رکناً وأن یكون شرطاً..... والثناء علی الله تعالى أولاً و آخراً، والصلوة علی النبی صلی الله تعالى علیه وسلم کذا لک“. (الحصن الحصین للإمام محمد الجزری رحمه الله تعالى، آداب الدعاء، ص: ۵۲، دار الإشاعت، کراچی)

”عن فضالة بن عبید رضی الله تعالى عنه قال: بینا رسول الله صلی الله تعالى علیه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلی، فقال: اللهم اغفر لی وارحمی، فقال رسول الله صلی الله تعالى علیه وسلم: ”عجلت أیها المصلی! إذا صلیت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، وصل علیّ، ثم ادعہ“. قال: ثم صلی رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله وصلى علی النبی صلی الله تعالى علیه وسلم، فقال له النبی صلی الله تعالى علیه وسلم: ”أیها المصلی! ادعُ تُجَبَّ“. هذا حدیث حسن“. (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب بلا =

شمار ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہو کر؟

سوال [۴۳۲۹]: اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرے، اور آپ کے بعد کل امتِ محمدیہ (جس میں جمیع مومنین) کی ارواح کو ثواب بخشیں اور بعد میں اپنے والدین، برادر، عزیز واقارب کے نام لے کر بخشے تو اس قرآن کا ثواب سب روحوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم ہو جائے گا یا علیحدہ علیحدہ کل امتِ محمدیہ میں برابر کا ثواب سب ارواح کو ملے گا اور پڑھنے والے کو بھی برابر کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کونسا طریقہ افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں، تقسیم ہو کر حسب حصص پہنچنا اُقیس ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل سے اگر سب کو پورا پورا پہنچے تو کچھ بعید نہیں، علامہ شامی نے رد المحتار کتاب الجنائز میں اول قول ابن قیم حنبلی سے نقل کیا ہے اور ثانی قول ابن حجر مکی شافعی سے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/جمادی الثانیہ/۱۳۶۱ھ۔

= ترجمہ: ۱۸۵/۲، سعید

(وکذا رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یقول فی دبر صلاۃ الصبح، رقم الحدیث: ۱۱۳):

۱۰۲، مکتبۃ الشیخ، کراچی)

(۱) ”عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”أولی الناس بی یوم القیامۃ أكثرهم علی صلوۃ“۔ وروی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه قال: ”من صلی علی صلوۃ صلی اللہ علیہ عشرأ وکتب له عشر حسنات“۔ (جامع الترمذی، أبواب صلاۃ الجمعة، باب ما جاء فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۱/۱۰، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فضائل درود شریف تالیف حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا قدس سرہ)

(۲) ”وفی کتاب الروح للحافظ أبی عبد اللہ الدمشقی الحنبلی الشهیر بابن قیم الجوزیة =

ایک قرآن پاک صدقہ میں دیکر ثواب پورے مجمع کو بخشنا

سوال [۴۳۳۰]: کسی نے ایک قرآن شریف خرید کر کسی پڑھنے والے کو ہدیہ کر دیا اور نیت یہ کی کہ یا اللہ! اس کا ثواب مجھے بھی ملے اور ماں باپ دادا دادی کو بھی ملے تو کیا اس طرح سب کو ثواب ملے گا؟ اور یہ صورت درست ہے؟

قرآن شریف ہبہ کیا موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کر دیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟

سوال [۴۳۳۱]: ۲۔ اگر کوئی شخص اپنے پیسے سے کلام پاک لیکر دوسرے شخص کو بنیتِ ثواب بالکل ہبہ کر دے، پھر دوسرا شخص تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو دیتا چلا جائے، تو عطیہ کے اعتبار سے ثواب کا کون شخص مستحق ہے؟ آیا پہلا شخص یا ہر ایک شخص؟ نیز اگر چوری کر کے کلام پاک اٹھالیا جائے تو شخص اول کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو چُرَا کرے یا ہے اس کو پڑھنے پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز غریب آدمی اور امیر آدمی دونوں کے دینے میں ثواب برابر ہے یا کمی زیادتی ہوگی؟ اگر کوشش اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کی طرف سے دے تو جس کی طرف سے دیا ہے یہ عطیہ اس کے لئے صدقہ جاریہ بنے گا یا نہیں اور اس کو پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔..... یہ بھی درست ہے، سب کو ثواب ملے گا (۱)۔

= ویوضحہ أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل.

(رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۳، ۲۳۴، سعيد)

”نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحيى الكمال، ووجه هذا أن الثواب ملك له، فله أن يهدي بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربع، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره“۔ (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۴، مكتبة فاروقية پشاور)

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن مما يلحق =

۲..... قرآن پاک ہدیہ کرنے میں تو سب کا ثواب برابر ہے، مگر اس اعتبار سے کہ پہلے شخص نے خرید کر (پیسے خرچ کر کے) دیا ہے، اس کا ثواب زیادہ ہے، دوسرے لوگوں نے جن کے پاس مفت آیا تھا وہی دیدیا، نیز پہلا شخص دوسروں کے دینے کا سبب بنا، اس لئے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے، علاوہ ازیں جس میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا (۱)۔

چوری کرنا سخت معصیت اور کبیرہ گناہ ہے، جو شخص چوری کر کے قرآن پاک لائے گا اور تلاوت کرے گا اس کو نفس تلاوت کا بھی ثواب ملے گا اور چوری کا بھی گناہ ہوگا اور جس کی چوری کی ہے اس کو بھی ثواب

= المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علمه ونشره، أو ولدًا صالحاً تركه، أو مصحفاً ورثه أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبيل بناه أو نهراً أجراه، أو صدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بيروت)

”صرح علماء نافي باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۳، سعيد)

”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء“۔ (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۳۱۹/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ، أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ، فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ (سورة الواقعة، پ: ۲۸، آیت: ۱۱، ۱۲)

”فإن المراد بالسابقين هم المبادرون إلى فعل الخيرات كما أمروا، الخ“۔ (تفسير ابن

کثیر: ۲۸۳/۳، سهیل اکیڈمی، لاہور)

وقال الله تعالى: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ، وَمِنْهُمْ

مقتصد، ومنهم سابق بالخيرات بإذن الله، ذلك هو الفضل الكبير﴾ (سورة فاطر، پ: ۲۲، آیت: ۳۲)

ملے گا (۱)۔ محتاج غریب کو دینے میں زیادہ ثواب ہے کہ وہ صدقہ ہے اور مالدار کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہدیہ یا ہبہ ہے (۲)۔ ماں باپ وغیرہ کی طرف سے اگر دیدے تو ان کو بھی ثواب ہوگا اور دینے والے کو بھی ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

(۱) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن، ولا یشرّب الخمر حین یشرّبها وهو مؤمن، ولا یسرق السارق حین ینسرق وهو مؤمن“۔ الحدیث۔ (سنن ابن ماجہ، أبواب الفتن، باب النہی عن النہبۃ، ص: ۲۸۲، قدیمی)

قال المحشی عبد الغنی المجددی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا الحدیث: ”إجماع أهل الحق علی أن الزانی والسارق والقاتل وغیرہم من أصحاب الكبائر“۔ (إنجاح الحاجة حاشیة سنن ابن ماجہ، أبواب الفتن، باب النہی عن النہبۃ، ص: ۲۸۲، قدیمی)

”والکبیرۃ قد اختلفت الروایات فیہا، فروی ابن عمر أنها تسعة الشریک باللہ وزاد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ السرقة“ (شرح العقائد، ذکر قوله: الکبیرۃ لا تخرج العبد من الإیمان الخ، ص: ۸۲، مکتبہ یوسفی)

”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قرأ حرفاً من کتاب اللہ، فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: ”آلم“ حرف، ولكن ”الف“ حرف و ”لام“ حرف و ”میم“ حرف“۔ هذا حدیث حسن صحیح غریب“۔ (جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر: ۱۱۹/۲، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ الآية (سورة التوبة: ۶۰)

”الصدقة علی الغنی ہبۃ“۔ (رد المحتار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیرہ: ۶/۲۹۸، سعید)

(۳) ”وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً، فلیجعلها عن أبویہ، فیکون لهما أجرها، ولا ینتقص من أجرہ شیئاً“۔ (شرح الصدور للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، رقم الحدیث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، لاہور)

اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھنا

سوال [۲۳۳۲]: مسجد میں اولیاء اللہ کے لئے ختم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو ختم بزرگوں سے ثابت ہے اس کو پڑھنا، یا ختم پڑھ کر بزرگوں کو ثواب پہنچانا درست ہے، لیکن کس کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے جس کا دل چاہے شریک ہو جس کا دل نہ چاہے نہ شریک ہو، نیز اپنی طرف سے کوئی چیز ایسی نہ ملائی جائے جو ثابت نہ ہو (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات

سوال [۲۳۳۳]: کیا اولیاء اللہ کے مزار پر خیرات کرنی جائز ہے؟ جیسا کہ حضرت صابر رحمہ اللہ تعالیٰ

= ”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء.“ (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۳، سعيد)
”وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ”من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات.“ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) ”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة.“ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)
(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

کے مزار پر فقیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کے واسطے خیرات کرنی پیسہ کی ہو یا کھانے کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ و خیرات کر کے بزرگانِ دین کو بھی ثواب پہونچانا درست ہے، جو لوگ مزارات اولیاء اللہ کے پاس حجروں میں اپنی اصلاح اور ذکر و شغل کے لئے تنہائی اختیار کر کے رہتے ہیں اور عام دنیا سے بے تعلق ہیں وہ اگر غریب ہوں تو وہ بھی صدقہ کے مستحق ہیں، ان کو بھی کھانا درست ہے، جو مال دار ہوں یا لغویات میں شریک ہوتے ہوں ان کو نہ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم دینا

سوال [۴۳۳۴]: کسی میت کی طرف سے ایک قرآن اس نیت سے اسقاط کرنا کہ اس میت کہ ہر آیت قرآنی کے عوض ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے، کیسا ہے اور کیا واقعی گناہ معاف ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف اسقاط کرنے کا کیا مطلب ہے، اگر یہ مطلب ہے کہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کر دیا جائے

(۱) ”إن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمہ وهو غائب عنها، فقال: یا رسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- إن أمی توفیت وأنا غائب عنها، أينفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“. قال: فبانی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها“۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أَرْضَى وَبَسْتَانِیْ صَدَقَہُ لِّلّٰہِ عَنْ أُمِّی: ۳۸۶/۱، قدیمی)

”صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شیء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر: ۵۴۵/۲،

إدارة القرآن کراچی)

توبلا اجرت پڑھ کر ثواب پہنچانے سے یقیناً ثواب ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں (۱)، لیکن حقوق العباد اس سے معاف نہیں ہوتے (۲)، اسی طرح نمازیں روزے وغیرہ جو میت کے ذمہ ہیں جن کا کفارہ دینا ضروری ہے وہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ بشرط وصیت ایک ثلث میں سے کفارہ ادا کرنا لازم ہے (۳)، اگر ترکہ میں کچھ نہیں

(۱) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من دخل المقابر فقرأ سورة يس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

”عن أنس رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: ”أمتي أمة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

”صرح علماءنا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (ردالمحتار، باب صلوة الجنابة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(۲) ”فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع وهو التحلل من صاحب ذلك الحق“۔ (شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمی)

”إن كانت المعصية في خالص حق الله، فقد يكفي الندم وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم والعزم إيصال حق العبد أو بدله إليه الخ“۔ (روح المعاني، تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله﴾ الخ: ۱۵۸/۲۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) ”ولومات وعليه صلوات فائنة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم وإنما يعطى (من ثلث ماله)“۔ (الدر المختار).

”قوله: وإنما يعطى من ثلث ماله: أي فلوزادت الوصية على الثلث، لا يلزم الولي إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة“۔ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، ۷۳، سعيد)

”إذا مات الرجل وعليه صلوات فائنة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته، يعطى لكل صلاة نصف =

چھوڑا تو تلاوت وغیرہ کا ثواب پہونچایا جائے، کیا عجب ہے (کہ) اللہ پاک معاف فرمادیں۔
 اگر یہ مطلب ہے کہ ایک قرآن شریف کسی کو بہ نیتِ ثواب صدقہ دیدیں تو اس سے بھی ثواب ہوتا ہے، لیکن
 ترکِ میت سے دینا بلا وصیت قبل تقسیم ترکہ درست نہیں جب کہ بعض ورثہ نابالغ ہوں، بعد تقسیم بالغین اپنے حصہ میں
 سے دے سکتے ہیں۔ اور اگر وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں نافذ کرنا واجب ہے، زائد میں ورثہ بالغین کی اجازت پر
 موقوف ہے اور جب نابالغ ہوں تو ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)۔ ہر آیت کے عوض ایک گناہ کی معافی کی تصریح کسی جگہ
 نہیں دیکھی، جیسا اور صدقہ دینے کا حال ہے ایسا ہی قرآن شریف کا حال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۳/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/جمادی الاولیٰ/۵۸ھ۔

ختم قرآن پاک کا ثواب مردے کو پہنچانا

سوال [۴۳۳۵]: ختم قرآن پاک کا ثواب اگر ہم مردے کو پہونچائیں تو وہ پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہونچتا ہے، کذا فی البدایہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

= صاع من بر، وللو تر نصف صاع، ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله. (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الصلاة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت، مسائل متفرقة: ۱/۱۲۵، رشیدیہ)

(۱) ”ویکره اتخاذ الضیافه من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة

مستقبحة..... وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء، فیحترز عنها؛ لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالیٰ

..... ولا سیما إذا کان فی الورثة صغار أو غائب الخ.“ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی

کراهة الضیافه من أهل المیت: ۲/۴۰، ۴۱، سعید)

”ولا يجوز بما زاد علی الثلث إلا أن یجیزه الورثة بعد موته وهم کبار.“ (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الوصایا، الباب الأول الخ: ۶/۹۰، رشیدیہ)

(۲) ”الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غیره عند =

میت کیلئے قرأتِ قرآن وغیرہ

سوال [۲۳۳۶]: میت کے دفن کرنے کے بعد مروجہ طریقہ پر دعاء کرنا جیسے سرہانے سورۃ بقرہ کا اول اور پاؤں کی جانب آخر، یا سورۃ اخلاص یا آیاتِ قرآنی کا پڑھنا یا کسی سے اجرت پر، یا بلا اجرت کچھ پڑھوانا اور رسوم و چہلم وغیرہ رسومات برابر کرنا، پابندیوں کے ساتھ کچھ تقسیم کرنا، ایصالِ ثواب کیلئے بلا امتیاز امیر غریب کو کھانا کھلانا کیسا ہے؟ اور امام صاحب کو رسومات بالا پر پابند کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفن کے بعد سرہانے سورۃ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب سورت بقرہ کا آخر پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۱) اور دفن کے بعد دعائے مغفرت بھی ثابت ہے (۲)۔ بغیر کسی وقت یا دن یا تاریخ یا ہفتہ خاصہ کی

= أهل السنة والجماعة. (البداية مع الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ۱/ ۲۹۶، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

”عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً: ”من مر علی المقابر وقرأ ﴿قل هو اللہ أحد﴾ أحدی عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطی أجره بعدد الأموات“۔ (شرح الصدور، باب فی القراءة للمیت أو علی قبره، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بیروت)

”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الحج، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير: ۱/ ۲۵۷، رشیدیہ)
(۱) ”عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ”إذا مات أحدکم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجله بخاتمة البقرة“۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱/ ۱۳۹، قدیمی)

”و کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة عند رأس المیت وآخرها عند رجله“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳۷، سعید)

(۲) ”عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن =

پابندی کے کوئی بھی نیک کام اللہ کے واسطے کر کے ثواب پہونچانا درست ہے اور میت کے حق میں نافع ہے (۱) بقیہ امور مذکورہ سوال کی پابندی شرعاً ثابت نہیں، طریقہ مروجہ غیر ثابت ہے جو کہ قابل ترک ہے، اگر پابندی اور اصرار کیا جائے تو کراہت شدیدہ پیدا ہو کر گناہ میں اضافہ ہوگا (۲)۔

قرآن پاک کی تلاوت اجرت پر کرنا خواہ زبان سے معاملہ طے کیا جائے، یا مشہور و معروف ہونے کی

= المیت، وقف علیہ، فقال: "استغفروہ لأخیکم، وأسألوالہ بالتبیت، فإنه الآن یسئل". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف: ۲/ ۱۰۳، إمدادیہ)

"ویستحب حیثہ من قبل رأسہ ثلاثاً، وجلوس ساعة بعد دفنہ لدعاء وقراءة بقدر ما ینحر

الجزور ویفرق لحمہ". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/ ۶۶ رشیدیہ)

(۱) "یقول: أنبأنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن سعد ابن عبادۃ أخابنی ساعداً توفیت أمہ وهو غائب عنہا، فأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! إن أمی توفیت وأنا غائب عنہا، فهل ینفعها شیء إن تصدقت بہ عنہا؟ قال: "نعم". قال: فإنی أشہدک أن حائطی المخراف صدقة علیہا". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الإشهاد فی الوقف والوصیۃ والصدقة: ۱/ ۳۸۷، قدیمی)

"صرح علماء نافی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیرها..... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیہم، ولا ینقص من أجرہ شیء". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت إهداءها الخ: ۲/ ۲۳۳، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۳/ ۱۰۵ رشیدیہ)

(۲) "من أصر علی أمر مندوب وجعلہ عزمًا ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشہد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/ ۳۱، رشیدیہ)

"الإصرار علی المندوب یبلغہ إلی حد الکراہۃ، فکیف إصرار البدعة التی لأصل لها فی الشرع".

(السعیۃ، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/ ۲۶۵، سہیل اکیڈمی، لاہور)

وجہ سے دل ہی میں رہے بالکل ناجائز اور معصیت ہے، اس سے میت کو ثواب نہیں پہونچے گا، بلکہ پڑھنے والے کو بھی ثواب نہیں ملتا اور جو اجرت دی جاتی ہے خواہ روپیہ کی شکل میں ہو یا شیرینی، کپڑا، غلہ، کھانا، قرآن شریف وغیرہ کی شکل میں اس کا لینا اور دینا حرام ہے:

”ویکثره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر فی المو اسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراءة للختمة أولقراءة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل یکره وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها؛ لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالى“. ردالمحتار (۱)۔

”قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة: إن القرآن بالأجرة لا یتحقق الثواب لالمیت ولاللقارئ. وقال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القارئ للذین، والآخذ والمعطى آثمان، الوصیة من المیت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعده وبإعطاء دراهم لمن یتلو القرآن لروحه أو یسبح أو یهلل وکلها بدع منکرات، والمأخوذ منها حرام للآخذ وهو غاصب بالتلاوة والذکر لأجل الدنيا“. ردالمحتار (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستئجار الخ: ۵۶/۵۷، سعید)

”عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالى عنه: قال: علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، وأهدى إلى رجل منهم قوساً، فقلت: ليس بمال وأرمى عليها فى سبيل الله، لأتین رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلأسئلنه، فأتیته فقلت: یا رسول الله! رجل أهدى إلى قوساً ممن كنت أعلمه الكتاب والقرآن، وليست بمال وأرمى عنها فى سبيل الله تعالى. قال: ”إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نار، فاقبلها“. (سنن أبی داؤد، کتاب الإجارة، فی کسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمدادیہ)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقیح الفتاوی الحامدیہ، کتاب الإجارة، حکم الاستئجار علی

التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبعہ میمنیہ مصر)

نماز کا ثواب پہنچانا

سوال [۴۳۳۷]: نماز پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب پہنچانا شرعی دلائل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو براہ کرام دلیل نقل کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثابت ہے: ”الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ ما، له جعل ثوابها لغيره، اهـ“۔ در مختار۔
”أى سواء كانت صلوة أو صدقة أو صوماً أو نحوها“۔ شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا

سوال [۴۳۳۸]: بعض لوگ بعد نماز جمعہ سب مصلیوں سے کہتے ہیں کہ سب مصلی حضرات سے گزارش ہے کہ دو دو رکعت میرے عزیز مرحوم کے لئے پڑھیے گا، یا کسی اور مقصد کے لئے لوگ مع امام دو دو رکعت پڑھ کر دعاء کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا اور دوسروں سے اس کی درخواست کرنا جائز ہے، حدیث شریف اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے: قال فی الفتاوی العالمکیریة، فی الباب العاشر فی الحج عن الغیر:

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۵۶۵/۲، سعید)

”وأخرج ابن النجار فی تاریخہ عن مالک بن دینار قال: رجل من المؤمنین قام فی هذه اللیلة، فأسبغ الوضوء وصلى ركعتین ”وقراً فیہما فاتحة الكتاب وقل یا ایہا الکافرون، وقل هو اللہ أحد“ وقال: اللہم! انی قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنین، فأدخل اللہ علینا الضیاء والنور والفسحة والسرور فی المشرق والمغرب“۔ (شرح الصدور للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، ص: ۲۹۸، دار المعرفۃ، بیروت)

”والأصل فیہ: أن للإنسان له أن یجعل ثواب عملہ لغيرہ صلوة أو صوماً أو صدقة الخ“۔ (البحر

الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر: ۲۵۷/۱، رشیدیہ)

”الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً كان أو صوماً أو صدقةً أو غيرها.“ ۲۶۳/۲ (۱)۔

اسی طرح نماز کے بعد مقاصدِ حسنہ کے لئے دعاء اور اس کے اقرب الی الاجابة ہونے کی تصریح روایات حدیث سے ثابت ہے، کما فی عمل الیوم واللیلة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حرر العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانیپور، ۱۹۶۸ء۔

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير: ۲۵۷/۱، رشیدیہ)

”وأخرج ابن النجار فی تاریخہ عن مالک بن دینار قال: رجل من المؤمنین قام فی هذه اللیلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتین، وقرأ فیہما فاتحة الكتاب، وقل یا ایہا الکافرون، وقل هو اللہ أحد“ وقال: اللہم! انی قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنین، فأدخل اللہ علینا الضیاء والنور والفسحة والسرور فی المشرق والمغرب“۔ (شرح الصدور للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بیروت)

”الأصل أن کل من أتى بعبادةٍ ما، له جعل ثوابها لغيره“۔ (الدر المختار)۔ ”أی سواء كانت صلوةً أو صدقةً أو صوماً أو نحوها“۔ (رد المحتار: ۵۹۵/۲، کتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فی إهداء ثواب الأعمال للغير، سعید)

”والأصل فیہ أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً، الخ“۔ (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(۲) ”عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه قال: ”ما من عبد بسط کفیه غی دبر کل صلوة ثم یقول: اللہم إلهی کان حقاً علی اللہ عزو کل أن لا یرد یدیه خائبین“۔ (رقم الحدیث: ۱۳۸)

”عن فضالة بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إذا صلی أحدکم، فلیبدأ بتحمید اللہ والثناء علیہ، ثم یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم لیدع بما شاء“۔ (عمل الیوم اللیلة، باب ما یقول فی دبر صلوة الصبح، (رقم الحدیث: ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مکتبة الشیخ، کراچی)

نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہنچانا

سوال [۴۳۳۹]: اگر کوئی نیک عمل کرے تو کیا اس عمل کا ثواب بغیر اس کے پہونچائے اس کے

ہمسایہ کو بھی مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی درجہ میں اس کا تعاون حاصل ہے تو وہ بھی شریک ہے ورنہ شریک نہیں، لیکن اچھے پڑوسی سے نفع

فی الجملہ پہونچتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۹ھ۔

نابالغ بچوں کے لئے ایصال ثواب

سوال [۴۳۴۰]: مرحومین کے لئے زندوں کے ایصال ثواب سے فائدہ پہونچتا ہے، لیکن نابالغ

معصوم بچوں کے لئے ایصال ثواب کا کیا فائدہ؟ جب کہ وہ معصوم اور جنتی ہیں، ایسے معصوم بچوں کی نماز جنازہ

میں کہیں استغفار نہیں ہے، استغفار اور ایصال ثواب بچوں کے لئے غیر مفید ہے تو بچوں کی قبر کی زیارت سے بھی

کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے بچوں سے تعلق رکھنے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درجات میں تو ترقی بہر حال ہوتی ہے اس لئے ایصال ثواب میں کیا اشکال ہے اس کے لئے استغفار

کی حاجت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۲ھ۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ یا امر تعالیٰ عبادہ

المؤمنین بالمعونة على فعل الخیرات هو البر، وترک المنکر وهو التقوى قال رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الدال على الخیر کفا عله“ قلت: وله شاهد فی الصحيح: ”من دعا إلى

هدی، کان له من الأجر مثل أجور من اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلك من أجورهم شیئاً. ومن دعا

إلى ضلالة، کان علیه من الإثم مثل آثام من اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلك من آثامهم شیئاً“.

(تفسیر ابن کثیر، (سورة المائدة: ۲): ۱۰/۲، ۱۱، مکتبہ دار الفیحاء، دمشق)

(۲) ”حسنات الصغیر قبل أن یجرى علیہ القلم للصبی، لا لأبیہ، لقوله تعالیٰ: ﴿وأن لیس للإنسان إلا ما =

نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب کرنا

سوال [۴۳۴۱]: نابالغ اور معصوم بچوں کے انتقال پر ختم قرآن کر کے ایصالِ ثواب کرنا کیسا ہے، جب کہ وہ معصوم ہیں اور گناہ سے ناواقف ہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

بچے معصوم ہیں، گناہوں کے بخشوانے کے لئے ان کے حق میں ایصالِ ثواب کی ضرورت نہیں، ہاں تحصیلِ انعامات کے لئے دعاء کی جائے تو ٹھیک ہے جیسے صلوٰۃ جنازہ میں کی جاتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۴۳۴۲]: نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب کس کو ملے گا، اگر کہا جائے کہ اس کے والدین کو ثواب ملتا ہے تو دوسرے کو، یا ان نابالغوں کو میت کو ثواب پہونچانے کا حق ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب صحیح قول پر نابالغ ہی کو ملتا ہے: ”وتصح عباداتہ (أی الصبی) وإن لم تجب علیہ، واختلفوا فی ثوابہا، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم، وكذا جميع حسناته“۔
أشباه: ۳۲۷ (۲)۔ قال الحموی: ”(قوله: وجميع حسناته) قال الأستروشنی فی جامع أحكام

= سعی ﴿ وهذا قول عامة مشايخنا ﴾. (أحكام الصغار علی هامش جامع الفصولین، فی مسائل الکراہیة: ۱/۱۲۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

”وقد قالوا: حسنات الصبی له، لا لأبویہ، بل لهما ثواب التعليم“۔ (الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنازة: ۲/۳۱۵، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباہ والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبیان: ۲۲/۳، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (شرح الأشباہ والنظائر، الفن الثالث: أحكام الصبیان: ۲۲/۳، إدارة القرآن کراچی)

الصغار: حسنات الصغیر قبل أن یجرى علیه القلم للصبی، لا لأبيه لقوله تعالى: ﴿وَأَنْ لِّسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا (۱)۔

اور نابالغ اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب شرعاً میت کو پہنچا سکتا ہے؛ لٰئنہ نفع محض، ثواب نابالغ اور میت دونوں کو ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۳/۵۲ھ۔

جواب درست ہے: عبداللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ۔

میت صغیر کے لئے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب

سوال [۴۳۴]: نماز جنازہ میں جب کہ میت چھوٹی (بچہ یا بچی) ہو تو: ”اللہم اجعلہ لنا شافعاً ومشفعاً“ جو دعاء پڑھی جاتی ہے، آیا یہ دعاء پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ شبہ اس لئے ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شافع ہیں، کوئی بچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیسے شافع ہو سکے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ذخرفرط“ کی دعا پڑھنا حدیث شریف میں مذکور ہے (۲)، اذان کے بعد ”آت محمداً الوسيلة“ پڑھنے کا امر بھی حدیث شریف میں ہے (۳)، ”الوسيلة“ کی ایک شرح ”مقام شفاعت“ بھی ہے (۴)، تعلیم

(۱) (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۲۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

”وقد قالوا: حسنات الصبی له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم“۔ (الدر المختار، باب صلوة

الجنابة: ۲/۳۱۵، سعید)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أنه كان يصلي على النفوس الذي لم يعمل خطيئة قط، ويقول: اللهم اجعله لنا سلفاً وفرطاً وذخراً“۔ (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب السقط يغسل ويكفن ويصلى عليه إن استهل أو عرفت له حياة: ۴/۱۰، إدارة تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۳) ”عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة! آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقام محموداً الذي وعدته، إلا حلت له الشفاعة يوم القيامة“۔ (جامع الترمذی، أبواب الصلوة،

باب ترجمة: ۱/۵۱، سعید)

(۴) ”والوسيلة المذكورة في الدعاء المروى عنه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد فقیل: هي الشفاعة =

امت کے لئے بھی دعائیں منقول ہیں، شبہ دفعہ کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۲ھ۔

بچوں کا ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ہمارے یہاں میت کے ایصالِ ثواب کے واسطے بچوں سے قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، قرآن شریف ختم ہونے کے بعد استاد بچوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنا سارا ثواب ہمیں دیدو تا کہ ہم میت کو پہنچا دیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بچے عدم بلوغ کی بنا پر ہبہ کے مستحق نہیں اور ایصالِ ثواب ہبہ ہی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نابالغ بچوں کا قرآن شریف پڑھ کر بخشا ہبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو معلمین کی خدمت میں پیش کرنا ہبہ کیوں نہیں ہوا اور اس کا جواز کیسے تجویز کیا گیا۔ نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں: ایک: نفع محض، دوم: ضرر محض، سوم: دائر بین النفع والضرر۔

قسم اول کے تصرفات بغیر اذن ولی بھی درست ہے۔ قسم دوم اذن ولی سے بھی درست نہیں۔ قسم سوم اذن ولی سے درست ہیں، بغیر اذن ولی کے درست نہیں (۱)۔ ہبہ قسم دوم میں داخل ہے۔ ہبہ کی تعریف ہے:

= يشهد له في آخر الدعاء حلت له شفاعتي“ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، باب فصل الأذان واجابة المؤذن، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۶۵۷): ۲/۳۵۰، رشیدیہ)

(۱) ”(وتصرف الصبی والمعتوه) الذی یعقل البیع والشراء (إن كان نافعاً) محضاً (كالإسلام والانتهاج، صح بلا إذن. وإن ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض (لا، وإن أذن به وليهما. وما تردد) من العقود (بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الإذن) حتی بلغ، لوبلغ فأجاز، نفذ“ (الدر المختار).

”(قوله: كالطلاق والعتاق) ولو على مال وكذا الهبة والصدقة الخ“ (رد المحتار،

کتاب المأذون، مبحث فی تصرف الصبی ومن له الولاية علیه وترتيبها: ۶/۱۷۳، سعید)

”والتصرفات ثلاثة أنواع: ضار محض كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة، فلا يملكه الصبی

وإن أذن له الولی. ونافع محض كقبول الهبة والصدقة، فيملكه بغير إذنه. ودائر بين النفع والضرر =

”تملیک العین بلا عوض“ (۱)، جو ثواب پہنچایا جاتا ہے وہ عین نہیں، نیز اعیان کا حال یہ ہے کہ وہ بصورتِ ہبہ ملکِ واہب سے خارج ہو جاتی ہے، واہب ان سے خالی رہ جاتا ہے اور یہ چیز حق صبی میں ضرر محض ہے، ایصالِ ثواب میں واہب خالی نہیں رہتا، اس کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اس لئے ضرر محض نہیں بلکہ نفع محض ہے:

”صرح علماء نافی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها، كذا في الهداية. بل في زكاة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمومنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره بشيء، اهـ. وهو مذهب أهل السنة والجماعة، اهـ.“ كذا في رد المحتار: ۱/۶۰۵ (۲)۔

”وفی الحدیث: ”من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات، اهـ.“ در مختار (۳)۔

= كالبيع والشراء والإجارة والنكاح، فيملكه بالإذن ولا يملكه بدونه.“ (الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب المأذون، الباب الثانی عشر فی الصبی أو المعتوه یاذن له أبوه الخ: ۵/۱۱۰، رشیدیہ)
(۱) (الدر المختار، کتاب الهبة: ۵/۲۸۷، سعید)

”هی تملیک العین بلا عوض“۔ (البحر الرائق، کتاب الهبة: ۷/۲۸۳، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنابة، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

”وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبيه، فيكون لهما أجرها، ولا ينقص من أجره شيء.“ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة)

”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمومنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء.“ (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن کراچی)

(و كذا في رد المحتار، باب صلوة الجنابة، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

(۳) (الدر المختار، باب الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت اهـ: ۲/۲۴۳، سعید)

”وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالى عنه =

لہذا عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، سمجھدار بچے بھی ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۴۳۴۵]: نابالغ بچے جو قرآن کریم یا نماز یا دوسری عبادت کرتے ہیں اس کا ثواب ان کو یا ان کے والدین کو ملتا ہے؟ نیز ہم لوگ کسی کے حق میں ایصالِ ثواب کی خاطر قرآن کریم پڑھاتے ہیں جس میں نابالغ بچے بھی پڑھتے ہیں۔ کیا ان کے پڑھے ہوئے کا ہم لوگ وکیل بن کر ایصالِ ثواب میت کو کر سکتے ہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ بچے جو حسنات کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق بھی وہی ہیں، والدین کو تعلیم و تربیت کا اجر ملتا ہے کذا فی الدر المختار (۱)۔ بچے اگر قرآن کریم پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب پہنچادیں تو اس سے خود ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور میت کو ثواب پہنچ جائے گا، ان کو بتادیا جائے کہ اس طرح ثواب پہنچادو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

= مرفوعاً: ”من مر عنی المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات“۔ (شرح الصدور للسيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب فی قراءة القرآن للمیت أوعلى القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بیروت)

(۱) ”وقد قالوا: حسنات الصبی له، لا لأبویہ، بل لهما ثواب التعليم“ (الدر المختار، باب صلوة الجنابة: ۲/۲۱۵، سعید)

”حسنات الصغیر قبل أن یجرى علیہ القلم للصبی، لا لأبیہ لقوله تعالیٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشایخنا“۔ (أحكام الصغار علی هامش جامع الفصولین، فی مسائل الکراهیة: ۱/۱۲۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباہ والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبیان: ۳/۲۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إذا =

بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے؟

سوال [۴۳۴۶]: بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بد کام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں ثواب کے وہ مستحق ہیں، والدین کو تعلیم و تربیت کا اجر ملے گا (۱)۔ بچوں پر گناہ نہیں، البتہ والدین تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۴ھ۔

ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب میت کے لئے

سوال [۴۳۴۷]: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو میت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ

= تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

”الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء“۔ (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۳۱۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد) (۱) ”تصح عباداته (أى الصبي) وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم: كذا في جميع حسناته“۔ (الحموى شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۲۲/۳، إدارة القرآن، كراچی)

”وقد قال: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم“۔ (الدر المختار، باب صلوة

الجنائز: ۳۱۵/۲، سعيد)

کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں مسجد کے مصلیوں سے، اخیر میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، چاہے غریب ہو یا غنی۔ تو یہ کھانا کیسا ہے؟ اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ طیبہ کا ثواب پہونچانا اور غریبوں کو صدقہ دے کر ثواب پہونچانا بہت مفید اور باعث خیر ہے (۱)، لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا، یہ اجرت کے مشابہ ہے، اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو، نیز جب کہ اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے، المعروف كالمشروط کے تحت اس پڑھنے کی اجرت گویا کہ لازم ہوگئی۔ علاوہ ازیں میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں، ان کے مال میں تصرف کرنا اور ان کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں۔ پھر یہ کھانا کھلانا شرعاً واجب نہیں، اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں (۲)۔

(۱) ”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

”أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة“۔ (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۹۶/۱، شركة علمیه ملتان)

(و كذا في التاتار خانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ”من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، رقم الحديث: ۹۴۶: ۳/۳۱، رشیدیہ)

”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع“۔ (السعاية للعلامة اللكنوي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة:

۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاہور)

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کے لئے جو صدقہ دیا جاتا ہے، اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں، یہاں غریب و غنی سب کو دیا جاتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے (۱) اور اس میں عامۃً شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے (۲)۔ اس لئے اس طریقہ کو بند کرنا چاہیے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں رہتی۔ فتاویٰ بزازیہ (۳)، کبیری (۴)، شامی (۵) وغیرہ کتب فقہ میں ایصالِ ثواب کے لئے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ﴾. (سورة التوبة: ۶)

”إن الصدقة على الغنى هبة“. (ردالمحتار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیرہ:

۶/۲۹۸، سعید)

(۲) ”ویکفره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت..... هی بدعة مستقبحة، وفي البزازیة: یکره إتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم..... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى“. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الصلوة، قبیل الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد: ۴/۸۱، رشیدیہ)

”عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن طعام المتبارئین أن یوکل“. (مشکوۃ المصابیح، باب الولیمة، الفصل الثانی، ص: ۲۷۹، قدیمی)

(۳) ”یکفره اتخاذ الطعام واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم“. (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الصلوة، قبیل الفصل السادس والعشرون فی أحكام المسجد: ۴/۸۱، رشیدیہ)

(۴) (الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، قبیل فصل فی أحكام المسجد، ص: ۶۰۹، سهیل اکیڈمی، لاہور)

(۵) (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعید)

نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۴۸]: باپ کی موت سے پہلے جب کہ وہ اپنے ہوش میں ہے، بیٹا اپنی نافرمانیوں کی معافی مانگتا ہے اور باپ معاف کر دیتا ہے، اس وقت کی معافی معتبر ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ معافی ہو جائے گی، باپ کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرتا رہے اور نافرمانی کی مکافات جس قدر بھی ہو کرتا رہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۸/۱۳۹۹ھ۔

کلمہ پڑھ کر خود کشتی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۴۹]: ایک لڑکی جو کہ غیر مسلم تھی اور میں اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بہت مائل تھی اور میرے ساتھ مسلمان ہونے کو تیار تھی جس نے اپنی زندگی میں میرے ساتھ اور مجھ سے یاد کر کے بارہا کلمہ پڑھا، اس کو نماز بھی یاد تھی، اور اس کے گھر والے یہ نہ چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے، ان لوگوں نے اس کو بہت تنگ کیا پھر اس نے ایک دن غم سے گھبرا کر خود کشتی کر لی۔ اب میں اس کے لئے ایصالِ ثواب قرآن خوانی کر سکتا ہوں یا کہ نہیں؟

(۱) ”عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”یتبع الرجل یوم القیامة من الحسنات أمثال الجبال، فیقول: أنى هذا؟ فیقال: باستغفار ولدک لک“۔ (شرح الصدور للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، ص: ۲۹۶، دار المعرفۃ، بیروت)

”صرح علماءنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غیرها..... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجرہ شیء“۔ (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے تو اس کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۶ھ۔

غیر مسلم کو ایصالِ ثواب

سوال [۲۳۵۰]: غیر مسلم کو قبرِ آن پاک وغیرہ کا ثواب بخشا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

(۱) ”إن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمہ وهو غائب عنها، فقال: یا رسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- إن أمی توفیت وأنا غائب عنها، أينفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“. قال: فبانی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها“. (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أَرْضَى وبستانی صدقة لله عن أمی: ۳۸۶/۱، قدیمی)

”صرح علماء نافی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شیء“. (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۲۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغير: ۵۳۵/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعین مرة فلن يغفر اللہ لهم، ذلک بأنهم کفروا باللہ ورسوله، واللہ لا یهدی القوم الفاسقین﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الآیة: ۸۰)

”عن سعید بن المسیب عن أبیه: قال: لما حضرت أباطالب الوفاة، دخل علیہ النبی صلی اللہ =

شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب

سوال [۲۳۵۱]: زید حافظ قرآن اور ایک مسجد میں امام ہے اور زید کو ایک شیعہ نے اپنے قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، زید روزمرہ صبح کو شیعہ قبروں پر ایک پارہ یا کم و بیش پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ چند مسلمانوں نے زید پر اعتراض کیا بوجہ مندرجہ بالا۔ زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی منافق یہودی کے لئے ایصالِ ثواب کیا اور شیعہ مذہب پر علمائے حنفیہ نے متفقہ فتویٰ کفریہ نہیں دیا، ایسی صورت میں جب کہ وہ مسلمان ہیں یقیناً اس کی مذہب رکاوٹ نہیں کرتا۔ اس تنازعہ میں چند مسلمانوں نے زید کے پیچھے نماز جمعہ ادا نہیں کی، بلکہ جس مسجد میں آج تک جمعہ نہیں ہوتا تھا، اس مسجد میں جدید طریقہ پر جمعہ کرایا حالانکہ شہر میں اور چند مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، اس مسجد کو بھی چھوڑ کر کسی دوسری جامع مسجد میں ادا کر سکتے تھے۔

اندریں حالت دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیعہ پر ایصالِ ثواب بصورت مندرجہ بالا جائز ہے یا نہیں؟ نیا جمعہ کرانا جب کہ اور مسجدیں موجود تھیں کیسا ہے؟ اگر شیعہ کی قبور پر ایصالِ ثواب جائز ہے تو اس قسم کا نزاع بین المسلمین پیدا کرنے والے اشخاص کس حکم میں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے عقائد دریافت کر لئے جائیں، اگر وہ شیعہ عقیدہ کفریہ رکھتے تھے تو ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے (۱)، اس صورت میں اگر باز نہ آئے، اور اس سے بہتر امانت کا اہل دوسرا شخص

= تعالیٰ علیہ وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية“ فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أى عم! قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله“. فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لأستغفرن لك ما لم أنه عنك، فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين، ولو كانوا أولى قربى﴾ الآية“۔ (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الآية: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمی)

”والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر“۔ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،

فصل: وإذا أراد الشروع: ۱/۵۲۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ (التوبة: ۱۱۳)

موجود ہو تو اس کو امام بنانا چاہئے، زید کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور عبد اللہ بن ابی کے واقعہ سے زید کا استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعاء کی اور جنازہ کی نماز پڑھی تو ممانعت کی آیت نازل ہوئی، تفسیر مظہری میں پورا واقعہ نقل کر کے لکھا ہے:

”فصلی علیہ فأنزل الله تعالى ﴿لا تصل﴾ المراد بالصلوة الدعاء والاستغفار للمیت، فیستعمل صلوة الجنائز أيضاً؛ لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار ﴿على أحد منهم مات أبداً﴾ تفسیر مظہری، سورۃ توبہ، ص: ۷۱ (۱)۔

اگر وہ شیعہ عقائد کفریہ نہیں رکھتے تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اس صورت میں زید کو امام بنانا جائز ہے اور جھگڑا کرنا منع ہے اور موجبِ فتنہ ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اجرت لے کر ایصالِ ثواب کرنا گناہ ہے (۲)، اس سے بھی رکنا ضروری ہے۔ اگر زید اس کو ترک نہ کرے تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے (۳)۔

(۱) (التفسیر المظہری: ۲/۴، حافظ کتب خانہ)

(۲) ”قال عبد الرحمن بن شبل رضى الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”اقرأوا القرآن، ولا تغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به“۔ (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۵۱۰۳: ۴/۴، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

”قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری۔ وقال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القارئ، للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان..... والإجارة فی دلك باطلة، وهی بدعة لم یفعلها أحد من الخلفاء..... ومن صرح بذلك أيضاً الإمام البرکوی قدس سره فی آخر الطریقة المحمدیة، فقال: الفصل الثالث فی أمور مبتدعة باطلة أكب الناس علیها علی ظن أنها قرب مقصودة..... ومنها الوصیة..... بإعطاء دراهم لمن یتلو القرآن لروحه أو یسبح أو یهلل له، وکلها بدع منکرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذکر لأجل الدنیا، اهـ۔ ملخصاً“۔ (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار اهـ: ۵۶/۶، ۵۷، سعید)

(۳) ”ویکره تنزیهاً إمامة عبد..... وفاسق..... ومبتدع“۔ (الدر المختار)۔ ”بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم، لما ذکرنا، قال: ولذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند =

ایک شہر میں جمعہ اگرچہ متعدد جگہ جائز ہے لیکن تقلیل جمعہ شرعاً مطلوب ہے (۱)، اس لئے زید کا علیحدہ کرنا دشوار ہو تو کسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا ہو پڑھ لیا جائے، مستقل جمعہ قائم کرنا مصالح جمعہ کو فوت کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ ۱۹۶۸ء۔

شیعہ کو ایصالِ ثواب

سوال [۲۳۵۲]: سنی بیوی کو شیعہ خاوند کے لئے دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب کرنا کیسا ہے؟ اور سنی کو شیعہ کے لئے عام طور سے ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

صلاح الدین شملہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے عقائد کفریہ نہیں جیسا کہ بعض فرقوں کے ہیں تو دعائے مغفرت درست ہے، اس میں شوہر اور غیر سب برابر ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= مالک، وروایۃ عن أحمد۔ (ردالمحتار، باب الإمامة، قبیل مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۱) ”تقلیل جمعہ شرعاً مطلوب ہے“ یعنی شہر میں کم سے کم جگہوں پر جمعہ ادا کیا جائے: ”و تؤدی (أی الجمعة) فی مصر واحد بمواضع كثيرة معلقاً“۔ (الدر المختار)۔ ”أی سواء كان المصر كبيراً أو لا و سواء كان التعدد فی مسجدین أو أكثر، اهـ“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)
(۲) إن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال: یا رسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- إن أمی توفیت و أنا غائب عنها، أینفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“۔ قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها“۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أَرْضَى وَ بَسْتَانِیْ صَدَقَۃٌ لِلّٰهِ عَنْ أُمِّیْ فَهُوَ جَائِزٌ: ۱/۳۸۶، قدیمی)

”صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، و لا ينقص من أجره شیء“۔ (ردالمحتار، باب صلوة الجنابة، مطلب فی القراءة للمیت =

گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب

سوال [۲۳۵۳]: گاندھی جی ہندو مذہب اختیار کرتے تھے، ساتھ ساتھ قرآن کی سورہ اخلاص اور فاتحہ اکثر پڑھتے تھے اور اپنی عبادت کی مجلس میں قرآن پڑھوا کر سنتے تھے اور مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے۔ تعزیت کرنے کے بعد اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کی جماعت میں ان کے لئے قرآن پڑھے یا دعاء کرے تو کیا وہ مسلمان گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی ثواب بخشے نہیں بلکہ غیر مذہب والوں کے لئے ہمدردی دکھانے کے لئے قرآن پڑھے تو کیسا ہے کیا گاندھی کافر ہے؟

۲..... اگر سرکاری ملازم مسلمان کو بے دین جماعت میں رہنا پڑے اور بے دین مردہ کے لئے دعائے خیر کرتے وقت دل یا منہ سے ﴿فی نار جہنم خالدین فیہا أبدأ﴾ کہے، کیا وہ گنہگار ہوگا؟ مع دلیل جواب ارشاد فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جس کے لئے کفر کا یقین ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا جائز نہیں: ”والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر“. درمختار (۱)۔ گاندھی کے متعلق ہمیں معلوم

= و إهداء ثوابها له : ۲/۲۳۳، سعید)

لیکن اگر شیعہ کے عقائد کفریہ ہوں جیسا دورِ حاضر کے شیعہ تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے، کما تقدم تخريجه تحت عنوان: ”شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب“۔

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير : ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع : ۱/۵۲۳، سعید)

قال الله تعالى: ﴿استغفر لهم أولا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرة، فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله ورسوله، والله لا يهدي القوم الفاسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الآية: ۸۰)

”عن سعيد بن المسيب عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة، دخل =

نہیں کہ کب اسلام قبول کیا، سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص وغیرہ پڑھنا بھی جب ہی مفید ہے کہ پڑھنے والا مسلم ہو ورنہ بہت سے غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں خواہ پڑھنے کی نیت کچھ ہی ہو۔ البتہ اگر کوئی مسلم قرآن کریم پڑھ کر اس کا مطلب غیر مسلم کو سمجھائے یا وعظ کہے تو شرعاً جائز اور درست ہے۔ بعض غیر مسلم بھی نرم طبیعت اور دوسروں کے ہمدرد ہوتے ہیں، وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے بلکہ دوسروں کی راحت کے لئے خود تکلیف اٹھاتے ہیں، مسلم کو بھی چاہئے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے اور بلا وجہ تکلیف پہنچانا تو کسی کو بھی جائز نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں نہایت اعلیٰ اخلاق کا خزانہ موجود ہے اس لئے سمجھدار غیر مسلم اس کا مطالعہ کر کے اکثر اچھی باتیں حاصل کر لیتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۲..... اس نفاق کی کیا ضرورت ہے کہ زبان سے دعاء کرے اور دل میں بددعاء بلکہ جس کے مرنے پر ضرورت سمجھے، مشروع تعزیت کر دے: ”جار یهودی أو مجوسی مات ابن له أو قریب، ینبغی أن یعزیه ویقول: أخلف الله عليك خيراً منه وأصلحك، وكان معناه: أصلحك الله بالإسلام یعنی رزقك الإسلام و رزقك و لداً مسلماً، كفاية، اه“۔ شامی: ۵/۲۴۸ مطبوعہ جدید (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

= علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”أی عم! قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله“۔ فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: یا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لأستغفرن لك ما لم أنه عنك“۔ فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قرابی﴾ (الایة)۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ (الایة: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قدیمی)

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۸۸، سعید)

”وإذا مات الکافر، قال لوالده أو قریبه فی تعزیتہ: أخلف الله عليك خيراً منه، وأسلمک: أي أصلحك بالإسلام، و رزقك و لداً مسلماً؛ لأن الخیرية به تظهر، کذا فی التبيين“۔ (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الکراهية، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۵/۳۴۸، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراهية: ۸/۳۷۴، رشیدیہ)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ربیع الأول/۶۷ھ۔

اسلام نے جو تعزیت کا طریقہ غیر مسلموں کے لئے بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، گاندھی جی نے نہ صرف مسلمانوں کی خیر خواہی پر جان دی ہے بلکہ سارے ہندوستان کو امن و اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ اس مشن پر قربان ہو گئے، اس لئے ہر شخص ان کے دردناک قتل پر رنجیدہ ہے، مگر ان کو مسلمان اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، تعزیت اور یادگار منانے میں فرقہ وارانہ طریقوں پر عمل کرنا خود گاندھی جی کے مشن کے خلاف ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ فقط۔

سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ربیع الثانی/۶۷ھ۔

تعزیتی جلسہ کا حکم

سوال [۴۳۵۴]: کسی لیڈر یا مذہبی پیشوا کے انتقال پر محض تعزیتی جلسہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی لیڈر یا پیشوا کے انتقال پر ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کرنا، ختم قرآن اور تعزیتی جلسہ دونوں چیز ایک ہی مجلس میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لوگوں کو جمع کرنے کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں: بعض جگہ اخبار، بعض جگہ صدر مقام یا مسجد وغیرہ میں اعلان کر دیا جاتا ہے۔ نیز ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ پیش کرتے ہوئے سلف صالحین کا عمل بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مسلم کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیت کرنا یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں خود جا کر تعزیت کا موقع نہ ہو تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیت کرنا منقول ہے (۱)۔

(۱) ”عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه مات ابن له، فكتب إليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يعزيه بآبائه، فكتب إليه: ”بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل، سلام عليك! فبإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد: فأعظم الله لك الأجر، وألهمك الصبر، وورقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلنا من مواهب الله الهينة وعواريه المستودعة، متعك الله به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كبير الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولا يحبط جزعك أجزرك فتندم، واعلم أن الجزع لا يرد ميتاً ولا يدفع حزناً، وما هو نازل فكأن قد، والسلام“۔ =

جس کے انتقال سے بہت لوگوں کو صدمہ ہو، یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہو تو اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کر کے تعزیت کر دی جائے، اس میں بڑی جماعت سفر کی زحمت سے بچ جاتی ہے اور میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہیں پڑتا اور مجمع عظیم کی متفقہ دعاء بھی زیادہ مستحق قبول ہے، بظاہر اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ لیکن بہت جگہ اس نے محض رسم کی صورت اختیار کر لی ہے کہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اخبار میں نام آ جائے اور ہماری شہرت ہو جائے، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہو تو پھر اس کو ترک کرنا چاہئے (۱)۔

میت کے لئے ایصال ثواب ثابت ہے، قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بھی درست ہے، انفراداً پڑھنا بھی درست ہے، جو نیک کام بھی اللہ کے لئے کیا جائے اور یہ دعاء کر لی جائے کہ: یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیں، تو بس اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سلف صالحین سے نماز، تلاوت، صدقہ حج وغیرہ کا ثواب

= رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط۔ (مجمع الزوائد للہیثمی، کتاب الجنائز، باب التعزیه: ۳/۳، دار الفکر، بیروت)

(۱) ”عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه قال: ”ما من مؤمن یعزی أخاه بمصیبة، إلا کساه اللہ سبحانہ من حلل الکرامة یوم القیامة“۔ (سنن ابن ماجہ، أبواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عزی مصاباً، ص: ۱۱۵، قدیمی)

”ولابأس بتعزیه أهلہ وترغیہم فی الصبر، الخ“۔ (الدر المختار)۔ ”قوله: بتعزیه أهلہ: أي تصیرہم والدعاء لهم به والتعزیه أن یقول: أعظم اللہ أجرک وأحسن عزاءک وغفر لمیتک“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۹، ۲۴۰، سعید)

”التعزیه لصاحب المصیبة حسن ویستحب أن یعم بالتعزیه جمیع أقارب المیت الکبار والصغار والرجال والنساء، الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر، ومما یصل بذلك مسائل: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(وکذا فی الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۰۸، سہیل اکیڈمی، لاہور)

پہنچانا ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کے لئے جلسہ تعزیت

سوال [۴۳۵۵]: آج کل یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی دینی ادارہ یا کسی مسلم جماعت کا کوئی رکن انتقال کر جاتا ہے تو جب اس ادارہ یا جماعت کا جلسہ ہوتا ہے جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا ہے، تو اس کے لئے تعزیت کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے جبکہ جلسہ تین دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لئے شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تعزیت شرعی تعزیت نہیں، بلکہ ادارہ یا جماعت کی طرف سے اظہار تعلق ہے اور اظہار ہمدردی کے لئے اس سے بھی تقویت پہنچتی ہے اور میت کے اعزہ کے لئے صبر و تسلی بھی فی الجملہ اس سے ہو جاتی ہے، اس لئے شرعاً گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دیوبند۔

(۱) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من دخل المقابر فقرأ سورة يس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات“۔ (شرح الصدور للسيوطي، باب ما جاء في قراءة القرآن للميت أو على القبر، (رقم الحديث: ۷)، ص: ۳۰۴، دار المعرفة)

”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً، أو حجاً، أو عمرة، أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی الهدایۃ، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

(و کذا فی التاتارخانیۃ، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغير: ۵۴۵/۲،

إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”(قوله: وبتعزية أهله): أي تصبيرهم، والدعاء لهم به، قال في القاموس: العزاء الصبر أو حسنه“۔

(رد المحتار، باب صلوة الجنائزۃ، قبیل مطلب فی الثواب علی المصیبة: ۲۳۹/۲، سعید)

دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ

سوال [۴۳۵۶]: میت کے دفن کے بعد اعزہ وغیرہ کا میت کے گھر پہنچ کر کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر کھانے پر فاتحہ پڑھنا اور دوسروں کو بھی ہاتھ باندھنے پر مجبور کرنا اور جو نہ شریک ہو اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل بے اصل اور خلاف سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۱)، اس میں شریک نہ ہونے والے کو برا کہنا معصیت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



(۱) ”وعرفها الشمنی بأنها (البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قوياً وصراطاً مستقيماً“۔ (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) ”عن عبد الله رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”سباب المسلم فسوق“۔ الحديث. (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحيط عمله، الخ: ۱/۱۲، قديمي)

فصل فی التلاوة عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

قبر پر تلاوت

سوال [۴۳۵۷]: قرآن قبر پر پڑھنا کیسا ہے، کیونکہ درمختار جلد دوم میں مکروہ لکھا ہے اور بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر پر تلاوت قرآن نہ کرنا چاہیے، اس وجہ سے کہ جب آیات عذاب کی وہاں پڑھی جاتی ہے تو مردے پر تکرار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے، اس لئے قبروں پر صرف آیات رحمت پڑھنی چاہیے اور پورا قرآن نہ پڑھے، آیت رحمت جیسے: سورۃ یسین، مزمل، ألہاکم التکاثر، معوذتین، إخلاص، الحمد، درود وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے نزدیک قبر پر قرآن شریف پڑھنا اور ایصالِ ثواب کرنا بلا التزام مالا یلزم درست ہے (۱)۔

(۱) أن سعد بن عبادة رضى الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يا رسول الله! - صلى الله تعالى عليه وسلم - إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أَرْضَى وَبِسْتَانِي صدقة لله عن أمي فهو جائز". ۳۸۶/۱، قديمی)

"صرح علماءنا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان بأن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها الأ فضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابه له: ۲۴۳/۲، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب =

در مختار کا حوالہ جو آپ نے دیا ہے وہ میں نے نہیں دیکھا، ذرا تفصیل سے باب، فصل یا صفحہ کا حوالہ دے کر تحریر کیجئے تاکہ اس پر غور کیا جاسکے۔ مالکیہ کے نزدیک قبر پر قرآن شریف کی تلاوت کرنا مکروہ ہے اور بعض اوقات زیادتی عذاب کا سبب ہے، المدخل: ۱/۲۶۲ (۱)۔ سورہ یسین، سورہ منزل، نکاح میں بھی عذاب کا ذکر ہے، یہ تفصیل کن کتب میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۷/۶۱ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سرّاً؟

سوال [۴۳۵۸]: قبر پر تلاوت بلند آواز سے پڑھنی چاہیے یا آہستہ سے؟ اور بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے قرآن خوانی بلند آواز سے ہوتی ہے۔ کیا حکم ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح درست ہے بشرطیکہ کوئی عارض نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۷/۶۱ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ

(و کذا فی التاتارخانیۃ، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغير: ۵۴۵/۲،
إدارة القرآن، کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للسیوطی، باب فی قراءة القرآن للمیت أو علی القبر، ص: ۳۰۲، دار المعرفۃ)

(۱) و کذا لک القراء الذین یقرأون القرآن بالترجیح والزیادة والنقصان فی کتاب اللہ عزوجل
ورفع الاصواب

(۲) ”یجب علی القاری احترامہ بأن لا یقرأہ فی الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأہ فیہا کان
هو المضيع لحرمتہ، فیکون الإثم علیہ دون أهل الاشتغال دفعاً للخرج“۔ (رد المحتار، کتاب الصلوۃ،
فصل فی القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض کفایۃ: ۵۴۶/۱، سعید) =

قبر یا بیمار کے پاس تلاوت

سوال [۴۳۵۹]: ایک شخص بیمار کے پاس یا قبر کے پاس قرآن شریف پڑھتا ہے، پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لیتا، جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پیسے لیتا ہے تو کس کس موقعہ اور کون کون سی صورت میں جائز ہے اور کون سی صورت میں ناجائز؟ کھلم کھلا ایسا جواب لکھیں کہ ہر شخص سمجھ لے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا پیسے بیمار کے پاس یا قبر کے پاس بنیتِ ثواب تلاوت کرنا شرعاً درست ہے (۱) اور اجرت لے کر

= ”رجل یکتب الفقه و بجنبه رجل یقرأ القرآن ولا یمکن للکاتب الاستماع، فالإثم علی القاری لقراءته جهراً فی موضع اشتغال الناس بأعمالهم ولا شیء علی الکاتب“۔ (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، تتمات فیما یمکره من القرآن فی الصلاة وما لا یمکره الخ، ص: ۲۹۷، سهیل اکیڈمی، لاہور)

(۱) ”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”من دخل المقابر فقرأ سورة یس، خفف اللہ عنهم، وكان له بعدد من فیها حسنات“۔ (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للسيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، باب فی قراءة القرآن للمیت أو علی القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفۃ، بیروت)

”إن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ توفیت أمہ وهو غائب عنها فقال: یا رسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- أمی توفیت وأنا غائب عنها، أینفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: ”نعم“۔ قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها“۔ (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أَرْضَی وبستانی صدقة لله عن أمی فهو جائز“۔: ۳۸۶/۱، قدیمی)

”صرح علماء نافی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غیرها الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجميع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم ولا ینقص من أجره شیء“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۳۳، سعید)

”والأصل فیہ أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غیر ذلك عند أصحابنا بالکتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

=

تلاوت کرنا حرام ہے، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں اور ثواب حاصل نہیں ہوتا (۱)، خواہ پہلے سے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بلکہ رواج کی بناء پر ذہن میں ہو کہ فلاں جگہ سے اجرت ملے گی، بعض جگہ یہ طریقہ رائج ہے اور لوگوں نے قرآن شریف کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم تو خدا کے واسطے پڑھتے ہیں، حالانکہ اگر ان کو علم ہو جائے کہ ہم کو کچھ نہ ملے گا تو وہ ہرگز نہ پڑھیں، اسی لئے اگر کسی جگہ سے کم ملے تو شکایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بخیل ہے، غریب کے یہاں جانے میں حیلہ بہانہ کرتے ہیں اور مالدار کے یہاں دوڑ کر جاتے ہیں۔

اگر کسی جگہ رواج نہ ہو اور پڑھنے والا اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ نہ ملے گا اور نہ ملنے پر اس کا قلب مکر نہیں ہوتا، محض خدا کے واسطے پڑھتا ہے اور پھر اس کو دیدیا جائے تو اس میں گنجائش ہے، لیکن آج کل ایسا آدمی ملنا معتذر ہے، خاص کر ان اطراف میں جن میں اس کا رواج ہے، والشاذ کالمعدوم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/۱۲/۵۹ھ۔

قبرستان میں تلاوت دیکھ کر

سوال [۲۳۶۰]: قبرستان یا صرف ایک قبر پر دیکھ کر تلاوت کلام پاک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

= (و کذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) ”وقال عبدالرحمن بن شبل رضى الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”اقرأ القرآن ولا تغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به“۔ (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

”إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة، لا يجوز؛ لأن فیہ الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النية الصحيحة، فأین یصل الثواب إلى المستأجر؟“ (رد المحتار، کتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے (۱)، لیکن اگر قبرستان میں کوئی جگہ مخصوص نماز پڑھنے، تلاوت کرنے کے لئے ہو تو وہاں بیٹھ کر دیکھ کر تلاوت کریں، تاکہ قرآن پاک کا ادب پورا ملحوظ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

قبرستان میں قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا

سوال [۴۳۶۱]: قبرستان میں قرآن شریف لیجا کر خود پڑھنا خواہ دوسرے سے اجرت پر پڑھوانا

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف خود پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا دوسرے سے پڑھوا کر ثواب پہونچانا درست اور میت کے لئے نافع ہے (۲)، لیکن اجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں گناہ ہے، اجرت کا لینا بھی ناجائز ہے، اس سے ثواب نہیں پہونچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے رد المحتار، جلد خامس،

(۱) "قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالى لا تکره، ومشايخنا رحمهم الله تعالى أخذوا بقوله". (الفتاویٰ العالمکریة، کتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس: ۱/۱۶۶، رشیدیہ)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، فی قراءة القرآن للمیت أو علی القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بیروت)

"والأصل فيه ان الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاوی العالمکریة، کتاب الحج، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشیدیہ)

کتاب الاجارہ میں عینی وغیرہ سے بصراحت نقل کیا ہے (۱)۔ قبر پر قرآن شریف پڑھنے میں اختلاف ہے، ملا علی القاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

”ثم قراءة القرآن وإهداء ما له تطوعاً بغير أجره يصل، وأما لو أوصى بأن يعطى شيئاً من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة، كذا في الاختيار. وهذا مبني على عدم جواز الاستيجار على الطاعات ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالك وأحمد في رواية؛ لأنه محدث لم ترد به السنة. وقال محمد بن حسن وأحمد في رواية: لا يكره لما روى عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها“ (۲)۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

طحاوی نے امام محمد کے قول کو مختار لکھا ہے: ”وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تكره (لأن أهلها جيفة) ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالى عليه وسلم. وقال محمد تستحب لورود الآثار، وهو المذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان، اهـ“. طحطاوی: ۳۶۳ (۳)۔

(۱) ”إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری ويمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان“۔ (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعید)

”قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”اقرأوا القرآن، ولا تغفلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به“۔ (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۵۱۰۳: ۴/۴۳۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (شرح الفقہ اکبر للملا علی القاری، الدعاء للمیت ینفع خلافاً للمعتزلة، ص: ۱۳۱، قدیمی)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، قدیمی)

”ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاعتاظ“۔ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی وضع الجريد ونحو الآس علی القبور: ۲/۲۳۶، سعید)

قرآن شریف کو قبرستان میں لے جا کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کا التزام منع ہے جیسا کہ بعض دیار میں رواج ہے، ثواب گھر سے بھی پہنچ جاتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

ایضاً

سوال [۴۳۶۲]: مزارات پر جانا اور وہاں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ کر صاحب قبر کو بخشنا اور اس ارادے سے قبر پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، کذا فی الدر المختار (۲)، مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک وہاں نہ لیجائے، بلکہ حفظ پڑھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

(۱) ”من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشہد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیہ)

”الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع“۔ (السعاية شرح شرح الوقاية، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

”وأما السبب الذي لأجله لم يظهر ذلك في السلف، فهو أنهم لم يكن لهم أوقاف على من يقرأ ويهدي إلى الموتى، ولا كانوا يعرفون ذلك ألبتة، ولا كانوا يقصدون القبر للقراءة عنده كما يفعل الناس اليوم“۔ (کتاب الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعی من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۵، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

(۲) ”لا يكره الدفن ليلاً ولا إجلال القارئ عند القبر“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: ولا إجلال القارئ =

قبر پر فاتحہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہو؟

سوال [۴۳۶۳]: قبر پر فاتحہ پڑھنا کھڑے ہو کر چاہئے یا بیٹھ کر یا دونوں طرح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے: ”قال فی الفتح: والسنة زیارتها قائماً والدعاء عنده قائماً“۔
شامی (۱)، اگر کسی کو زیادہ دیر تک ٹھہرنا ہو، یا کھڑے ہونے میں تکان ہو تو بیٹھنا بھی درست ہے۔ اگر زندگی میں

= عند القبر) ولا یکره الجلوس للقراءة علی القبر فی المختار لتأدية القراءة علی الوجه المطلوب
بالسکينة والتدبر والاتعاظ“۔ (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی
القبور: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، سعید)

”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”من دخل المقابر
فقرأ سورة یس، خفف اللہ عنهم، وكان له بعدد من فیها حسنات“۔ (شرح الصدور للسیوطی رحمہ اللہ
تعالیٰ، فی قراءة القرآن للمیت الخ، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بیروت)

”وأخذ من ذلك جواز القراءة علی القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تکره؛ لأن أهلها
جيفة، ولم یصح فیها شیء عنده عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ: تستحب
لورود الآثار، وهو المذهب المختار، كما صرحوا به فی کتاب الاستحسان“۔ (حاشیة الطحطاوی علی
مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، قدیمی)
(وکذا فی شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری، الدعاء للمیت، ص: ۱۳۱، قدیمی)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

”عن محمد بن قیس أنه قال يوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمی؟ قال: فظننا أنه یرید أمه
التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم؟ قلنا: بلی، قال: قالت: لما كانت لیلتي التي كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیها عندی
انقلب حتی جاء البقیع، فقام فأطال القيام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات“۔ الحديث. ”قوله: جاء
البقیع فأطال القيام) وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس فی القبور“۔ (الصحيح لمسلم، کتاب
الجنائز، فصل فی الذهاب إلى زیارة القبور: ۳۱۳/۱، قدیمی) =

بے تکلفی کے تعلقات تھے تو دونوں طرح ٹھیک ہے: ”ینبغی أن یدنو من القبر قائماً وقاعداً بحسب ما کان یصنع لزواره فی حیاته“۔ طحاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

قبر کے سامنے قرآن شریف پڑھنا

سوال [۴۳۶۲]:۱۔ مقبرہ میں کسی خاص قبر کو سامنے لے کر قرآن شریف ناظرہ پڑھنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتاب و صفحہ تحریر فرمائیے۔

قبر کے سامنے مناجات

سوال [۴۳۶۵]:۲۔ دفن کے بعد اسی وقت قبر پر پڑھتے ہیں اور قبر سامنے رکھ کر مناجات کرتے ہیں۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔..... فی نفسہ تلاوت قرآن شریف کسی قبر کے پاس انس میت یا ایصالِ ثواب کے لئے رائج قول کے موافق ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے: ”ثم القراءة عند القبور مکروه عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله تعالى فی رواية؛ لأنه محدث لم ترد به السنة. وقال محمد بن الحسن وأحمد رحمهما الله تعالى فی رواية: لا يكره لما روى عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، اه“۔ شرح فقہ اکبر، ص: ۱۶۰ (۲)۔
”قراءة القرآن فی المقابر إذا أخفى ولم يجهر لا تکره، ولا بأس بها، إنما يكره قراءة القرآن فی المقبرة جهراً، أما المخافة فلا بأس بها وإن ختم. وكان الصدر أبو إسحق الحافظ

= ”والدعاء عندها قائماً“۔ (فتح القدير، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فی الدفن، قبیل باب الشهيد: ۱۴۲/۲، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریة: کتاب الکراهیة، الباب السادس عشر فی زیارة القبور: ۳۵۰/۵، رشیدیہ)
(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)
”ثم یدعوا قائماً طویلاً، وإن جلس یجلس بعیداً أو قریباً بحسب مرتبته فی حال حیاته“۔
(رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲۴۲/۲، سعید)

(۲) (شرح الفقہ الأكبر للملا علی القاری، ص: ۱۳۱، الدعاء للمیت ینفع خلافاً للمعتزلة، قدیمی)

یحکی عن أستاذه أبي بكر محمد بن إبراهيم: لا بأس أن يقرأ على المقابر سورة الملك، سواء أخفى أو جهر، وأما غيرها فإنه لا يقرأ في المقابر، ولم يفرق بين الجهر والخفية. وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوى بذلك أن يؤنسه صوت القرآن، فإنه يقرأ، وإن لم يقصد ذلك فالله تعالى يسمع قراءة القرآن حيث كانت، كذا في فتاوى قاضي خان. ولومات رجل وأجلس وارثه على قبره من يقرأ، الأصح أنه لا يكره، وهو قول محمد، كذا في المضمرة. فتاوى عالمگیری، مصری: ۵/۳۶۰ (۱)۔

نفسِ قرأت میں اختلاف، جہراً اور خفیۃً میں اختلاف ہے، تعیینِ قرأت میں اختلاف، غرض! قرأت میں اختلاف ہے، ناظرہ اور حفظ کی کوئی تفصیل نہیں۔ بعض جگہ اس کا ایسا رواج اور اہتمام ہے کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ ناجائز ہے اور تارک پر ملامت کی جاتی ہے، یہ سخت ممنوع ہے: ”فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصّص من غیر خصوص مکروہاً، کما صرح به علی القاری فی شرح مشکوٰۃ، اھ“۔ سباحۃ الفکر، ص: ۴۰ (۲)۔

احتیاط یہ ہے کہ وہاں اس طرح تلاوت نہ کی جائے، بلکہ اپنے مکان یا مسجد میں تلاوت کر کے ثواب پہنچا دیا جائے: ”الأمر إذا دار بین الکراهیة والإباحة، ینبغی الإفتاء بالمنع؛ لأن دفع مضرة أولى من جلب منفعة، فکیف لا یكون أولى من فعل أمر باح، وقد مرّ أن الإصرار علی المندوب یرتفع إلی حد الکراهیة، اھ“۔ سعایہ، ص: ۶۵ (۳)۔ البتہ زیارتِ قبور میں اکیلے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲..... میت کیلئے دعاء کرنا درست ہے (۴)، دعاء ایسی طرح نہ کی جائے جس سے دیکھنے والے کو شبہ

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراهیة، الباب السادس عشر فی زیادة القبور وقراءة القرآن عند المقابر: ۵/۳۵۰، رشیدیہ)

(۲) (سباحۃ الفکر فی الجهر بالذکر من مجموعة رسائل اللکنوی: ۳/۳۴، إدارة القرآن، کراچی)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوة، باب التشهد فی الصلوة، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیہ)

(۳) (السعایة شرح شرح الوقایة، باب شروط الصلوة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی، لاہور)

(۴) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کان لیلتهامن =

ہو کہ قبر سے کچھ مانگ رہے ہیں پڑھنے کا حکم نمبر: اپرا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/۵۹ھ۔

قبر پر مراقبہ

سوال [۴۳۶۶]: قبرستان میں کسی مخصوص قبر پر مراقبہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرکئی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتابوں میں کسی بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنا موجود ہے، اس کا طریقہ تفصیل سے موجود ہے، بوادر النواذر، ص: ۸۸ میں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ما توعدون غداً مؤجلون، وإنا إنشاء الله بكم لاحقون، اللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد". (قوله: وإنا إنشاء الله بكم الخ) وفي هذا الحديث دليل استحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والبدعاء لهم والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۳/۱، قديمي)

"ومن آدابها أن يسلم بلفظ "السلام عليكم"، ثم يدع قائماً، وإن جلس يجلس بعيداً أوقريباً بحسب مرتبته في حال حياته الخ". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

"ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب صلاة الشهيد: ۲/۳۴۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيدية)

(۱) "اول کچھ پڑھ کر بخشے، پھر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی ہے اور اس سے =

قبر سے استفادہ کی صورت

سوال [۲۳۶۷]: اہل اللہ کی قبر سے استفادہ حاصل کرنے کا بطور صوفیہ کیا طریقہ ہے، اور ان کے مزار پر حسن اتفاق سے اگر جانا کبھی ہو گیا تو کیا کرنا چاہیے تاکہ ان کے فیضانِ روحانی سے طالبِ مستفیض ہو؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اول کچھ پڑھ کر بخشے، آنکھیں بند کر کے، تصور کر کے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہو گئی اور اس سے احوالِ خاصہ منتقل ہو کر پہنچ رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۳۹۲ھ۔



= احوالِ خاصہ منتقل ہو کر پہنچ رہے ہیں۔ (بوادر النوادر، غریبہ: ۵۷، در استفاضہ از اموات، ص: ۸۵، ادارہ اسلامیات، لاہور)

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعین وغیرهما

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

سوئم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں؟

سوال [۲۳۶۸]: آج کل کے طریقہ کے مطابق کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، حضرت امام حسن حسین، حضرات تابعین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کسی کا سوئم، دسواں، بیسواں، چہلم کیا ہے؟ ان مقدس صاحبان کے چہلم بھی کئے گئے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اسلاف کرام و اکابر عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ بدعات قبیحہ ثابت نہیں، وہ حضرات حد درجہ متبع سنت تھے، بدعات کے پاس نہیں جاتے تھے، ان کا بہت قابل قدر سرمایہ حیات ہے، اخلاف کو ان کا اتباع لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سوئم، چہلم وغیرہ

سوال [۲۳۶۹]: میت کے وارث میت کے نام پر چوتھے روز و دسواں و بیسواں و پندرہواں اور مولوی صاحبان و طلبہ کو کھانا کھانا ان ایام مقررہ میں ایصال ثواب کے لئے شرع سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا کوئی دن شریعت کی جانب سے مقرر ہے تاکہ ایصال ثواب کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصال ثواب بہت اچھی چیز ہے، خواہ نماز، قرآن شریف، تسبیح وغیرہ پڑھ کر ہو یا غرباء کو کھانا کپڑا وغیرہ کچھ دیکر ہو (۱)، لیکن تیجہ دسواں، بیسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بلکہ ایصال ثواب جس قدر جلد ممکن ہو بہتر اور نافع ہے اور یہ دسواں وغیرہ جو کچھ ہے محض رسم اور بدعت ہے (۲) جو کہ واجب الترتیب ہے، اگر ورثاء نابالغ ہوں تو میت کے ترکہ میں سے بغیر وصیت بلا تقسیم دینا درست نہیں، تقسیم کے بعد بالغ ورثہ اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصہ میں سے دینا ناجائز ہے اور اگر میت نے وصیت کی ہو تو ایک تہائی میں وہ نافذ ہو سکتی ہے، زیادہ میں نافذ کرنے کے لئے جمیع ورثہ کی اجازت ضروری ہے اور نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس کے حصہ میں سے بعد اجازت بھی نافذ کرنا درست نہیں، ایک تہائی میں نافذ کرنے کے لئے بلوغ یا اجازت کی قید نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۱۴۰۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۱۴۰۸ھ۔

(۱) ”فلإنسان أن يجعل ثواب عمله لغير عند أهل السنة والجماعة، صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قراءة للقرآن أو الأذکار أو غیر ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى المیت، وينفعه، قال الزیلعی فی باب الحج عن الغير“۔ (مراقی الفلاح کتاب الصلوٰۃ، باب احکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی)

(والبحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشیدیہ)

(والهدایة، باب الحج من الغير، ۱/ ۲۹۶، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

(۲) ”ویکر اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ أيام وأکلها؛ لأنها مشروعۃ للسرور..... ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، والأعیاد“۔ (البزازیۃ علی هامش الہندیۃ، قبیل الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد: ۳/ ۸۱، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائز، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أهل المیت: ۲/ ۲۴۰، سعید)

(۳) ”وتجوز (أی الوصیۃ) بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث لا الزیادۃ علیہ..... ولا لو ارثہ..... إلا بإجازۃ ورثتہ..... وهم کبار عقلاء فلم تجز إجازۃ صغیر ومجنون“۔ =

ایضاً

سوال [۴۳۷۰]: آج کل کے رائج طریقے سے سوئم، دسواں بیسواں، چہلم کرنا فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کیا ہے؟ ان کو نہ کرنے والے کو کیا کیا شرعی سزائیں اور آخرت کے عذاب کی وعیدیں آئی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چیزیں ادلہ شرعیہ سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے ان کے بدعتِ ممنوعہ ہونے کی تصریح کی ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ (۱)، رد المحتار وغیرہ میں مذکور ہے، اسلئے ان چیزوں کو ترک کیا جائے، فی نفسہ ایصالِ ثواب ہر نیک کام کا ہر وقت درست اور مفید ہے، اپنی طرف سے تخصیصات و تقییدات نہ کی جائیں:

”ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جریر بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة اه وفي البزازية ویکره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام والإخلاص هذه الأفعال کلها للسمعة والریاء، فیحترز عنها؛ لأنهم لا یدون بها وجه الله تعالى، الخ“.

شامی: ۱/۶۰۳ (۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گیارہویں وغیرہ

سوال [۴۳۷۱]: زید گیارہویں کرتا ہے اور اس میں امیروں کو یعنی صاحبِ زکوٰۃ کو اور اپنے رشتہ داروں کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا اور اس کا ثواب حضرت پیران پیر عبد القادر صاحب رحمہ اللہ

= (الدر المختار مع تنویر الأبصار، کتاب الوصایا: ۶/۲۵۰-۲۵۵، سعید)

(۱) (البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلوة، قیل الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد: ۸۱/۴، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت، ۲/۲۴۰، سعید)

تعالیٰ کی روح کو پہنچے گا۔ عمر کہتا ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ کو ایسا مال کھانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور گناہ ہے، کیونکہ گیارہویں ہی کرنا حرام ہے، قرآن مجید میں صاف ہے کہ وہ چیز جو پکاری جائے غیر کے لئے حرام ہے۔

بمکر کہتا ہے کہ گیارہویں کا کھانا صاحبِ زکوٰۃ کو یعنی امیروں کو بلا کراہت جائز ہے، البتہ امراء کے کھانے سے اہل میت کو اور اس شخص کو جس کو ایصالِ ثواب کرنا ہے نہ پہونچے گا، باقی گیارہویں یا دیگر خیرات و نیاز امیر غریب سب کھا سکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں، اور دلیل میں پیش کرتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنواں کھودنے کو فرمایا (۱) تو کنویں میں سب غریب امیر پانی پیتے تھے اور اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ کو ملتا ہے۔ عمر کہتا ہے کہ یہ حدیث اول تو کمزور ہے اس کی اسناد قوی نہیں ہے (۲)۔ پھر وہ وقف تھا، وقف اور خیرات میں بڑا فرق ہے، خیرات و نیاز محض غریبوں کا حق ہے۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ گیارہویں کرنا اور اس کے لئے پیسہ جدا نکال کر رکھنا کیسا ہے؟ اور امیروں کو کھانا حرام ہے یا ثواب ہے اور ہر وہ شخص جو غریب ہے اور مزدوری کرتا ہے اسی نذر معین کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ براہِ کرم، بحوالہ کتب مفصل جواب ارقام فرمائیں۔

بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس ایصالِ ثواب بغیر التزامِ تاریخ و ہیئت غیر ثابتہ کے شرعاً درست اور فائدہ مند ہے (۳)، لیکن گیارہویں مروجہ بدعت اور ناجائز ہے (۴)۔ کسی بزرگ کے لئے نذر ماننا حرام اور شرک ہے (۵)، وہ کھانا جائز

(۱) "عن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یا رسول اللہ! إن أم سعد ماتت، فأی الصدقة أفضل؟"

قال: "الماء". فحفر بئراً وقال: هذه لأم سعد". رواه أبو داود والنسائی. (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب

الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹، قدیمی)

(۲) أبو داود والنسائی دونوں نے اس کو نقل کیا ہے، لہذا سند اس کی کمزور نہیں، بلکہ صحیح ہے۔

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۴) (تقدم تخريجه من الفتاوى البزازية تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۵) (راجع، ص: ۲۷۳، رقم الحاشية: ۴)

نہیں، البتہ خداوند تعالیٰ کے لئے نذر ماننا اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا درست ہے (۱)، اور یہ کھانا فقراء اور محتاجوں کا حق ہے، کسی مالدار کو کھانا جائز نہیں (۲)۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں سے استدلال صحیح نہیں وہ بطور نذر نہیں تھا بلکہ وہ عام مومنین امیر و غریب سب کے لئے وقف تھا (۳)۔

”أعلم أن النذر الذي يقع للاموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام. قال في البحر: بوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت، والميت لا يملك. ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى كفر. اللهم! إلا أن يقول: يا الله! نذرت لك إن شفيت مريضى أوردت غائبتى أوزيتاً لو قودها أو دراهم لمن يقوم شعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، والنذر لله عز وجل۔

وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الاعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غنى محتاج إليه ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذی نسب لأجل نسبه مالم يكن فقيراً، ولا لذی علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً. ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء لإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة؛ لأنه حرام بل سحت“. طحطاوی، ص: ۳۷۸، ۳۷۹ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ جمادی الثانیہ/ ۶۲ھ۔

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”سوم چہلم وغیرہ“)

(۲) ”الوصية المطلقة لا تحل للغنى؛ لأنها صدقة، وهي على الغنى حرام“. (الدر المختار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۲۹۸، سعيد)

(۳) ”في النهر عن المحيط: لو وقف على الأغنياء وحدهم، لم يجز؛ لأنه ليس بقربة، أما لو جعل آخره للفقراء، فإنه يكون قربة في الجملة“. (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳/۳۳۸، سعيد)

(۴) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، قبيل باب =

تیجہ دسواں کا کھانا

سوال [۴۳۷۲]: تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نا جائز ہے (۱)، البتہ جو شخص فقیر محتاج ہو اس کو کھانے کو نہ ملتا ہو اس کے لئے جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔
صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/جمادی الثانیہ/۵۶ھ۔

تیجہ مسجد پر یا مکان پر؟

سوال [۴۳۷۳]: تیجہ جس میں چنے پر کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی اور پھولوں کا عرق گلاب میں ڈبونا اندرون مسجد، یہ فعل کیسا ہے؟ کیونکہ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب آداب الصالحین میں لکھا ہے کہ سیپارہ قرآن کو مسجد میں پڑھنا اور قرآن خوانی مسجد میں مکروہ ہے۔ یا چنے و پھول ڈبونا اور غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے؟ اور اگر مکانوں میں صرف قرآن خوانی کرائے، بلا پابندی رسم و رواج، تو کیسا ہے؟

= الاعتکاف: ۱/۱-۴۷۲، دارالمعرفة، بیروت

(وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)
(۱) ”ویکره اتخاذ الضیافة ثلاثة أيام وأکلها؛ لأنها مشروعة للسرور ویکره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد“۔ (الفتاویٰ البزازیة، کتاب الصلوة، قبیل الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد: ۸۱/۴، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم، فإن الله غفور رحيم﴾ (المائدة: ۳)
قال العلامة الآلوسی: ”﴿فمن اضطر﴾ والاضطرار الوقوع فی الضرورة: أي فمن وقع فی ضرورة تناول شیء من هذه المحرمات، ﴿فی مخمصة﴾: أي مجاعة تخمص لها البطون ﴿فإن الله غفور رحيم﴾ لا يؤاخذ به بأكله“۔ (روح المعانی: ۶۲/۶، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف پڑھنا اور ایصالِ ثواب کرنا بلا التزامِ تاریخ و ہیئت وغیرہ کے مسجد میں اور مکان میں درست اور ثواب (۱) تیجہ مروجہ وغیرہ بدعت ہے (۲)۔ غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا تاکہ لوگ تعزیت کریں، مکروہ ہے، ردالمحتار: ۱/۹۴۱ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

دفنِ میت سے پہلے کھانا

سوال [۴۳۷۴]: اگر کسی گاؤں میں میت ہو جائے تو جب تک اس کو دفنانہ دیں تو ان گاؤں والوں پر کھانا پانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۶ھ۔

میت کے گھر کھانا

سوال [۴۳۷۵]: ہمارے علاقہ میں کوئی ضعیف العمر مرد یا عورت مر جائے تو اسی روز یعنی وفات کے دن مرنے والے کے وارث کا کھانا یعنی چاول پکا کر گھی اور شکر کے ساتھ جتنے لوگ بھی نمازِ جنازہ میں امیر

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”سوم چہلم وغیرہ“)

(۲) (المرجع السابق: ”سوم چہلم وغیرہ“)

(۳) ”وبالجلوس لها (أی للتعزية) فی غیر مسجد ثلاثة أيام“۔ (الدر المختار)۔ ”أما فیہ فیکره قلت:

وهل تنتفی الکراهة بالجلوس فی المسجد وقراءة القرآن حتی إذا فرغوا، قام ولی المیت وعزاة الناس

كما یفعل فی زماننا؟ الظاهر لا، لكون الجلوس مقصوداً للتعزية لا للقراءة“۔ (ردالمحتار، کتاب

الصلوة، باب صلوة الجنائز، قبیل مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۱، سعید)

وغریب شریک ہوں سب کو کھلاتے ہیں، بعض لوگوں کو تو سب کچھ مہیا ہوتا ہے اور بعض کو کافی قرض اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر مرنے والے کے وارث غریب ہوں اور اس رسم کو ادا نہ کریں تو خوب لعن طعن کیا جاتا ہے، اس لئے امیر وغریب کو یہ رسم مجبوراً کرنی پڑتی ہے۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمادیں کہ فقہائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے مکان میں کوئی میت ہو جائے وہ لوگ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں، کھانا پکانے کی ان کو مہلت نہیں ملتی، اس لئے ان کے واسطے دوسرے لوگ کھانا پکا کر بھیج دیں، اہل میت میں سے جو شخص نہ کھائے اس پر لعنت کرنا حرام ہے، ورثہ میں اگر نابالغ ہوں تو ان کا مال کھانا بھی حرام:

”قال فی الفتح: ویستحب لجیران أهل المیت والأقرباء الأبعد تهيئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله صلی الله علیه وسلم: ”اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم ما یشغلهم“.

حسنہ الترمذی. ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة. وروی الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحیح عن جریر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: ”کنا نعد الاجتماع إلى أهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة، اه“.

وفی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر فی المواسم..... وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء، فیحترز عنها؛ لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالیٰ..... ولا سیما إذا کان فی الورثة صغار..... وما کان كذلك فلا شک فی حرمة، اه“.

الدر المختار: ۶۰۳/۱، نعمانیہ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۹ھ۔

(۱) (رد المحتار، باب صلوٰۃ الجنائزۃ، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أهل المیت: ۲/۲۴۰، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الہندیة، کتاب الصلوٰۃ، قبیل الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد: ۸۱/۴، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدیر، باب صلوٰۃ الجنائزۃ، قبیل باب الشہید: ۱۴۲/۲، مصطفى الحلبي مصر)

میت کے گھر کھانا

سوال [۲۳۷۶]: تعزیت کرنے والا اہل میت کے یہاں کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ علماء نے مدلل لکھ دیا ہے کہ اہل میت کے یہاں کھانا نہ کھائے، تین روز تک کے لئے اہل میت کے یہاں کچھ نہ کھانے کے متعلق اور دسویں چالیسویں کے بارے میں تو تحقیق ہے، مگر عرض یہ ہے کہ بغیر کسی مقررہ و معینہ وقت کے تعزیت کے لئے اہل میت کے یہاں چلے جائیں تو اہل میت تعزیت کنندگان کے لئے جو کھانا تیار کریں اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”طعام اہل میت“ وہ ہیں، جو رواجاً اہل میت کے ذمہ تیجہ، دہم، چہلم وغیرہ کے طور پر لازم کر دیا جائے (۱)۔ اہل میت کو میت کی تجہیز و تکفین اور غم و حزن کی وجہ سے پکانے کی فراغت نہیں ہوتی، تو ایک دن، دو وقت کا کھانا قرابت دار لوگ ان کے پاس بھیج دیں، اگر اہل میت خود پکائیں تب بھی منع نہیں۔ جو شخص بطور مہمان تعزیت کے لئے آیا ہے، اہل میت اس کو اپنے ساتھ کھلائیں گے وہ منع نہیں، یہ خیال کہ تین روز تک اہل میت کے گھر کوئی چیز نہ کھائی جائے اغلاط العوام میں سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/جمادی الاول/۹۰ھ۔

انتقال میت پر کھانا دینا

سوال [۲۳۷۷]: اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو رسم ہے کہ اس کی خوراک کا کھانا مسجد میں پہنچاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرنے کے بعد اس کی خوراک کا سوال ختم ہو گیا، جو کچھ اس نے چھوڑا ہے، ترکہ ہے جو کہ ورثاء کا حق ہے، بالغ ورثاء حسب توفیق جو کچھ مشروع طریقہ پر ثواب پہنچائیں تو مفید اور نافع ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۰ھ۔

(۱) (تقدم تخریجہ فی مواضع عديدة)

(۲) ”الأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو =

طعام المیت

سوال [۴۳۷۸]: تعین دن یا بدلتعین کے رشتہ داروں و عام لوگوں کا کھانا مردہ کے لئے ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، اگر کسی کو کھانا نہ کھلایا جائے تو وہ بُرا مانتا ہے، مگر ایک عالم صاحب کے قول کے مطابق یہ کھانا فقط غرباء کے لئے ہے اگر وسعت ہے، امیر کو کھلانے سے ثواب نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ یوں ثواب کی نیت کے بجائے مردہ پر جو فرائض رہ گئے ہیں ان میں سے حتی الوسع کسی کی نیت کر کے فقط غرباء کو غلہ، یا پکا ہوا کھانا کھلایا جائے، یا پیسے دیئے جائیں، تاکہ مروجہ رخ بدل کر ایک صحیح نیک عمل ہو اور فرض کی ادائیگی ہو سکے، اس میں مردہ کا زیادہ فائدہ ہے۔ کیا دلائل اربعہ میں سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟ تو براہ کرم پیش فرمایا جائے۔ نیز عام لوگوں کے نام پر نیت کیا ہوا کھانا اپنے لئے ناجائز سمجھتے ہیں۔ کیا کسی درجہ میں کراہت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصال ثواب کے لئے اگر کچھ صدقہ دیا جائے تو وہ غرباء کو دیا جائے، رشتہ داروں کو تقریب کی صورت میں جمع کرنا اور کھلانا غلط طریقہ ہے، یہ صورت خیر القرون سے ثابت نہیں، عامۃً یہ ناموری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے ایسے کھانے کو حدیث شریف میں منع فرمایا گیا ہے:

”عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يوكل“. رواه أبو داؤد“. مشکوة شریف، ص: ۲۷۹ (۱)۔ ”إنما کره لمافیہ من المباحات، اھ“۔ مرقاة (۲)۔ ”یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه

= طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غیر ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

”ویصل ذلك إلى المیت وینفعه“۔ (مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، باب زیارة القبور،

ص: ۲۲۲، قدیمی)

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثانی، ص: ۲۷۹، قدیمی)

(سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب فی طعام المتبارین: ۵۲۷/۲، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

(۲) (المرقاۃ شرح المشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثانی: ۳۷۶/۲، رشیدیہ)

شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة. رواه الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وضعتهم الطعام من النياحة، اه..... وهذه الأفعال كلها السمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى، اه. شامي: ۱/۶۰۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حرره العبد محمود غفرله، دارالعلوم دیوبند۔

توشہ میت

سوال [۴۳۷۹]: ہر جمعرات کو فاتحہ خوانی کرنا کہ اس سے روحیں خوش ہوتی ہیں، اسی طرح میت کے ساتھ توشہ یعنی دفن کرنے سے پہلے گندم، نمک، صابن وغیرہ تقسیم کرنا عند الشرع ثابت ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

نفس ایصال ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتب حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً: ”جمعرات کی پابندی ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ اسی طرح کسی تاریخ کی پابندی مثلاً: ۱۱/ربیع الثانی، ۱۵/شعبان، ۱۰/محرم وغیرہ کی پابندی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی شی کی پابندی مثلاً: حلوہ، کھجڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی جگہ، کسی بیت وغیرہ کی پابندی بدعت ہے، میت کے ساتھ توشہ مسئلہ بھی ثابت نہیں بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعید)
(و کذا فی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلوة، قبیل الباب السادس والعشرين فی أحكام المسجد: ۸۱/۴، رشیدیہ)

(و فتح القدير، باب الجنائز، قبیل باب الشهيد: ۱۸۲/۲، مصطفى البابی الحلبي، مصر)
(۲) ”(ویکره الجلوس علی باب الدار) قال فی شرح السيد: ولا بأس بالجلوس لها إلى ثلاثة أيام من غير ارتكاب محذور من فرش البسط، والأطعمة من أهل الميت، اه. فإن حمل قول المصنف: ویکره الجلوس الخ، علی ما إذا كان بمحذور، ارتفعت المخالفة..... وكونه علی باب الدار مع فرش بسط علی قوارع الطريق من أقبح القبائح.“ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، قبیل فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۱۷، قدیمی)

باب المتفرقات

ہندوستان سے پاکستان جا کر مرنا

سوال [۴۳۸۰]: ہندوستان سے پاکستان جا کر مرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جاننا کس لئے ہے اور کیا مرنا اختیاری فعل ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ صفر/ ۱۴۲۸ھ۔

میت کے گھر سے سارا پانی گرا دینا، نماز جنازہ کی اجرت

سوال [۴۳۸۱]: جس گھر میں موت ہو جائے اس گھر کا تمام پانی پھینک دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے

کہ اس پانی میں فرشتے چھری دھوتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ جنازہ کی نماز پڑھانے کی اجرت

لینا کیسا ہے؟

(۱) موت غیر اختیاری چیز ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو یہ علم نہیں کہ میں کب مرونگا اور کد ہر مروں گا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ

اللہ عنده علم الساعة، وينزل الغيث، و يعلم ما فی الارحام، و ما تدری نفس ما ذا تکسب غداً، و ما

تدری نفس بأی ارض تموت﴾ الایة (سورة لقمان، پ: ۲۱، آية: ۳۴)

قال ابن کثیر تحت هذه الآیة: "أی لیس أحد من الناس یدری أین مضجعه من الأرض أفی

بحر أم برّ، أو سهل أو جبل". (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۵۵، سهیل اکیڈمی لاہور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعانی: ۲۱/ ۱۱۱، ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی بیروت)

"لأن أحدًا من الناس لا یدری بأی ارض یموت". (التاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی

والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/ ۱۷۲، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے بنیاد اور افواہ ہے، ملائکہ کو چھری سے کوئی واسطہ نہیں (۱)۔ نماز جنازہ کی اجرت جائز نہیں: ”ان المفتی بہ هولیس جواز الاستیجار علی کل طاعة“ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

حاملہ مر جائے تو وضع حمل کی کیا صورت ہے؟

سوال [۴۳۸۲]: اگر حاملہ عورت اپنے حمل کے وضع ہونے سے قبل مر گئی تو اس کا حمل اس کے پیٹ میں اسی طرح موجود ہے، اس عورت کا وضع حمل کس طرح سے ہوگا؟ قبر کے اندر وضع حمل ناممکن ہے تو جب قیامت کے دن مردے قبروں سے نکلیں گے تو وہ حمل پیٹ میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تحقیق نہیں، حدیث میں صاف صاف دیکھنا یا نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فہو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فہو مردود: ۱/۳۷۰، قدیمی)

”أنہا (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقى عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من علم أو عمل أو حال، بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعید)

”والأصل أن کل طاعة يختص بها المسلم، لایجوز الاستیجار علیہ عندنا“۔ (الہدایة، کتاب

الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مکتبہ شریکة علمیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۷، سعید)

(۳) حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ حاملہ عورت اگر مر جائے تو شہید ہے: ”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: =

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال [۲۳۸۳]: مُردہ کے اوپر جو کپڑا بطور پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور

چارپائی کے اوپر اور مُردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں، جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں بھی دے سکتے ہیں (۱)، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۸۹ھ۔

= "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، إمدادیه ملتان)

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ: "فی النہایة: أی تموت وفی بطنها ولدٌ وقال بعض الشراح أی تموت وولدہا فی بطنها". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض وثواب المرض، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۱۵۶۱): ۳۹/۴، رشیدیہ)

(و کذا فی بذل المجہود، کتاب الجنائز، باب فی فضل من مات بالطاعون: ۱۸۲/۵، إمدادیه ملتان)
(۱) "و صرح علماء نافی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیر ذلك، الخ". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۲۳/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۱۰۵/۳، رشیدیہ)

(۲) "ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت ولا سيما إذا كان فی الورثة صغاراً أو غائب، الخ". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲۲۰/۲، ۲۲۱، سعید)

ماں کا بیٹے سے ناراض ہو کر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا

سوال [۲۳۸۴]: میری والدہ ماجدہ کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ناراض ہو گئی تھیں اس وقت میری والدہ نے یہ کہا کہ تو میرے جنازہ کو ہاتھ بھی نہ لگانا، اب کچھ دنوں سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہے مگر میرے یہاں کھانا وغیرہ نہیں کھاتیں ہیں اور کہتی ہیں کہ کھانا جب کھاؤنگی جب دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ آجائے گا کہ میرے یہ کہنے کا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا کیا کفارہ ہے، وہ ادا کر دوں تب کھانا وغیرہ کھاؤنگی، لہذا اس بارے میں فتویٰ صادر فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدہ نے غصہ میں یہ کہہ دیا تھا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا، پھر وہ غصہ ختم ہو گیا اور آپ کے مکان پر کھانا کھانے سے ان کو اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کا خطرہ ہے تو شرعاً یہ عذر معتبر نہیں ان کو آپ کے یہاں کھانا بلاشبہ درست اور جائز ہے، کوئی کفارہ ان پر یا آپ پر لازم نہیں..... جنازہ کو ہاتھ لگانا بھی منع نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۹ھ۔

حیلۂ اسقاط

سوال [۲۳۸۵]: میت کو جنازہ گاہ میں لوگ لیجاتے ہیں تو قبل از جنازہ ایک قرآن شریف لے کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑا کر طواف کراتے ہیں، بعدہ کچھ رقم ملا صاحب کو دی جاتی ہے، یہ افعال بنیت اسقاط معاصی کے لئے کئے جاتے ہیں اور یہ ایک حیلہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ مسئلہ اسقاط کسی حدیث نبویہ یا کسی صحابہ یا کسی ائمہ مجتہدین میں سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینو اب البرہان وتوجروا۔

بندہ خان محمد عفی عنہ، ۵/ذی قعدہ/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ اسقاط معاصی کا بے اصل ہے، بدعت اور ناجائز ہے (۱)۔ اگر ملا صاحب غریب اور مستحق ہیں

(۱) ”عن عائشة - رضی اللہ تعالیٰ عنہا - قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی =

توان کو خیرات کرنا اور میت کو ثواب پہنچانا درست ہے، اسی طرح دوسرے غرباء کو کھانا دینا، یا رقم نقد دینا، یا کپڑا، یا اور کوئی چیز ایصالِ ثواب کی نیت سے دینا مستحسن ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۲۳۸۶]: اس علاقہ میں رواج ہے کہ جب میت ہو جاتی ہے تو نماز جنازہ کے بعد میت کے پاس بیٹھ کر چند لوگ قرآن شریف لے لیتے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ حیلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میت کے گناہ کا ضامن ہو جاتا ہے، اس کو یہ لوگ حیلہ اسقاط کہتے ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ جب مقدمہ چل جاتا ہے تو عدالت میں کوئی سفارشی چاہئے جو سفارش کرے، لہذا قرآن ہمارا سفارشی ہے اس لئے حیلہ کرتے ہیں۔ بندہ ان چیزوں کا مخالف ہے کہ یہ قرآن کی توہین ہے، جب زندگی میں عمل نہ کیا تو اب کیا سفارش ہے؟

= أمرنا هذا ما ليس منه فهورد“۔ (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحو أعلی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قدیمی)

”وعرفها (أى البدعة) الشمنى بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قوياً وصرافاً مستقيماً“۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) ”والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً، أو طوافاً، أو حجاً، أو عمرة، أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة“۔ (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيدية)

”أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة“۔ (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبة شركة علميه ملتان)

(و كذا فى التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر فى الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۳۵،

إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت کہ میت کے گناہ بخشوانے کے لئے اس کی نماز جنازہ کے بعد قرآن کریم لیکر بیٹھ جائیں اور کوئی حیلہ کریں کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسا منقول ہے، نہ ان کے کسی تلمیذ مجتہد سے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے اس کو ترک کیا جائے (۱)۔ البتہ میت کے لئے ایصال ثواب خوب کیا جائے خواہ قرآن شریف پڑھ کر ہو یا نفل نماز پڑھ کر ہو یا صدقہ غریبوں کو دیکر ہو یا نفل روزے رکھ کر ہو، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے ہو۔ ایصال ثواب میں بھی اپنی طرف سے کوئی غیر ثابت چیز نہ کیا جائے، مثلاً کسی تاریخ یا دن کی پابندی، یا کسی بیعت کا التزام وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ

سوال [۴۳۸۷]: ایک شخص نے وصیت کی کہ میری کچھ نمازیں رہ گئیں تھیں جن کو میں قضا نہ کر سکا، اس لئے میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا۔ اب اگر اس کا صحیح فدیہ ادا کیا جائے تو اس کے گھر میں اتنا مال نہیں اور ورثاء میں بھی مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے ادا کر دیں تو کیا اگر فدیہ حیلہ کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی جتنا فدیہ پورا بنتا تھا اس قیمت کے عوض ایک قرآن شریف ایک مسکین پر فروخت کیا جائے، بعدہ اس سے کہا جائے کہ جو تم پر قرضہ ہو گیا تھا تم کو اس میت کے فدیہ میں بخش دیا ہے شاید کہ اللہ جل شانہ اس کی خلاصی فرمادیں۔ تو کیا خلاصی کی امید پر اس طرح کا حیلہ کرنا جائز ہے جس طرح طلاق اضافی کے متعلق فقہاء یہ لکھتے ہیں یا کہ نہیں؟

۲..... اگر ورثاء شرعاً کرنا چاہیں یعنی اس نے وصیت نہیں کی بلکہ ورثاء اپنی طرف سے کریں تو کیا ان کے لئے کوئی جواز کی صورت ہے یا کہ نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب - حامداً ومصلیاً:

بحالتِ افلاس اس نوع کے حیلہ کی اجازت ہے، مگر یہ قرآن شریف فروخت کرنے کی ضرورت نہیں

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

بلکہ ایک ثلث ترکہ میت مصرفِ زکوٰۃ کو دیا جائے اور حساب کر کے دیکھ لیا جائے کہ کس قدر نمازوں کا فدیہ اس کے ذریعہ سے ادا ہو گیا، پھر وہ فقیر اس ثلث ترکہ کو میت کے وصی کو ہبہ کر دے، اس کے بعد پھر وصی فقیر کو دیدے ثم و ثم، یہاں تک کہ کل نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے، یہ اس وقت ہے جب کہ کل فدیہ ایک ثلث ترکہ سے ادا نہ ہو سکتا ہو، نیز یہ حیلہ لازم و واجب نہیں۔ بعض اطراف و بلاد میں اس حیلہ کا التزام ہے خواہ میت کے ترکہ میں وسعت ہو یا نہ ہو یہ ناجائز ہے، اس لئے ایسے واقعے پر احتراز لازم ہے بلکہ جس قدر ثلث ترکہ سے ادا ہو سکتا ہو، ادا کر دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذی الحجہ/ ۱۴۰۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا

سوال [۴۳۸۸]: میرے دانت مصنوعی ہیں اس میں چند اصلی ہیں، اگر میں مر گیا اور وہ دانت میرے منہ میں رہ گئے تو اس کے بارے میں قرآن و حدیث و فقہ کی روشنی میں مستند حوالات کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے مصنوعی دانت آپ کے منہ میں بعد الموت آپ کے ساتھ قبر میں چلے گئے تو آپ سے

(۱) ”ولولم یترک مالاً، یتقرض وارثہ نصف صاع مثلاً، ویدفعہ لفقیر، ثم یدفعہ الفقیر للوارث، ثم و ثم حتی یتیم“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: ولولم یترک مالاً الخ): أى أصلاً أو کان ما أوصی به لایفی، زاد فی الامداد: أولم یوص بشیء، وأراد الولی التبرع الخ، وأشار بالتبرع إلی أن ذلک لیس بواجب علی الولی. ونص فی تبیین المحارم فقال: لایجب علی الولی فعل الدور وإن أوصی بها المیت؛ لأنها وصیة بالتبرع“۔ (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلاة عن المیت: ۸۲/۲، سعید)

”ولولم یترک مالاً یتقرض ورثتہ نصف صاع یدفعہ إلی مسکین، ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثتہ، ثم یتصدق، ثم و ثم، حتی یتیم لكل صلاة ما ذکرنا“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱۶۰/۲، رشیدیہ)

اس کی باز پرس نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۲ھ۔

انتقال شوہر پر چوڑیاں توڑنا

سوال [۲۳۸۹]: عورتیں اپنے خاوند کے جنازہ پر چوڑیاں توڑتی ہیں کیا حکم ہے؟

قدیر اللہ، ہیڈ کاشیابل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوڑیاں توڑ کر ضائع کرنا غلطی ہے، اتار کر رکھ لیں جب عدت ختم ہو جائے پھر پہن لیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

انتقال پر دودھ بخشنا

سوال [۲۳۹۰]: ادھر کہیں کہیں یہ رواج ہے کہ کمسن دودھ پیتے بچے کی وفات پر ماں مرحوم بچے کو دودھ بخشتی ہے، اس کے اصل کیا ہے اور شرعی حقیقت کس قدر ہے؟

(۱) ”عن زینب بنت أبی سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنها أخبرته قالت: ”دخلت علی أم حبیبة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر أن تحدد علی میت فوق ثلاث، إلا علی زوج أربعة أشهر و عشرًا“۔ الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب إحداد المرأة علی غیر زوجها: ۱/۱۷۱، قدیمی)

”(تحد) (مکلفة مسلمة و لو أمة منكوحة) إذا كانت معتدة بت أو موت) وإن أمرها المطلق أو المیت بترکہ؛ لأنه حق الشرع، إظهاراً للتأسف علی فوات النکاح (بترک الزینة) بحلی أو حریر أو امتشاط بضیق الأسنان، الخ“۔ (الدر المختار). ”(قوله: بحلی) المعتدة تجتنب عن کل زینة، الخ“۔ (رد المحتار، کتاب الطلاق، فصل: فی الحداد: ۳/۵۳۰، ۵۳۱، سعید)

”علی المبتوتة والمیتوفی عنہا زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد فی عدتها، والحداد: الاجتناب عن الطیب والدهن والكحل و لبس الحلی والتزین والامتشاط“۔ (الفتاویٰ

العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد: ۱/۵۳۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دودھ بخشنا شرعاً بے اصل ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔



(۱) ”عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت : قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فهو رد“۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود : ۳۷۰/۱، قدیمی)

”بأنہا (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقى عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب : البدعة خمسة اقسام : ۵۶۰/۱، سعید)

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

شہداء سے حقوق العباد ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۴۳۹۱]: شہداء سے حقوق العباد ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قانون تو یہ ہے کہ حقوق العباد بغیر ادا کئے یا بغیر صاحب حق کے معاف کئے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے (۱)، البتہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ خوش ہو کر اپنے خزانہ سے عطا فرما کر صاحب حق کو خوش کر دیں (۲) اور وہ

(۱) ”یغفر للشہید کل ذنب إلا الدین“ ففیہ تنبیہ علی جمیع حقوق الآدمیین وأن الجہاد والشہادۃ وغیرہما من أعمال البر لا تکفر حقوق الآدمیین، وإنما تکفر حقوق اللہ تعالیٰ“۔ (الکامل شرح النووی للمسلم، کتاب الأمانة، باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ إلا الدین: ۱۳۵/۲، قدیمی) (وتکملة فتح الملہم، کتاب الأمانة، باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ إلا الدین: ۴۱۱/۳، دار العلوم، کراچی)

”یغفر للشہید کل ذنب إلا الدین“ أراد حقوق الآدمیین من الأموال والدماء والأعراض، فإنہا لا تعفی بالشہادۃ، کذا ذکرہ بعض الشراح“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار: ۱۲۴/۶، رشیدیہ)

(۲) ”عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الدواوین ثلاثۃ: دیوان لا یغفرہ اللہ: الإشراک باللہ، یقول اللہ عزوجل ﴿إِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِهِ﴾ و دیوان لا یتَرَکَہُ اللہ: ظلم العباد فیما بینہم حتی یقتص بعضہم من بعض. و دیوان لا یعْبأ اللہ بہ ظلم العباد فیما بینہم و بین اللہ، فذاک إلی اللہ إن شاء عذبه، وإن شاء تجاوز عنه“۔

قال الملا علی القاری: ”وفی الثانیۃ لا یتَرَک، فیؤذن بأن حق الغیر لا یہمل قطعاً، إما بأن =

شخص جس کے ذمہ حق ہے عذاب سے بچ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم الحرام/۵۹ھ۔

شہداء کی انواع

سوال [۲۳۹۲]: پلگ، چپک یا اچانک حادثہ، آتش زدگی، غرق آبی، دیوار وغیرہ سے دب کر مرجانے والوں کو بھی حدیث شریف میں شہید کہا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ جو میدان کارزار میں کافروں، مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے جن کے متعلق ﴿أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ قرآن میں فرمایا گیا، جن کے گناہوں کو ان کے خون گرنے سے محو کر دیا، جن کی ارواح سبز پرندوں کے خول میں جنت میں سیر کرتی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی آؤ بھگت ہے..... کیا یہی سلوک، اعزاز و اکرام ان وبائی امراض میں مرنے والے شہداء کے ساتھ کیا جاتا ہے یا فرق ہے؟ آخرت کے درجہ و مقام و حکم میں دونوں شہداء میں جو فرق ہے پوری وضاحت کریں کہ دونوں میں امتیاز بے غبار ہو کر سامنے آجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جہاد میں قتل ہوا وہ حقیقی شہید ہے، اس کے شرائط اور تفصیلات کتب فقہ میں مشہور ہیں (۱) اور ان

= يقتص من خصمه أو يرضيه الله تعالى“ (مرقاۃ المفاتیح: ۸/۸۵۸، کتاب الأدب، باب الظلم الفصل الثالث، رشیدیہ)

”لا عفو ولا شفاعۃ فی حقوق العباد، إن شاء الله یرضی خصمه بما أراد“ (مرقاۃ المفاتیح:

۸/۸۵۰، کتاب الأدب، باب الظلم، الفصل الأول، رشیدیہ)

(۱) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”الشہداء خمسۃ:

المطعون والمبطون والغریق وصاحب الہدم والشہید فی سبیل اللہ“ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد،

باب: الشہادۃ سبع سوی القتل: ۱/۳۹۷، قدیمی)

”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”الشہادۃ سبع سوی القتل فی سبیل اللہ: المطعون

شہید، والغریق شہید، وصاحب ذات الجنب شہید، والمبطون شہید، وصاحب الحریق شہید والذی

یموت تحت الہدم شہید، والمرأۃ تموت بجمع شہید“ (سن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی فضل =

کے انعامات حدیث شریف میں ہیں (۱)۔ اور جو شخص غرق ہو کر، ہیضہ، یا طاعون میں مرے، یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت ہو کہ اس پر شہید ہونے کا حکم لگایا جائے وہ حکم دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں، لہذا اس کو غسل و کفن عام مومنین کی طرح دیا جائے گا، البتہ آخرت کے اعتبار سے اس کو شہید جیسا اجر ملے گا (۲) لیکن وہاں بھی فرق مراتب ظاہر ہے (۳)۔

= من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعید

”(وكل مكلف مسلم طاهر) (قتل ظلماً) (ولم يجب بنفس القتل مال) بغير آلة جارحة، ويصلى عليه بلا غسل، ويدفن بدمه وثيابه فالمرتث شهيد الآخرة، وكذا الغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء الخ“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۴۷/۲-۲۵۲، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۳۴۳/۲، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیہ)

(۱) ”حسناء بنت معاوية الصريمية قالت: حدّ ثنا عمى قال: قلت للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم: من فى الجنة قال: ”النبي فى الجنة، والشهيد فى الجنة، والمولود فى الجنة، الوليد فى الجنة“۔ (سنن أبى داؤد، كتاب الجهاد، باب فى فضل الشهادة: ۳۴۸/۱، إمدادیه)

”قال الذمطرى: قال: حدثنى عمى نمران بن عتبة الدمارى، قال: دخلت على أم الدرداء ونحن أيتام، فقالت: أبشروا، فإنى سمعت أبا الدرداء يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”يُشَفَّعُ الشهيد فى سبعين من أهل بيته“۔ (أبو داؤد، كتاب الجهاد، باب فى الشهيد يُشَفَّعُ: ۳۴۹/۱، إمدادیه)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۱، رقم الحاشية: ۱)

(۳) ”هذه كلها ميتات فيها شدة تفضل الله عليه أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم وزيادة فى أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء (أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سئل: أى الجهاد افضل؟ قال: ”من عقر جواده وأهريق دمه“) كل موة يموت بها المسلم فهو شهيد غير أن الشهادة تتفاضل ويتحصل ممّا ذكر فى هذه الأحاديث أن الشهداء قسمان: شهيد الدنيا، وشهيد الآخرة. وهو من يقتل فى حرب الكفار مقبلاً غير مدبر مخلصاً. وشهيد الآخرة: وهو من =

اس کو ایک مثال سے سمجھئے: ایک شخص وہ ہے جس نے عمرہ وحج کیا، ایک وہ ہے جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی پھر اسی جگہ بیٹھا ذکر میں مشغول رہا یہاں تک کہ اشراق کی نماز پڑھی تو اس کو بھی حاجی کی طرح حج اور عمرہ کا ثواب ملا، مگر دونوں بالکل ایک درجہ میں نہیں ہونگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے، وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟
سوال [۴۳۹۳]: بہت سی احادیث میں ہے کہ اس (مندرجہ ذیل) بیماری سے یا فعل کا کرنے والا شہید کا اجر پاتا ہے۔

۱- پانی میں ڈوب کر مرنے والا، یا حادثہ میں ہلاک ہونے والا، یا جل کر مرنے والا۔

۲- وضو کی حالت میں مرنے والا۔

ان گروہوں میں مرنے والا اگر فاسق ہے یعنی کہ نماز، روزہ اور گناہ کبیرہ کو کرنے والا تو وہ قبر کے عذاب سے رہا پائے گا، اور جنت کے شہیدوں کی جگہ پائے گا۔ آیا اگر وہ گروہوں میں مرنے والا صالح اور نیک ہے تو محض اسی کو یہ تین سعادتیں ملیں گی؟ یا فاسق کو بھی تین سعادتیں نصیب ہوں گی؟ اول گروہ میں مرنے والا یہ سعادتیں پائے گا، دوسرے گروہی والا اس سے محروم رہے گا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ جس بندہ پر اپنی رحمت نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے وہ کسی قانون کا پابند نہیں (۱)، وہ چاہے تو بڑے سے بڑے فاسق کے سارے گناہ معاف کر دے، بے تردد جنت میں بھیج دے اور چاہے تو بہت چھوٹے سے عمل پر بہت بڑا اجر دے دے اور چاہے تو چھوٹی سی بات پر بھی گرفت کرے، اس کے یہاں دو قسم کی

= ذکر، بمعنی أنهم يعطون من جنس آخر الشهداء ولا تجرى عليهم أحكامهم في الدنيا“۔ (فتح الباری، کتاب الجہاد، باب الشهادة سبع سوى التقتل: ۵۵/۶، قدیمی)

(۱) ”أمره وحكمه من العفو والعقاب مفوض إليه، فلا تجب عليه سبحانه عقاب عاص كما لا يجب عليه ثواب مطيع على المذهب الحق“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۸): ۱/۱۷۵، رشیدیہ)

کچھری ہے ایک عدل کی، ایک فضل کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

شہید کے درجے

سوال [۴۳۹۴]: شہید کے کتنے درجے ہیں؟ عالم ربانی فقیہ لاثانی حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ نے چہل حدیث، ص: ۳۵ میں ۱۷/۱ قسم کی شہادتیں صغریٰ لکھی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید ٹرک حادثہ میں شہید ہو گیا اس کو غسل دیا گیا ہے تو وہ جائز ہے یا نہیں، غسل دینے والے گناہگار ہوئے یا نہیں؟ اس کے حق میں شہادت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کس شہید کو کیا درجہ ملے گا، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ زید کو غسل دینے والے گناہگار نہیں، اس کو غسل دینے ہی کا حکم ہے کیونکہ وہ احکام آخرت (ثواب) کے اعتبار سے شہید ہے، احکام دنیا (غسل و کفن) کے اعتبار سے شہید نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد“.(سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعيد)

”هو من قتله أهل الحرب والبغى قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أو تردى من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم، أو غرق، لا يكون شهيداً: أى في حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء“.(البحر الرائق: ۳۴۳/۲، باب الشهيد، رشيدية)

(و كذا في رد المحتار: ۲/۲۵۲، باب الشهيد، سعيد)

جو ظماً قتل ہو وہ شہید ہے

سوال [۴۳۹۵]: ہندو مسلم بلوہ میں جو مسلمان مرتے ہیں، کسی حالت پر ایک صورت تو دونوں پارٹی کے مقابلہ میں لڑ کر مارا جانا کسی مسلمان کا۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی مسلمان آتا ہے اور کسی ہندو نے دھوکہ سے حملہ کر کے اسی مسلمان کو مار دیا تو دونوں صورتوں میں کس طرح کی موت مسلمان کی واقع ہوگی، کیا یہ شہید کی قسموں سے مرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلوہ کس بناء پر ہوا، کوئی شرعی وجہ تھی یا غیر شرعی اور اقوام مسلم نے کیا، یا ہندو نے۔ جس بے قصور مسلم کو ہندو نے ظماً قتل کر دیا ہے وہ شہید ہے (۱)۔

کافر کی لڑائی کی وجہ سے جو مسلمان قتل ہوں ان کا حکم

سوال [۴۳۹۶]: دونوں جانب سے کافر لڑ رہے ہیں، درمیان میں مسلمانوں کی آبادی ہے، دونوں جانب کی گولی سے وہاں کے لوگ مرجاتے ہیں، یا شبہ کی بنا پر قتل کر دیتے ہیں، ان لوگوں کو شہید کہیں گے یا نہیں؟ فقط۔

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قتل دون مظلمة فهو شہید“ (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحديث: ۲۷۷۵): ۵۰۱/۱، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

”هو (أی الشہید) كل مكلف مسلم طاهر (قتل ظلماً) بغير حق (بجارية) الخ“.

(الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الشہید: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعید)

”هو من قتله أهل الحرب أو البغی أو قطاع الطريق، أو وجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم

ظلماً ولم يجب بقتله دية“۔ (البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلوة الشہید: ۳۴۳/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی

الشہید: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلياً:

جو لوگ بلا قصور ایسی حالت میں مرے ہیں وہ بھی حکماً شہید ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۳/۶۴ھ۔

دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟

سوال [۴۳۹]: کیا دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے مسلمان کو شہید کہا جائے

گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان دونوں مسلم ممالک میں اہل علم حضرات ہونگے جو دونوں جگہ کے حالات سے واقف ہونگے کہ ان

میں کون ظالم ہے کون مظلوم؟ ان سے ہی اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے، امید ہے کہ وہ مظلوم کو شہید بتلائیں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قتل دون مظلومة فهو شهيد“.

(مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحديث: ۲۷۷۵، ۵۰۱/۱، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت)

”هو كل مكلف مسلم طاهر..... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارية)، الخ“۔ (كتاب الصلاة،

باب الشهيد: ۲/۲۷۷، ۲۷۸، سعید)

”هو من قتله أهل الحرب أو البغی أو قطاع الطريق، أو وجد فی المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم

ظلماً ولم يجب بقتله دية“۔ (البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۲۷۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی

الشہید: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیہ)

(۲) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من قتل دون مظلومة

فهو شهيد“۔ (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحديث: ۲۷۷۵، ۵۰۱/۱، دار احیاء

التراث العربی، بیروت) =

فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟

سوال [۴۳۹۸]: فرقہ وارانہ فساد میں جو مسلمان قتل ہوئے، آیا وہ شہید ہوئے یا نہیں، یا ان کی نیت پر دار و مدار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو کس نے قتل کیا، وہ ابتداءً حملہ کرتے ہوئے قتل ہوئے یا مدافعت کرتے ہوئے، اگر وہ مظلوم ہو کر قتل ہوئے تو وہ شہید ہوئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ صفر/ ۱۴۲۸ھ۔

= ”هو (أى الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر..... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارية) الخ.“
(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/ ۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

”هو من قتله أهل الحرب أو البغى أو قطاع الطريق، أو وجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية“. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/ ۳۴۳، رشيدية)
(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/ ۱۶۷، ۱۶۸، رشيدية)

(۱) ”عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من قتل دون مظلمة فهو شهيد“. (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحديث: ۲۷۷۵): ۱/ ۵۰۱، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

”هو من قتله أهل الحرب أو البغى أو قطاع الطريق، أو وجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية“. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/ ۳۴۳، رشيدية)
(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/ ۱۶۷، ۱۶۸، رشيدية)

”و كذا لو قتله باغ أو حربى أو قاطع طريق ولو بغير الة جارحة“. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/ ۱۴۹، سعيد)

ایضاً

سوال [۴۳۹۹]: فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان مارے جاتے ہیں مقابلہ کرتے ہوئے، یا چانک کسی مسلمان کے چاقو مار دیا تو وہ شریعت کی نظر میں شہید ہوگا یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص ناحق قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۸۹ھ۔

دوقومی فسادات میں مرنے والے کا حکم

سوال [۴۴۰۰]: ہمارے یہاں ہندو مسلم فسادات ہو رہے ہیں، ان کی ابتدائی بنا خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس وقت تو جنگ صرف مسلمان سے ہے خواہ کسی جماعت اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، بہت سے مسلمانوں کو سُنڈ ہی (۲) بھی کر لیا ہے اور ان کے سروں پر چوٹیاں رکھوا دی ہیں۔ بیس بیس، تیس تیس ہزار کی دھاڑیں بنا کر مسلمانوں کی بستیوں پر چڑھ کر آتے ہیں، پہلے آگ لگا دیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو شہید کر ڈالتے ہیں، مال چھین لیتے ہیں، ہر قسم کے ہتھیار ان کے پاس ہیں، ریاستوں میں ریاست کی دھاڑ کے آگے آگے ریاست کی ملٹری ہوتی ہے، اگر مقابلہ میں کوئی آوے تو فائر کرتی ہے اور دھاڑ ان کو لوٹ لیتی ہے، قتل کر ڈالتی ہے۔ جو مسلمان مکان..... خالی کر دیتے ہیں تو یہ لوگ تمام مال لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں۔ اس قسم کے جانکاہ واقعات سامنے ہیں، اس لئے مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

سوال [۴۴۰۱]: اگر کافر بستی پر چڑھ کر آجائیں تو ان سے لڑنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں اور ”من قُتل دون عرضہ ومالہ“ (۳) میں داخل ہو کر شہید ہوگا یا نہیں؟

(۱) (تقدم تخريجہ تحت المسائل السابقة)

(۲) ”سُنڈھی: وہ تحریک جو شر دھاند ایک ہندو نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے چلائی تھی“۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۸، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الصحيح للإمام مسلم رحمه الله تعالى، كتاب الإيمان، باب الدليل على من قصد أخذ مال غيره بغير حق..... وأن من قتل دون ماله فهو شهيد: ۸۱/۱، قديمی)

- ۲..... جو دو چند سے زائد آئیں اور کوئی چھپتا ہوا، بھاگتا ہوا مارا جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟
- ۳..... اگر یہ کافر فرسی یا بہالوں سے آلہ دھاردار سے شہید کر دیں تو غسل و کفن دیا جائے گا یا نہیں، بندوق وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ لڑائی کی ابتداء بھی مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ ظلماً مارے جاتے ہیں۔
- ۴..... اسی طرح کسی راگیر مسلمان کو موقع بموقع قتل کر رہے ہیں، ان کو بھی غسل و کفن دیا جائے یا نہیں؟ تمام مسلمان حکام پاکستان چلے گئے ہیں، ان کی جگہ ہندو یا سکھ تمام آگئے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... اگر مقابلہ کی قوت ہو تو ان سے لڑنا اور جان، مال، آبرو کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس ذیل میں جو مسلمان قتل ہوگا وہ شہید ہوگا (۱)۔
- ۲..... وہ بھی شہید ہے (۲)۔
- ۳..... عین لڑائی میں مسلمان مار دیا جائے، خواہ کسی آلہ سے ہو، وہ شہید ہے، اس کے لئے غسل و کفن نہیں (۳)۔

۴..... اس کا بھی یہی حکم ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/شوال/۶۶ھ۔

(۱، ۲، ۳، ۴) "عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من أريد ماله بغير حق، فقاتل، فقتل، فهو شهيد".

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله أو دون دمه أو دون دينه فهو شهيد". (سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في قتال اللصوص: ۳۰۹/۲، إمداديه)

"هو (أى الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة..... وكذا لو قتله باغ أو حربى أو قاطع طريق ولو بغير آلة جارحة..... ويصلى عليه بلا غسل، ويدفن بدمه وثيابه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۴۹، سعيد)

"وهو فى الشرع من قتله أهل الحرب والبغى وقطاع الطريق أو وجد فى معركة وبه جرح..... أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دية..... وحكمه: أن لا يغسل، ويصلى عليه، ويدفن =

”دق“ کی بیماری میں انتقال کرنے والے کو شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟

سوال [۴۴۰۲]: میری والدہ کا انتقال چھ ماہ دق کی بیماری میں مبتلا رہ کر ہو گیا، کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مرحومہ اب کیسی حالت میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ ان کو شہادت کا درجہ ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۴ھ۔

جو دُوب کرم جائے وہ شہید ہے

سوال [۴۴۰۳]: شاہد مشہور پہلوان تھا جو کہ اپنی طاقت سے فرعون کو شکست دینے کی گھات میں رہتا تھا، ناگاہ وہ ٹرک جس میں شاہد کام کرتا تھا درخت سے ٹکرایا اور پہلوان نے چوٹ کھائی، لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ آپ تحریر فرمادیں گے، پہلوان کو مقام شہادت ملایا نہیں؟ شاہد ہمدرد ملت تھا لیکن مزاج کا گرم تھا، اکھڑ ہندو اور کچھ متعصب مسلمان اس سے ڈرتے تھے، اس لئے موت کے بعد ان لوگوں نے طعنہ دیا کہ وہ بدخلق

= بدمہ وثیابہ۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل

السابع فی الشہید: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل فی الشہید: ۲/۶۶، رشیدیہ)

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون

شہید، والغرق شہید، وصاحب ذات الجنب شہید، والمبطون شہید، وصاحب الحريق شہید، والذي

يموت تحت الهدم شہید، والمرأة تموت بجمع شہید“۔ (سنن أبي داؤد، کتاب الجنائز، باب فی فضل

من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعید)

”هو من قتله أهل الحرب والبغى قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أو تردى

من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم أو غرق لا يكون شہيداً: أى فى حکم الدنيا، وإلا فقد شهد

رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب

الشهداء“۔ (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشہید، رشیدیہ)

تھا اس لئے جلدی مر گیا۔ آپ فرمادیں کہ انسان کی عمر کسی وجہ سے گھٹ بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص گر کر یا دب کر مر جائے وہ بھی شہادت کا ثواب پائے گا (۱) اب اس پر طعن نہیں کرنا چاہئے، بہت غلط طریقہ ہے (۲)۔

عمر میں حقیقتہً کمی و زیادتی نہیں ہوتی جتنی لکھ دی گئی ہے بس اتنی ہی رہتی ہے (۳)..... البتہ بعض

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد“ (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعيد)

”هو من قتله أهل الحرب والبغى..... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أو تردى من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم، أو غرق، لا يكون شهيداً: أى فى حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء“ (البحر الرائق: ۳۴۳/۲، باب الشهيد، رشيدية)

(۲) ”عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لاتسبوا الأموات، فإنهم قد أفضوا إلى ما قدموا“ (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب النهى عن سب الأموات: ۲۷۴/۱، قديمی)

”عن عبد الله رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذي“ (هذا حديث حسن غريب“ (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فى اللعنة: ۱۸/۲، سعيد)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَلَن يُوْخِرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا، وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (سورة المنافقون، پ: ۶۸، آیت: ۱۱)

”قال: حدثنا عبد الله قال: حدثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهو الصادق المصدوق ”إن أحدكم يجمع خلقه فى بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك،

آدمیوں کی عمر میں برکت ہوتی ہے، اس طرح کہ وہ تھوڑی عمر میں بھی بہت کام کر لیتے ہیں کہ دوسرے زیادہ عمر میں بھی نہیں کر پاتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۸۹ھ۔

ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے

سوال [۴۴۰۲]: مسماۃ فاطمہ کا انتقال ہو گیا جس کو آج ۲۳/ یوم ہوتے ہیں، اس درمیان میں مرحومہ مختلف رشتہ داروں کے خواب میں آئی جس میں یہ مطالبہ ضرور ہے کہ میں زندہ ہوں، مجھے نکال لیا جائے، وفات ولادت کے سلسلہ میں ہوئی تھی، شوہر کا مطالبہ قبر کھودنے کا ہو رہا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے اور یہ موت شہادت کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ پیدا ہونے میں جس کا انتقال ہو جائے وہ بھی شہید ہے (۲)۔ ایسے خواب کی بناء پر قبر کھودنا درست

= ثم یبعث اللہ الیہ ملکاً بأربع کلمات: فیکتب عملہ وأجلہ ورزقہ وشقیّ أو سعید. ثم ینفخ فیہ الروح، فإن الرجل لیعمل بعمل أهل النار، حتی ما یکون بینہ و بینہا إلا ذراع، فیسبق علیہ الكتاب فیعمل بعمل أهل الجنة، فیدخل الجنة. وإن الرجل لیعمل بعمل أهل الجنة حتی ما یکون بینہ و بینہا إلا ذراع، فیسبق علیہ الكتاب، فیعمل بعمل أهل النار، فیدخل النار. (صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب خلق آدم وذریئہ: ۱/۴۶۹، قدیمی)

(۱) جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، علامہ جلال الدین سیوطی اور ہمارے اکابرین میں سے شاہ عبدالغنی، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ان حضرات نے مختصر عمر میں علم دین کی بہت بڑی خدمت کی۔

(۲) ”عن یعلی بن شداد، قال: سمعت عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: عادنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی نفر من أصحابہ فقال: ”هل تدرون من الشهداء من أمتی؟“ -مرتين أو ثلاثاً- فسکتوا، فقال عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أخبرنا یا رسول اللہ! فقال: ”القتیل فی سبیل اللہ شہید والمبطون شہید، والمطعون شہید، والنفساء شہید یجرّھا ولدها بسررہ إلی الجنة.“ (مسند الإمام =

نہیں (۱)، قبر میں رکھنے کے بعد برزخ کے امور شروع ہو جاتے ہیں، بعض دفعہ احوال اچھے نہیں ہوتے تو میت کے متعلق بدگمانی اور بدگوئی ہوتی ہے، بعض دفعہ ہیبت ناک احوال دیکھ کر قبر کھودنے والے پر وبال آ جاتا ہے وہ پاگل یا بے چین ہو جاتا ہے اس لئے ہرگز قبر نہ کھودی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

= أحمد، أحادیث عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه، (رقم الحديث : ۲۲۲۷۸) : ۶/۴۴۱، دار إحياء التراث العربی بیروت)

”ولأحمد من حديث عبادة بن الصامت نحو حديث جابر بن عتيك رضي الله تعالى عنه، ولفظه: ”و في النفساء يقتلها ولدها جمعاً شهادة“..... هذه كلها ميتات فيها شدة، تفضل الله على أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم وزيادة في أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء“. (فتح الباری، کتاب الجهاد والسير، باب الشهادة سبع سوى القتل : ۶/۵۴، ۵۵، قديمی)

(۱) اس لئے کہ خواب حجت شرعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے بعض مرتبہ نہیں: ”أن أباقتادة الأنصاري رضي الله تعالى عنه - وكان من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و فرسانه - قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان“. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ۲/۱۰۳۷، قديمی)

”الصحيح ما عليه أهل السنة أن الله يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب يقظان، فإذا خلقها، فكانه جعلها علماً على أمور أخرى يخلقها في ثاني الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان. و نظيره أن الله خلق الغيم علامة على المطر، وقد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارة بحضرة الملك، فيقع بعدها ما يُسرّ، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضرّ، والعلم عند الله تعالى“. (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث في حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباری، کتاب التعبير، باب أول ما بدى به رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ۹۱) : ۱۲/۴۳۷، قديمی)

”ولا يخرج منه بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي، الخ“. (الدر المختار). ”قوله : إلا لحق =

ایکسڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت

سوال [۴۴۰۵]: اگر کوئی شخص ایکسڈنٹ سے مر جائے، یا کسی موذی جانور نے کاٹ لیا، یا کسی صورت سے اچانک موت ہوگی تو وہ شہید ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا مگر اس کو غسل وکفن دیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ربیع الاول/۸۸ھ۔

شہید کا غسل اور کفن

سوال [۴۴۰۶]: آج کل فرقہ وارانہ فسادات میں جس مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کر دیا جاتا ہے، اس میں لوگ مقتول کو غسل دیتے ہیں اور جو کپڑے خون میں آلودہ ہیں ان کو نکال کر

(= آدمی) احتراز عن حق اللہ تعالیٰ کما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع علی غیر یمینہ أو غیر القبلة، فإنه لا ینبش علیہ بعد إهالة التراب“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۳۸/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرین فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(۱) ”هو (أی الشہید) من قتله أهل الحرب والبغی قید بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه أو تردى من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم أو غرق، لا یكون شہیداً: أى فی حکم الدنیا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم للغریق والحریق والمبطون والغریب بأنهم شهداء، فینالون ثواب الشهداء“۔ (البحر الرائق: ۳۴۳/۲، باب الشہید، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۵۲، باب الشہید، سعید)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الشهادة سبع سوى القتل فی سبیل الله: المطعون شہید، والغرق شہید، وصاحب ذات الجنب شہید، والمبطون شہید، وصاحب الحریق شہید، والذي یموت تحت الهدم شہید، والمرأة تموت بجمع شہید“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعید)

دوسرے کپڑے میں تجھیز و تکفین کرتے ہیں۔ ان کو غسل دلایا اور نئے کپڑے میں کفنایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان قتل کر دیئے جاتے ہیں، اگر وہ مرتد نہیں ہیں اور عاقل و بالغ اور محدث بحدث اکبر نہیں ہیں تو انہیں (چاہے مرد ہو یا عورت) اسی خون اور کپڑوں میں کفنا کر بغیر غسل دیئے نماز پڑھ کر دفنایا جائے، خون آلودہ تمام کپڑے نکال دینا مکروہ ہے، البتہ جو زائد از کفن سنت ہو اس کو نکال دیا جائے۔ مرد اگر جنبی ہے، یا عورت حائضہ یا نفساء ہے تو انہیں اور بچہ مجنون کو غسل دیا جائے:

”والشہید من قتله أهل الحرب مباشرة أو تسبیاً..... وکان قبل القضاء الحرب لایکون الشہید مرتثاً“. مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی، ص: ۳۱۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد الخ۔

جنازہ شہید پر نماز

سوال [۴۴۰۷]: شہید کے اوپر بحسب الفتویٰ نماز جنازہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان احادیث کا

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب احکام الشہید، ص: ۶۲۵، ۶۲۶، قدیمی)
”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: أمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتلی أحد أن ینزع عنہم الحديد والجلود، وأن یدفنوا بد مائہم وثیابہم“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الشہید یغسل: ۹۱/۲، إمدادیہ)

”وہو فی الشرع من قتله أهل الحرب والبعی وقطاع الطريق، أو وجد فی معركة، وبہ جرح..... أو غرق مسلم أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب بہ دية..... وحکمہ أن لا یغسل، ویصلی علیہ، ویدفن بدمہ وثیابہ..... وینزع عنہ مالیس من جنس الکفن نحو السلاح والجلود والفرو والحشو والخف والقلنسوة والسراویل..... ویغسل إن قتل جنباً أو صبیاً..... وكذا تغسل إن قُتلت حائضاً أو نفساء الخ“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشہید: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الشہید: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعید)

کیا جواب ہوگا جن میں یہ ہے کہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور حدیثیں شرح نقایہ میں صفحہ: ۱۴۱ "ولنا" سے لے کر "فإن قيل" تک ہیں (۱)؟ اگر کسی حدیث سے عدم صلوٰۃ بھی ثابت ہو تو ساتھ اس کے رُاواۃ پر جرح و تعدیل کے اعتبار سے بھی بحث ہے۔ مع حوالہ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی: "ودلیلہ ماروی ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم أنه علیه الصلوة والسلام صلی علی شہداء أحد مع حمزة، وكان یؤتی بتسعة تسعة وحمزة عاشرهم، فیصلی علیہم". الحدیث۔ وقد صلی علیہ الصلوة والسلام علی غیرہم، کماروی أنه علیه الصلوة والسلام أعطی أعرابياً نصیبہ، وقال: "قسمته لك" قال: ما علی هذا ابتعتك، ولكن ابتعتك علی أن أرمی ههنا - وأشار إلى حلقه - فأموت وأدخل الجنة، ثم أتى بالرجل، فأصابه سهم حيث أشار، وكفن فی جبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فصلی علیہ". الحدیث۔

وقال عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ: إنه علیه الصلوة والسلام خرج يوماً، فصلی علی أهل أحد صلواته علی المیت، ثم انصرف إلى المیت، متفق علیہ". زیلعی، ص: ۲۴۸ (۲)۔ جس روایت میں نفی مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نفی اور مثبت میں جب تعارض ہو تو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے، حدیث مثبت متفق علیہ ہے (۳)۔ جواب ان کے ذمہ ہے جو منکر ہیں ان منقولہ

(۱) 'لما روی البخاری وأصحاب السنن الأربعة عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان یجمع بین الرجلین من قتلی أحد، وقال: "أیهما أكثر قرآناً" فإذا أشیر إلى أحدهما، قدمه فی اللحد، فقال: "أنا شہید علی هؤلاء یوم القيامة". وأمر بدفنہم فی دمائہم، ولم یغسلہم". زاد البخاری والترمذی: "ولم یصل علیہم". قال الترمذی: حدیث حسن صحیح. وقال النسائی: لا أعلم أحداً تابع اللیث من أصحاب الزہری علی هذا الإسناد، واختلف علیہ فیہ. انتہی۔

(شرح النقایۃ للملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الصلاۃ، باب الشہید، ص: ۳۳۲، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الشہید: ۵۹۲/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج يوماً، فصلی علی =

احادیث کا بھی اور شرح نقایہ کی راویت کا بھی۔ آثار سنن: ۱۲۱/۲ میں (۱)، نسائی (۲)، طحاوی (۳)، ابن ماجہ (۴)، طبرانی (۵) اور ابوداؤد (۶) سے بھی روایات نقل کی ہیں، جن میں بعض کی اسانید محدثین کے نزدیک صحیح ہیں، بعض کی اس سے کم درجہ کی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲۷/۸۷ھ۔

= أهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر“. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز،

باب الصلاة على الشهيد: ۱/۱۷۹، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته:

۲/۲۵۰، قديمی)

(۱) (آثار السنن، أبواب الجنائز، باب في الصلاة على الشهداء، ص: ۳۳۲، ۳۳۳، مكتبة إمداديه)

(۲) ”عن شداد بن الهاد رضى الله تعالى أن رجلاً من الأعراب جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأمّن به واتبعه“. وذكر الحديث. وفيه: أنه استشهد، فصلى عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم“. رواه النسائي

والطحاوي وإسناده صحيح“. (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۱/۲۷۷، قديمی)

(۳) (الطحاوي في شرح معاني الآثار، في كتاب الجنائز، الصلاة على الشهداء: ۱/۳۳۹، سعيد)

(۴) ”عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: أتى بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد، فجعل يصلى

عشرة عشرة، وحمزة هو كما هو، يرفعون، وهو كما هو موضوع“. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب

ما جاء في الصلوة على الشهداء ودفنهم: ۱/۱۰۹، قديمی)

(والطحاوي في شرح معاني الآثار في كتاب الجنائز، باب الصلوة على الشهداء: ۱/۳۳۸، سعيد)

(۵) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب من زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على

شهداء أحد: ۱۲/۳، اداره تالیفات اشرفیہ)

(ونصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث الصلاة على الشهيد والاختلاف في ذلك:

۲/۳۰۸، مؤسسة الريان مكتبة المكيه)

(۶) ”وعن أبي مالك الغفاري رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على قتلى

أحد عشرة عشرة في كل عشرة حمزة، حتى صلى عليه سبعين صلوة“. (مراسيل أبي داؤد، في ما جاء في

الجنائز، في الصلوة على الشهداء، ص: ۱۸، سعيد)

غیر مسلم کو ”شہید مرحوم“ لکھنا

سوال [۴۴۰۸]: اکثر اخبار والے غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھتے ہیں۔ کیا غیر مسلم کو شرعاً شہید مرحوم لکھنا درست ہے؟ جواب مسئلہ کا بالتشریح و بحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

سائل: عبدالکمال عبدالمجید مظفر پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”شہید“ ایک شرعی اصطلاح ہے اس کے لئے مسلم ہونا شرط ہے: ”الشہید مومکل مسلم طاهر قتل ظلماً، الخ“ (۱)، جس میں یہ شرط نہ ہو وہ شریعت کے اعتبار سے شہید نہیں ہو سکتا، اس کو شہید کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الشہید: ۲/۲۴۷، سعید)

”أما الأول فمبنى على شرائط الشهادة وهي أنواع ومنها كون المقتول مسلماً، الخ“.

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل بیان من یكون شهيداً ومن لا یكون: ۲/۶۶، ۶۸، رشیدیہ)

”ولو أريد تصويره على رأى أبى حنيفة رحمه الله تعالى، قيل: كل مسلم مكلف لا غسل عليه

قتل ظلماً من أهل الحرب، الخ“ (فتح القدير، کتاب الصلاة، باب الشہید: ۲/۴۳، مصطفى البابی

الحلبی، مصر)

کتاب الزکاة

جو غنی زکوٰۃ نہ دے، اس کا حکم

سوال [۴۴۰۹]: عمر کے پاس اتنا مال ہے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر نہ تو وہ زکوٰۃ دیتا ہے اور نہ خیرات کرتا ہے اور بہت ہی کنجوس ہے اس کے برابر میں اس کا پڑوسی زید رہتا ہے جو کہ بالکل غریب ہے بلکہ ایک دو وقت کا اس پر فاقہ گزر جاتا ہے، عمر کو اس کا ایسی حالت میں ہونا معلوم ہے مگر وہ اس کی کوئی امداد نہیں کرتا۔ عمر میں اور ایک عادت بُری ہے کہ نماز روزہ بھی ادا نہیں کرتا۔ عمر جب کہ معلوم ہوتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

وہ بڑا بے مروت اور سخت گناہگار ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ صفر/ ۱۳۸۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ،..... فذوقوا ما كنتم تكنزون﴾ (التوبة: ۳۴)

”عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما فقال أعرابي: أخبرني عن قول الله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ قال ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: ”من كنزها فلم يؤد زكاتها، فويل له إنما كان هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال.“
”عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من آتاه الله مالاً فلم يؤد زكاته، مثل له ماله يوم القيامة شجاعاً أقرع، له زبيبتان يطوقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه يعني بشدقيه، ثم يقول: أنا مالك أنا كنزك، ثم تلا: ﴿وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ الآية..... ﴿بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ، بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ الخ.“ (صحيح البخارى: ۱/ ۱۸۸، قديمي) =

جس غلہ کی زکوٰۃ نہ دی جائے اس کا حکم

سوال [۴۴۱۰]: اکثر کھیتی کرنے والے جب کہ وہ غلہ اکٹھا کرتے ہیں اور حکم ہے کہ دس من غلہ سے ایک ایک من غلہ زکوٰۃ نکالیں اور وہ زکوٰۃ نہیں نکالتے تو کیا ایسے مال سے کوئی نیک کام مثل قربانی، عقیقہ یا میت کے لئے ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر کر سکتے ہیں تو از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص واجب نہیں ادا کرتا تو وہ گنہگار ہے (۱) لیکن اس سے وہ غلہ حرام نہیں ہوتا، اس کا استعمال اپنی ذاتی ضروریات میں بھی درست ہے اور اور عبادت میں بھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا

سوال [۴۴۱۱]: جو لوگ اپنے حلال مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانا اور وہ کچھ تحفہ وغیرہ دیں تو قبول کرنا شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہے تو وہ سخت گناہگار ہے (۲)، زکوٰۃ اس کے ذمہ دین ہے مگر اس کی وجہ سے اس کا اصل مال حرام نہیں ہوا، اس کا ہدیہ تحفہ، دعوت قبول کرنا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۲۴/۲/۹۰ھ۔

= (وسنن أبی داؤد: ۲۱۸/۱، باب الكنز ما هو الخ. دار الحديث، ملتان)

(۱) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”جو غنی زکوٰۃ نہ دے، اس کا حکم“)

(۲) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”جو غنی زکوٰۃ نہ دے، اس کا حکم“)

(۳) ”أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع“. (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۲/۵، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيدية)

زکوٰۃ کو جمع رکھنا

سوال [۴۴۱۲]: ماہ رمضان میں جو زکوٰۃ کاروپہ جمع کیا ہے کیا وہ زکاة کاروپہ عید کو نماز سے پہلے (حقدار تک) یعنی ضرورت مند نہ ملنے پر سال کے آخر تک یا ایک عرصہ تک کسی اور امدادی مصرف کے لئے جمع رکھا جاسکتا ہے، مندرجہ بالا سوال کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ”کوکنی مسلم انجمن“ کا سیکری ہوں، پچھلے دو سال سے ہماری انجمن نے ماہ رمضان میں زکوٰۃ کے نام پر کل ایک سو ستر ہیرے جمع کئے تھے، اس مال میں سے صرف ۲۵/۳۷ دو ضرورت مندوں کو دیئے گئے تھے اور باقی رقم ۵۷/۱۳۲/۱ ابھی تک انجمن کے پاس جمع ہیں۔

اس سال پھر انجمن ماہ رمضان میں زکوٰۃ کاروپہ جمع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، میں نے حیثیت سیکریٹری انجمن کے اس ارادے کی مخالفت کی انجمن عاملہ کے چند ممبران میری اس مخالفت کو ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ جمع شدہ روپیہ ہم اپنے پاس رکھ کر کسی اور امدادی مصرف کے لئے صرف کر سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کاروپہ عید کی نماز سے پہلے ضرورت مندوں کو دیدیا جائے۔ لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جب ہماری انجمن کے ممبران میں کوئی ایسا ضرورت مند نہیں ہے جو حقیقی زکوٰۃ کا حقدار ہے تو جب تک کہ پہلے جمع شدہ زکوٰۃ کا روپیہ حقیقی حقداروں کو نہ پہنچ جائے اس سال زکوٰۃ جمع نہ کی جائے، جو ممبران زکوٰۃ دینے کی حیثیت رکھتے ہیں یا زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں وہ اپنے قریبی رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا محلہ کی مسجد میں دیدیں۔ اب آپ ہی ہماری اس الجھن کو اسلام کی روشنی میں سلجھائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحق کو زکوٰۃ جلد از جلد پہونچا دینا بہتر ہے تاکہ فریضہ جلد ہی ادا ہو جائے (۱) مگر یہ ضروری نہیں کہ عید

(۱) (وافترضها عمری): أي علی التراخی، وصححه الباقانی وغیرہ (وقیل: فوری): أي واجب علی الفور

(وعلیہ الفتوی) کما فی شرح الوہبانیۃ (فیأثم بتأخیرها) بلا عذر۔ ”(قوله: فیأثم بتأخیرها، الخ).....

وقد یقال: المراد أن لا یؤخر إلی العام القابل: لما فی البدائع عن المنتقی - بالنون -: إذ لم یؤدحتی ماضی

حولان، فقد أساء وأثم، اهـ۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۷۱، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الزکوٰۃ، فصل کیفیۃ فرضیۃ الزکاة: ۲/۷۷، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی التاتاریخانیہ، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، قدیمی)

کی نماز سے پہلے ہی دیدی جائے، اگر مستحق موجود نہ ہوں تو تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، لیکن سال بھر پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کر دی جائے، کسی اور مد میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں، انجمن کے پاس جب زکوٰۃ کے صحیح مصرف موجود نہیں ہیں تو زکوٰۃ وصول نہ کرے بلکہ اس کے سب ممبر اپنے قریبی مستحق رشتہ داروں: بھائی، بہن، خالہ، پھوپھی، چچا، ماموں اور ان کی اولاد کو خود ہی حسب صوابدید دے دیا کریں، اس امانت کو محفوظ رکھنے اور اس کو مستحقین پر صرف کرنے کی ذمہ داری نہ لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

زکوٰۃ دے کر احسان جتنا

سوال [۴۴۱۳]: میں نے زکوٰۃ فرض میں سے بیس روپے ایک بیوہ عورت کو دے دیتے مگر ایک مرتبہ غصہ میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ”زکوٰۃ کھا کر مقابلہ کرتی ہے“ ان الفاظ سے زکوٰۃ باطل ہو جائے گی یا نہیں؟ جیسا کہ پارہ ”تلك الرسول“ کے الفاظ ہیں: ﴿يَأْيُهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى﴾ (۱) اور اب اس روپے کی مقدار دوبارہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز یہ واقعہ زکوٰۃ دینے سے تقریباً ایک سال بعد کا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس زکوٰۃ کا تو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں کیونکہ فریضہ ادا ہو گیا ہے، البتہ اس پر رضائے خداوندی مرتب نہیں ہوگی اس کے لئے معافی مانگنے اور اس کو خوش کرنے کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۲ھ۔



(۱) (البقرہ: ۲۶۴)

(۲) ”أخبر الله تعالى في هذه الآيات أن الصدقات إذا لم تكن خاصةً لله عاريةً من منٍّ وأذى، فليست بصدقة؛ لأن إبطالها هو إحباط ثوابها، فيكون فيها بمنزلة من لم يتصدق و ما لم يخلص لله تعالى من القرب فغير مثاب عليه فاعله الخ“۔ (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۲۳۳، باب الامتنان بالصدقة، قديمی)
(و كذا في تفسير ابن كثير: ۱/۴۲۵، مكتبة دار السلام، رياض)

(و كذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۵۹، باب ما يحرم ويكره وما يستحب في الصدقة، رشيدية)

باب وجوب الزکاة

(وجوب زکوٰۃ کا بیان)

صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوب زکوٰۃ

سوال [۴۴۱۴]: حامد ۳۰/ شعبان / ۱۳۸۷ھ کو صاحبِ نصاب تھا اور یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو بھی صاحبِ نصاب ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ شعبان میں اس کے پاس پانچ سو روپے تھے اور یکم رمضان المبارک کو تین سو روپے ہیں۔ اب کس قدر روپیہ زکوٰۃ لگائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالکِ نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے پر جتنے مال کا وہ مالک ہے اس کی زکوٰۃ لازم ہوگی، مثلاً صورتِ مسئلہ میں اس کے پاس سال پورا ہونے پر صرف تین سو روپیہ ہے تو بس اسی مقدار پر زکوٰۃ (ساڑھے سات روپے) لازم ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال [۴۴۱۵]: بندہ سابقہ رمضان المبارک کی کسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا

(۱) "قال حسن بن عمار بن علی: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي". (مراقی الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکوٰۃ، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار شرح تنویر الأبصار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۶، کتاب الزکوٰۃ، رشیدیہ)

وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۲، کتاب الزکوٰۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

کردیا کرتا تھا اس کے بعد۔ ال تمام کے لئے رمضان المبارک کی بیس تاریخ معین کر کے زکوٰۃ ادا کرنے لگا، لیکن اب تجارت میں شرکت کی وجہ سے رمضان شریف میں حساب کرنا بہت دشوار ہے، دشواری اس لئے بھی ہے کہ سرکاری انکم ٹیکس وغیرہ کا حساب انگریزی سال سے ہوتا ہے، اسی لئے تمام کمپنیوں وغیرہ میں انگریزی سال تمام تر لاکھوں روپیہ کے آمد و خرچ و قرض اور موجود مال وغیرہ کا حساب کیا جاتا ہے جس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے اور یہ حساب کا کمائی شرکاء کمپنی میں سے صرف ایک کی مرضی پر نہیں ہو سکتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ آیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ہمیشہ آخر دسمبر میں حساب کے بعد اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کیا کریں؟ اسلامی سال تقریباً ۳۶۰/ دن کا اور انگریزی سال ۳۶۵/ دن کا ہوتا ہے، پس گنجائش ہونے کی حالت میں انگریزی سال کے سات دن زائد کا حساب کس طرح کیا جائے، نیز یہ کہ ہمیشہ ۲۰/ رمضان کو حساب کیا کرتا تھا اور اب اس کے بعد آخر ماہ دسمبر میں حساب کرنے کی حالت میں ڈیڑھ دو ماہ اور ہو جائیں گے، پس اس ڈیڑھ دو ماہ زائد مدت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

”فی القنیۃ: العبرة فی الزکوۃ للحول القمری“۔ بحر: ۲/ ۲۱۹ (۱)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شرعاً زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہوتا ہے لہذا مقدار واجب میں تو قمری سال ہی کا اعتبار کیا جائے، البتہ ادائے زکوٰۃ میں تقدیم و تاخیر کی بھی گنجائش ہے، مثلاً رمضان کی ۲۰/ تاریخ کو سال پورا ہوا اس تاریخ کی مالیت مقدار واجب میں معتبر ہوگی، لیکن ادا کرنے کے لئے اس وقت روپیہ موجود نہیں بلکہ وہ ایک یا دو ماہ بعد ملا ہے تو روپیہ ملنے پر ادا کر دیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ زکوٰۃ اب واجب ہوئی بلکہ زکوٰۃ تو ۲۰/ رمضان کو واجب ہو چکی تھی مگر اس کی ادائیگی اب ہوئی، یہ روپیہ کچھ عرصہ پہلے ہی مل گیا ہوتا تو زکوٰۃ پہلے ہی ادا کر دی جاتی۔ بہتر تو یہ ہے

(۱) (البحر الرائق: ۲/ ۳۵۶، کتاب الزکوۃ، رشیدیہ)

”و منها حولان الحول علی المال، العبرة فی الزکوۃ للحول القمری، کذا فی القنیۃ“۔

(الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/ ۵۷۱، الباب الأول فی تفسیرھا و صفتھا الخ، رشیدیہ)

”(قولہ: هو نسبة للحول): أى الحول القمری لا الشمسی“۔ (رد المحتار: ۲/ ۲۵۹، کتاب

الزکاة، سعید)

کہ ۲۰/ رمضان کو بہر صورت زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور حساب ہونے پر ۲۰/ رمضان کی مالیت کو دریافت کر کے کمی بیشی کے فرق کو پورا کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۶/۲/۱۳۶۰ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وسط سال کی آمدنی بھی سال تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی

سوال [۴۴۱۶]: زید ہر سال شعبان میں زکوٰۃ نکالتا ہے، شعبان کے بعد اس کے پاس جو روپیہ آیا اس پر تو حوالانِ حول نہیں ہوا، اب جو اگلا شعبان آئے گا تو اس وقت درمیانی سال والے روپیہ جس پر سال نہیں گزرا ہے، اس کی زکوٰۃ نکالے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس روپیہ پر سال گزر چکا ہے اس کے تابع یہ روپیہ ہو کر مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

مالِ زکوٰۃ سال گذرنے سے دوبارہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال [۴۴۱۷]: ایک شخص صاحبِ نصاب نے زکوٰۃ یا خیرات کی مد میں کچھ روپیہ نکال کر رکھ دیا اور تقسیمِ غرباء کے بعد اس رقم میں سے کچھ روپیہ آئندہ پورے ایک سال تک بچا رکھا رہا تو کیا سال آئندہ اس بچے ہوئے روپیہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا یہ کہ یہ رقم زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ رقم فقراء یا ان کے کسی وکیل کی ملک اور قبضہ میں نہیں پہنچی ہے بلکہ صاحبِ نصاب ہی کی ملک

(۱) "المستفاد فی أثناء الحول، فیضم إلی مجانسه، ویزکی بتمام الحول الأصلي". (مراقی الفلاح،

ص: ۷۱۴، کتاب الزکوٰۃ، قدیمی)

(و کذا فی الهدایة: ۱/۹۳، فصل فی الغنم، مکتبہ شرکتہ علمیہ، ملتان)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۶۲، باب صدقة الغنم، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زکاة الذهب والفضة، دار إحياء التراث العربی بیروت)

میں رہی، گو سال پھر گزر جائے اسے اس دوسری مملوک رقم کی طرح زکوٰۃ واجب نہ ہوگی گو محض علیحدہ رکھ دینے سے یہ رقم نہ اس کی ملک سے خارج ہوئی نہ فقراء کے ملک میں داخل ہوئی (۱)، آئندہ سال اس رقم کو ہٹا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس رقم کو گزشتہ زکوٰۃ واجبہ شمار کر کے مستقلاً ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، یکم/ربیع الاول۔

مقدار نصاب اور دین اور مالِ صبی میں زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۴۱۸]: کاشتکار جو کہ سرکاری لگان بھی دیتا ہے، کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ لگان جبراً ناجائز طور پر لے جاتی ہے، اگر ہے تو کتنا اور کس مقدار میں اور کتنے غلہ پر وجوب ہوتا ہے؟ اگر ایک شخص نوکری کرتا ہے اور ہمیشہ پچاس روپے ملتے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اور جو شخص کھیت والا ہے یعنی بطور قبالہ یا بطور رہن ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اور صدقۃ الفطر اور قربانی ایسے شخص پر واجب ہوگی یا نہیں؟

زیور اگر ہو تو اس کا وزن وجوب کے لئے کتنا ہونا چاہئے، اگر بعضے زیور غالب چاندی نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور وہ ایک شخص کے ہوں مگر وہ یہ کہتا ہے کہ اپنی بہو کو دیدیا ہے حالانکہ ابھی اس کے لڑکے کی شادی بھی نہیں ہوئی، یا کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کو دے دیا اور رکھتا ہے اپنے ہی پاس تو واجب ہوگی یا نہیں؟ نقد و مروجہ کو

(۱) چونکہ یہ فقراء کا حق ہے اور وہ اب تک مالک نہیں بنے اور ان پر زکوٰۃ نہیں ”وسبہ: أى سبب افتراضها ملک نصاب حولی“۔ (الدر المختار)۔ وفى رد المحتار: ”فلا زکوٰۃ فى سوائى الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك“۔

(کتاب الزکاة: ۲/۲۵۹، سعید)

(۲) ”وشرطه صحة أدائها أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل،

بل بالأداء للفقراء الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فى النهر الفائق: ۱/۴۱۸، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(و کذا فى تبیین الحقائق: ۲/۳۰، کتاب الزکوة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۷۱۵، کتاب الزکاة، قدیمی)

چاندی کا حکم ہے یا عروض کا، یا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غلہ غیر عشری زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں عشر نہیں ہوتا، غلہ میں عشر ہوتا ہے زکوٰۃ نہیں ہوتی بشرطیکہ عشری زمین میں ہو (۱) اور جس شخص کے پاس مقدار نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اتنی قیمت کا تجارتی مال ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بشرطیکہ سال پورا گزر جائے (۲)، پس اگر ماہوار یہ تنخواہ ختم کر دیتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر کچھ مقدار نصاب کے پورا ہونے کے بعد وسط سال میں زیادتی رہتی ہے تو ختم پر موجودہ رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اخیر میں بھی مقدار نصاب موجود ہو (۳)۔

جو جائیداد پیسے سے خریدی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، رہن کی صورت میں قرض جو روپیہ دیا گیا ہے اس پر زکوٰۃ ہے مگر اس کی ادائیگی بعد وصولی ہے (۴)، بقدر ضرورت اگر جائیداد ہے تو اس سے صاحب نصاب نہیں

(۱) ”وأما شرائط المحلية: فأنواع: منها أن تكون الأرض عشرية، وإن كانت خراجية، يجب فيها الخراج.“ (بدائع الصنائع: ۱۰۵/۲، فصل فی شرائط المحلية، دار الكتب العلمية، بيروت)
(و كذا فی الفتاویٰ العالمکیرية: ۱۸۵/۱، الباب السادس فی زکوة الزرع و الثمار، رشیدیہ)
(و كذا فی التاتارخانية: ۲۳۰/۲، الفصل الثالث فیمن يجب علیه العشر و فیمن لا يجب، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) ”ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم، كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل.“
(الدر المختار: ۲۹۵/۲، باب زکاة المال، سعید)
(و كذا فی النهر الفائق: ۴۳۶/۲، باب زکاة المال، امدادیہ ملتان)
(و كذا فی المبسوط: ۱۷۴/۱، باب زکاة المال، حبیبیہ کوئٹہ)

(۳) ”ویضم مستفاد من جنس نصاب إلى النصاب فی حوله و حکمه: أى فی حکم المستفاد أو الحول، و حکم الحول و وجوب الزکاة أيضاً، فمن ملک مائتی درهم و حال الحول و قد حصلت فی أثناءه أو فی وسطه مائة درهم یضمها إلیه و یزکی عن الكل.“ (مجمع الأنهر: ۲۰۷/۱، زکوة الذهب و الفضة، دار إحياء التراث، بیروت)

(و كذا فی تبیین الحقائق: ۶۲/۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمیه، بیروت)

(۴) ”قسم أبو حنیفة الذین علی ثلاثة أقسام: قوی: و هو بدل القرض و مال التجارة، و متوسط =

ہوتا، نہ اس پر زکوٰۃ وصدقہ و قربانی واجب ہوئی ہے۔

زیور کا نصاب بھی وہی ہے جو پہلے بتلایا گیا ہے، جس زیور میں چاندی غالب ہو وہ چاندی کے حکم میں ہوگا ورنہ جو چیز غالب ہوگی اس کے حکم میں ہوگا۔ نقد و مروجہ جن میں چاندی غالب ہے وہ چاندی کے حکم میں ہیں ورنہ وہ مستقل اپنا حکم رکھتے ہیں (۱)۔ جب بہو ابھی تک موجود نہیں ہے تو اس کے لئے وہ بہو نہیں ہوا، اس کی زکوٰۃ دینی واجب ہے، چھوٹی لڑکی کو اگر دے دیا ہے خواہ اپنے پاس رکھے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دین مہر کیا مانع وجوب زکوٰۃ ہے؟

مندرجہ ذیل مسائل میں مفتی بہ قول کیا ہے:

سوال [۴۴۱۹]: زوجہ کا مہر زوج کے لئے مانع زکوٰۃ ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ مہر مؤجل و معجل ہر دو کا

حکم بیان فرمادیں۔

= ففی القوى تجب الزکاة إذا حال الحال ویتراخی القضاء إلى أن یقبض أربعین درهماً الخ۔“

(البحر الرائق: ۳۶۳/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۲۳۸/۱، الفصل السادس فی الديون، امجد اکیڈمی، لاہور)

(۱) ”و یکمل نصاب الفضة بنصاب الذهب، و نصاب الذهب بنصاب الفضة، و بعروض التجارة أيضاً،

إلا أن عند أبي حنيفة یکمل نصاب الفضة بنصاب الذهب باعتبار القيمة۔“ (فتاویٰ قاضی خان:

۲۵۰/۱، فصل فی مال التجارة، رشیدیہ)

و کذا فی البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و غالب الفضة و الذهب فضة و ذهب، و ما غلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض۔“ (الدر المختار، کتاب

الزکاة، باب زکاة المال: ۳۰۰/۲، سعید)

(۲) ”و شرط افتراضها عقل، و بلوغ، و اسلام، و حرية۔“ (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۲۵۸/۲،

کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی ملتقى الأبحر علی هامش مجمع الأنهر: ۱۹۲/۱، کتاب الزکاة، دار إحياء التراث العربی بیروت)

کیا عورت کے دین مہر پر زکوٰۃ لازم ہے؟

سوال [۴۴۲۰]: ۲..... مہر کو مانع زکوٰۃ نہیں تو زوجہ کے ذمہ اس مہر کی زکوٰۃ لازم ہوگی یا کہ نہیں؟ دین کی زکوٰۃ دین دینے والے پر ہوتی ہے، یہ حکم یہاں اس صورت میں لگے گا یا کہ نہیں؟ جب کہ دین مہر کو زوج نے دین مستغرق نصاب قرار دیا ہے؟

مسائل مذکورہ میں الجھن کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دیار میں دین مہر کو مانع زکوٰۃ نہیں کرتے ہیں، اس لئے زوجہ کے ذمہ مہر کی زکوٰۃ قبل قبض نہیں سمجھتے ہیں۔

اصول الشاشی میں ہے: ”و فرع محمد علی هذا فقال: إذا تزوج امرأة على نصاب، وله نصاب من الغنم و نصاب من الدراهم، يصرف الدين إلى الدراهم، حتى لو حال عليها الحول تجب الزکوۃ عنده في نصاب الغنم، ولا تجب على الدراهم“۔ بین السطور میں ہے: ”لكونها مستغرقة بالدين“۔ اور حاشیہ پر ہے: ”وهو نصٌّ على أن دين المهر يمنعه، معجلاً كان أو مؤجلاً“ (۱)۔

اس قاعدہ سے کہ: ”وہ دین جس کا مطالبہ عہد کی جانب سے ہو مانع زکوٰۃ ہے“، مہر کو مانع زکوٰۃ ہونا چاہئے کیونکہ زوجہ کو حق مطالبہ ہے اور جب مہر مانع زکوٰۃ ہے تو زوجہ کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ہونی چاہئے حالانکہ فقہائے کرام مہر کے دین کو دین ضعیف قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام صاحب اس کا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ بعد قبض حولان حول ہونے پر مہر کی زکوٰۃ عورت ادا کرے۔ امید کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... زوج کے ذمہ دین مہر واجب ہے، اگر وہ معجل ہے یعنی جس وقت بھی زوجہ طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے، یا مؤجل ہے لیکن زوج خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے تاکہ ادا کرے تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوٰۃ ہے، اس مقدار دین کے علاوہ اس کے پاس بقدر نصاب مال ہوگا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اگر زوج ادا کرنے کی فکر و سعی میں لگا ہوا نہیں بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا

(۱) (أصول الشاشی مع الحواشی، بحث الحقيقة والمجاز، ص: ۳۱، المكتبة الغفورية العاصمية،

نہیں کرنا ہے تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوٰۃ نہیں ہے، کذا فی الطحطاوی علی الدر المختار (۱)۔

۲..... شوہر کے ذمہ یہ دین مانع ہو یا نہ ہو بہر صورت زوجہ پر اس کی زکوٰۃ لازم نہیں، وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک لازم ہے اور دین مہر پر ابھی ملک ہی زوجہ کی متحقق نہیں ہوئی ہے، جب وصول ہو کر اس کی ملک ثابت ہو جائے گی اور اس پر سال بھر گزر جائے گا تب زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ لازم ہوگی (۲)، محض نکاح ہو جانے سے مہر پر ملک زوجہ ثابت نہیں ہو جاتی ہے صرف استحقاق ثابت ہوتا ہے وہ ابھی معرض زوال میں رہتا ہے، مثلاً اگر خلوت صحیحہ سے قبل شوہر طلاق دیدے تو نصف مہر کا استحقاق بھی ختم ہو جاتا ہے اور زوجہ کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے حرمت و تفریق ہو جاوے تو کل مہر ساقط ہو جاتا ہے، یہ شواہد ہیں کہ ابھی زوجہ کی ملک تو کیا ثابت ہوتی استحقاق بھی مؤکد نہیں ہوا۔

(۱) ("قوله: المؤجل) وقيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة، بخلاف المعجل، وقيل، إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا". (الطحطاوی علی الدر المختار: ۳۹۱/۱، دارالمعرفة بیروت)

"فإن كان عنده مال آخر للتجارة، يصير المقبوض من الدين الضعيف مضموناً إلى عنده، فتجب الزكاة وإن لم يبلغ نصاباً، الأولى أن يقول، الخ". (الطحطاوی علی الدر المختار: ۳۱۱/۱، دارالمعرفة بیروت)

"المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة، بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا؛ لأنه لا يعد ديناً، كذا في غاية البيان". (البحر الرائق: ۳۵۷/۲، كتاب الزكاة، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱۹۳/۱، کتاب الزکاة، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده: أي بعد القبض من دين ضعيف، وهو بدل غير مال كمهر ودية وبدل كتابة وخلع، الخ". (الدر المختار: ۳۰۶/۲، زکاة المال، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۳/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱۹۵/۱، کتاب الزکاة، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(و کذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۳۸/۱، الفصل السادس فی الديون، امجد اکیڈمی لاہور)

اور جب کہ فقہاء نے دین کی تین قسمیں لکھ کر دین مہر کا حکم لکھ دیا ہے کہ وہ وصول ہونے کے بعد سال بھر گزر جائے تب اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی تو یہ مسئلہ بے غبار ہو گیا، ہاں اس میں بحث ہے کہ جس کا دین مہر زوج پر لازم ہے اور وہ بقدر نصاب ہے تو آیا وہ مصرف زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے پاس فی الحال مقدار نصاب مانع عن اخذ زکوٰۃ موجود نہیں، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

”وفی فتح القدير: ولو دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصاباً، وهو موسرٌ بحيث لو طابت أعطاه، لا يجوز. وإن كان بحيث لا يعطى لو طلبت، جاز، اه، وهو مقيد لعموم ما في الخانية: والمراد من المهر ما تعرف تعجيله؛ لأن ما تعرف تأجيله، فهو دين مؤجل لا يمنع أخذ الزكاة، ويكون في الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، ويفرق بينه وبين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضي مما لا ينبغي للمرأة بخلاف غيره، لكن في البزازية: وإن كان موسراً والمعجل قدر النصاب، لا يجوز عندهما، وبه يفتى للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقاً، الخ.“ البحر الرائق، مصرف (۱)۔

دین مہر اور دیگر دیون میں کچھ فرق بھی ہے جس کو عبارت بالا میں بیان کر دیا گیا ہے، دین مہر کے حق زوج مانع عن وجوب الزکوٰۃ ہونے اور حق زوجہ موجب الزکوٰۃ ہونے میں تماز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

مقروض پر وجوب زکوٰۃ کی ایک صورت

سوال [۲۴۲۱]: زید سات ہزار روپیوں کا نو مہینوں سے مالک ہے اور قرضہ بھی تین ہزار روپیہ کا ہے واجب رمضان کی برکت حاصل کرنے کے لئے اس مہینہ میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو اب کتنی زکوٰۃ دینی چاہئے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ سات ہزار کا مالک ہے اور تین ہزار کا مقروض ہے اور ابھی صرف نو مہینے ہیں، تو ابھی زکوٰۃ کا

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۲۰، باب مصرف، رشیدیہ)

(۲) کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۴۲، کتاب الزکاة، امجد اکیدمی لاہور)

ادا کرنا واجب نہیں، لیکن اگر ابھی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تب بھی ادا ہو جائے گی (۱)، صرف چار ہزار کی ادا کر دے اور تین ہزار قرض میں منہا ہو جائیں گے، پھر سال ختم ہونے پر حساب کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۹۰ھ۔

مقروض پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں

سوال [۴۴۲۲]: حامد کاروباری آدمی ہے کمپنی میں بطور ضمانت اس کا روپیہ ہے، لیکن جس قدر ضمانت ہے، اس سے زیادہ وہ مقروض ہے، کیونکہ قرض خواہ کو اس پر اعتماد ہے اس لئے تقاضا نہیں ہے تو ضمانت والے کا کیا ہوگا، زکوٰۃ دے یا نہیں؟ اگر دیتا ہے تو پہلے قرض دے اور قرض دیتا ہے تو کچھ نہیں رہتا، کمپنی سے روپیہ لینے پر کاروبار معطل ہو جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

(۱) ”يجوز التعجيل بعد ما ملك النصاب، ولا يجوز قبله“۔ (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاہور)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۷۶، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيدية)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۶۶، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”وإن كان ماله أكثر من دينه، زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً لفراغه عن الحاجة الأصلية“۔ (فتح القدير:

۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۲۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) ”و من كان عليه دين يحيط بماله، وله مطالب من جهة العباد سواء كان من النقود أو من غيرها،

وسواء كان حالاً أو مؤجلاً، فلا زكاة عليه“۔ (فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي

الحلبي، مصر) =

مالک زمین مقروض پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۲۳]: ایک شخص کے پاس اسی نوے بیگہ زمین ہے وہ اس کا مالک ہے، لیکن چار پانچ ہزار روپے کا مقروض ہے اور وہ اس زمین کی پیداوار سے بمشکل تمام اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور تھوڑا بہت جو کچھ بچتا ہے اس کو وہ بسلسلہ قرض، قرض خواہوں کو دیدیتا ہے۔ تو ایسا انسان شرعی طریقہ پر صاحب نصاب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص پر زکوٰۃ قربانی وغیرہ واجب نہیں بلکہ وہ خود مستحق زکوٰۃ ہے: ”ولا زکوٰۃ فی ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنی ونحوها كالحوانیت والعقارات“۔ درمختار شامی: ۱۰/۳ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

مقروض دوالیہ پر وجوب زکوٰۃ و قربانی کا حکم

سوال [۴۴۲۴]: زید آج سے پہلے دس ہزار کا مقروض تھا اور قرض خواہوں نے حکومت میں مقدمہ دائر کر دیا تھا مگر زید کے پاس کوئی ایسی ملک نہ تھی کہ حکومت کے قانون کے موافق قرض خواہوں کو دی جاتی، اس وجہ سے حکومت کا قانون زید سے اٹھ گیا۔ اب زید فی الحال کچھ رقم یعنی پانچ ہزار کا مالک ہوا ہے مگر قرض خواہوں کو رقم ادا کرنے میں وہ رقم پوری نہیں ہو سکتی، ایک قرض خواہ کو کچھ رقم دے تو دوسرا قرض خواہ پریشان کرتا ہے اور

= (و کذا فی الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۳، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر فی بیان ما یسنع وجوب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۳، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۳۸، الفصل الخامس فی زکاة المال، امجد اکیڈمی، لاہور)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۵، کتاب الزکاة، إمدادیہ)

زید کے پاس اتنی رقم نہیں کہ سب کو ادا کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ زید اس پانچ ہزار کی زکوٰۃ، فطرہ، قربانی وغیرہ ادا کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ زید سمجھتا ہے کہ قرض ادا کرنا مقدم ہے مگر رقم کافی نہ ہونے کی بنا پر اور قرض خواہوں کے پریشان کرنے کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں وہ صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قانونِ سرکاری کی رو سے اگر کوئی قرض خواہ قرض وصول نہ کر سکے تو زید شرعاً سبکدوش نہیں ہوا بلکہ زید کے ذمہ حتی الوسع اس کی ادائیگی فرض ہے اور جب تک قرض سے فاضل مقدارِ نصاب نہ ہو، زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی (۱)، لہذا زید کو چاہئے کہ اولاً جس ترکیب سے مناسب اور مصلحت ہو قرض خواہوں کا قرض ادا کرے، پھر اگر فرض ہو، زکوٰۃ ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ربیع الاول/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ربیع الاول/۶۴ھ۔

حرام مال پر زکوٰۃ نہیں

سوال [۲۴۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب میں دیکھا تھا، یا نہیں وہ کون سی کتاب تھی کہ حرام مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے البتہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال جس پر ملکیت ہی حاصل نہیں ہوتی اس میں زکوٰۃ لازم نہیں، بلکہ اس مال کی واپسی یا اس کا

(۱) "سبہ: أي سبب افتراضها ملک نصاب حولی، تام، فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد".

(الدر المختار: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۲، الباب الأول فی تفسیرها و صفتها، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی العنایۃ علی فتح القدیر: ۲/۱۶۰، کتاب الزکاة، مصطفى البابی الحلبي مصر)

تصدق لازم ہے جیسا کہ ”ردالمحتار“ میں ہے (۱)۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت یا کتاب سامنے ہو تو اس میں غور کیا جائے کہ کیا ارشاد فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۵ھ۔

مال حرام پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۲۶]: اصل مال مثلاً ایک ہزار روپے میں سود کے ایک سو شامل ہو کر گیارہ سو روپے ہو گئے، کیا سود کی رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ ایک مرتبہ مراد آباد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تھا: حرام، چوری، رشوت وغیرہ کیا ان اموال میں زکوٰۃ دینی ہوگی؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ (جہاں تک مجھے یاد ہے) جب مال ہیں تو زکوٰۃ دینی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام مال اگر جدا ہو مخلوط نہ ہو تو اس پر ملکیت ثابت نہیں اس پر زکوٰۃ بھی نہیں لیکن اگر وہ حرام مال حلال مال کے ساتھ مخلوط کر دے تو یہ استہلاک ہے جو کہ موجب ملک ہے، غالباً حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کا جواب اسی بنیاد پر مبنی ہے لیکن جب کہ مقدار حرام مال کا تصدق واجب ہے تو پھر اس پر زکوٰۃ ہونے کا کوئی مطلب نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حرام مال کا ربع عشر بھی ادا کرے اور کل کو بھی صدقہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”و لو خلط السلطان المال المغصوب بماله الخ..... هذا إذا كان له مال غير مستهلك بالخلط الخ..... وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعديہ.“ (الدرالمختار).

وفی ردالمحتار: ”فی القنیۃ: لو کان الخبیث نصاباً، لا یلزمہ الزکاة؛ لأن کل واجب التصدق علیہ، فلا یفید إيجاب التصدق ببعضہ، اھ.“ (کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۹۱، باب زکاة الغنم، سعید)

(وکذا فی البزازیة: ۸۶/۱، کتاب الزکاة، الثانی فی المصرف، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۲۴۵/۱، الفصل التاسع الحظر والإباحة، امجد اکیڈمی، لاہور)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲۸۹/۲، ما یمنع وجوب الزکاة، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) (تقدم تخريجه. تحت عنوان: ”حرام مال پر زکوٰۃ نہیں“)

سینما کی آمدنی پر زکوٰۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۴۴۲۷]: مسجد یا مدرسہ میں سینما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سینما ہاؤس مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کر کے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدٌ ومصلیاً:

سینما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے، غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مصرف ہیں، تنخواہ و تعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سینما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرا کے جائز محل میں صرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر ملک ثابت نہیں اس پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال [۴۴۲۸]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہنچ گئی، سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ

(۱) ”ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لا من مال الوقف فإنه حرام“۔ (تنویر

الأبصار مع الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”قال تاج الشريعة: أَمَّا لَوْ أَنْفَقَ فِي ذَلِكَ مَالًا خَبِيثًا وَمَالًا سَبِيهَ الْخَبِيثِ وَالطَّيِّبِ فَيَكْرَهُ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَقْبَلُ إِلَّا الطَّيِّبَ، فَيَكْرَهُ تَلْوِثَ بَيْتِهِ بِمَالٍ لَا يَقْبَلُهُ، اهـ“۔ (ردالمحتار:

۱/ ۶۵۸، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف، مطلب: كلمة ”لا بأس“ دليلٌ على أن المستحب غيره، سعيد)

(۲) ”لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصديق عليه، فلا يفيد إيجاب التصديق

ببعضه، اهـ“۔ (ردالمحتار: ۲/ ۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في البزازیة: ۱/ ۸۶، الثاني في المصرف، رشیدیہ)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۴۵، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی، لاہور)

واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدرسہ یا مسجد کے پاس جب رقم بقدر نصاب ہو تو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

”فقیر“ قوم پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۲۹]: زید تجارت کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے مگر قوم سے فقیر ہے، اب بھی وہی پیشہ کرتا ہے تو زید پر زکوٰۃ و قربانی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوٰۃ کی فرضیت کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہوگا اس پر قاعدہ شرعی کے موافق زکوٰۃ فرض ہو جائے گی خواہ وہ کسی قوم سے ہو، جب زید کو اللہ تعالیٰ نے مالدار بنادیا ہے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہے (۲) اور اس کو مانگنا جائز نہیں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۸۹ھ۔

(۱) ”فلا زکاة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك“۔ (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) ”و سبب افتراضها ملک نصاب حولی، تام، فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد، الخ“۔ (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی اللباب فی شرح الکتاب: ۱/۱۳۶، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۳، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۳) ”ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، ویأثم معطیه إن علم بحالہ لإعانتہ علی المحرم“۔ (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۵۴،

قوم فقیر پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۰]: بکر کا شکار ہے مگر قوم سے فقیر ہے، مانگنے کا پیشہ بھی کرتا ہے، صاحب نصاب ہے اور ساتھ ہی مزار کے چڑھاوے کا استعمال بھی کرتا ہے، بکر کہتا ہے کہ چونکہ ہماری قوم فقیر ہے اس لئے ہم پر زکوٰۃ اور قربانی کرنا فرض نہیں ہے۔ کیا بکر کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بکر صاحب نصاب ہے تو اس کے ذمہ بھی زکوٰۃ لازم ہے، قوم فقیر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ معاف نہیں (۱)، مزار پر چڑھاوا جو کہ صاحب مزار پر چڑھایا جاتا ہے اس کا چڑھانا بھی ناجائز ہے اور اس کا کھانا بھی ناجائز ہے، بکر کو ہرگز نہیں کھانا چاہئے (۲)۔ مالدار ہونے کی وجہ سے قربانی بھی اس کے ذمہ لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۹ھ۔

ہبہ پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۱]: آج سے تقریباً ایک سال ہوا ہے بیرون ہند سے میرے پاس رقم بھیجی تھی اور خط

(۱) ”الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۲۳۵/۱، کتاب

الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، إمدادیہ)

(۲) ”ولا يجوز أن يصرف ذلك لغنى غير محتاج ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ ما لم يكن محتاجاً فقيراً..... ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت“۔ (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۵۲۱/۲، رشیدیہ)

(۳) ”(فتجب) التضحیة (على مسلم مقيم موسر) يسار الفطرة. اهـ“۔ (الدر المختار: ۳/۱۳،

۳۱۴، سعید)

میں یہ لکھا کہ اس میں میرے اور زید و بکر کے ہیں، خیال ہوا کہ ان تین حضرات کی امانت ہے کہ اس قسم کی امانتوں کا سلسلہ ناچیز کے پاس رہتا ہے۔ ابھی چند دنوں پر میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ کی اس رقم کی ابھی تک تفصیل معلوم نہیں ہوئی ہے، زید و بکر میرے یہاں تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بھی مطالبہ نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رقم ہم تین کے لئے ہدیہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ رقم کب سے میری ملک شمار ہوگی؟ میں اپنی زکوٰۃ کا سال ابتدائے رمضان سے شمار کر کے ابتدائے رمضان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، اب ربیع الاول میں معلوم ہوا کہ یہ رقم میری ملکیت ہے۔ کیا اس گذشتہ سال کی اس رقم کی زکوٰۃ مجھ پر ہوگی؟ جب رقم آئی تھی، نہ انہوں نے لکھا کہ یہ ہدیہ ہے اور نہ مجھے معلوم ہوا۔ اس بارے میں رہنمائی فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہبہ کے لئے قبول لازم ہے، قبول کے بعد سے موهوب پر ملک حاصل ہوتی ہے، پس جب تک آپ نے قبول نہیں کیا، آپ کی ملک اس پر حاصل نہیں ہوئی، جس وقت قبول کر لیا اس وقت سے آپ مالک ہیں (۱)۔ اسی وقت سے اس پر زکوٰۃ کا حساب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

بیوہ پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۲]: بیوہ عورت کے پاس تخمیناً دو سو روپے مع زیور کے ہوئے اور اپنی گذراؤقات اپنے حقیقی لڑکے کے یہاں کرتی ہے اور لڑکا نان و نفقہ و علاج اپنی ذاتی آمدنی سے کرتا ہے۔ تو ایسی عورت پر معمولی رقم

(۱) "و تصح بقبول: أى فى حق الموهوب له، أما فى حق الواهب فتصح بالإيجاب و حده؛ لأنه تبرع". (الدرالمختار). "قوله: و تصح بقبول: أى و لو فعلاً، الخ. و ما فى المحيط من أنها تدل على أنه لا يشترط فى الهبة القبول مشكل. قلت: و يظهر أنه أراد بالقبول قولاً، و عليه يحمل كلام غيره الخ. نعم القبول شرط لو كان الموهوب فى يده". (ردالمحتار: ۵/۲۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(و كذا فى فتاوى قاضى خان: ۱/۲۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "و شرطه: أى شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فى ملكه". (الدرالمختار، كتاب الزكاة:

پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجب ہے جب کہ بقدر نصاب ہو (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبدالمطیف۔

وکالت کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۳]: موجودہ وقت کے پیش نظر وکالت سے جو رقم زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے

اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں اور اس رقم سے حج واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حوادث الفتاویٰ حصہ ثانیہ، ص: ۱۵۳ (۲) میں کچھ توجیہات کی ہیں جن سے پیشہ وکالت کا جواز بعض

(۱) ”وسببہ: ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی تام“۔ (الدر المختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۵، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی الخلاصہ: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی، لاہور)

(۲) سوال: ”لیکن اگر وکالت کی فیس واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے، بلکہ مثل نفقہ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے کیونکہ غایت مافی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا، باوجود اس کے وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً مقوم عند الشرع ہو سکتا ہے اس میں بھی کسی قدر اس کی تائید ہو سکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں جب عدالت کا وقت ختم ہو جاتا ہے، چلے جاتے ہیں اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کر دیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں مگر فیس لے لی اس سے معلوم ہوا کہ محض جس کی فیس لی ہے =

قیود کے ساتھ مستفاد ہوتا ہے، لیکن وہ قیود عامۃً ملحوظ نہیں ہوتی، اس لئے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول، ص: ۵۳ (۱) میں لکھا ہے کہ ”اس زمانہ کی وکالت اور مختانہ حلال نہیں (۲)، ان کا کھانا بھی اچھا نہیں مگر بتاویل۔ پس اگر محض ناجائز وکالت کی آمدنی ہے تو اس پر نہ زکوٰۃ ہے نہ حج بلکہ واجب الرد ہے، اگر باب اموال کو واپس کرے، وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثہ کو دیا جائے، اگر باب اموال کا علم نہ ہو تو غرباء پر صدقہ کر دی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے نجات دے:

”والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لا يحل ويتصدق به بنية صاحبه“۔ رد المحتار: ۱۳۰/۲ (۳)۔

اگر مال مخلوط ہو کچھ حرام ہو اور کچھ حلال تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مال پر زکوٰۃ بھی فرض اور حج بھی، بشرطیکہ مقدار حلال بقدر نصاب ہو، مقدار حرام کا ضمان ادا کرنا لازم ہے: ”لو أن سلطاناً غصب مالا وخلطه، صار ملكاً له حتى وجبت عليه الزكاة، الخ“۔ فتح القدیر: ۱/۴۸۲ (۴)۔

اگر مال حرام سے حج کیا تو فریضہ ساقط ہو جائے گا، مگر حج قبول نہیں ہوگا: ”ويجتهد من تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة“،

= ورنہ ان کو کچھ ملنا نہیں چاہیے تھا کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کہ آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط بینوا تو جروا۔

الجواب: سائل نے جو توجیہات اس کے جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے، طاعۃ مختصر بالمسلم کے ساتھ اور نصرت مظلوم منجمد طاعات کے ہے پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا حاصل یہ کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو۔ ۲/۷۲ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (حوادث الفتاویٰ، اولی، ص: ۱۵۳)

(وکذا فی امداد الفتاویٰ: ۳/۳۱۹، دارالعلوم)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، ص: ۳۴۷، إدارة اسلامیات)

(۲) ”مختانہ: محنت کا صلہ، وکیل کی فیس“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۱۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراماً: ۶/۹۹، سعید)

(۴) (فتح القدیر، کتاب الزکاة: ۲/۱۵۴، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

ولا تنافى بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب فى الآخرة عقاب تارك الحج“. فتح القدير: ۲/۲۱۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۷۰ھ۔

جوروپیہ نابالغ کو دیدیا اس پر زکوٰۃ نہیں

سوال [۴۴۴]: زید نے پنشن یا پراویڈنٹ فنڈ سے مندرجہ ذیل طریقہ سے روپیہ خرچ کیا:

۱۔ مکان خریدا جس کا کرایہ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔

۲۔ پانچ ہزار روپیہ اپنی لڑکی کی تمام شادی کے لئے جمع کر دیئے، لڑکی زیر تعلیم ہے۔

۳۔ پانچ تولہ سونے کے زیور لڑکی کو بنوا دیئے۔

۴۔ چار ہزار روپیہ اپنے چھوٹے لڑکے کے نام جو کہ ابھی زیر تعلیم ہے، بینک میں جمع کرادیئے۔

اب زید کو سو سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی ہے اور سو روپیہ مکان کا کرایہ آتا ہے جس سے وہ اپنے، اپنی اہلیہ کے اور دونوں بچوں کے اخراجات اٹھاتا ہے، اس کی بیوی کے پاس شادی کے وقت کے پانچ تولہ، ۸/ ماشہ سونے کے اور ۴۵/ تولہ چاندی کے زیور ہیں اس کے پاس نقد بارہ سو روپے ہیں۔ اس صورت میں صرف اہلیہ کے زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے یا ان رقوم اور زیورات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے جو اس کے بچوں کے نام ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوروپیہ اور زیور زید نے اپنی ملک سے نکال کر دوسرے لڑکے لڑکی وغیرہ کی ملک میں دے کر اس کا اس پر قبضہ کرادیا (یعنی ہبہ شرعی کر دیا) اس کی زکوٰۃ زید کے ذمہ نہیں، نابالغ کا قبضہ ضروری نہیں صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے یہ روپیہ یا زیور اس کو دیدیا ہے، اتنا کہنے سے بھی ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے (۲)، جب وہ بالغ ہو جائے تب لازم ہوگی۔ اور کرایہ کے مکان میں بھی زکوٰۃ نہیں، کرایہ کا

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۷، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(۲) ”و شرط افتراضها عقل و بلوغ“۔ (الدر المختار). وفي رد المحتار: ”فلا تجب على مجنون و صبي؛ لأنها عبادة محضة، و ليسا مخاطبين بها، و إيجاب النفقات و الغرامات لكونها من حقوق العباد =

روپیہ جو سالانہ خرچ ہو جاتا ہے سال بھر باقی نہیں رہتا اس میں بھی زکوٰۃ نہیں (۱)۔ بیوی کے مال میں زکوٰۃ بیوی کے ذمہ ہے، اس کی اجازت سے شوہر دیدے تب بھی ادا ہو جائے گی (۲)۔ بالغ اولاد کے مال میں خود اولاد کے ذمہ زکوٰۃ ہے، اس کی اجازت سے والد دیدے تب بھی ادا ہو جائے گی (۳)۔ بارہ سو روپیہ جو زید کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد موجود ہیں اس کی زکوٰۃ زید کے ذمہ ہے۔ زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے یعنی بارہ سو روپیہ کی زکوٰۃ

= والعشر الخ“۔ (کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۵۸، مطلب فی أحكام المعنوة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۲۷۱، الفصل الأول فی تفسیرها و صفتها، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱) ”و ملک نصاب حولی فارغ عن الدین، و حوائجہ الأصلیة، نام، ولو تقدیراً“۔ (البحر الرائق:

۳۵۵/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(وکذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۳، کتاب الزکاة، إمدادیہ)

(وکذا فی المبسوط: ۱/۲۲۵، الجزء الثانی، کتاب الزکاة، المكتبة الغفاریہ)

(۲) ”من أدى زكاة مال غيره من مال نفسه بأمر من عليه الزكاة، جاز، بخلاف ما إذا أدى بغير أمره، ثم

أجاز، شرح الطحاوی . ولو تصدق عن غيره بغير أمره، جازت الصدقة عن نفسه ولا تجوز عما نوى عنه

وإن أجازہ ورضی به . وهذا إذا كان المال الذي تصدق به مال نفسه، فأما إذا كان المال مال المتصدق

عنه فإن أجازہ جاز، إن كان المال قائماً، وإن كان المال هالکاً جاز عن التطوع“۔ (الفتاویٰ التاتاریخانیہ:

۲۸۴/۲، کتاب الزکوٰۃ، المسائل المتعلقة بمعطى الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

”رجل أدى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازہ المالك، فإن كان المال قائماً في يد الفقير

جاز، وإفلا، كذا في السراجیة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۱، کتاب الزکوٰۃ، الباب الأول فی

تفسیرها و صفتها و شرائطها، رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الزکوٰۃ، فصل فی شرائط الرکن: ۲/۴۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۳) ”ومثل هذه الولاية لا تتأدى بها العبادات بخلاف ما إذا وكل بالأداء بعد البلوغ، فتلك نيابة عن

اختیار، وقد وجدت النية والعزيمة منه، وبه فارق صدقة الفطر، فإن وجوبها لمعنى المؤنة حتى تجب

على الغير بسبب الغير، وفيه حق للأب، فإنما لو لم فوجب في ماله، احتجنا إلى الإيجاب على الأب كما

إذا لم يكن للصبي بخلاف الزکاة“۔ (المبسوط للسرخسی: ۲/۲۱۹، کتاب الزکوٰۃ، غفاریہ)

تیس روپے ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بینک میں جمع روپے پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۵]: ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں اور ان روپیوں پر ابھی ایک سال نہیں گزرا کہ زکوٰۃ اس پر فرض ہو جائے بلکہ چھ ماہ یا نو ماہ ایک سال سے کم کم ہے اور اس نے اس روپے کو بینک یا مسلم فنڈ میں جمع کر دیا ہے، بقیہ ماہ سال کے پورے ہوتے ہیں، لہذا جب بینک میں پہنچ کر ایک سال پورا ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی یا نہیں؟ یا اپنے پاس رہنا شرط ہے جب کہ وہ روپیہ بینک میں جمع شدہ اپنی ملکیت ہے یا ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بینک میں جمع کیا ہے تو اس کو ہر وقت لینے پر قدرت ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اپنے پاس ہوتا، پس اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے، جتنے ماہ سال پورا ہونے میں باقی ہیں جب وہ پورے ہو جائیں تو زکوٰۃ ادا کر دے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۲ھ۔

(۱) ”والخلاصة: أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي: ۲،۵٪ من قيمتها مع بحرما في نهاية كل عام على مالکها الذي حال عليه الحول بعد تملکها“۔ (الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۸۳۶/۳، کتاب الزکوٰۃ، زکاة الأوراق النقدية، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۹۷، کتاب الزکوٰۃ، باب زکاة الذهب والفضة، رشیدیہ)

(۲) ”و شرط افتراض أدائها حولان الحول، وهو في ملكه، و ثمنية المال كالدارهم والدنانير، الخ“۔

(الدر المختار)۔ ”(و هو في ملكه): أي والحال أن نصاب المال في ملكه التام كما مر، الخ“۔

(ردالمحتار: ۲/۲۶۷، کتاب الزکاة، سعید) =

نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
 زید نے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے بینک یا ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا ہے اور وہ روپیہ نصاب سے زیادہ ہے تو اب اس روپے کی زکوٰۃ زید دیگا، یا اس کا نابالغ لڑکا دے گا، یا نہیں دے گا؟ اور ڈاکخانے والے اس روپیہ کا سود بھی دیتے ہیں، اگر نہ لیا جائے تو وہ اپنے مشن وغیرہ میں لگا دیتے ہیں، اگر سود لے کر کسی غریب وغیرہ کو دیدیا جائے اور ثواب کی امید نہ رکھی جائے تو کوئی حرج ہے؟
 الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں وہ نابالغ لڑکا اس روپیہ کا مالک ہو گیا، نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں لہذا اس کی زکوٰۃ نہ زید دے گا نہ وہ نابالغ لڑکا (۱)۔ سود کے نام پر جو کچھ وہاں سے ملے اس کو وصول کر لیا جائے۔ پر احتیاط یہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھا جائے، جب لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ خود ہی وہ روپیہ غریبوں کو دیدے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
 حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)
 (و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۳۹۰، فصل فی الشرائط الی ترجع الی المال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)
 (۱) ”شرط افتراضها عقل و بلوغ و اسلام..... سبب افتراضها ملک نصاب حولی تام، اھ۔“
 (الدرالمختار: ۲/۲۵۸، کتاب الزکاة، سعید)
 (و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، امدادیہ ملتان)
 (و کذا فی المبسوط للسرخسی: ۱/۲۱۷، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)
 (۲) ”وتصرف الصبی..... إن کان نافعاً..... صح..... وإن ضاراً كالطلاق..... والصدقة والقرض، لا.“
 (الدرالمختار). ”(قوله: وإن ضاراً الخ): أي من كل وجه: أي ضرراً دنيوياً وإن کان فیہ نفع آخری كالصدقة والقرض..... وإن أذن به وليهما، لاشتراط الأهلية الكاملة، وكذا لو أجازہ بعد بلوغه، إلا إذا كانت بلفظ يصلح لابتداء العقد، الخ.“ (ردالمحتار، کتاب المأذون: ۶/۱۷۳، سعید)
 ”الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم..... ويتصدق بنية صاحبه.....
 إذ لو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله، الخ.“
 (ردالمحتار، کتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعید)

بیٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ

سوال [۲۴۳۷]: ایک شخص کے نام اس کا باپ گورنمنٹ کے بینک میں روپیہ جمع کرتا ہے، روپیہ جمع کرنے کی شرط اور وصول کرنے کے پہلے استفتاء میں مذکور ہو چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کے نام اس کے باپ نے اس کے بچپن میں روپیہ جمع کیا اس میں زکوٰۃ ہے تو کس پر؟ اس شخص کے نام روپیہ جمع ہونا بند بھی ہو سکتا ہے۔ اس شخص کی ضروریات شادی وغیرہ میں روپیہ نکالنے کا حق باپ ہی کو رہتا ہے نکالتے وقت مقدار نقد گورنمنٹ کے یہاں سے منظور کرانی پڑتی ہے پھر دینا ہوتی ہے، پنشن یا موت سے پہلے نہ باپ نکال سکتا ہے اور نہ بیٹا، یہ شخص فی الوقت نادر بھی ہے اور محتاج تصدق، اس کے لئے احکام شرعیہ تفصیلاً بیان ہوں۔

عبداللہ بلیاوی مظاہری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئلہ میں روپیہ بچہ کی ملک نہیں بلکہ باپ ہی کی ملک ہے لہذا باپ ہی پر زکوٰۃ واجب ہے (۱)، جب بچہ بڑا ہو کر روپیہ پر قبضہ کر لے گا اس کی زکوٰۃ بعد حولانِ حول خود اس پر واجب ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۱ھ۔

جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوٰۃ

سوال [۲۴۳۸]: ایک جہاز میں بہت سے مسافر سوار تھے، راستے میں جہاز گر گیا اور سارے مسافر مر گئے، اب ان کے ورثاء کو کمپنی نے چالیس ہزار روپیہ رقم دی ہے، بیمہ وغیرہ نہیں کیا تھا بلکہ کمپنی نے اپنے قانون کے تحت یہ رقم دی ہے۔ کیا سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ پڑے گی؟

(۱) "سبب افتراضها ملک نصاب حولی نام فارغ عن دین له مطالب الخ" (الدر المختار: ۲/۲۵۹،

۲۶۰، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۲۷۱، الفصل الأول فی تفسیرھا و صفتھا، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم کمپنی نے جس کو دی ہے وہ اس کی ملک ہے (۱)، دوسرے مملوکہ مال کی طرح اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۳۹]: جتنی مقدار کرایہ جہاز میں حج کے لئے جا چکا ہے جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے، کیا اس کی زکوٰۃ دی جائے جب کہ سال پورا نہیں ہوا؟ سال ماہ رمضان میں پورا ہوتا ہے، روپیہ پہلے جا چکا ہے۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ حج کے ٹکٹ کے لئے دے دیا اور اس کا ٹکٹ خرید لیا اور اس پر سال پورا نہیں ہوا تھا تو اس روپیہ کی زکوٰۃ لازم نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۷ھ۔

(۱) ”(ھی) لغة: التفضل على الغير ولو غير مال. وشرعاً (تمليك العين مجاناً): أى بلا عوض (فحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم) فله الرجوع والفسخ“. (الدر المختار، کتاب الہبة: ۶۸۷/۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الہبة، الباب الأول: ۳/۴، رشیدیہ)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”بنک میں جمع رقم پر زکوٰۃ“)

(۳) ”إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحال وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكى ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حلوله الحال، بخلاف ما إذا حال الحال وهو مستحق الصرف إليها، الخ“. (رد المحتار، کتاب الزکاة:

جو روپیہ کھیت میں لگا اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۴۴۰]: ایک مقام پر عامۃ الناس ہزاروں روپیہ لگا کر کھیتی کرتے ہیں، تقریباً چھ ماہ تک وہ روپیہ کھیت میں لگا رہتا ہے پھر چھ ماہ تک اپنے پاس رہتا ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

روپیہ کا سامان (بیج وغیرہ) خرید کر جب کھیت میں لگا دیا تو روپیہ ختم ہو گیا، کھیت تیار ہونے کے بعد جب غلہ فروخت کیا اس کی قیمت کا روپیہ وصول ہوا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور نقد موجود نہیں اور اس روپیہ پر سال بھر نہیں گزرا بلکہ اس سے پہلے ہی کھیت کے کام میں خرچ ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۸ھ۔

حج کے روپیہ پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۴۱]: ہم لوگ نصف رمضان تک زکوٰۃ نکال دیتے ہیں لیکن اس سال ہمارے والد صاحب رمضان سے قبل حج کو جا رہے ہیں تو اس روپیہ کی بھی زکوٰۃ نکالنی ہوگی؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم والد صاحب لیکر حج کو جائیں گے اگر اس پر سال پورا ہو چکا ہے تو اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اگر سال بھر پورا ہونے سے قبل وہ خرچ میں آجائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۹ھ۔

(۱) "سبب افتراضها ملک نصاب حولی، نسبة حولٍ لحولانه عليه". (الدر المختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۱۵۵، کتاب الزکاة: مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی التبيين الحقائق للزیلعی: ۲/۲۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیة بیروت)

البتہ کھیتی سے جو پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر یا نصف عشر لازم ہے۔

(۲) "فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض: إن الزکاة تجب فی النقد کیفما أمسک للنماء أو للنفقة". =

مکان کے لئے جمع رقم پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۴۲]: انڈیا کا ایک آدمی انگلینڈ میں ہے اس کے پاس ۸/ ہزار روپے بنک میں جمع ہے، اب اس شخص کا ارادہ وہاں مکان بنانے کا ہے، ممکن ہے کچھ قرض بھی ہو جائے تو اب اس جمع کردہ پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرچ کرنے سے پہلے جب اس جمع شدہ روپیہ پر سال بھر گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگئی، زکوٰۃ ادا کر کے پھر مکان وغیرہ بنائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

نفع پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر

سوال [۴۴۴۳]: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس رمضان ۹۲ھ کی پہلی تاریخ کو دو ہزار روپے تھے، دو مہینہ تک ایک دو ہزار میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ دو مہینے بعد اس میں زیادتی ہوئی تجارت کے وسیلہ سے، یہاں تک کہ ۹۳ھ کی پہلی تاریخ کو مبلغ پانچ ہزار روپے ہو گئے اور مجھ پر زکوٰۃ صرف دو ہزار پر واجب ہے یا پورے پانچ ہزار پر؟ مہربانی فرما کر فوری طور پر جواب ارسال فرمائیں۔

= (رد المحتار: ۲/۲۶۲، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۵، کتاب الزکاة، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "جج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ"۔)

"الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً ما نامياً حولاً كاملاً"۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۳۵،

کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی، لاہور)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۵، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں پانچ ہزار کی زکوٰۃ لازم ہوگی، درمیان سال میں جس قدر آمدنی میں اضافہ ہو ختم سال پر اس تمام پر زکوٰۃ ہوتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حیلہ عدم وجوب زکوٰۃ

سوال [۴۴۴]: کوئی شخص سال آنے پر اپنا مال اپنے لڑکے کو ہبہ کر دے پھر جب دوسرا سال آنے لگے تو بیٹا باپ کو ہبہ کر دے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے اور کیا یہ بھی حیلہ بازی ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ فرض نہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے:

”وإذا فعله حيلة لدفع الوجوب كأن استبدل نصاب السائمة باخر أو أخرجه عن ملكه، ثم أدخله فيه، قال أبو يوسف: لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب، لإبطال حق الغير. وفي المحيط: إنه الأصح. وقال محمد رحمه الله تعالى: يكره، واختاره الشيخ حميد الدين الضرير؛ لأن فيه إضراراً بالفقراء، وإبطال حقهم مآلاً، وكذا الخلاف في حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها، وقيل: الفتوى في الشفعة على قول أبي يوسف رحمه الله تعالى، وفي الزكاة على قول محمد رحمه الله تعالى، وهذا تفصيل حسن، شرح درر البحار“ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) ”المستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصل“.

(الدر المختار: ۲/۲۸۸، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيدية)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۶۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد) =

زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ

سوال [۴۴۴۵]: زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا مال دوسرے کی طرف منتقل کر دے کسی امام کے نزدیک جائز ہے اور آیا امام شافعی یا ان کے علماء نے امام مذکور بالا پر لعن طعن کی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس مسئلہ میں امام صاحب کی جو اس کے جواز کے قائل نہیں تکذیب کرے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز تکذیب کے کیا معنی ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”قال فی البحر: اعلم أنه لو وهب النصاب فی خلال الحول، ثم تم الحول و هو عند الموهوب له، ثم رجع الواهب بعد الحول بقضاء أو بغيره، فلا زکوٰۃ علی واحد منهما، كما فی الخانیة. و هی من حیل إسقاط الزکوٰۃ قبل الوجوب. و فی المعراج: و لو باع السوائم قبل تمام الحول بیوم فراراً عن الوجوب قال محمد رحمه الله تعالى: یکره، و قال أبو یوسف رحمه الله تعالى: لا یکره، و هو الأصح. و لو باعها للنفقة، لا یکره بالإجماع، و لو احتال لإسقاط الواجب یکره بالإجماع، و لو فر من الوجوب بخلاً لا تأثماً یکره بالإجماع، اهـ“. طحطاوی ص: ۴۲۲ (۱)۔

= قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالى: ”ومنها أن یهبه لطفله قبل التمام بیوم“. (الدر المختار). وقال ابن عابدین: ”هذه المسئلة من حیل إسقاط الزکوٰۃ، بأن یهب النصاب قبل الحول بیوم مثلاً، ثم یرجع فی هبته بعد تمام الحول، والظاهر أنه لو رجع قبل تمام الحول یسقط عنه الزکوٰۃ أيضاً، لبطلان الحول بزوال الملك، تأمل. وقد منا الاختلاف فی کراهیة الحیلة عند قوله: ولا فی هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلک“. (رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال، مطلب فی وجوب الزکوٰۃ فی دین المرصد: ۳۰۸/۲، سعید)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۸، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۸۴/۲، فصل فی الغنم، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۳۹۱/۶، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مجتہدین کے نزدیک بعض صورتوں میں حیلہ درست ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک درست ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک مکروہ ہے۔ لعنت کرنا کسی مسلمان پر درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع ہے۔ اگر تکذیب کا مطلب یہ ہے کہ بعض مجتہدین کی طرف اس مسئلہ کا انتساب غلط ہے تب تو یہ ناواقفیت پر مبنی ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے یعنی حیلہ بعض صورتوں میں ناجائز ہے تو یہ بعض مجتہدین کے قول کے موافق صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی صورت میں حیلہ درست نہیں تو غلط ہے کیونکہ بعض صورتوں میں بالاجماع ایسا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۶ھ۔

کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟

سوال [۴۴۲۶]: کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ:

ایک آدمی کے پاس نصابِ شرعی نقد روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہوا ہے، زمانہ موجودہ کے لحاظ سے اگر لڑکی کے والدین اپنی دختر کو سفید ہاتھوں بیاہ دیں تو دولہا اور اس کی قوم کی نگاہوں میں وہ لڑکی کس قدر ذلیل و خوار ہوتی ہے بلکہ تمام عمر لڑکی کی زندگی برباد ہوتی ہے اور نیز نرینہ اولاد کے واسطے ظاہری اسبابِ معاش بھی نہیں ہیں۔ غالباً کسی صحیح حدیث شریف کا مضمون بھی ہے کہ اولاد کو لوگوں کا دست نگر نہ چھوڑو (۱)۔ ضروریات مذکورہ بالا حوائجِ اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ بحوالہ آیت مقدسہ یا صحیح حدیث شریف یا روایات فقہیہ خفیہ۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولاد اگر بالغ ہے تو اس کا نکاح باپ کے ذمہ فرض نہیں بلکہ نکاح کی ذمہ داری شرعاً اولاد پر خود ہے،

(۱) "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "إنک إن تذر ورثتک أغنیاء خیر من أن تذرهم عالة یتکفون

الناس". الحدیث. (مشکوٰۃ المصابیح، باب الوصایا، الفصل الأول: ۲۶۵/۱، قدیمی)

(و الصحیح للبخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأصل: ۸۰۶/۲، قدیمی)

اگر اولاد نابالغ ہے تو اس کے نکاح کا شرعاً ضروری نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں صرف عدمِ بلوغ کی حالت میں باپ کے ذمہ نفقہ واجب ہوتا ہے وہ بھی جب کہ خود اولاد کی ملک میں اتنا مال نہ ہو کہ جس کے ذریعہ سے نفقہ پورا ہو سکے، اگر اولاد کی ملک میں مال ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ نہیں بلکہ اس مال سے دیا جائے گا:

”تجب النفقة والكسوة عليه لأولاده الصغار الفقراء، لقوله تعالى: ﴿و على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ والمولود له هو الأب، فأوجب عليه رزق النساء لأجل الأولاد، فلأن تجب عليه نفقة الأولاد بالطريق الأولى : و بقيدته بالطفل والفقير يفيد عدم وجوبها إذا كان الولد غنياً أو كبيراً، وهذا صحيح، اهـ.“ زیلعی: ۳/۶۲ (۱)۔

حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ اولاد کی تمام عمر کا انتظام کر کے مرے اور صدقات واجبہ بھی ادا نہ کرو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد کے پاس مال نہیں ہے اور یہ احتمال قریب ہے کہ تمہارے بعد وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے گی تو تمہارے لئے صدقاتِ نافلہ میں خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے رہنے دو اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ اولاد صالح ہو، اگر یہ خیال ہو کہ بعد میں اولاد فسق و فجور اور معصیت میں خرچ کرے گی تو اپنی زندگی میں تمام مال مصارفِ خیر پر صرف کرے تو بہتر ہے:

”ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه من الميراث، هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة.“ عالمگیری، ص: ۱۶۰ (۲)۔

اور صورتِ مسئلہ میں اگر اس نقد روپیہ پر ایک سال پورا گزر چکا ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے: ”إنه كان

(۱) (تبیین الحقائق: ۳/۳۲۵، باب النفقة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی فتح القدیر: ۴/۴۱۰، فصل: و نفقة الأولاد الصغار الخ: مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(و کذا فی المحيط البرهانی: ۴/۱۴۶، الفصل الثالث فی نفقة ذوی الأرحام، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریة: ۴/۳۹۱، الباب السادس فی الهبة للصغير، رشیدیہ)

(و کذا فی الخلاصة: ۴/۴۰۰، جنس آخر فی الهبة من الصغير، امجد اکیڈمی لاہور)

تجب فی النفقة کیفما أمسکھ للنماء أو النفقة“۔ ردالمحتار: ۲/۸ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ذیقعدہ/۵۴ھ۔

حکومت پاکستان کی طرف سے انتالیس سوالات پر مشتمل استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی! السلام علیکم

جیسا کہ آپ جناب کو علم ہوگا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلے پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسال خدمت ہے، کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنایت فرمائیں گے، چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے، لہذا درخواست ہے کہ آپ جناب ۳۱/اگست/۱۹۴۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔

والسلام! وقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارت مالیات حکومت پاکستان۔

زکوٰۃ کی تعریف

[۴۴۴۷]: ۱..... زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

زکوٰۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟

[۴۴۴۸]: ۲..... کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں عورتوں، نابالغوں، مسافروں،

فاترالعقل افراد، مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

وجوب زکوٰۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟

[۴۴۴۹]: ۳..... زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیے؟

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۲، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۵، کتاب الزکاة، إمدادیہ ملتان)

وجوب زکوٰۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت

[۴۴۵۰]: ۴..... زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے؟

زکوٰۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟

[۴۴۵۱]: ۵..... کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فرداً فرداً

زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے؟

اداروں پر زکوٰۃ

[۴۴۵۲]: ۶..... کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے۔

قابل انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خرید کنندہ پر زکوٰۃ ہے یا بیچنے والے پر؟

[۴۴۵۳]: ۷..... جن کمپنیوں کے حصے قابل انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخص زکوٰۃ کے وقت کس پر

ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی، خرید کنندہ پر یا بیچنے والے پر؟

کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہے؟

[۴۴۵۴]: ۸..... کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالات کے پیش نظر کن کن حالات

میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ بالخصوص ان چیزوں کے بارے میں یا ان (مندجہ ذیل) سے پیدا شدہ حالات میں

کیا صورت ہوگی؟

(الف) نقدی سونا، چاندی، زیورات اور جواہرات۔

(ب) دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی

سکے۔

(ج) بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ رکھی ہوئی چیزیں، لئے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے

قرضے، مرہونہ جائیداد اور ایسی جائیداد جو قابل ارجاع نالاش ہو۔

(د) عطیات۔

(ه) بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

(و) مویشی، شیرخانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل اور پھول۔

(ز) معدنیات۔

(ح) برآمد شدہ دھن۔

(ط) آثارِ قدیمہ۔

(ی) جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

(ک) مچھلی، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

(ل) پیٹرول۔

(م) درآمد برآمد۔

دورِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاکِ زکوٰۃ پر خلفائے راشدین کا اضافہ

[۴۴۵۵]: ۹..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفائے

راشدین (رضوان اللہ علیہم) نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

نِکل، سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوٰۃ

[۴۴۵۶]: ۱۰..... کیا نکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکوں پر

زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو سکے رائج نہیں رہے جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں یا جو دوسرے ملکوں

کے سکے ہیں ان کا بھی اس سلسلے میں شمار ہونا چاہیے یا نہیں؟

مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوٰۃ

[۴۴۵۷]: ۱۱..... مالِ ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے؟ اس سلسلہ میں بینکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی

کیا حیثیت ہے؟

مالِ نامی کے حدود

[۴۴۵۸]: ۱۲..... اعراضِ زکوٰۃ کے لئے مالِ نامی (نمود پذیر) کے حدود بیان کیجئے؟ کیا صرف مالِ

نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوٰۃ کے قواعد

[۴۴۵۹]: ۱۳..... جو مکان، زیورات، دوسری چیزیں کرایہ پر دی جائیں ان پر اور ٹیکسی گاڑی موٹر

وغیرہ پر زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں؟

کن کن مملوکہ جانوروں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہے؟

[۴۴۶۰]: ۱۴..... کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بھینسوں،

مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی زکوٰۃ نقدی کے شکل میں یا

جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جاسکتی ہے؟ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن

حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے؟

اموال زکوٰۃ پر زکوٰۃ کی شرح

[۴۴۶۱]: ۱۵..... جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے؟

کیا دو خلفائے راشدین میں بعض اموال زکوٰۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟

[۴۴۶۲]: ۱۶..... خلفائے راشدین کے دور میں نقدی سکوں، مویشیوں، سامان تجارت زرعی پیداوار

پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی وجوہ بیان کیجئے۔

دوسو نقدی درہم، بیس طلائی مثقالی کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوٰۃ

[۴۴۶۳]: ۱۷..... نقدی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دوسو نقدی درہم اور بیس طلائی مثقال میں واجب ہو تو

یہ سکے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے، اناج کی صورت میں (صاع و سق) پاکستان کے مختلف علاقوں

میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے؟

موجودہ حالات کے پیش نظر شرح زکوٰۃ میں تبدیلی

[۴۴۶۴]: ۱۸..... کیا موجودہ حالات کے پیش نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی

ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

مختلف اثاثوں پر وجوب زکوٰۃ کی مدت

[۴۴۶۵]: ۱۹..... مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوٰۃ ہے؟

[۴۴۶۶]: ۲۰..... اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

ادائے زکوٰۃ میں شمسی و قمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین

[۴۴۶۷]: ۲۱..... زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہیے یا شمسی سال کے حساب

سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہیے؟

زکوٰۃ کے مصارف

[۴۴۶۸]: ۲۲..... زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیے؟

مصارف کے حدود اور ”فی سبیل اللہ“ کا مفہوم

[۴۴۶۹]: ۲۳..... قرآن حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی

حدود بیان کیجئے بالخصوص اصطلاح ”فی سبیل اللہ“ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کیجئے؟

تمام زکوٰۃ کو تمام مصارف میں یا متعین حصہ متعین مصرف میں صرف کیا جائے؟

[۴۴۷۰]: ۲۴..... کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر

خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے، یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے

ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے؟

مستحقین زکوٰۃ کے استحقاق کے حالات اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ کا حق

[۴۴۷۱]: ۲۵..... مستحقین زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے،

پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ

سیدوں بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے؟

مصرفِ زکوٰۃ افراد ہیں یا ادارے؟

[۴۴۷۰]: ۲۶..... کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے؟

غریب، مسکین، بیوہ اور گزارہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوٰۃ

[۴۴۷۳]: ۲۷..... کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحق غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو اپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جاسکتا ہے؟

زکوٰۃ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کرنا

[۴۴۷۴]: ۲۸..... کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ جس سے ہر آدمی بلا لحاظِ مذہب و ملت فائدہ اٹھا سکے۔

زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینا

[۴۴۷۵]: ۲۹..... کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضہ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جاسکتی ہے؟

مصرفِ زکوٰۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟

[۴۴۷۶]: ۳۰..... کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسی میں صرف کی جائے، یا اس علاقے سے باہر، یا پاکستان سے باہر تالیفِ قلوب کے لئے، یا آفاتِ ارضی و سماوی مثلاً زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

ترکہِ میت سے زکوٰۃ لینا

[۴۴۷۷]: ۳۱..... متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر

[۴۴۷۸]: ۳۲..... ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے

لئے حیلہ نہ کر سکیں؟

تخصیصِ زکوٰۃ مرکز کے زیرِ انتظام ہو یا صوبوں کے؟

[۲۲۷۹]: ۳۳..... زکوٰۃ کی تخصیص اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیے یا صوبوں کے ہاتھ

میں، اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہیں؟

زکوٰۃ کے نظم و نسق کا طریقہ اور وصولِ زکوٰۃ کے لئے الگ محکمہ

[۲۲۸۰]: ۳۴..... آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ جمع

کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے؟

زکوٰۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟

[۲۲۸۱]: ۳۵..... کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے، یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض

اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے؟

دورِ خلفائے راشدین میں اغراضِ عامہ کے لئے زکوٰۃ وغیرہ

[۲۲۸۲]: ۳۶..... کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے،

اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا؟

اسلامی ممالک میں وصولیِ زکوٰۃ کا طریقہ

[۲۲۸۳]: ۳۷..... اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب کیا ہے؟

انتظامِ زکوٰۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟

[۲۲۸۴]: ۳۸..... کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیے، یا کوئی

مجلس اُمناء مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیے؟

منتظمینِ زکوٰۃ کی تنخواہوں اور فنڈز کی شرائط

[۲۲۸۵]: ۳۹..... زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں،

الاولس، پنشن، پرائیڈنٹ فنڈ اور شرائط ملازمت کیا ہیں؟

نوٹ: حکومت پاکستان نے ۳۹ سوالات پر مشتمل استفتاء دارالافتاء مظاہر علوم میں بھیجا، حضرت والا دامت برکاتہم نے جوابات تحریر فرمائے، مگر افسوس کہ سوالات دستیاب نہ ہو سکے اس لئے صرف جوابات کو درج کیا جا رہا ہے (☆)۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

۱..... مال مخصوص (نصاب کا چالیسواں حصہ، یا جو شرعاً اس کے قائم مقام ہو جیسے جانوروں میں زکوٰۃ کا متعینہ حصہ) کا شخص مخصوص (مصرف) کو مالک بنادینا اور اس میں اپنی کوئی منفعت نہ ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو: ”ہی تمليك مال مخصوص و هو ربع عشر النصاب أو ما يقوم مقامه من صدقات السوائم لشخص مخصوص، اھ۔“ مراقی الفلاح و طحطاوی (۱)۔ ”أی مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى، اھ۔“ درمختار (۲)۔

۲..... جو شخص عاقل، بالغ مسلم، حر (آزاد) مالک نصاب نامی ہو (جس پر سال بھر گزر چکا ہو اور وہ حاجت اصلیہ سے زائد اور دیون انسانی سے فارغ ہو) اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ عورتوں، قیدیوں، مسافروں، مستأمنوں میں اگر یہ صفات موجود ہوں تو ان پر بھی فرض ہے۔ نابالغوں پر فرض نہیں۔ وہ مجنوں جس کو افاقہ نہ ہو اس پر فرض نہیں، جس کو افاقہ بھی ہوتا ہو اس میں تفصیل ہے، کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ فاتر العقل یعنی کم عقل پر حسب شرائط فرض ہوگی:

”و شرط افتراضها عقل، و بلوغ، و اسلام، و حرية، و العلم به و لو حکماً لكونه في دارنا. وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي، تام، فارغ عن دين له مطالب من جهة

(☆) الحمد للہ! ہمیں خیر الفتاویٰ سے وہی سوالات مل گئے اور شروع میں منسلک کر دیئے ہیں۔

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۳، کتاب الزکاة، قدیمی)

(۲) (الدر المختار: ۲/۲۵۶، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

العباد، وعن حاجته الأصلية، اهـ۔“ در مختار۔ ”(قوله: عقل و بلوغ) فلا تجب على مجنون و صبی، اهـ۔“ شامی (۱)۔

۳..... پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا حکم ہو جائے گا، اس سے قبل اگر علامات بلوغ ظاہر ہوں تو علامات کے ظہور کے وقت سے بالغ تصور کیا جائے گا:

”بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء، فممتی يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتی، اهـ۔“ در مختار (۲)۔

۴..... سونے چاندی کے زیورات میں اور ان میں جن میں سونا چاندی غالب ہو زکوٰۃ فرض ہوگی جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں اگرچہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں:

”ولو كانت الفضة أو الذهب حلياً أو غيره، تجب فيهما الزكاة، اهـ۔“ زیلعی (۳)۔
 ”واللازم في كل منهما و معموله ولو تبرأ أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا، ولو للتجمل، والنفقة ربع عشر، اهـ۔“ در مختار بحذف۔ ”(قوله: أو حلياً) ما تتحلى به المرأة من ذهب أو فضة. (قوله: أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأواني مطلقاً ولو من فضة. (قوله: ولو للتجمل): أي التزين بهما في البيوت من غير استعمال، اهـ۔“ شامی (۴)۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (الدر المختار: ۲/۱۵۳، بلوغ الغلام بالاحتلام، سعید)

(کذا فی فتح القدير: ۹/۲۷۰، فصل فی حد البلوغ، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۶۱، الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ، رشیدیہ)

(۳) (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۲/۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۴) (الدر المختار: ۲/۲۹۸، باب زکاة المال، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۲، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

۵..... اگر حصہ داروں نے کمپنی کو ادائے زکوٰۃ کا وکیل بنادیا ہے تو کمپنی ادا کر دے ورنہ حصہ داران ادا

کریں (۱)۔

۶..... جس کا حصہ خود یا اس کے دوسرے مال زکوٰۃ کے ساتھ مل کر مقدار نصاب ہو اس پر زکوٰۃ فرض

ہوگی، لیکن مشینری اور سامان جو کارخانہ چلانے کے لئے ہے، تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوٰۃ نہیں:

”و شرط حولان الحول و ثمنية المال كالدرهم والدنانير أو السوم أو نية التجارة في

العروض إما صريحاً ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة، أو دلالة بأن يشتري عيناً بعرض

التجارة. اهـ.“ در مختار (۲)۔

۷..... اگر مالک نے سال بھر گزرنے پر فروخت کیا ہے تو فروخت کرنے والے پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگر

اس سے پہلے فروخت کیا ہے تو اس پر فرض نہیں بلکہ خریدنے والے پر فرض ہوگی جب کہ اس کی ملک میں سال بھر

پورا ہو جائے، یا اس کے پاس کوئی اور مال بقدر نصاب ہو تو اس مال سابق کا سال پورا ہونے پر اس کے ساتھ اس

خرید کردہ حصہ پر بھی زکوٰۃ ہوگی (۳)۔

۸..... سونا چاندی رائج الوقت سکے، سوائم، زمین کی پیداوار:

(۱) ”و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً.“ (الدر المختار). ”وأما

المقارنة للدفع إلى الوكيل فهي من الحكمية.“ (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۸، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۶۶، الفصل السابع في أداء الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في فتح القدير: ۲/۱۶۹، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الدر المختار: ۲/۲۶۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/۲۸۷، فصل في حولان الحول، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(۳) ”ولا في هالك بعد وجوبها والمستفاد و لو بهبة أو إرث وسط الحول، يضم إلى نصاب

من جنسه، فيزكيه بحول الأصلي إلخ.“ (الدر المختار: ۲/۲۸۸، فصل في زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۵۶، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۳۸۰، فصل في الغنم، رشيدیه)

(الف) نقدی سونا چاندی کے زیورات، وہ زیورات جن میں سونا چاندی غالب ہو، ان میں بہر صورت زکوٰۃ فرض ہوگی، خواہ یہ تجارت کے لئے ہوں خواہ کسی اور غرض کے لئے ہوں (۱)۔ جواہرات اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں:

”لا زکوة فی اللالی والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً، إلا أن تكون للتجارة، والأصل أن ما عدا الحجرین والسائم إنما یزکی بنية التجارة، اهـ“۔ در مختار (۲)۔

(ب) جن سکوں میں سونا چاندی غالب ہو اور دوسری دھات مغلوب ہو، وہ خالص چاندی سونے کے حکم میں ہے اور جو سکے دوسری دھات کے ہوں یا ان میں دوسری دھات غالب ہو ان میں قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ فرض ہوگی یعنی اگر ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں اور نوٹ میں اس کے روپیوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

”غالب الفضة والذهب فضة وذهب، اهـ“۔ در مختار۔ ”الفلوس إن كانت أثماناً رائجة أو سلعةً للتجارة، تجب الزکوة فی قیمتھا، وإلا فلا، اهـ“۔ شامی (۳)۔

(ج) جو امانت بینک یا کسی دوسری جگہ محفوظ ہو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، جو قرض کسی سے لیا ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، جو قرض کسی کو دیا ہو اس پر واجب ہے، مگر وصول سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں (۴)۔ مرہونہ

(۱) ”واللازم فی مضروب کل منهما و معموله ولو تبرأ أو حلیاً غالب الذهب والفضة فضة وذهب ما غلب غشه یقوم کالعروض، الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۹۸، باب زکاة المال، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۸، الفصل الأول فی الذهب والفضة، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زکاة الذهب والفضة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (الدر المختار: ۲/۲۷۳، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۰، الفصل الثانی فی العروض، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۲۴، باب زکاة عروض التجارة، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة رقمها: ۱)

(۴) ”فتجب زکاتها إذا تم نصاباً أو حال الحول، لكن لا فوراً بل عند قبض أربعین درهماً من الدین =

جائیداد کی زکوٰۃ راہن پر نہیں (۱)۔ متنازعہ فیہ جائیداد کا فیصلہ جس کے حق میں ہوگا اس پر زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ وہ اموال زکوٰۃ میں سے ہو، زمین کاشت پر زکوٰۃ نہیں۔

(د) اگر عطیات ان اموال میں سے ہوں جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور معطیٰ لہ کو مالک بنادیا گیا ہو تو شرائط زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں (۲)۔

(ه) پراویڈنٹ فنڈ میں جو حصہ تنخواہ سے جمع کیا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ شرائط کے مطابق واجب ہوگی اور جو گورنمنٹ خود جمع کرتی ہے اس پر ابھی واجب نہیں، وصول ہونے کے بعد شرائط کے مطابق واجب ہوگی (۳)۔ بیمہ پالیسیاں کی ہمیں تحقیق نہیں کیا ہے (۴)۔

= القوی كقرض و بدل التجارة، الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۰۵/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(و كذا فی التاتارخانیة: ۳۰۰/۲، باب زکاة الديون، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا فی الفتاوی العالمگیریة: ۱/۱۷۵، كتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۱) ”ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم الملك إليه“۔ (البحر الرائق: ۳۵۵/۲،

كتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و كذا فی الدر المختار: ۲۶۳/۲، كتاب الزکاة، سعید)

(و كذا فی التاتارخانیة: ۳۰۶/۲، المال الذي يتوى ثم يقدر عليه، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ”الزکاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا بلغ نصاباً ملكاً تاماً، وحال عليه الحول. الملك

التام أن يكون ملكه ثابتاً من جميع الوجوه، و لا يتمكن النقصان فيه بوجه كما في المديون والمكاتب،

الخ“۔ (التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، كتاب الزکاة، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا فی فتح القدير: ۲/۱۵۳، كتاب الزکاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا فی خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، كتاب الزکاة، مجد اكيڈمی، لاہور)

(۳) ”یہ ظاہر ہے کہ یہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کی جاتی ہے ملازم کی خدمت کا معاوضہ ہے جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آیا،

لہذا وہ محکمہ کے ذمہ ملازم کا ”دین“ ہے۔ زکوٰۃ کے معاملہ میں فقہاء نے دین کی تین اقسام کی ہیں جن میں سے بعض پر زکوٰۃ واجب

ہوتی ہے اور بعض پر نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دین کی کون سی قسم کا ہے؟ اس کے بعد ہی اس مسئلہ کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اس

دین پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں۔ دین کی تین قسمیں فقہاء کی تصریح کے مطابق یہ ہیں:

دین قوی: وہ دین ہے جو کسی مال تجارت کے بدلہ میں کسی پر واجب ہو، مثلاً زید نے کچھ سامان تجارت عمرو کے ہاتھ =

= فروخت کیا۔ عمرو کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگئی یہ قیمت جب تک وصول نہ ہو عمرو کے ذمہ زید کا دین قوی ہے۔ اس دین کا حکم یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ دائن پر واجب ہوتی ہے یعنی جب یہ رقم اسے وصول ہو جائے گی اس وقت اس پر اس تمام عرصہ کی زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا جس میں وہ مدیون کے ذمہ دین تھی، نقد رقم جو کسی کو قرض دی گئی ہو، اس کا حکم بھی یہی ہے۔

دین متوسط: وہ دین ہے جو کسی غیر تجارتی مال کے بدلہ میں کسی پر واجب ہوا ہو، مثلاً زید نے اپنے استعمال کے کپڑے عمرو کو بیچ دیئے، اس کی قیمت جب تک وصول نہ ہو عمرو کے ذمہ دین متوسط ہے۔ اس دین کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں:

صاحب بدائع وغیرہ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ رقم جب تک دائن کو وصول نہ ہو جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور جتنے عرصہ یہ وصول نہیں ہوئی اس عرصہ کی زکوٰۃ وصول یا بی کے بعد بھی دینی نہیں پڑے گی (کما هو مصرح فی آخر عبارة البدائع الآتية)

دین ضعیف: اس دین کو کہتے ہیں جو یا تو کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو جیسے وراثت یا وصیت کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال، یا معاوضہ تو ہو لیکن کسی مال کا معاوضہ نہ ہو، جیسے عورت کا دین مہر، اور بدل خلع وغیرہ۔ اس دین کا حکم بھی یہ ہے کہ جتنے عرصہ یہ رقم وصول نہیں ہوئی، اس عرصہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تین قسمیں علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں زیادہ تفصیل سے بیان کی ہیں..... اھ۔

خلاصہ۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ پراویڈینٹ فنڈ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ دین متوسط ہو اور دوسرے یہ کہ اسے دین ضعیف قرار دیا جائے اور دین ضعیف ہونے کا احتمال رائج ہے، لہذا اس رائج احتمال کی بنیاد پر تو اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں اور اگر اسے دین متوسط قرار دیا جائے تب بھی امام کرخیؒ، صاحب بدائع اور صاحب غایۃ البیان کی تصریح کے مطابق اصح روایت یہی ہے کہ اس پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ شامی: ۳۶/۲، ومنحة الخالق: ۲۳۲/۲۔ البتہ صاحب بحر نے دین متوسط پر زکوٰۃ کے وجوب کو ترجیح دی ہے، لیکن اجرت عبد کے سلسلہ میں انہوں نے ہی یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اگر عبد تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی اجرت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، تاوقتیکہ اس پر قبضہ ہو کر سال نہ گزر جائے اور جب خدمت عبد کی اجرت پر انہوں نے یہ حکم لگایا ہے تو پھر خدمت خُر پر یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوگا، لہذا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ سالہائے گزشتہ کی واجب نہیں ہوتی۔ (پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ، تالیف مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، عنوان: پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ، ص: ۴، ۵، دارالاشاعت، کراچی)

(۴) دیکھئے رسالہ: (بیمہ زندگی، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

(و) سائمنہ جانور اور تجارتی اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے، شیرخانہ کی مصنوعات جو تجارتی ہوں ان میں ان کی قیمتوں کا اعتبار ہوگا۔ زرعی پیداوار اور پھلوں میں عشر ہے یا نصف عشر بشرطیکہ زمین عشری ہو۔ سبزیات اور پھلوں کی تفصیلات کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائی جائیں، بعض میں عشر ہے بعض میں نہیں:

”و یجب العشر فی ثمرۃ جبل وفی مسقی سماء وسیح بلا شرط نصاب و بقاء، اھ۔“

مختار (۱)۔

(ز) جو چیز گھٹنے، ڈھلنے والی ارض خراجی یا عشری سے ملے اس میں خمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہوگا:

”وجد مسلم أو ذمی معدن نقد و حدید فی أرض خراجیة أو عشریة، خمس، اھ۔“

در مختار (۲)۔

(ح) جس دینہ پر اسلام کی علامت نہ ہو اس میں بھی خمس ہے اور جس پر اسلامی علامت ہو وہ لقطہ ہے:

”ولو وجد دفین الجاهلیة خمس، وما علیہ سمة الإسلام من الكنوز فلقطة، وما علیہ سمة

الکفر خمس۔“ در مختار (۳)۔

(ط) اس کا مفہوم واضح نہیں ہوا۔

= ”وسببه: أى سبب افتراضها ملک نصاب حولی۔“ (الدر المختار)۔ ”فلا زکوٰۃ فی سوائم

الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك۔“ (ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۵۹، سعید)

(۱) (الدر المختار: ۳۲۵/۲، کتاب الزکاة، باب العشر، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳۱۷/۱، باب زکاة الخراج، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۱۳/۲، باب العشر، رشیدیہ)

(۲) (الدر المختار: ۳۱۸/۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا فی فتح القدير: ۲۳۲/۲، باب فی المعادن، النخ، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۹۳/۲، باب فی المعادن والركاز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۳) (الدر المختار: ۳۲۲/۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۱۱/۲، باب الرکاز، رشیدیہ)

(وکذا فی المحيط البرهانی: ۵۳۶/۲، باب المعادن و الرکاز، غفاریہ کوئٹہ)

(ی) اس میں بھی عشر ہے جب کہ خراجی زمین نہ ہو: ”يجب العشر في عسل أرض

غير الخراج، اهـ“۔ در مختار (۱)۔

(ک) ان میں عشر نہیں البتہ موتی وغیرہ تجارت کے لئے ہوں تو حسب شرائط زکوٰۃ واجب ہوگی: ”ولا

في لؤلؤ وغيره، وكذا جميع ما يستخرج من البحر، اهـ“۔ در مختار (۲)۔

(ل) اس میں عشر نہیں، اگر تجارت کے لئے ہو تو شرائط کے موافق زکوٰۃ ہوگی: ”ولا في عين قير و

نפט اهـ“۔ در مختار (۳)۔

(م) مسلمان تاجر سے زکوٰۃ لیجائے گی اور ذمی سے نصف عشر لیا جائے گا اور غیر ملکی کافروں سے ان

کے ملک کا معاملہ دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا یعنی وہ جتنا مسلمان سے لیتے ہیں اسی قدر لیا جائے گا، مگر کل مال نہیں

لیں گے، ہمارا معاملہ بہر حال بہتر ہونا چاہئے (۴)۔

(۱) (الدر المختار: ۳۲۵/۲، باب العشر، سعید)

(و کذا في تبیین الحقائق: ۱۰۱/۲، باب العشر، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱۸۶/۱، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار، رشیدیہ)

(۲) (الدر المختار: ۳۲۲/۲، باب الرکاز، سعید)

(و کذا في الدر المنتقى علی هامش مجمع الأنهر: ۳۱۶/۱، باب الرکاز، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا في البحر الرائق: ۴۱۲/۲، باب الرکاز، رشیدیہ)

(۳) (الدر المختار: ۳۳۱/۲، باب العشر، سعید)

(و کذا في النهر الفائق: ۴۵۷/۱، باب العشر، امدادیہ ملتان)

(و کذا في فتح القدير: ۲۵۸/۲، باب العشر، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۴) ”وأما القدر المأخوذ مما يمر به التاجر على العاشر، فالمار لا يخلو: إما إن كان مسلماً أو ذمياً أو

حربياً، فإن كان مسلماً يؤخذ منه في أموال التجارة ربع العشر؛ لأن المأخوذ منه زكاة، فيؤخذ على قدر

الواجب. وأصله ما روينا عن عمر رضي الله عنه أنه كتب إلى العشار في الأطراف أن خذوا من المسلم

ربع العشر، ومن الذمي نصف العشر، من الحربى العشر، الخ“۔ (بدائع الصنائع: ۴۵۵/۲، فصل في

بيان القدر المأخوذ مما يمر به، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا في الدر المختار: ۳۱۳/۲، باب العاشر، سعید)

۹..... اموال زکوٰۃ کی تفصیل احادیث مرفوعہ میں موجود ہے، خلفائے راشدین نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا (۱)۔

۱۰..... سونے چاندی کے سکے یا وہ سکے جن میں سونا چاندی غالب ہے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ وہ رائج ہوں یا نہ ہوں، یا کسی دوسری حکومت کے ہوں سب کا ایک ہی حکم ہے، ایسے سکوں کے علاوہ دوسرے سکے اگر رائج ہوں تو قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ہوگی، اگر رائج نہ ہوں تو زکوٰۃ نہیں، کما مر (۲)۔

۱۱..... مال ظاہر کہتے ہیں گائے، بکری وغیرہ بقدر نصاب کو اور اس مال تجارت کو جس کو تاجر لیکر عاشر پر گزرے۔ مال باطن جو اس کے علاوہ ہو جیسے سونا چاندی اور وہ مال تجارت جو مکان یا دکان میں ہو، بینک میں جمع شدہ رقوم مال باطن کے حکم میں ہیں:

”مال الزکوٰۃ نوعان: ظاہر: وهو المواشى وما يمر به التاجر على العاشر، و باطن: وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، اهـ“۔ شامی (۳)۔

= (و كذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۴۶، باب العاشر، امدادیہ)

(۱) ”أموال الزكاة أنواع ثلاثة: أحدها: الأثمان المطلقة، وهي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة، وهي العروض المعدة للتجارة: والثالث: السوائم“۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۰۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفقه الإسلامى وأدلته: ۳/ ۱۸۱، أنواع الأموال، رشیدیہ)

(۲) ”وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وما غلب غشه منهما يقوم كالعروض، ويشترط فيه النية، إلا إذا كان يخلص منه ما يبلغ نصاباً أو أقل، و عنده ما يتم به أو كانت أثماناً رائجة وبلغت نصاباً من أدنى، فقد تجب زكاته فتجب، وإلا لا“۔ (الدر المختار: ۲/ ۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۹۷، باب زكاة المال، رشیدیہ)

(۳) (رد المحتار: ۲/ ۱۰، باب العاشر، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۰۳، باب العاشر، رشیدیہ)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۴۴۸، فصل في من له المطالب بأداء الوجوب، دار الكتب العلمية، بيروت)

۱۲..... صرف مالِ نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، نامی کے معنی بڑھنے والا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک حقیقۃً جیسے مویشی کہ ان کی نسل بڑھتی ہے اور مالِ تجارت۔ دوسرے تقدیراً، اس کا مصداق سونا چاندی اور وہ سکہ جو رائج ہو:

قال ابن عابدین: ”النماء في اللغة: الزيادة، وفي الشرع: هو نوعان: حقيقي وتقديرى، فالحقيقي الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقديرى تمكنه من الزيادة بكون المال في يده أو يد نائبه، اهـ.“ شامی (۱)۔

”هو قسمان: خلقى وفعلى، فالخلقى الذهب والفضة؛ لأنها تصلح للانتفاع بأعيانها: أى فى دفع الحوائج، فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية لتعيينها لها بأصل الخلقة، فتجب الزكوة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلاً أو نوى النفقة. والفعلى فيما سوى الذهب والفضة، وإنما يكون الإعداد للتجارة فيه بالنية إذا كانت عروضاً أو بنية الإسامة إن كانت سائمة، اهـ.“ طحطاوى (۲)۔

۱۳..... سونے چاندی کے زیورات پر بہر صورت زکوٰۃ ہے، کرایہ کو دخل نہیں، دوسری کرایہ کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں، اگر وہ کرائے کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی، جو چیزیں کرائے پر چلتی ہیں ان کی آمدنی پر شرط کے موافق زکوٰۃ ہوگی (۳)۔

۱۴..... جو جانور تجارت کے لئے ہوں ان پر زکوٰۃ ہوگی، جو جانور شوقیہ، نسل یا دودھ کے لئے ہوں ان میں سے اونٹ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، دُنَبہ پر زکوٰۃ ہوگی جب کہ یہ جانور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چرنے پر

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۹۱، کتاب الزکاة، دارالمعرفۃ، بیروت)

(۳) ”ولا (زکوٰۃ) فی ثیاب البدن..... و دور السکنی و نحوها: أى کثیاب البدن الغير المحتاج

إليها كالحوانیت والعقارات.“ (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی فتح القدير: ۲/۱۶۲، کتاب الزکاة، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

اکتفا کرتے ہوں، بقیہ مرغیوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔ تجارتی جانوروں کی زکوٰۃ قیمت لگا کر چالیسواں حصہ ادا کر دی جائے، نسل کے جانوروں کی زکوٰۃ کا طریقہ تفصیل سے کتب فقہ میں مذکور ہے، ایسے جانوروں کا کم از کم نصاب یہ ہے، اونٹ پانچ، گائے بھینس تیس، بکری چالیس (۱)۔

۱۵..... سونے چاندی کے نصاب سے چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے یہی حساب مال تجارت کی زکوٰۃ کا ہے (۲)۔ جانوروں کی زکوٰۃ میں بہت تفصیل ہے۔ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ بعض صورتوں میں دسواں حصہ ہے، بعض میں بیسواں، یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں (۳)۔

۱۶..... کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، جو احکام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف صاف بیان فرمادیئے خلفائے راشدین نے ان پر عمل کر کے مستحکم کر دیا، احکام منصوصہ بالخصوص مقادیر میں تبدیلی ہو بھی نہیں سکتی (۴)۔

۱۷..... نہ سکوں کی تفصیل معلوم نہ اوزان کی، لہذا جواب سے معذوری ہے۔

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۵، ۲۹۵، کتاب الزکاة، سعید)

(ومجمع الأنهر: ۱/۲۹۲، ۳۰۳، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(والنهر الفائق: ۱/۴۲۰، ۴۳۵، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(۲) ”نصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم كل عشرة أو في عرض تجارة قيمة نصاب

من ذهب و ورق مقوماً بأحدهما، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۲۹۵، باب زکاة المال، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاة المال، امدادیہ)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، باب زکاة الذهب والفضة والعروض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) ”يجب العشر في ثمرة جبل أو مفاضة وتجب في مسقى سماء وسيح كنهر بلا شرط نصاب

وبلا شرط بقاء يجب نصفه في مسقى غرب و دالية، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۲۲۵، ۲۲۸،

باب العشر، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۳۲۶، باب النصاب بوجوب العشر، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدير: ۲/۲۴۲، باب زکاة الزروع والثمار، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۴) ”بأن نصب المقادير بالرأى، لا يجوز“۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان: ۳/۴۹۱، سعید)

- ۱۸..... کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ مقادیر تو قیفی ہیں، اجتہادی اور قیاسی مسائل پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کسی کو یہ حق نہیں کہ احکام وحی کو منسوخ کر سکے: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ الآية (۱)۔
- ۱۹..... ہر قسم کے مال زکوٰۃ پر سال بھر گزرنے سے زکوٰۃ ہوگی: ”لا زکوٰۃ فی المال حتی یحول علیہ الحول“۔ (۲)۔ زمین کی پیداوار اور معدنیات کے لئے سال گزرنا شرط نہیں۔
- ۲۰..... اگر زمین پر خراج موظف ہے تو وہ صرف ایک مرتبہ واجب ہوگا، اگر خراج مقاسمہ ہے یا عشر ہے تو وہ ہر فصل پر واجب ہوگا: ”ولا یتکرر خراج الوظیفۃ بتکرار الخارج، بخلاف خراج المقاسمۃ والعشر؛ لأنهما یتکرران، اھ“۔ مجمع الأنهر (۳)۔
- ۲۱..... قمری سال متعین ہے، کسی خاص مہینہ کی تعیین نہیں، بلکہ جس وقت سے نصاب کا مالک ہوا ہے اسی وقت سے سال بھر پورا ہونے پر زکوٰۃ پوری ہوگی: ”و حولها (أی الزکوٰۃ) قمری لا شمسی، اھ“۔ درمختار (۴)۔

۲۲..... مسلم فقیر، مسکین، عامل، مکاتب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل، لقولہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ الآية (۵)۔ بشرطیکہ یہ لوگ ہاشمی نہ ہوں اور جس مسافر کے ساتھ مال نہ ہو اس کو بقدر

(۱) [المائدہ: ۳]

(۲) (الہدایۃ: ۱/۱۸۵، کتاب الزکاة، مکتبہ شریکۃ علمیہ ملتان)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) (مجمع الأنهر: ۱/۶۶۹، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی الدر المختار: ۳/۱۹۲، باب العشر والخراج والجزیہ، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۲/۲۳۸، باب السابع فی العشر والخراج، رشیدیہ)

(۴) (رد المحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الدر المنتقى: ۱/۲۸۵، کتاب الزکاة دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۴، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(۵) (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

حاجت زکوٰۃ دی جائے (۱) غیر مسلم زکوٰۃ کا مصرف نہیں (۲)۔

۲۳.....فقیر: جو قدر نصاب سے کم کا مالک ہو۔ مسکین: جس کی ملک میں کچھ نہ ہو۔ عامل: جس نے اپنے نفس کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے فارغ کر لیا ہو جیسے عاشر اور ساعی، بقدر عمل اس کو زکوٰۃ دی جائے۔
مکاتب: جس غلام کا مولیٰ سے معاملہ ہو گیا ہو کہ اتنی مقدار ادا کر دو، آزاد ہو جاؤ گے بشرطیکہ اس کا مولیٰ ہاشمی نہ ہو۔

غارم: مقروض جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ قرض ادا کر کے بقدر نصاب بچ جائے۔

”فی سبیل اللہ“ کے مصداق تین ہیں: ۱- منقطع الغزاة، ۲- منقطع الحاج، ۳- طلبہ علم دین۔

ابن السبیل: جس کے ساتھ مال نہ ہو اگرچہ وطن میں مال ہے، کذا فی الشامی (۳)۔

۲۴.....کسی ایک پر بھی خرچ کی جاسکتی ہے، تمام مصارف پر صرف کرنا ضروری نہیں: ”و یصرف

علی کلہم و بعضہم و لو واحدًا من ائی صنف کان، اھ۔“ در مختار (۴)۔ کسی مصرف کو اس قدر

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا﴾ الخ [التوبة: ۶۰]

”مصرف الزکاة والعشر هو الفقیر، و هو من له أدنی شیء: أى دون صاحب نصاب أو قدر نصاب غیر نام، مستغرق فی الحاجة. و مسکین من لا شیء له. و عامل. فیعطى و لو غنیاً، لا ہاشمیاً، بقدر عملہ، و مکاتب، و مديون لا یملک نصاباً فاضلاً عن دینہ و فی سبیل اللہ و ابن السبیل، الخ.“
(الدر المختار: ۳۳۹/۲ - ۳۴۴، باب مصرف، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۱۱/۲، باب مصرف، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۸۷/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(۲) ”و لا تدفع إلى ذمی لحديث معاذ“. (الدر المختار: ۳۵۱/۲، باب مصرف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۸۸/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۲۳/۲، باب مصرف، رشیدیہ)

(۳) (راجع حاشیہ رقم: ۳۸)

(۴) (الدر المختار: ۳۴۴/۲، باب مصرف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۸۸/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲۶۴/۲، باب مصرف، مصطفى البابی الحلبي مصر)

زکوٰۃ دینا مکروہ ہے جس سے کہ وہ خود صاحب نصاب ہو جائے (۱)۔

۲۵..... مصارفِ زکوٰۃ کے ہر طبقہ اور ہر فرد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بنو ہاشم اور ان کے موالی کو لینا جائز نہیں، ایسے حضرات کی خدمت غیر زکوٰۃ سے کیجائے، حکومتِ اسلام کو چاہئے کہ احترام کے ساتھ بیت المال کے دوسرے مدات سے ان کی خدمت کرتی رہا کرے اور اس کا خاص طور پر اہتمام رکھے: ”لا إلی بنی ہاشم و موالیہم، اھ۔“ در مختار (۲)۔ مزی کی کو اختیار ہے کہ حسبِ صوابدید جس کو چاہے دے۔

۲۶..... زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، اگر اداروں کے منتظمین کو زکوٰۃ دی جائے اور وہ مصارفِ زکوٰۃ پر تملیکاً صرف کر دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر تعمیر وغیرہ دوسرے مصارف پر صرف کریں تو جائز نہیں:

”لا یصرف إلی بناء نحو مسجد کبناء القناطیر والسقایة وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد، وکل ما لا تملیک فیہ، اھ۔“ شامی (۳)۔

۲۷..... دیا جاسکتا ہے جب تک وہ مصرف رہیں۔

۲۸..... ایسے موقع میں خرچ کرنا درست نہیں، لما مر من أنه لا تملیک فیہا۔

۲۹..... نہیں دی جاسکتی (۴)۔

(۱) ”وکرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر، إلا إذا کان المدفوع إلیہ مديوناً، أو کان صاحب عیال لو فرقه

علیہم لا یخص کلاً، الخ۔“ (الدر المختار: ۳۵۴/۲، باب المصارف، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۳۲/۱، باب فی بیان المصارف، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۴۶۸/۱، باب المصارف، امدادیہ)

(۲) (الدر المختار: ۳۵۰/۲، باب المصارف، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۲۹/۲، باب المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(۳) (الدر المختار: ۳۴۴/۲، باب المصارف، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۲۴۳/۱، الباب الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۲۰/۲، باب المصارف، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) ”رجل دفع إلی رجل عشرة دراهم، وأمره أن یتصدق بہا، فأنفقها الوکیل، ثم تصدق عن الأمر

۳۰..... بہتر یہ ہے کہ جس بستی کی زکوٰۃ ہو اسی بستی میں خرچ کی جائے، بلا ضرورت دوسری بستی میں بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر دوسری بستی میں زیادہ حاجتمند ہوں، یا لڑکی کے رشتہ دار ہوں، یا زیادہ دیندار ہوں، یا طلبائے علم دین ہوں تو مکروہ نہیں: ”و کرہ نقلها من بلد إلى بلد آخر إلا إلى ذي قرابة أو أحوج أو أصلح أو أوع“ (۱)۔ پاکستان سے باہر بھی بوقت حاجت بھیجنا درست ہے بشرطیکہ مصرف میں خرچ کی جائے۔

۳۱..... متروکہ سے جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر متوفی نے وصیت کی ہے اور مال ظاہر کی زکوٰۃ ہے تو وصول کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں، اگر مال باطن ہو اور وصیت کی ہو تو حسب شرائط ورثہ اس وصیت کو پورا کریں (۲)۔

۳۲..... زکوٰۃ کے فضائل اور ترک زکوٰۃ کی وعید کی تدریس، تعلیم، تذکیر کا اہتمام انشاء اللہ مفید ہے، جائز

= بعشرة دراهم من ماله، لا يجوز ويكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمة، فأمسكها الوكيل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب العاشر في المتفرقات: ۶۴۴/۳، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قديمی)

(۱) (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع في المصارف، رشیدیہ)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۱۳۱/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”إذا مات من عليه زكاة، سقطت الزكاة عنه بموته، حتى أنه إذا مات عن زكاة سائمة، فالساعي لا يجبر الوارث على الأداء..... و لو أوصى بأدائها، لا تسقط بالاتفاق، و لو أوصى بأداء الزكاة يجب تنفيذ الوصية من ثلث ماله.“ (التاتارخانية: ۲۹۶/۲، من جملة الأسباب المسقطه للزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في المحيط البرهانی: ۴۵۵/۲، من جملة الأسباب المسقطه للزكاة، غفاریہ)

(و كذا في فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۵۶/۱، فصل في مال التجارة، رشیدیہ)

تدابیر بھی اختیار کی جاسکتی ہیں۔

۳۳..... مقامی اہل علم اہل اصلاح و ورع کے مشورہ سے مرکز انتظام کرے اور حسب ضرورت دوسرے صوبوں اور علاقوں میں صرف کا انتظام کیا جائے، مگر یہ انتظام ان ہی اموال کے متعلق ہے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکومت کو حق ہے۔

۳۴..... بیت المال کا محکمہ علیحدہ ہونا چاہئے جس میں دیندار، اہل تقویٰ مسائل زکوٰۃ وغیرہ سے واقف کام کرنے والے ہوں اور یہ شعبہ کسی مخصوص شیخ الاسلام کے تحت ہو۔

۳۵..... زکوٰۃ حق فقراء ہے حق حکومت نہیں، حکومت کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ اغنیاء سے وصول کر کے مستحقین پر اپنے انتظام سے صرف کر دے اور وہ بھی اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں۔ اور نہ اہل اموال پر اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے جبر کر سکتی ہے، ہاں اہل اموال کے ذمہ خود ادا کرنا از بس ضروری ہے۔ زکوٰۃ سرکاری محصول نہیں، یہ حق فقراء ہے (۱)۔

۳۶..... وقتی ضروریات و حوادث کے لئے چندہ کی ترغیب دی گئی ہے، بطور محصول کوئی چیز وصول نہیں کی گئی بعض دفعہ کسی مالک کی ضرورت سے زائد مال بطور عاریت لیا گیا ہے، مثلاً کسی کے پاس دو گھوڑے ہیں تو جہاد کے لئے اس کا ایک گھوڑا مستعار لیا گیا جو پھر واپس کر دیا گیا، باقی ضروریات عامہ جزیہ، خراج وغیرہ سے پوری کی جاتی تھیں:

”و مصرف الجزية والخراج و مال التغلبی و هديتهم للإمام، و ما أخذ منهم بلا حرب مصالحنا كسد ثغور، و بناء القنطرة، والجسور، وكفاية العلماء والمتعلمين، والقضاة، و رزق المقاتلة، و ذرائعهم، اه“۔ درمختار (۲)۔

(۱) ”صحح الولوالجی عدم الجواز فی الأموال الباطنة، قال: و به یفتی؛ لأنه ليس للسلطان ولاية الزكاة فی الأموال الباطنة، فلم یصح الأخذ، اه“۔ (البحر الرائق: ۲/۳۹۰، فصل فی الغنم، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۸۹، باب زکاة الغنم، سعید)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۳، فصل فی الغنم، امدادیہ)

(۲) (الدر المختار: ۴/۲۱۷، مطلب فی مصارف بیت المال، سعید) =

۳۷..... پہلے زما۔ نہ میں عامل، ساعی، عاشر، مصدق مقرر تھے، ان کے ذریعہ سے صدقات وصول کئے جاتے تھے اور اب اموال کے اموال کی حفاظت کی جاتی تھی، بیت المال کی حدود مقرر تھیں، ان کے مصارف مقرر تھے۔ موجودہ حکومتوں کا حال حکومت پاکستان معلوم کر سکتی ہے (۱)۔

۳۸..... اس کا جواب نمبر: ۳۳ و ۳۴ سے واضح ہے۔

۳۹..... تنخواہ مد زکوٰۃ سے اس محکمہ کو دی جاسکتی ہے جب کہ وہ ہاشمی نہ ہوں۔ سب سے اعلیٰ شرط دیانت داری سے کام کرنا ہے، بقدرِ عمل تنخواہ دی جائے جو عامل کو اور اس کے اہل و عیال کو توسط کے ساتھ کافی ہو جس میں حسبِ عمل و ضرورت کمی و بیشی ہوتی رہے گی اور جب خیانت کا ثبوت ہو جائے علیحدگی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

جوابات صحیح ہیں: بندہ منظور احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

مجھے ان جوابات سے کامل اتفاق ہے، محمد اسعد اللہ غفرلہ، الجواب صحیح: زکریا کاندھلوی۔

صحیح: جمیل احمد تھانوی، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔



= (و کذا فی مجمع الأنهر: ۲/ ۴۸۵، کتاب الجہاد والسير، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/ ۱۹۰، فصل فیما یوضع فی بیت المال أربعة أنواع، رشیدیہ)

(۱) ”عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: ”إنک ستأتی قومًا أهل الكتاب، فإذا جئتهم إن اللہ قد افترض علیہم صدقۃ تؤخذ من أغنیائہم، وترد علی فقرائہم، فإن ہم أطاعوا لک بذلك، الخ“۔ (صحیح البخاری:

۲۰۳/ ۱، باب أخذ الصدقة من أغنیائہم، قدیمی)

(۲) (راجع، ص: ۳۶۳، رقم الحاشیة: ۱)

باب الزکوة فی الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے چاندی اور نوٹ پر زکوة کا بیان)

زیور کی زکوة

سوال [۴۴۸۶]: ہندہ اور اس کا شوہر ہندہ کے خسر کی شرکت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر ہندہ اور اس کا شوہر اس شرکت کے بجائے الگ ہو کر زندگی بسر کریں تو گزراوقات مشکل ہے یعنی دونوں وقت کھانا اور کپڑا بھی مشکل سے میسر آئے گا۔ ہندہ کے پاس کوئی شکل آمدنی کی نہیں ہے مگر اس کو شادی کے موقع پر اپنے والد کی جانب سے جہیز میں تقریباً ایک ہزار روپیہ کا زیور ملا ہے اور نصف ہزار کی مالیت کے قریب خسر سے ملا ہے مگر بوجہ روزی تنگ ہونے کے زکوة نہیں نکال سکی۔ اس کا خسر باوجود مقدور ہونے کے ادا نہیں کرتا، اس حالت میں ہندہ کو کیا کرنا چاہئے؟

۲..... ہندہ کو جو زیور اس کے خسر سے ملا ہے وہ ہندہ ہی کے قبضہ میں ہے اور ابتدائی زمانہ میں اس کو استعمال بھی کیا مگر اب بوجہ زکوة ادا نہ ہونے کے اس کا استعمال ترک کر دیا لیکن قبضہ ہندہ ہی کا ہے، اس صورت پر اس کی زکوة کس پر واجب ہے آیا ہندہ پر یا اس کے شوہر پر؟ اگر ہر دو صورت میں زکوة ہندہ پر واجب ہے تو ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ ہندہ کو کسی قسم کی آمدنی نہیں اور شوہر میں اس قدر وسعت نہیں۔ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔ فقط والسلام۔

احقر: الناس محمد احسن کوچہ آتشبازاں، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب کہ وہ زیور استعمال کے لئے ہے اور اس لڑکی کی ملک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے تو اس کی زکوة بھی اسی کے ذمہ ہے اس کے خسر کے ذمہ نہیں ہے، اگر ادا نہیں کرے گی تو گناہگار ہوگی (۱) خواہ حساب کر

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي منها حقها إلا إذا كان =

کے زیور زکوٰۃ میں دے یا کوئی ادر چیز زکوٰۃ میں دے:

”لم یختلفوا أن الحلی إذا کان فی ملک الرجل تجب فیہ الزکوٰۃ، فکذا لک إذا کان فی ملک المرأة کالدراهم والدنانیر، وأیضاً لا یختلف حکم الرجل والمرأة فیما یلزمها من الزکوٰۃ، فوجب أن لا یختلفا فی الحلی، اهـ“۔ أحكام القرآن: ۳/۱۳۳ (۱)۔

۲..... اگر ہندہ اپنا زیور اپنی ملک سے نکال کر اپنے شوہر کو دیدے تو شوہر کے ذمہ زکوٰۃ ہوگی ورنہ ہندہ کے ذمہ ہوگی خواہ زیور زکوٰۃ میں دے خواہ اسے فروخت کر کے اس کے پیسے وغیرہ دیدے، یا اس کی قیمت کی کوئی اور شے خرید کر دے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/جمادی الثانیہ/۵۵ھ۔

جس زیور میں پتھر جڑے ہوں ان پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۸۷]: قیمتی پتھر یعنی فیروزہ، یاقوت وغیرہ اگر زیور میں جڑے ہوئے ہیں تو ان کی زکوٰۃ کس اصول کے تحت ادا کرنا چاہئے؟ اور کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟

= یوم القيامة صَفَحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِي عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ“ الخ (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/۸۱، قديمی)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۵۸، باب زكاة الحلی، قديمی)

(و كذا فی التاتارخانية: ۲/۲۳، الفصل الثانی فی زكاة المال، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا فی الفتاوى العالمكیریة: ۱/۷۸، الفصل الأول فی زكاة المال والفضة، رشیدیہ)

(۲) ”ولو كان له إبريق فضة، وزنه مائتان، و قيمته لصيائه ثلث مائة إن أدى من العين يؤدى ربع عشرة، و هو خمسة قيمتها سبعة و نصف، وإن أدى خمسة قيمتها خمسة، جاز، و لو أدى من خلاف جنسه يعتبر القيمة إجماعاً“۔ (الفتاوى العالمكیریة: ۱/۷۹، الفصل الأول فی زكاة الذهب والفضة، رشیدیہ)

(و كذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمیہ، بیروت)

(و كذا فی البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زكاة المال، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے پتھروں پر زکوٰۃ واجب نہیں (۱) ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

چاندی کا نصاب

سوال [۴۴۸۸]: ایک شخص کے پاس دو سو پچاس تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا ہے اب جب کہ ۸/ تولہ چاندی اور ۳/ روپیہ تولہ سونے کا نرخ ہے، زکوٰۃ کی کیا رقم ادا کرنا چاہئے، کتنے روپیہ زکوٰۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے وجوب اور ادا میں رقم کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے لہذا ایک تولہ سونے کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے کہ کتنے میں آتی ہے پھر اسی ایک تولہ سونے کو اتنے تولہ چاندی کے قائم مقام مان کر مجموعہ میں سے زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے (۲) مثلاً اگر اس ایک تولہ سونے سے چاندی خریدنا چاہیں تو پچاس تولہ چاندی آتی ہے (رقم خواہ کسی قدر ہو) پس یہ سونا بمنزلہ پچاس تولہ چاندی کے ہو کر مجموعہ تین سو تولہ

(۱) "و أما اليواقيت والالآلى والجواهر، فلا زكاة فيها، وإن كانت حلياً، إلا أن تكون للتجارة".

(الفتاوى العالمكيريّة: ۱/۱۸۰، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲۷۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۵، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً وجوباً ولا قيمتهما". (الدر المختار). "أى من حيث الأداء، يعنى يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً عند الإمام والثانى، وقال زفر: تعتبر القيمة، واعتبر محمد الأنفع للفقراء، فلو أدى عن خمسة جيدة خمسة زيوفاً الخ". (۲/۲۹۷، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في تبیین الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۱۲، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية، بيروت)

چاندی ہوگئی اور تین سو تولہ چاندی کا چالیسواں حصہ ساڑھے سات تولہ چاندی ہے، اب یا تو اتنی چاندی دیدی جاوے یا اس قیمت کی چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز کسی غریب کی ضرورت کے موافق دیدی جاوے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ذیقعدہ/۵۷ھ۔

چاندی کی زکوٰۃ

سوال [۴۴۸۹]: میری بیوی کے پاس نہ تو ساڑھے سات تولہ سونا ہے اور نہ ہی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، دونوں کو ملا کر دیکھا جاوے، سونے کی قیمت چاندی میں بدل کر دیکھیں تو اتنا وزن ہو جاتا ہے، چاندی کی قیمت کو سونے میں بدل کر دیکھیں تو ساڑھے سات تولہ نہیں ہوتا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ البتہ تعداد میں سچا گوڑہ اور ٹھپا بھی آتا ہے یا نہیں؟ سب کو ملا کر سونے کی قیمت اور سب سامان کی قیمت قریب قریب ٹھیک ہو جاتی ہے۔

میرے پاس نقد روپیہ چار سو ہے اور ایک ہزار روپیہ ایک سال سے ادھار رکھا ہے، سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے فنڈ میں ایک ہزار روپیہ سے زیادہ جمع ہے جس میں آدھا روپیہ تنخواہ میں سے کٹا ہے اور آدھا حکومت نے دیا ہے، دونوں ملا کر پانچ روپیہ فی صد سود لگا دیا جاتا ہے، یہ روپیہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ملتا ہے۔ کیا میں ان روپیوں کے اوپر زکوٰۃ ادا کروں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سونے کو بھی ملا کر چاندی تصور کر لیں یعنی اس سونے کے عوض جتنی چاندی ملتی ہو تو یوں سمجھیں کہ یہ

(۱) "وجاز دفع القيمة فی زکاة وعشر وخراج، الخ". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الزکاة،

باب زکاة الغنم: ۲/۲۵۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الزکاة، مسائل شتی: ۱/۱۸۱، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل وأما صفة الواجب فی سوائم: ۲/۳۳، سعید)

چاندی ہے پھر مجموعہ کی زکوٰۃ ادا کریں (۱)۔ چاندی سونے کے گولے ٹھپے کی بھی زکوٰۃ ہوگی (۲)۔ جو نقد روپیہ آپ کے پاس ہے اس کی زکوٰۃ لازم ہے (۳)، جو روپیہ ادھار دے رکھا ہے اس کے وصول ہونے پر لازم ہوگی، جو روپیہ فنڈ سے ملے گا اس کی زکوٰۃ اس وقت دوسرے نصاب چاندی سونا، نقد کے ساتھ اس کو بھی زکوٰۃ لازم ہوگی ابھی لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

(۱) ”و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة، وقالوا: بالأجزاء الخ.“ (الدر المختار).
 ”إن ما ذكر من وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل، الخ.“ (رد المحتار: ۳۰۳/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية: ۱/۹۷، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيدية)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۱۱، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”الدراهم إذا كانت مغشوشة، فإن كان الغالب هو الفضة، فهي كالدراهم الخالصة: (أي فتجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم الخ..... وإن غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة، فينظر: إن كانت رائجة أونوى التجارة، اعتبرت قيمتها، الخ.“ (الفتاوى العالمية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/۹۷، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار مع رد المختار: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في البدائع: ۲/۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) ”و شرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام، والحرية، و ملك نصاب حولي، فارغ عن الدين وحاجته الأصلية، نام ولو تقديراً، الخ.“ (تبيين الحقائق: ۲/۱۸، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاہور)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) ”وأما على قولهما، فالديون كلها سواء، وهي نصاب كله، تجب فيه الزكاة قبل القبض إذا حال =

سونا چاندی مخلوط کی زکوٰۃ

سوال [۴۴۹۰]: اگر کسی شخص کے پاس ساٹھ تولے یا ستر تولے چاندی اور دو تولے یا ایک تولہ سونا ہو تو سونے کی زکوٰۃ چاندی میں تول کر دی جائے یا سونے کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دی جائے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

سونے کی قیمت لگا کر اس قیمت کو چاندی میں شامل کر کے زکوٰۃ دی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

سونے چاندی کو ملا کر زکوٰۃ دینا

سوال [۴۴۹۱]: زید کے پاس چاندی زائد از نصاب اور سونا سات مثقال سے کم موجود ہے اس صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کے ایک نصاب کی تو مستقل زکوٰۃ ادا کر دی جائے، بقیہ جتنی مقدار ایک نصاب سے زائد ہے اس کو دیکھا جائے، اگر اس کی قیمت اتنے سونے کی مساوی ہے کہ اس کے ذریعہ سے سونے کا نصاب پورا ہو سکتا

= الحول، و لكن لا يجب الأداء قبل القبض، وإذا قبض شيئاً منه يجب الأداء بقدر ما قبض قليلاً كان أو كثيراً. الخ. (التاتارخانية: ۳۰۰/۲، فی زکاة الديون، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مراقی الفلاح: ص: ۷۱۶، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی فتح القدير: ۱۶۷/۲، کتاب الزکاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) ”ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة. الخ: أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها، خلافاً لهما“. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۳۰۳/۲، سعيد)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۸۰/۲، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۴۴۲/۱، باب زکاة المال، رشیدیہ)

ہے تو مجموعہ کو سونے کا نصاب قرار دے کر زکوٰۃ دینا واجب ہے (۱)، اگر اس صورت سے سونے کا نصاب پورا نہیں ہو سکتا تو سونے کی قیمت اگر اتنی چاندی کے مساوی ہے کہ بقیہ چاندی میں ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہو سکتا ہے تو چاندی کا نصاب اس مجموعہ کو قرار دے کر اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۳/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ذی الحجہ/۵۳ھ۔

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ الگ الگ دیجائے

سوال [۴۴۹۲]: ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا رکھنے والے پر فطرہ، زکوٰۃ، قربانی، حج لازم و ضروری ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوٰۃ الگ الگ کر کے دی جائے یا کس طریقہ سے نکالا جائے؟ مال تجارت میں کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟

(۱) ”وفی الینابیع: ولو فضل من النصابین اقل من أربعة مثاقیل وأقل من أربعین درهماً، فإنه یضم إحدى الزیادتین إلى الأخری حتی یتم أربعین درهماً أو أربعة مثاقیل“۔ (التاتارخانیة، کتاب الزکاة، زکاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن، کراچی)

”ویضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب، ویكمل إحدى النصابین بالآخر عند علمائنا ویقوم الدراهم بالدنانیر، فإن بلغت قیمتھا عشرين مثقالاً، تجب فیھا الزکاة“۔ (التاتارخانیة، زکاة المال، کتاب الزکاة: ۲/۲۳۲، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) ”هذا إذا كان له فضة مفردة، أو ذهب مفرد، فأما إذا كان له الصنفان جميعاً، فإن لم یکن کل واحد منهما نصاباً، بأن كان له عشرة مثاقیل و مائة درهم؛ فإنه یضم أحدهما إلى الآخر فی حق تکمیل النصاب عندنا وهذا الذی ذکرنا کله من وجوب الضم، إذا لم یکن کل واحد منهما نصاباً، بأن قلّ من النصاب، فأما إذا كان کل واحد منهما نصاباً تاماً و لم یکن زائداً علیه، لا یجب الضم، الخ“۔ (بدائع الصنائع، فصل فی مقدار الواجب: ۲/۴۱۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۳۲، الفصل الثانی فی زکاة المال، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة، الفصل الأول فی زکاة الذهب والفضة: ۱/۱۷۹، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فطرہ، قربانی، زکوٰۃ کے لئے تو اتنا نصاب کافی ہے مگر حج کے لئے یہ کافی نہیں بلکہ پورے سفر حج کا معہ نفقہ واجبہ کی مقدار کا ہونا ضروری ہے (۱)۔ چاندی، سونا دونوں الگ الگ بقدر نصاب ہوں تو دونوں کی زکوٰۃ بھی چالیسواں حصہ الگ الگ کر کے ادا کریں، مجموعہ کی زکوٰۃ یکجائی بھی ادا کرنا درست ہے (۲)۔ مال تجارت کی زکوٰۃ صرف نفع میں نہیں بلکہ اصل مال اور نفع کا کل مجموعہ چالیسواں ادا کرے (۳)۔ زیور پر بھی زکوٰۃ لازم ہوگی، جس کی ملک ہو اسی کے ذمہ واجب ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۸ھ۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (سورة ال عمران)
”هو (أى الحج) فرض على مسلم حر مكلف صحيح بصير ذى زادٍ وراحلة فضلاً عما لا بد منه
وفضلاً عن نفقة عياله إلى حين عوده الخ“۔ (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحج: ۴۵۳/۲، ۴۶۳، سعيد)

(۲) ”فلو كان كل منهما نصاباً تاماً بدون الزيادة، لا يجب الضم، بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد زكاته،
فلو ضمّ حتى يؤدى كله من الذهب والفضة، فلا بأس به عندنا، ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع
للفقراء رواجاً، وإلا يؤدى من كل منهما ربع عشرة“۔ (رد المحتار: ۳۰۳/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا فى البدائع: ۴۱۳/۲، فصل فى مقدار الواجب، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱۷۹/۱، الفصل الأول فى زكاة الذهب والفضة، رشيدية)

(۳) ”واعلم أن نية التجارة فى الأصل تعتبر ثابتة فى بدله وإن لم يتحقق شخصها فيه، وهو ما قوبض به
مال التجارة، فإنه يكون للتجارة بلا نية به؛ لأن حكم البدل حكم الأصل، وكذا أجرة دار التجارة
وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة فى الصحيح (وفى عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغ نصاباً
من أحدهما)“۔ (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۳۹۹/۲، رشيدية)

(۴) ”واللازم فى مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرأ أو حلياً مطلقاً ربع عشر“۔ (تنوير

الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲۹۷/۲، ۲۹۹، سعيد)

(و كذا فى التاتار خانية، كتاب الزكاة، باب زكاة عروض التجارة: ۲۴۵/۲، إدارة القرآن، كراچی)

لڑکی کے زیور پر زکوٰۃ

سوال [۴۴۹۳]: جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لئے بنایا جاتا ہے یا بنوا کر رکھا جاتا ہے، لڑکی کے ایسے زیور پر اس کے والدین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ یا بعد بلوغ کے لڑکی کے مال پر اس کے والدین کے ذمہ واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زیور لڑکی کی ملک کر دیا ہے تو اس پر زکوٰۃ قبل از بلوغ فرض نہیں نہ لڑکی پر نہ والدین پر، بعد از بلوغ خود لڑکی پر فرض ہوگی (۱)۔ اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، کذا قال الحصکفی فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

مرہون زیور کی زکوٰۃ

سوال [۴۴۹۴]: کسی کے پاس کچھ سونے کا زیور رہن رکھا ہوا ہے اور مدت معینہ سے بھی زائد وقت گزر گیا، اس صورت میں زکوٰۃ کون دے گا؟

(۱) ”(و شرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام) خرج المجنون والصبي، فلا زكاة في مالهما وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإفاقة كالصبي إذا بلغ، يعتبر ابتداء الحول من وقت البلوغ“۔ (البحر الرائق: ۳۵۳/۲، ۳۵۴، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲۰/۲، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۳۷۸/۲، فصل فی شرائط الفرضیة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”واللازم فی مضروب کل منهما و معموله و لو تبرأ أو حلیاً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا و لو للتجمل و النفقة؛ لأنهما خلقا أثماناً، فیزکیهما کیف كانا، الخ“۔ (الدر المختار: ۲۹۸/۲، باب زکاة المال، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲۳۰/۲، الفصل الثانی فی زکاة المال، إدارة القرآن، کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۰۶/۱، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی زکوٰۃ نہ راہن پر واجب ہے نہ مرتہن پر، وہ واپس کر دیا جائے گا تب بھی رہن کی (گذشتہ ایام کی) زکوٰۃ مالک کے ذمہ لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہر کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۴۹۵]: دین مہر نکاح کی زکوٰۃ مرد عورت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ اور مہر ادا نہیں ہوا، لہذا کسی صورت سے ہو مہر کے اوپر زکوٰۃ کا ہونا لازم ہے یا نہیں؟

محمد ابراہیم مغل مزرعہ پرگنہ، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد جب دین مہر عورت کو دیدے اور وہ مقدار نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تب عورت کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر وہ مقدار نصاب نہیں بلکہ اس سے کم ہے اور عورت کے پاس اتنی مقدار موجود ہے جس کو مہر کے ساتھ ملا کر پورا نصاب ہو سکتا ہے تو اس کو ملا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اگر نصاب پورا نہیں ہو سکتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں اسی طرح وصول ہونے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں:

”و عند قبض مأتین مع حولان الحول بعده: أى بعد القبض من دين ضعيف، وهو بدل غير مال كمهر، ودية، و بدل كتابة، و خلع، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف.“
در مختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ ۲۵/۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

(۱) ”(و لا: أى لا يجب الزکوة فى مرهون بعد قبضه): أى لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة، و لا على الراهن لعدم اليد، وإذا استرده الراهن، لا يزكى عن السنين الماضية.“ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فى البحر الرائق: ۲/۳۵۵، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۲) (الدر المختار: ۲/۳۰۶، مطلب فى وجوب الزکاة فى دين المرصّد، سعید) =

زیور کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال [۴۴۹۶]: چاندی اور سونے کا زیور پورے بھاؤ سے تو فروخت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ پُرانا ہوتا ہے اور نصف قیمت پر فروخت ہوتا ہے تو اب جو زکوٰۃ ادا کی جائے گی وہ نئے حساب سے یا پرانے حساب سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی اور سونے کے زیور میں قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، نئے اور پرانے سب کا یہی حکم ہے۔ چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہے، مثلاً اگر دو سو تولہ چاندی کا زیور ہے تو زکوٰۃ پانچ تولہ لازم ہے خواہ چاندی دے خواہ پانچ تولہ کے بازار کے بھاؤ سے قیمت دے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

ادائے زکوٰۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال [۴۴۹۷]: سونا چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے جب کہ خرید کے وقت سونا چاندی کی قیمت اس وقت کے حساب سے بہت کم تھی، چنانچہ خرید کے زمانہ میں سونا ۲۴/ روپیہ بھر کے حساب سے ملتا تھا اور اب ۱۱۵/ روپیہ بھر ملتا ہے۔

استفتی: حکیم حبیب الرحمن، گورنمنٹ رجسٹرڈ نمبر: ۶۱، ماٹ لین دھرم تلہ کلکتہ۔

-
- = (وکذا فی التاتارخانیة: ۳۰۰/۲، الفصل الثانی عشر فی زکاة الدیون، إدارة القرآن، کراچی)
- (وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۳۸/۱، الفصل السادس فی الدیون و مسائلها، امجد اکیڈمی لاہور)
- (وکذا فی الفتاوی العالمگیریة: ۱/۵، الباب الأول فی تفسیرها، وصفتها الخ، رشیدیہ)
- (۱) ”والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً لا قیمتہما“۔ (الدر المختار). وفي رد المحتار: ”و هذا إن لم یؤد من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القيمة إجماعاً كما علمت“۔ (کتاب الزکاة: ۲/۲۹۸، سعید)
- (وکذا فی تبیین الحقائق: ۷۴/۲، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیة بیروت)
- (وکذا فی البحر الرائق: ۳۹۵/۲، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سونا چاندی دونوں وزنی چیز ہیں، ان میں نصاب اور ادائے زکوٰۃ ہر دو کے لئے وزن کا اعتبار ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا اگر دونوں کا نصاب کامل ہو تو دونوں کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ دیدیا جائے، خواہ قیمت کچھ ہو، البتہ اگر سونا چاندی زکوٰۃ میں دینا مقصود نہ ہو تو ادا کرتے وقت جو قیمت قدر زکوٰۃ کی ہو اس کی کوئی اور شے دیدی جائے مثلاً اگر قدر زکوٰۃ دو تولہ سونا واجب ہو تو یا دو تولہ سونا دیا جائے یا اتنی مالیت کی کوئی دوسری چیز دی جائے۔ غرض مستحق زکوٰۃ کے پاس دو تولہ سونے کی مالیت کا پہونچنا ضروری ہے تب زکوٰۃ ادا ہوگی، خریدتے وقت سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں:

”والمعتبر وزنهما أداً، ووجوباً، لا قيمتهما، اهـ“۔ در مختار۔ ”أى من حيث الأداء يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً، و أجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، اهـ“۔ شامی: ۲/۱۴۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شوال/۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/شوال/۶۵ھ۔

چاندی کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال [۲۴۹۸]: میں چاندی کو لیکر دکان پر جاؤں تو اس کو آدھی قیمت کے حساب سے خریدیں گے، اگر لینے جاؤں تو اصل بھاؤ میں دیں گے تو اب کس حساب سے زکوٰۃ دیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زکوٰۃ میں آپ چاندی نہیں دیتے بلکہ اس کی قیمت دیتے ہیں، تو جس قیمت پر وہ بازار میں فروخت

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۹۸، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۴، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۹۵، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، رشیدیہ)

ہوگی اس قیمت کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۸۹ھ۔

بذریعہ قیمت سونے چاندی کی زکوٰۃ

سوال [۴۴۹۹]: عرض یہ ہے کہ میری زکوٰۃ میں اب تک دو غلطی ہوتی رہیں: ایک تو دو چار تولہ سونے کو چاندی کے وزن میں شمار کرتا رہا، سونے کی قیمت کا کوئی حساب نہیں لگایا، اب تک جتنے سالوں کی زکوٰۃ دی ہے سونے کا مختلف بھاؤ رہا ہے، اب کس صورت سے پچھلی زکوٰۃ ادا کی جائے؟ دوسرے چاندی کے زیور کی چاندی کا وزن لگا کر اس کی قیمت لگا کر قیمت دی ہے اور چاندی کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

ایک اشکال یہ ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ میں چاندی منگا کر دینے میں لینے والوں کو اور دینے والوں کو دونوں کو دقت ہے، لینے والوں کو ضرورت تو ہے پیسوں کی اور دی جائے چاندی وہ کہاں بیچتے پھریں گے۔ بیشکی زکوٰۃ میں کوئی شرط ہے، آیا کل ادا کی جائے یا جتنی چاہے وقت ضرورت دے سکتا ہے؟ فقط والسلام۔

کریم علی خان از ڈسنہ میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ سونے کو قیمت لگا کر چاندی کے اعتبار

(۱) ”و تعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالوا: يوم الأداء ويقوم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه.“ (الدر المختار). ”(قوله: وهو الأصح): أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعاً هو الأصح، فإنه ذكر في البدائع أنه قيل: إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل: يوم الأداء، اهـ. وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح اهـ. فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، عليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما.“ (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيدية)

(و كذا في فتح القدير ۲/۲۱۹، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے چاندی فرض کر لی جاوے، مثلاً کسی کے پاس ایک تولہ سونا ہے باقی چاندی ہے اور اس ایک تولہ سونے کی قیمت بازار میں ساٹھ تولہ چاندی ہے تو سونے کو ساٹھ تولہ چاندی فرض کر کے دوسری چاندی کے ساتھ مجموعہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے، ایک تولہ سونے کو بلا حساب قیمت کے ایک تولہ چاندی فرض کر کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے (۱)، لہذا غور و فکر کر کے گذشتہ ایام کی زکوٰۃ کی تصحیح کر دی جائے اور جب قلب شہادت دیدے کہ بس اس سے زیادہ میرے ذمہ باقی نہیں رہی تو ذمہ داری پوری ہو جائے گی، پھر بھی اگر کچھ کوتاہی رہے تو اللہ پاک سے توقع ہے کہ معاف فرمادیں گے۔

چاندی کے زیور کی قیمت لگا کر اگر زکوٰۃ میں چاندی ہی دی جائے تو اس میں وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ دونوں میں وزن کا اعتبار کرنا ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں، تاہم جب دونوں جانب میں قیمت کا اعتبار کر لیا ہے تو حساب برابر ہی ہو گیا (۲)، اگر چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز دی جائے مثلاً سلور کی ریزگاری پیسے، غلہ وغیرہ تو اس میں قدر واجب کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۳) اور اس میں لینے والے اور دینے والے دونوں کو سہولت رہے گی۔ پیشگی زکوٰۃ جب کہ نصاب موجود ہو ہر طرح ادا ہو جاتی ہے چاہے یکمشت ادا کر دے چاہے تھوڑی

(۱) ”و یضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة، وقالوا: بالأجزاء، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقیل قيمتها مائة، عليه زكاتها، خلافاً لهما“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۳۰۳/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۴۴۲/۱، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(۲) ”والمعتبر وزنهما أداءً وجوباً، لا قيمتهما، الخ“۔ (الدر المختار: ۲۹۷/۲، باب زکاة المال، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷۴/۲، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۹۵/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(۳) ”وجاز دفع القيمة فی الزکاة، فلا تعتبر القيمة فی نصاب کیلی أو وزنی وهذا إذا أدى من جنسه وإلا فالمتعبر هو القيمة اتفاقاً، الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم:

۲۷۵/۲، سعید) =

تھوڑی اس میں کوئی فرق نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سونہ اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے

سوال [۴۵۰۰]: زید کے پاس ۳۳/تولہ چاندی ہے اور ساڑھے چار تولہ سوناب زکوٰۃ واجب ہوگی

یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ سونے کو بازار سے معلوم کر لیا جائے کہ یہ کتنی چاندی کا ہے، پھر اسی چاندی کے مقام اس سونے

کو قرار دیکر ۳۳/تولہ چاندی سے ملا کر مجموعہ کا چالیسواں حصہ حسب قواعد شرع زکوٰۃ میں ادا کر دیا جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۵۰۱]: ملمع شدہ چیزوں کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے مثلاً ایک زیور بنوایا، نیچے چاندی اوپر

(۱) "ولو عجل ذو نصاب زکوٰۃ اسنین أو لنصب صح، لوجود السبب". (الدر المختار: ۱۹۳/۲،

باب زکاة الغنم، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۰۸/۱، باب زکاة الذهب والفضة والعروض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۴۱/۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیدمی لاہور)

(۲) "ویضم الذهب إلى الفضة وعکسه بجامع الثمنیة قیمة، وقالوا: بالأجزاء، الخ". (الدر المختار:

۳۰۳/۲، باب زکاة المال، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۴۴۲/۱، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۸۰/۲، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیہ بیروت)

سونے کا پانی یا پتھر چڑھوایا، آیا چاندی کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دیں گے یا سونے کے ساتھ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کا زیور بنوا کر اس پر سونے کا پانی پھیرنے سے وہ زیور سونے کا نہیں ہو گیا، وہ پانی اس سے جدا نہیں ہو سکتا تو وہ کالعدم ہے، چاندی ہی کی زکوٰۃ لازم ہوگی (۱) اگر سونے کے پتھری چڑھوادیئے ہیں جو کہ جدا ہو سکتے ہیں تو ان پتھروں کی زکوٰۃ سونے کے حساب سے ہوگی، سنار یا صراف سے وزن کرا لیا جائے وہ بتادے گا کہ سونا کس قدر ہے اور چاندی کس قدر ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۴ھ۔

نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے

سوال [۴۵۰۲]: نصاب زکوٰۃ چاندی سے کیا ہے؟ ساڑھے باون تولہ چاندی جو مشہور ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ درہم کی کیا مقدار ہے جس سے ساڑھے باون تولہ درست ہو جاوے اور اس کا ماخذ کیا ہے اور آج کل روپیہ جس میں چاندی تھوڑی سی رہتی ہے اور زیادہ تر تانبا رہتا ہے اس کا نصاب کیا ہے؟ بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔

(۱) ”وإن لم ينوها فإن كانت بحيث يتخلص منها فضة تبلغ نصاباً وحدها أولاً تبلغ، لكن عنده ما يضمنه إليها وإن لم يتخلص فلا شيء عليه؛ لأن الفضة هلكت فيه والذهب المخلوط بالفضة وإن بلغت الفضة نصابها فزكاة الفضة، لكن إن كانت الغلبة للفضة“۔ (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۱۳، ۲۱۴، مصطفى البابی الحبلى مصر)

(۲) ”الدنانير الغالب عليها الذهب كالمحمودية حكمها حكم الذهب والغالب عليها الفضة وإلا يعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً به؛ لأن كل واحد منهما يخلص بالإذابة، اهـ“۔ (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۲، سعيد)

”لا يعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة، فتجب الزكاة فيها سواء كانت دراهم مضروبة أو نقرة أو تبراً أو حلياً مصوغاً أو حلية سيف أو منطقة إذا كانت تخلص عند الإذابة إذا بلغت مائتي دراهم، الخ“۔ (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل: أما الأثمان المطلقة: ۲/۱۶، ۱۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے: ”لیس فیما دون خمس أواق صدقة، والأوقية أربعون درهماً“۔ بخاری (۱) ومسلم (۲) سے اس حدیث کی تخریج امام زیلعی نے نصب الراية: ۳۶۳/۲ (۳) میں کی ہے، پھر اس مقدار کو علمائے ہندوستان نے وزن سے اعتبار کیا تو ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ زائد ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ کم۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس کی مقدار چھبیس روپیہ سکہ دہلی تحریر فرمائی ہے اور محشی نے سکوں کے اختلاف سے کچھ تفاوت بھی لکھا ہے (۴) ایک درہم کی مقدار ستر جو دم بریدہ ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۲۰ میں لکھا ہے (۵) تو درہم بھی مختلف ہوئے اور جو بھی مختلف، لہذا نصاب کی مقدار میں بھی اختلاف ہوا۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی نے نصاب کی مقدار بہت ہی کم تحریر فرمائی ہے (۶)۔ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کچھ تخطیہ کیا ہے، منشاءً خطا اگر دیکھنا ہو تو العرف الشذی ص: ۲۷۶ دیکھئے (۷)، آج کل کے روپیہ کا نصاب قیمت سے ہوگا وزن سے نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب: لیس فی ما دون خمس ذود صدقة: ۱/۱۹۶، قدیمی)

(۲) (الصحيح لمسلم، کتاب الزکاة: ۱/۳۱۵، ۳۱۶، قدیمی)

(۳) (نصب الراية، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۲/۳۷۳، حقانیہ پشاور)

(۴) أقول: إن هذا لا يصلح ردّاً على مانقل البيهقي، ووزن صاع العراقيين على تقدير علماء الهند فيه

أقوال: منها أنه مائتان وسبعون تولجة، وأحسن ما صنف في صاعنا رسالة الشيخ المخدوم هاشم بن

عبد الغفور السندی - رحمه الله - وقال فيها: إن فلس السلطان عالمكير مساوٍ لمثقال شرعي.....

قال القاضي ثناء الله الباني بتي: إن نصاب الفضة اثنان وخمسون تولجة، ونصاب الذهب سبعة تولجات

ونصفها. والقاضي المرحوم من خدائقنا. (العرف الشذی علی هامش جامع الترمذی: ۱/۲۰، أبواب

الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

(۵) (فتاویٰ رشیدیہ، صدقہ فطر کا بیان: ۴۴۶، سعید)

(۶) (عمدة الرعاية، کتاب الزکاة، باب زکاة الأموال، (رقم الحاشية: ۵): ۱/۲۲۹، سعید)

(۷) ”ولقد أخطأ مولانا عبدالحی فی نصاب الفضة والذهب، فإن حسابه غير مستقيم، واعتبر بأحمر الأطباء وهو

أربع شعيرات“. (العرف الشذی علی جامع الترمذی، کتاب الطهارة، باب الوضوء بالمد: ۱/۲۰، سعید)

نوٹ پر زکوٰۃ

سوال [۲۵۰۳]: (الف) آج کل روپیہ دو روپیہ کے نوٹ کا رواج عام ہو گیا ہے، چاندی کا روپیہ نہیں رہا، بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ زکوٰۃ تو سونے چاندی یا اس کے سکے پر ہے، ہمارے پاس سونا چاندی یا اس کا سکہ نہیں ہے نوٹ ہیں جو وجوب زکوٰۃ کے حکم میں نہیں۔ نیز یہ کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت علماء فرماتے ہیں کہ چاندی کے روپے یا سکہ دھات وغیرہ سے نوٹ بدل کر زکوٰۃ ادا کرو، جب نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تو پھر اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہوتی ہے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور نوٹ سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا نوٹ کو دوسرے سکہ دھات وغیرہ سے بدل کر زکوٰۃ ادا کریں شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) بعض حضرات علماء فرماتے ہیں کہ نوٹ دراصل سکہ نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، اگر پھٹ جائے یا خراب ہو جائے تو نمبر دکھانے سے دوسرا مل جاتا ہے، اس کا روپیہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے جو گورنمنٹ کے ذمہ ہو گیا اور چونکہ رسید ہے سکہ نہیں ہے اس لئے اس سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چونکہ زکوٰۃ میں نوٹ دینا مال دینا نہ ہوا، رسید دینی ہوئی۔ اس جواب پر مندرجہ ذیل شبہات پیدا ہوتے ہیں:

۱- نوٹ کے ساتھ یہ تخصیص کہ اگر خراب ہو جائے یا پھٹ جائے تو نمبر دکھانے سے مل جاتا ہے، اسی طرح روپیہ تقریباً بھی اگر خراب ہو یا ٹوٹ جائے تو گورنمنٹ اس کے بدلنے کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس لئے صرف نمبر دکھا کر بدلنے کو رسید قرار دینا کیونکر درست ہوا؟ جب کہ چاندی کے روپے خراب ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں بھی دوسرا مل جاتا ہے؟ اس صورت میں یا تو روپیہ کو بھی رسید قرار دیا جائے ورنہ نوٹ کو بھی سکہ رائج الوقت قرار دیکر زکوٰۃ کا لین دین مثل چاندی سونے کے درست قرار دیا جائے۔

۲- یہ کہ گورنمنٹ کا کوئی اس طرح اعلان نہیں جس سے یقین کر لیا جائے کہ نوٹ واقعی رسید ہے سکہ نہیں، بلکہ حکومت کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ بجائے نوٹ کے مٹی یا گارے یا کپڑے وغیرہ کے سکے چلا دے، اگر بالفرض و محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے تو گورنمنٹ کے قرض کی ذمہ دار اس کی رعایا ہوا کرتی ہے، جیسے ہندوستان سے کروڑ ہا روپیہ قرض کا وصول کیا جاتا ہے تو جب بہر صورت رعایا ہی مقروض ہوتی ہے تو پھر مسلمان رعایا کے پاس خواہ چاندی ہو یا سونا یا نوٹ، مقروض ہونے کی صورت میں اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہ ہونا چاہئے۔

۳- اب جب کہ بعض علمائے کرام نوٹ کو رسید قرار دے چکے تو ادائیگی زکوٰۃ کی صورت ملاحظہ فرمائیں کہ روپیہ لیکر ریزگاری میں یا نوٹ سے غلہ کپڑا وغیرہ خرید کر دیں یا کہ مال دیا جائے تب زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ، قربانی کی کھال کی قیمت ادا ہوگی جس کی آسان صورت یہ بتلائی گئی کہ اگر کسی شخص کو دس روپیہ کے نوٹ زکوٰۃ میں دینا ہے تو اس روپیہ کا کوئی مال خرید کر رکھ لے مثلاً کپڑا، غلہ، کتابیں وغیرہ مسکین کو دیدیں، اس سے کہو کہ اس کو تم بازار میں فروخت کرو گے تو اگر تمہارا جی چاہے تو ہمیں فروخت کر دیں تو دس روپے کے نوٹ دیکر اس کو خرید لیں اس کو نوٹ دیدیں وہ شی پھر سے قبضہ میں آگئی۔

اس فرمان عالی پر عرض ہے کہ موجودہ روپے یا سابق چاندی کا روپیہ یا ریزگاری کا اتنا قسط ہے کہ شہر اور دیہات میں کسی زائد قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہو سکتی، اب صرف نوٹ ہیں، اس شکل میں خواص کا تو ذکر ہی نہیں عام مسلمان جو پہلے سے تنگدلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس قدر احتیاط کس طرح کر سکتے ہیں تو اس صورت میں ادائیگی میں خطرات ہیں کہ کہیں عام مسلمان زکوٰۃ دینا ترک نہ کر دیں۔

۴- ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنے یا چودہ آنہ دینا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جب کہ قانوناً ہر نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنے مقرر ہیں تو حکم شرعی کیا ہے؟ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل سمجھا جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) نوٹ خود چاندی یا سونے کا سکہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی رسید ہے جو گورنمنٹ یا بینک کے ذمہ بطور قرض موجود اور اس کی وصولیابی پر اس نوٹ کے ذریعے قدرت حاصل ہے لہذا درحقیقت اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے بہتر یہ ہے کہ اس کی یا اس کی قیمت کی کوئی شے غلہ، کپڑا وغیرہ زکوٰۃ میں ادا کریں تاکہ بالیقین زکوٰۃ ادا ہو جائے، اگر زکوٰۃ میں نوٹ دیا اور مصرف زکوٰۃ فقیر نے اس کے عوض سکہ غلہ وغیرہ کوئی مال حاصل کر لیا تب بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی لیکن اگر وہ نوٹ فقیر سے ضائع ہو گیا مثلاً جل گیا، گھل گیا، گم ہو گیا، یا اس نے کسی کرایہ، اجرت وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

(۱) دور حاضر کے اکثر علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی ”فقہی مقالات“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: =

(ب) ۱- روپیہ میں فی حد ذاتہ خود مال موجود ہے، اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کے بدلنے کی ذمہ داری نہ ہو تو اس کی قیمت ہی کچھ نہیں، لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ آج کل چھوٹے نوٹ پر ایسی عبارت درج نہیں، بڑے نوٹ پر اب بھی درج ہے۔

= ”جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور چونکہ اب یہ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لئے ان نوٹوں پر قرض کی زکوٰۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہونگے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، وجوب زکوٰۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامان تجارت کی طرح ہے یعنی جس طرح سامان تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے۔

اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطور زکوٰۃ کے دیئے جائیں تو جس وقت وہ فقیران سکوں کو اپنے قبضے میں لے گا اسی وقت اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوٰۃ فی الفور ادا ہو جائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف نہیں رہے گی۔“ (فقہی مقالات: ۱/۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

”وفی الشرنبلا لية: الفلوس إن كانت أثماً نأ رائجة أو سلعة للتجارة، تجب الزكاة فی قيمتها، وإلا فلا اهـ.“ (الدر المختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعید)

”وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، ونقد الثمن، ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود.“ (المبسوط للسرخسی: ۲/۲۲، کتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، الجزء الثاني، الغفاريه، كوئته)

”إن الزكاة تجب فی الغطارفة إذا كانت مائتين؛ لأنها اليوم من دراهم الناس وإن لم تكن من دراهم الناس فی الزمن الأول، وإنما يعتبر فی كل زمان عادة أهل ذلك الزمان، ألا ترى أن مقدار المائتين لوجوب الزكاة من الفضة إنما تعتبر بوزن سبعة الخ.“ (البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زكاة المال، رشیدیہ)

”(وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب) یعنی فی عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً، يعتبر فيهما الأنفع أيهما كان، الخ.“ (تبیین الحقائق: ۲/۷۷، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

”ويجوز دفع القيم في الزكاة والعشر والخراج، الخ.“ (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل في الخيل، دار الكتب العلمية بيروت)

۲- یہ فرض محال نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری ہے، گورنمنٹ کے ذمہ رعایا کا قرض ہے (۱) جس کی رسید نوٹ ہے اور اس کے ذریعہ سے رعایا کو گورنمنٹ قرض دیکر وصول کرتی ہے، یہ نہیں کہ رعایا کے ذمہ گورنمنٹ کا کوئی قرض ہے جس کی وجہ سے رعایا کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط کر دیا جائے اور جنگ کا روپیہ جو گورنمنٹ لیتی ہے وہ بھی قرض لیتی ہے، بعد اختتام جنگ اس کی واپسی کا وعدہ کرتی ہے، اس سے رعایا مقروض نہیں ہوئی پھر اس کے ذمہ سے زکوٰۃ کیوں ساقط ہوئی۔

۳- اگر ہر شخص کو یہ صورت سہل نہیں جس قدر زکوٰۃ واجب ہے اس کا کوئی مال خرید کر فقیر کو دیدیا جائے (۲)، ریزگاری اگر نہیں ملتی تو مال تو ملتا ہے اس میں کیا اشکال ہے، نوٹ کے ذریعہ سے بازار میں بہت مال ملتا ہے۔

۴- نوٹ کے عوض کمی زیادتی جائز نہیں (۳)، روپیہ کے عوض کمی زیادتی درست ہے، ریزگاری روپے خالص بیع صرف نہیں، البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری جانب بھی ایسا ہی ہو تو

(۱) دیکھئے: (فقہی مقالات لمولانا المفتی محمد تقی عثمانی دامت فیوضہ ”کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم“: ۲۳، ۱۳/۱، میمن اسلامک پبلشرز)۔

(وفقی مسائل لخالّد سیف اللہ رحمانی: ۱/۱۱۷، المصباح)

(۲) قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”فلو أطعم یتیمًا نأویاً الزکاة، لایجزیہ، إلا إذا دفع إلیہ المطعوم کمالو کسأه بشرط أن یعقل القبض، إلا إذا حکم علیہ بنفقته“۔ (الدر المختار)۔ وقال ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: إلا إذا دفع إلیہ المطعوم)؛ لأنه بالدفع إلیہ بنية الزکاة یهلک، فیصیر آکلًا من ملکہ..... (قوله: إلا إذا حکم علیہ بنفقته)..... قلت: هذا إذا کان علی طریق الإباحة دون التملیک كما یشعر به لفظ الإطعام، ولذا قال فی التاتاریخانیة عن المحیط: إذا کان یعول یتیمًا ویجعل ما یکسوه ویطعمه من زکاة ماله، ففي الکسوة لاشک فی الجواز لوجود الرکن وهو التملیک، وأما الطعام فما یدفعه إلیہ بیده یجوز أیضاً“۔ (رد المحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة: ۲/۳۵۳، رشیدیہ)

(۳) ”موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے، کسی زیادتی کے ساتھ نہیں“۔ (فقہی مقالات، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۷، میمن اسلامک پبلشرز)

مساوات شرط ہے (۱) ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ یا دوسری دھات کے مقابلہ میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیچ درست ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

نوٹ کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۰۴]: اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا نوٹ ہے تو اس کی زکوٰۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی تولہ چاندی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اور شے دیدے سب جائز ہے (۳)۔ فقط۔

نوٹ سے زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۵۰۵]:مد زکوٰۃ کے روپے مدرسہ کے غریب فنڈ میں جس سے غریب طلبہ کی خرچ برداری کی جاوے داخل کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں، یا کہ حیلہ کرنا ہوگا؟ آپ کے مدرسہ میں اس کا

(۱) ”فإن كان الغالب الذهب في الدينار والفضة في الدراهم فهما كالذهب الخالص والفضة الخالصة اعتباراً للغالب.....، وإذا كان كالخالصين، فلا يجوز بيعهما بالخالص مع الذهب والفضة إلا متساويين في الوزن، وكذا بيع بعضها ببعض“۔ (فتح القدير، كتاب الصرف: ۱۵۲/۷، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۲) ”وإن كان الغالب عليهما الغش، فليسا في حكم الدراهم والدينار..... فإن بيعت بجنسها متفاضلاً، جاز صرفاً للجنس إلى خلاف الجنس، فهي في حكم شيئين: فضة وصفر، الخ“۔ (الهداية، كتاب الصرف: ۱۰۹/۲، شرکت علمیه، ملتان)

(۳) اب نوٹ کا حساب زکوٰۃ قیمت کے اعتبار سے ہوگا یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر جس قدر نوٹ ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے چالیسواں حصہ کی جو قیمت ہو اتنے نوٹ واجب ہونگے۔

(تقدم تخريجه تحت عنوان: ”نوٹ پر زکوٰۃ“)

کیا طریقہ ہے؟

۲..... امداد الفتاویٰ میں مرقوم ہے کہ زکوٰۃ، فدیہ، فطرہ وغیرہ میں نوٹ دینے سے ادا نہیں ہوتی بوجہ حوالہ ہونے کے، کیونکہ نوٹ عین روپیہ نہیں بلکہ سند ہے، جب بیت المال میں اس کو داخل کر دے، روپیہ مل جاوے (۱)۔ اس پر موجودہ حالت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اب تو یہ نوٹ بعینہ روپیہ ہوگا بوجہ اس کے کہ اس نوٹ کو بیت المال میں داخل کرنے سے بھی چاندی کے روپیہ یا موجودہ لیکن کے روپیہ نہیں ملتا ہے۔ غایۃ الامر اتنا ہوتا ہے کہ زیادہ رقم کے نوٹ دینے سے وہ ایک روپیہ والا نوٹ دے دیتا ہے اس معذوری کی وجہ سے نوٹ سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہونے کا حکم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ہمارے مدرسہ میں جو نوٹ زکوٰۃ میں آتے ہیں وہ بعینہ طلباء کو نہیں دیئے جاتے یا ان کو بھنا کر ریز گاری نقد وظيفہ کی صورت میں دیتے ہیں، یا کپڑا خرید کر، یا جوتہ خرید کر، یا غلہ خرید کر اس کی روٹی پکا کر، یا کتابیں خرید کر دیتے ہیں اس سے بلاشبہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (۲)۔

۲..... نوٹ خود روپیہ نہیں بلکہ حوالہ ہے جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں ہے اس لئے نوٹ کی کوئی شے خرید کر زکوٰۃ میں دی جائے تاکہ زکوٰۃ ادا ہو جائے، اگر نوٹ زکوٰۃ میں دیا گیا تو اس سے زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فقیر اس نوٹ کے عوض کوئی مال حاصل کر لے تب زکوٰۃ ادا ہوگی اگر فقیر سے وہ نوٹ کسی طرح ضائع ہو گیا، یا

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الزکوٰۃ والصدقات: ۵۰۴/۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال العلامة زين الدين ابن نجيم رحمه الله تعالى: "وقيد بالتملك احترازاً عن الإباحة، ولهذا ذكر الولواجي وغيره أنه لو عال يتيماً، فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله، فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التملك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده، يجوز أيضاً لهذه العلة". (البحر الرائق، كتاب الزکوٰۃ: ۳۵۳/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲۵۷، سعید)

لیکن اس صورت میں زکوٰۃ اس لئے ادا ہو جائے گی کہ زکوٰۃ میں دفع القیمت جائز ہے: (کما مرّت تحت عنوان: "چاندی کا نصاب"، و تحت عنوان "سونے چاندی کی زکوٰۃ بذریعہ قیمت"۔)

اس نے کسی ڈاکٹر کی فیس، یا کرایہ ریل وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے قرض ادا کیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۶۳ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۶]: اگر کسی نے زکوٰۃ میں نوٹ ادا کئے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مدارس عربیہ میں اکثر لوگ بذریعہ ڈاک یا دوسرے ذرائع سے زکوٰۃ میں نوٹ ہی ادا کرتے ہیں۔ اس صورت میں زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے آنے والے فتاویٰ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے حوالہ اور سند ہے (مال نہیں) لیکن اس دور میں تقریباً روپیہ معدوم ہے، سب کاروبار نوٹ سے ہی ہوتا ہے اور سب جگہ نوٹ ہی بلا تردد روپیہ کے قائم مقام بلکہ روپیہ سے زیادہ قابل قدر شمار ہوتا ہے اس لئے اب نوٹ کے ذریعہ سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۸ھ۔

نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۷]: ملفوظات حصہ ہفتم، ص: ۳۰۵، رسالہ المبلغ نمبر: ۸، جلد نمبر: ۱۳، بابت ماہ جمادی الاولیٰ/ ۶۱ھ، ملفوظ نمبر: ۴۴۶، ایک نواب صاحب نے بذریعہ تحریر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آج کل روپیہ تو ملتا نہیں صرف نوٹ ملتا ہے جس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کس طرح ادا کی جائے؟ حضرت اقدس

(۱) اصل حکم نوٹ کا یہی ہے لیکن اب اس کا رواج اور تعامل بالکل روپے (درہم) کی طرح ہے اور یہی اب نقد کے حکم میں ہو گیا،

حوالہ نہیں رہا اب نوٹ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”نوٹ پر زکوٰۃ“۔)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”نوٹ پر زکوٰۃ“)

نے تحریر فرمایا کہ زکوٰۃ غلہ و دیگر اشیاء سے بھی ادا ہو سکتی ہے پھر زبانی فرمایا کہ یہ فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اشکال: ۱..... اب تک زکوٰۃ کے ادا کرنے کا یہ عمل رہا ہے کہ بذریعہ منی آرڈر مدارس میں دوسری جگہ زکوٰۃ ارسال کی گئی اور نوٹ ڈاکخانہ میں آگئے اور وہاں ڈاکخانہ سے نوٹ وصول کئے گئے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو گذشتہ عمل کے درستی کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور آئندہ کس صورت سے زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، یا جس شخص نامستحق زکوٰۃ کو اصالۃ زکوٰۃ دی گئی اور اس کو نوٹ دیا گیا اور اس کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ بمد زکوٰۃ ہے کیونکہ بتلانا مناسب نہیں تھا۔ اب اگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تو اس کی درستی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

۲..... ہم ملازمین کو تنخواہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں اور نوٹ ہی ہم لوگوں کی جائیداد ہے، چاندی یا سونایا روپیہ نہیں ہے تو نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

۳..... آج کل جو روپیہ ملتا ہے اس میں بھی چاندی نہیں ہوتی ہے تو اس کا حکم مثل نوٹ کے ہے یا مثل چاندی کے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... نوٹ روپیہ نہیں بلکہ رسید اور حوالہ ہے، نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ فقیر سے ضائع نہ ہو بلکہ وہ اپنے تحصیل مال میں صرف کرے خواہ اس کا روپیہ بنالے یا اس کے ذریعہ سے کوئی اور شی خرید لے، اگر خود نوٹ فقیر سے ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی (۱)، لہذا اگر کسی مقام پر یہ علم ہو جائے کہ فلاں فقیر سے زکوٰۃ میں دیا ہوا نوٹ ضائع ہو گیا ہے تو اتنی مقدار زکوٰۃ کو دوبارہ دی جائے ورنہ گذشتہ ادا کی ہوئی زکوٰۃ کی تجدید کی ضرورت نہیں۔

۲..... نوٹ اگرچہ خود روپیہ نہیں لیکن ایسے قرض کی رسید ہے جس پر ہر وقت قدرت ہے لہذا اس پر زکوٰۃ

(۱) یہ حکم اس وقت کا ہے جب نوٹ کا روپیہ عام طور پر ملتا تھا، اب نوٹ ہی بمنزلہ روپے کے ہے، لہذا اس کے ذریعے سے زکوٰۃ

ادا ہو جاتی ہے۔ (تقدم تفصیلہ تحت عنوان: ”نوٹ پر زکوٰۃ“۔)

(وأيضا تقدم تخريجه تحت عنوان: ”نوٹ سے زکوٰۃ کا حکم“۔)

واجب ہے (۱) جو ادائیگی کی صورت دوسرے مال میں زکوٰۃ کی ہے وہی نوٹ میں ہے۔

۳..... اس روپیہ میں اگر چاندی کم ہے لیکن قیمت میں بالکل چاندی کے برابر ہے لہذا جو حکم خالص

چاندی کے روپیہ کا ہے وہی اس کا ہے قیمت کے اعتبار سے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۸/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/شعبان/۶۱ھ

نوٹ اور ریزگاری سے زکوٰۃ

سوال [۴۵۰۸]: زید کے پاس ایک ہزار روپیہ کے نوٹ ہیں وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے پہلا روپیہ جس میں چاندی غالب تھی نہیں ملتا، ذیل کی چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جاسکتی ہے:

۱- زکوٰۃ نوٹ سے ہی ادا کر دی جائے اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہوگی تو کیا پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا کسی قید کے ساتھ؟

(نوٹ) نوٹوں کی اور دیگر مال مثل نقدی یا زیور وغیرہ کی زکوٰۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہے یا مطلقاً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

۲- نیا سکہ جو اب جاری ہوا (اس میں چاندی محض چار آنہ بھری ہوتی ہے) اس سے زکوٰۃ ادا کرے

(۱) (دیکھئے: فقہی مقالات ”کرنسی نوٹ اور زکوٰۃ“: ۱/۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

(۲) ”وما غلب غشه منهما یقوم کالعروض، وحاصله أن ما یخلص منه نصاب أو کان ثمناً رائجاً، تجب

زکاته، سواء نوى التجارة أولاً، الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال:

۳۰۰/۲، سعید)

”وکان الشیخ أبو بکر محمد بن الفضل یوجب الزکاة فی الغطریفیة والعادلیة فی کل مائتی

درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فیهما غالب، فصار فلوساً فوجب اعتبار القيمة فیہ، لا الوزن،

الخ“۔ (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۷۷/۲، عباس احمد الباز)

تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس سے زکوٰۃ پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا مشروط طریق سے اور وہ شرائط کیا ہیں؟ کیا اس روپیہ سے زکوٰۃ مطلق ادا ہو جائے گی یا بموجب جنس مال (یعنی نوٹ، زیور، نقد) زکوٰۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہوگا اور وہ فرق کیا ہے؟

(نوٹ) اس روپیہ سے زکوٰۃ ادا کرنے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ یہ روپیہ چاندی نہیں کیونکہ اس میں صرف چار آنہ کی مقدار چاندی ہے اور باقی دوسری دھات یعنی کھوٹ اور چاندی، اگر غیر چاندی سے مل جائے اور غیر چاندی کا عنصر غالب ہو تو مرکب پر چاندی کا حکم نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ وہ اسباب کے حکم میں ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ نیا روپیہ پہلے کھرے روپیہ کی قیمت کا ہی نہیں بلکہ اس سے کم قیمت ہے، اگر کہا جائے کہ نیا روپیہ سرکاری طور پر پہلے کھرے روپیہ کا قائم مقام ہے پہلے اسے کھرے روپیہ کی قیمت سمجھ کر اس کو زکوٰۃ میں دینا درست ہوگا تو اسی طرح نوٹ بھی تو سرکاری طور پر کھرے روپیہ کی قیمت قرار دیا گیا ہے پس زکوٰۃ میں روپیہ کے بجائے اگر نوٹ دیدیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جانی چاہئے، اگر اندریں صورت بھی نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تو اس مروجہ روپیہ میں اور نوٹ میں کیا فرق ہے؟

۳- پیسوں سے یا غیر چاندی اکنیوں، دونیوں، چونیوں سے زکوٰۃ ادا کرے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی ادائیگی بلا قید طریقہ سے ہے اور قیود کیا ہیں اور اس میں وہ تمام باتیں ملحوظ ہونگی جو نئے روپے کی بحث میں گزرا، اس میں اور نئے روپے میں فرق ہے تو کیا؟

۴- چاندی خرید کر زکوٰۃ ادا کرے، اس میں مشکل یہ ہے کہ چاندی خریدنے کے لئے اور کھری چاندی میں فرق دشوار ہے ہر شخص نہیں کر سکتا، زکوٰۃ لینے والے کو بھی نقصان۔ براہ مہربانی تمام صورتوں پر غور فرمایا جائے اور بالوضاحت جواب تحریر فرمایا جائے مع حوالہ کتب۔

نوٹ یا ریزگاری کی صورت میں اگر مال جمع ہو تو اس پر زکوٰۃ کیوں واجب ہے جب کہ براہ راست نوٹ یا ریزگاری سے زکوٰۃ دے تو ادا نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- نوٹ روپیہ نہیں مگر روپیہ کی سند ہے لہذا نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ مصرف کے پاس پہونچکر مصرف اس کو اپنے کام میں صرف کر لے، اگر اس سے پہلے پہلے وہ نوٹ ضائع ہو گیا اور مصرف اس

کو اپنے کام میں نہیں لاسکا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ نوٹ اور ہرقسم کے مال کی زکوٰۃ نوٹ کے ذریعہ سے ادا کرنا بشرط مذکور صحیح ہے (۱)۔

۲۔ نیا سکہ جو کہ اب جاری ہوا ہے اس میں چاندی مغلوب ہے اور دوسری دھات غالب ہے لیکن بحیثیتِ ثمنیت و رواج پہلے روپیہ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں، لہذا جس طرح پہلے روپیہ سے زکوٰۃ ادا کرنا درست ہے اسی طرح اس سے بھی بلا تا مل درست ہے اور جس طرح پہلے روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح اس پر بھی واجب ہوتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے روپیہ میں چاندی غالب ہونے کی وجہ سے وجوباً و اداءً وزن کا اعتبار ہوگا اور نئے روپیہ میں قیمت کا اعتبار ہوگا:

”وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكاة في الغطريفية بقيمته، والعادلة في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب فصارا فلساً، ووجب اعتبار القيمة فيه لا الوزن، الخ“۔ زيلعي شرح كنز ۱/۲۷۹ (۲)۔

قال الشلبي في هامشه: ”روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى أن الزكاة تجب في الجياد، ومن الدراهم والزيوف والنهرجة، قال: لأن الغالب فيها كلها الفضة وما تغلب فضته على غشه، يتناول اسم الدرهم مطلقاً، والشرع أوجب باسم الدراهم وإن كان الغالب هو الغش، والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت رائجةً أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي درهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة، وهي التي الغالب عليها الفضة، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا، اه“۔ بدائع (۳)۔

وإن لم تكن رائجةً ولا معداً للتجارة، فلا زكاة فيها، إلا أن يكون مافيه من الفضة يبلغ مائتي درهم بأن كانت كبيرة الخ“۔ والمسئلة المذكورة في الدر المختار

(۱) (تقديم تخريجه تحت عنوان: ”نوٹ پر زکوٰۃ“۔)

(۲) (تبیین الحقائق للزيلعي، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۷۷/۲، عباس احمد الباز)

(۳) حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۷۶/۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۴۰۸/۲، فصل فی بیان النصاب، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

وردالمختار: ۴۷/۲ (۱)، والدر المنتقى ومجمع الأنهر: ۲۰۶/۱ (۲)، والفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۹/۱ (۳)۔

اس روپیہ میں اور نوٹ میں فرق یہ ہے کہ یہ روپیہ سرکار اور رعایا سب کے نزدیک روپیہ اور سکہ ہے جس کی قیمت سولہ ہے اور نوٹ کسی کے نزدیک بھی روپیہ اور سکہ نہیں نہ اس کی قیمت سولہ ہے بلکہ یہ تو ایک سند اور رسید ہے جس کے ذریعہ سے حکومت یا بینک سے حسب معاہدہ تحریر نوٹ سولہ وصول ہو سکتے ہیں اس لئے نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ مشروط بالشرط بالمذکور ہے اور روپیہ کے ذریعہ سے بلا شرط ہی ادا ہو جاتی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر چاندی وزن کے اعتبار سے لازم ہو اس کی قیمت جس قدر اکنیاں وغیرہ ہوں، دیدی جائے، مثلاً اگر دو تولہ چاندی لازم ہو اور بازار میں دس تولہ چاندی فروخت ہوتی ہے تو بیس اکنیاں یا دس دونیاں ادا کریں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی: ”وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة، الخ“۔ رد المختار ۴۵/۲ (۴)۔

۴۔ چاندی خرید کر اس کے ذریعہ سے بھی زکوٰۃ دینا درست ہے نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کما مر۔ قربانی کی کھال کی قیمت اپنی بیٹی کو دینا درست نہیں ہے بلکہ کسی اور مستحق زکوٰۃ کو دیدی جائے کیونکہ اس کا تصدق واجب ہے: ”فإن بدل اللحم، والجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ولا يبيعه بالدرهم لينفق الدرهم على نفسه و عياله، الخ“۔ مجمع الأنهر ۵۲۱/۲ (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۶۰/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) (رد المختار علی الدر المختار: ۳۰۰/۲، باب زکاة المال، سعید)

(۲) (مجمع الأنهر مع هامشه الدر المنتقى: ۳۰۶/۱، باب زکاة الذهب والفضة، والعروض، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۹/۱، الفصل الأول فی زکاة الذهب والفضة، رشیدیہ)

(۴) (رد المختار: ۲۹۷/۲، باب الزکاة والفضة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷۴/۲، باب زکوة المال، دارالکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۹۶/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(۵) (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۵۲۱/۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)

غیر ملکی سکے سے ادائے زکوٰۃ

سوال [۴۵۰۹]: فرانسیسی سکہ مروجہ کو ”فرائنک“ کہا جاتا ہے، زید کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہے، زید اپنی زکوٰۃ ہندوستان میں مستحقین اور مساکین ذوی القربی کو ادا کرنا چاہتا ہے چونکہ فرائنک ہندوستان میں رائج نہیں ہے اس لئے اس کا تبادلہ یہاں کے انگریزی (ہندی) روپیہ سے کرنے کی دو مختلف صورتیں ہیں:

۱- وہاں کی حکومت سے تبادلہ۔

۲- وہاں کے تجار کو دیکران سے چیک لے کر اس چیک کو یہاں ہندوستان بنک میں بھننا کر۔ صورت اولیٰ میں حکومت چالیس فرائنک کے عوض ہندوستانی ایک روپیہ دیتی ہے اور وہ بھی اس شخص کے اہل و عیال کی طرف سے یہاں کے حکام کی تصدیق کے ساتھ درخواست کئے جانے پر اور وہ بھی صرف نان نفقہ کے لئے یعنی ادائے زکوٰۃ یا بخشش وغیرہ کے لئے وہاں کی حکومت تبادلہ نہیں کرتی۔

صورت ثانیہ میں وہاں کے تجار بعض ستر فرائنک ایک روپیہ ہندوستانی کے حساب سے چیک حوالہ کرتے ہیں۔ بس قابل دریافت یہ امر ہے کہ زید نے تجار سے چیک لے کر یہاں پر زکوٰۃ ادا کی، اب چونکہ وہاں کی سرکاری قیمت فی روپیہ چالیس فرائنک ہے (مگر تبادلہ متعذر رہے کما ذکر آنفاً) اور تاجر انہ قیمت فی روپیہ ستر ہے جو ممکن ہے، لہذا اگر زید نے تاجر انہ قیمت سے فرائنک کے روپیہ بنا کر ہندوستان میں زکوٰۃ ادا کی تو بہ نسبت سرکاری قیمت فی روپیہ تیس فرائنک زائد خرچ ہوئے، پس اس مزید خرچ کے حساب کا کیا حکم ہوگا یعنی مُزگی خود متحمل ہوگا یا زکوٰۃ کی رقم مؤدّی میں سے خرچ کی جائے گی؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مقام تاراپور ضلع کھیڑا گجرات، ۲۹/شوال/۱۳۷۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائے زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ مقدار واجب مستحقین کے پاس پہنچ جائے اور اس پہنچانے میں جو کچھ خرچ ہوگا، اس کا متحمل خود مُزگی ہوگا، زکوٰۃ کی رقم سے اس کا وضع کرنا درست نہیں، ورنہ مقدار واجب میں نقصان رہ جائے گا اور زکوٰۃ پوری ادا نہیں ہوگی (۱)۔

(۱) ”در مختار میں ہے: ”و یقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازة ففی اقرب الأمصار الیہ“۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”فلو بعث عبد اللہ للتجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیہ =

جو حکم فیس منی آرڈر کا ہے وہی حکم اس بٹے کا ہے جو تجارت لیتے ہیں، یہ اس وقت ہے کہ چاندی کے سکے کا چاندی کے سکے سے تبادلہ کیا جائے جس میں وزن کی زیادتی جائز نہیں (۱)۔ اگر چاندی کے سکے کا تبادلہ کسی اور شے سے کیا جائے تو اس میں وزن برابری لازم نہیں، وہاں زیادتی کمی درست ہے (۲)، پس اگر فرائنگ چاندی کا سکہ ہے اور ہندوستانی روپیہ سے اس کا تبادلہ ہو تو اس میں جس قیمت پر بھی تبادلہ ہو جائے درست ہے کیونکہ اس روپیہ میں چاندی بالکل نہیں، یا اگر ہے تو اس قدر مغلوب ہے کہ کالعدم ہے۔ تجارت کو بھی درست ہے کہ ستر فرائنگ کے حساب سے معاملہ کریں یا جس طرح چاہیں اس صورت میں مزکی پر کوئی مزید ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۷ھ۔

روپے کی زکوٰۃ وزن سے ہے یا قیمت سے؟

سوال [۴۵۱۰]: علم الفقہ جلد چہارم، ص: ۳۲، میں تحریر ہے کہ روپیہ کی زکوٰۃ گنتی سے دینا خلاف

= العبد۔ اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں سو روپیہ خام بکری کا واجب ہے، خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ، کتاب الزکاة: ۳/ ۴۸۰، جامعۃ خیر المدارس، ملتان، پاکستان)
(وکذا فی الفتاویٰ الحقانیہ، کتاب الزکوة، باب العشر: ۳/ ۵۷۷، جامعۃ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)
”ویقوم فی البلد الذی المال فیہ، ولو فی مفاضة ففی أقرب الأمصار إلیہ“۔ (الدر المختار)۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”(قوله: ویقوم فی البلد الذی المال فیہ) فلو بعث عبداً للتجارة فی بلد آخر، یقوم فی البلد الذی فیہ العبد“۔ (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/ ۲۸۶، سعید)

(۱) ”فإن باع فضة بفضة أو ذهباً بذهب، لا يجوز إلا مثلاً بمثل“۔ (الهدایة، کتاب الصرف: ۷/ ۱۳۳، شرکۃ علمیہ)

(۲) ”ویجوز بیع الذهب بالفضة مجازةً، وكذا سائر الأموال الربویة بخلاف جنسها؛ لأن المساواة غیر مشروطة فیہ“۔ (الهدایة مع فتح القدير، کتاب الصرف: ۷/ ۱۴۰، ۱۴۱، مصطفى البابی الحلبي مصر)

احتیاط ہے (۱) تو کیسے دینا چاہئے؟ اس قسم کی عبارت دوسری کتابوں میں بھی دیکھنے میں آئی، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نصابِ زکوٰۃ میں روپے کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے، لہذا اگر کسی کے پاس سو روپے ہیں جو وزن کے اعتبار سے سو تولہ ہوتے ہیں جن کا چالیسواں حصہ ڈھائی روپیہ ہوا جن کا وزن ڈھائی تولہ ہوا، ایسی صورت میں ڈھائی تولہ چاندی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا ڈھائی روپے دینے چاہئیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ سو روپیہ کا وزن کر لیا جائے اور پھر اس کا چالیسواں حصہ وزن ہی کے اعتبار سے ادا کر دیا جائے (۲) خواہ چاندی (۳) روپیہ پورا تولہ کا نہیں ہوتا بلکہ کچھ کم کا ہوتا ہے، نیز ہر روپیہ برابر نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

چاندی کی زکوٰۃ میں قیمت دینا

سوال [۴۵۱۱]: اگر صورت مذکورہ میں ڈھائی روپیہ دینا ضروری نہیں بلکہ ڈھائی تولہ چاندی دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی تو ڈھائی تولہ چاندی دینا چاہئے یا اس کی قیمت بھی دے سکتا ہے یعنی دونوں صورت

(۱) (علم الفقہ، کتاب الزکاة، حصہ چہارم، چاندی سونے اور تجارتی مال کا نصاب، ص: ۴۹۰، دارالاشاعت کراچی)
(۲) ”والمعتبر وزنہما أداء وجوباً یعنی يعتبر أن يكون المؤدی قدر الواجب وزناً عند الإمام والثانی وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة قوله: وجوباً: أي من حيث الوجوب، یعنی يعتبر فی الوجوب أن يبلغ وزنهما نصاباً“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۲/۲۹۷، سعید)

(و کذا فی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الزکاة، ص: ۷۱۷، قدیمی)

(وفی الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب الثالث فی زکاة الذهب: ۱/۱۷۸، رشیدیہ)

(۳) ”وجاز دفع القيمة فی زکاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الاعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالوا: يوم الأداء وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالاجماع، وهو الأصح فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم:

۲/۲۸۵، ۲۸۶، سعید)

جائز ہیں یا ایک صورت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ڈھائی تولہ چاندی واجب ہوتی تو اس میں اختیار ہے خواہ چاندی یا زیور وغیرہ دے خواہ روپیہ، اٹھنی چونی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اور شے کپڑا وغیرہ دیدے سب درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

نصابِ زکوٰۃ روپے کے اعتبار سے

سوال [۴۵۱۲]: کم سے کم کتنے روپے پر زکوٰۃ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفعینہ پر زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا

سوال [۴۵۱۳]: ایک بڑھیا نے پہلے زمانہ میں چار ہزار روپیہ فن کئے اور لڑکوں سے کہہ دیا تھا

(۱) ”(جواز دفع القيمة فی الزکاة) فلا تعتبر القيمة فی نصاب کیلی، أو وزنی و هذا إذا أدى من

جنسہ، وإلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، لتقوم الجودة فی المال ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع

للفقير من القدر والقيمة، الخ“۔ (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/۲۸۵، باب زکاة الغنم، سعید)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی: ۱/۲۱۰، الفصل الثالث، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل فی زکاة الخیل، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) ”وإن كان الغالب هو الغش والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت أثماناً رائجةً أو كان يمسكها للتجارة،

يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي درهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزکاة وهي التي الغالب

عليها الفضة تجب فيها الزکاة، وإلا فلا“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل فی بیان صفة النصاب:

۲/۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار: کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۲/۳۰۰، سعید)

میرے بعد نکال لینا، اب بڑھیا کے انتقال کے بعد بھائیوں نے اس مدفون کو نکالا، وہ سکہ بارہ ہزار کا ہوا۔ اس میں سے ایک بھائی نے اپنا حصہ لے لیا، باقی تینوں نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا جس سے مسجد کا صحن بنوایا گیا تو اب اس مدفون پر زکوٰۃ واجب تھی یا نہیں؟ اور اس صحن پر نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود اس بڑھیا کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے مالک ہوئے (۱)، اس وقت سے سال بھر گزرنے پر حسب ضابطہ شرعیہ ان کے ذمہ واجب ہوگی۔ اس فرش صحن میں نماز درست ہے، سال سے پہلے مسجد میں دینے سے زکوٰۃ واجب نہیں (۲)۔

دین قوی اور دین ضعیف

سوال [۴۵۱۲]: ہمارے یہاں نیپالی لوگ آتے ہیں اور مال لے جاتے ہیں، قیمت کبھی کبھار تو آٹھ دس سال تک دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ معلوم ہے کہ سوداگری کے مال کی قیمت قرض قوی کی صورت ہے، جیسا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ جب وہ روپے وصول ہو جائیں تو سب برسوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی حساب سے، لیکن ہمارے یہاں صورت یہ ہے کہ نیپالی لوگ دوسری حکومت کے رہنے والے ہیں جن پر نہ ہم دعویٰ کر سکتے ہیں نہ کوئی کچھری عدالت کر سکتے ہیں اور وہ لوگ دس دس، بارہ بارہ، چودہ چودہ دن کا سفر کر کے آتے ہیں اس لئے ہم خود وہاں جا کر وصول نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض وہاں پہنچ بھی جائیں تو اخلاقی طریقہ پر وصول کر سکتے ہیں، لیکن غیر حکومت ہونے کی وجہ سے کوئی زبردستی نہیں کر سکتے۔ اب ان کی مرضی ہے دیں یا نہ

(۱) "إذا مات من عليه زكاة، سقطت عنه بموته، حتى انه إذا مات عن زكاة سائمة فالساعي لا يجبر

الوارث على الأداء". (التاتارخانية: ۲/۲۹۶، الأسباب المسقطه للزكاة، إدارة القرآن، کراچی)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۵۵، الأسباب المسقطه للزكاة، غفاریہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۵۶، فصل فی مال التجارة، رشیدیہ)

(۲) "وسبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه عليه تام، الخ". (الدر المختار مع رد

المحتار: ۱/۲۸۶، کتاب الزكاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۲، کتاب الزكاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

دیں، ہم اتنے کمزور ہیں کہ ان سے جبراً وصول نہیں کر سکتے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہمارا قرض قرض ضعیف کی صورت ہوگا جس کا حکم یہ ہے کہ اگر وصول شدہ قرض بقدر نصاب ہے اور اس پر سال وصول کے وقت سے گزر جائے تب زکوٰۃ فرض ہوگی یا قرض قوی کی صورت ہوگی؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دین اس صورت میں بھی دین قوی ہے، اس کے وصول ہونے کا آپ کو پورا اطمینان ہے (اگرچہ دیر میں ہو) ورنہ آپ ان لوگوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت نہ کرتے اس لئے اس کا حکم وہی ہے جو دین قوی کا ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۹۲ھ۔

قرض پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۱۵]: ایک شخص نے کسی کو دو ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا ہے اور اس کی ادا کرنے کی امید ہے لیکن چار سال سے اب تک کچھ بھی پیسے قرض میں ادا نہیں ہوئے، آیا جس شخص نے قرض دیا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ دیتا ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قرض کے وصول ہونے پر اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، جتنے سال میں وصول ہو ہر سال کی زکوٰۃ دے گا، کذا فی رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، الخ.“ (الدر المختار: ۳۰۵/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲۹۹/۲، الفصل الثانی عشر فی زكاة الديون، ادارة القرآن کراچی)

(و کذا فی خلاصة الفتاوى: ۲۳۸/۱، الفصل السادس فی الديون، امجد اکيڈمی لاہور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”دين ضعيف وقوى“۔)

قرض کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۱۶]: ایک شخص نے اپنے زیورات قریب ایک ہزار روپیہ کی ملکیت کے ایک قریبی رشتہ دار کو جب کہ وہ بہت مصیبت میں مبتلا تھا اس کے اصرار پر دیدیئے، آج چھ سال سے زائد ہو چکے ہیں مگر وہ زیورات یا اس کی رقم واپس نہ کر سکا، تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا، متوفی کے لواحقین اور اولاد فی الحال اس قابل نہیں کہ ان زیورات کی رقم ادا کر سکیں گویا کہ زیادہ تر مایوسی نظر آتی ہے۔ کیا اس صورت میں زیورات کے مالک پر زکوٰۃ واجب الاداء ہے اور بعد ادائیگی کے مالک کو گزشتہ ایام چھ سال کی ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فی الحال اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں، اگر وصول نہ ہو تو اس کی زکوٰۃ بالکل ساقط ہو جائے گی، اگر وصول ہو جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، اگر ایک دم وصول نہ ہو تو کم از کم بقدر چالیس درہم (ایک نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہونے پر اتنی مقدار کی زکوٰۃ لازم ہے اور گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، ہر سال کی زکوٰۃ ادا کرنے پر بقیہ رقم کو دیکھا جائے گا اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔ تمام سالوں کی اس مجموعہ ایک ہزار پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی بلکہ اس مجموعہ پر صرف ایک سال کی لازم ہوگی۔ اور جس قدر لازم ہوگی اس کو منہا کرنے کے بعد جو رقم بچی ہے ایک سال کی اس پر لازم ہوگی اور بقدر لازم منہا کر کے بقیہ پر تیسرے سال کی لازم ہوگی اسی طرح تمام سالوں کی زکوٰۃ کا حساب ہوگا:

”و تجب عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض و بدل مال تجارة، فكل ما قبض أربعين درهماً يلزم درهم، اھـ“ درمختار۔ ”رجل له ثلث مائة درهم دين، حال علیہا ثلاثة أحوال، فقبض مائتين، فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى يزكي للسنة الأولى خمسة، و للثانية والثالثة أربعة أربعة عن مائة وستين، و لا شيء علیہ فی الفضل، لأنه دون الأربعين.“

ردالمحتار: ۲/۵۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفرلہ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۱۷]: زید کا ایک ہزار روپیہ پراویڈنٹ فنڈ میں گورنمنٹ کے یہاں جمع ہے اور یہ روپیہ نوکری چھوڑنے پر ملتا ہے، نیز اس پر سات سو روپے کا قرض بھی ہے تو اب اس ایک ہزار روپے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ روپیہ مل جائے گا تو اس پر گزشتہ کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی (۱) اور آئندہ جس قدر قرض سے فاضل بچے گا اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۵۱۸]: پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اس میں نصف رقم مالک کی ہوتی ہے اور نصف ادارہ شامل کر کے اس کو محفوظ کر دیتا ہے مگر مالک کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا ہے اگر زکوٰۃ ہے تو مجموعہ پر ہے یا صرف اپنی رقم پر؟ نیز بعد القبض سے زکوٰۃ کا حکم ہوگا یا سال کے سال اپنی باقی رقوم کے ساتھ اس کا حساب شامل رکھا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مقدار ادارہ شامل کرتا ہے اس پر ابھی تو ملک ہی ثابت نہیں ہوتی لہذا اس پر تو ابھی زکوٰۃ نہیں،

(۱) ”روی ابن ابی شیبہ فی مصنفہ عن عمرو بن میمون قال: أخذ الولید بن عبد الملک مال رجل من أهل الرقة يقال له: أبو عائشة عشرين ألفاً، فألقاها فی بیت المال، فلما ولی عمر بن عبد العزیز، أتاه ولده فرفعوا مظلمتهم إلیه، فكتب إلی میمون أن: ادفعوا إلیهم أموالهم وخذوا زکوة عامهم هذا“۔ (فتح القدير: ۱۶۶/۲، کتاب الزکاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

”وفی الضعیف لا تجب ما لم یقبض نصاباً، ویحول الحول بعد القبض علیہ“۔ (البحر الرائق:

۳۶۳/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۳۰۵/۲، باب زکاة المال، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۷۵/۱، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

جتنی مقدار تنخواہ سے وضع کی گئی ہے اس پر بھی زکوٰۃ لازم نہیں (۱)، بحث و تحقیق کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اگر ہر سال اپنی وضع شدہ رقم کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ احتیاط و تقویٰ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پراویڈنٹ فنڈ اور زرضمانت پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۱۹]: پراویڈنٹ فنڈ اور ضمانت کی رقم جو زید کو کئی سال کے بعد ملی ہیں اور اب تک اس کے قبضہ میں نہیں تھیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس طریقہ سے نکالی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زرضمانت پر حسب ضابطہ شرعیہ زکوٰۃ گذشتہ زمانہ وصول سے قبل کی بھی لازم ہوگی (۲)، تنخواہ جمع شدہ پر گذشتہ کی زکوٰۃ لازم نہیں (۴) وہ تو ایسی رقم ہے کہ گویا اب وصول ہونے پر ملک میں آئی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختم ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۲۰]: زید ایک مسلمان کے فرم میں عرصہ ۲۳/سال سے کام کر رہا تھا، افسران اور منتظمین

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ“۔)

(۲) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھ کر اس کی تصریح و تصویب فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے، لہذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور اس کے خلاف سے رجوع کرتا ہوں“۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۴۸، فصل: در تنقیح وجوب یا عدم وجوب زکوٰۃ بر پراویڈنٹ الخ: دارالعلوم کراچی)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”دین قوی و ضعیف“۔)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ“۔)

کی نیت خراب ہوئی اس کو نکالنا چاہا، چنانچہ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ زید سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا۔ زید کا تبادلہ ۲۳ سال کے بعد ایک دم دہلی سے ہزار میل دور کر دیا گیا، اس نے بہت کوشش کی کہ تبادلہ منسوخ ہو جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ زید جب اس جگہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام نہیں ہے اور آپ واپس جائیں، چنانچہ زید چلا آیا، دو ماہ بعد زید کا تبادلہ اس سے بھی دور ۱۲۰۰ میل کر دیا گیا، پھر زید نے عدم تبادلہ کی بے انتہا کوشش کی مگر ناکام ہی رہا، کیونکہ افسران و منتظمین کی نیت دور بھیجنے کی ہی تھی۔

چنانچہ زید کو مجبور کیا گیا کہ یا تو دہلی چھوڑ کر باہر چلے جاؤ ورنہ استغفی دیدو۔ زید نے بہت سارے اعدار پیش کئے کہ میری عدم موجودگی میں جو میرے بچے دہلی میں رہتے ہیں وہ برباد ہو جائیں گے، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کون کرے گا؟ لیکن سب عذر بیکار ہوئے اور مجبوراً زید کو استغفی دینا پڑا۔ چنانچہ زید نے اپنے واجبات کی مکمل فوری ادائیگی کا مطالبہ کیا، جواب ملا کہ ایک سال میں کی جائے گی اور اگر یکمشت فوراً چاہئے تو ۸۰۰/ روپیہ کم کر کے ادا کئے جاسکتے ہیں، چنانچہ زید نے منظور کر لیا۔ چونکہ شدید مالی پریشانی میں تھا، زید کی کل رقم کا میزان ۱۱۸۹۲/ روپیہ ہوتا ہے، اس رقم سے خوشامد کرنے کے بعد ۵۰۰/ نقد لیکر جب چیک دیا گیا حساب کتاب میں ۳۰۰/ کم لگاتے ہیں، اس طرح زید کی کل رقم سے ۸۰۰/ روپیہ کم کر دیا گیا اور اپنے فرم کے حساب میں رقم کی ادائیگی مکمل دکھائی گئی، یہ رقم جو غصب کر لی گئی وہ زید کی محنت شاقہ اور اس کے بال بچوں کا حق تھا۔ ایسی صورت میں شریعت کا حکم ان افسران کے لئے کیا ہے؟

زید کو جو رقم ملی ہے اس میں ۳۰۰/ منافع بھی شامل ہیں، اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ یا جو رقم ۵۰۰، ۳۰۰، ۸۰۰/ افسران نے زبردستی بے کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر نقد حاصل کیا ہے اس کو زکوٰۃ کی حد میں سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوٰۃ کا نصاب چاندی میں ساڑھے باون تولہ ہے اور سونا میں ساڑھے سات تولہ ہے، پس جس رقم سے اتنی چاندی خریدی جاسکے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس رقم پر ایک سال گزر جائے اور ایک سال کے ختم پر رقم بقدر نصاب موجود ہو اگرچہ وہ نصاب والی رقم درمیان سال میں بقدر نصاب نہ رہے بلکہ کچھ کم ہو جائے اور ذمہ میں اتنا دین بھی نہ ہو کہ دین کی ادائیگی میں کمی آجائے:

”وسببه ملك نصاب حولی، تام، فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد، و فارغ عن حاجته الأصلية، و شرط كمال النصاب فی طرفی الحول، فلا یضر نقصانه بينهما“. كذا فی الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۶، ۵/۲ (۱)۔

ظاہر ہے کہ فرم کے افسران و منتظمین نے زید کا مال ناحق اور باطل طریقہ پر لیا جس کی حرمت نصوص شرعیہ میں موجود ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ الآية (۲)۔

حرام مال کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کتب احادیث میں موجود ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک لقمہ حرام بھی جو منہ تک پہنچ جاتا ہے اس کے وبال سے ۴۰/ روز تک اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی، اگر دس درہم کی پوشاک میں ایک درہم بھی چار آنے کی مقدار بھی حرام مال ہو تو جب تک وہ لباس بدن پر رہتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے جو چھوڑ جائے وہ اس کو دوزخ میں لے جانے کے لئے رہبر بن جاتا ہے اور جو بدن مال حرام سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا:

”عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ”لا يدخل الجنة لحم نبت من السحت، و كل لحم نبت من السحت فالنار أولى به“۔

”وعن أبي بكر رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا يدخل الجنة جسدٌ غُذِيَ بالحرام“۔

”وعن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما: ”من اشترى ثوباً بعشرة دراهم، و فيه درهم

(۱) (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشیدیہ)

(۲) (النساء: ۲۹)

قال أبو بكر الجصاص رحمه الله تعالى: ”قد انتظم هذا العموم النهی عن أكل مال الغير بالباطل، و أكل مال نفسه بالباطل، و ذلك؛ لأن قوله تعالى نهى كل أحد عن أكل مال نفسه و مال غيره بالباطل، الخ“. (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۴۳، باب التجارات و خيار البيع، قديمی)

حرام، لم یقبل اللہ تعالیٰ صلوٰۃ مادام علیہ۔ ثم أدخل إصبعیه فی أذنیہ، وقال: صمّتا إن لم یکن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمعته یقولہ۔“ کذا فی المشکوۃ: ص: ۲۴۲، ۲۴۳ (۱)۔

جو رقم افسران اور منتظمین نے زبردستی لی ہے اس کو زکوٰۃ میں شمار نہیں کیا جائے گا، افسران اور منتظمین کے حق میں خداوند تعالیٰ سے دعاء کی جائے کہ ان کو ایسے افعالِ شنیعہ سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے:

”أشار إلی أنه لا اعتبار للتسمیة، فلو سماها هبة أو قرضاً. وإلی أن الساعی لو أخذها منه

کرهأ، لا یسقط الفرض عنه فی الأموال الباطنة بخلاف الظاهرة، هو المفتی به۔“ کذا فی الشامی، ص: ۱۱/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

گسور پر زکوٰۃ اور اس کی مثال

سوال [۴۵۲۱]: گسور میں بھی زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو تفصیل کے ساتھ مثال دیکر بیان

فرمادیں تو باعثِ شکر یہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کسرِ خمسِ نصاب تک پہنچ جائے اس میں بھی زکوٰۃ آئے گی، یہ تو بالاتفاق ہے۔ جو کسرِ خمس سے کم

رہ جائے اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک اس میں بھی زکوٰۃ ہے، مثلاً

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثالث: ۲۴۳/۱، قدیمی)

”عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”ألا! لا

تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفسٍ منه۔“ (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب

والعاریة، الفصل الثانی: ۲۵۵/۱، قدیمی)

(۲) (ردالمحتار: ۲/۲۶۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۸، کتاب الزکاة، امدادیہ ملتان)

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کا خمس چالیس ہے، پس اگر کسی کے پاس دوسو چالیس درہم ہوں تو اس پر بالاتفاق چھ درہم زکوٰۃ ہوگی، اگر کسی کے پاس دوسو بیس درہم ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دوسو درہم پر زکوٰۃ ہوگی یعنی پانچ درہم، اور بیس ایسی کسر ہے جو خمس سے کم ہے وہ معاف ہے اس کی زکوٰۃ نہیں آئے گی اور صاحبین کے نزدیک ان بیس پر بھی نصف درہم واجب ہوگی، یعنی دوسو بیس درہم پر ساڑھے پانچ درہم زکوٰۃ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔



(۱) ”وفی کل خمس بحسابہ، ففی کل أربعین درهماً درہم، وفی کل أربعة مثاقیل قیراطان، وما بین الخمس إلی الخمس عفو، وقال: وما زاد بحسابہ، وہی مسألة الكسور“۔ (الدر المختار: ۲/۲۹۹، باب زکاة المال، سعید)

” ذکر البیهقی فی باب فرض الصدقة، وهو کتابہ علیہ السلام الذی بعثہ إلی الیمن مع عمرو بن حزم، وفیہ: ”وفی کل خمس أوراق من الورق خمسة دراهم، وما زاد ففی کل أربعین درهماً درہم“۔ ودلالته هذا الحديث والذي بعده علی أنه لازکاة علی زیادة النصاب من الفضة حتی تبلغ تلك الزیادة إلی أربعین درهماً، فإذا بلغت ففی أربعین درهماً درہم واحد ظاہر، وهو مذهب إمام الأمصار إمام الأقطاب أبی حنیفة وأرضاه، خلافاً لصاحبیہ رحمہما اللہ تعالیٰ..... وأيضاً فقد ذکر عبد الحق فی أحكامہ: روى أبو أویس..... عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه كتب هذا الكتاب..... وفیہ:

”ليس فیها (الفضة) صدقة حتی تبلغ مائتی درہم ففیها خمسة دراهم، وفی کل أربعین درهماً درہم، وليس فیما دون الأربعین صدقة“۔ (إعلاء السنن، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی کسور الذهب والفضة: ۹/۴۷، ۴۸، إدارة القرآن کراچی)

”ولو زاد علی نصاب الفضة شیء فلا شیء فی الزیادة حتی تبلغ أربعین فیجب فیها درہم فی قول أبی حنیفة، وعلی هذا أبداً فی کل أربعین: درہم. وقال أبو یوسف ومحمد والشافعی: تجب الزکاة فی الزیادة بحساب ذلك قلت: أو کثرت حتی لو كانت الزیادة درهماً یجب فیہ جزء من الأربعین جزءاً من درہم“۔ الخ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، الأثمان المطلقة فصل: وأما صفة هذا النصاب: ۲/۱۷، ۱۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۷، باب زکاة المال، امدادیہ ملتان)

باب زکاة العروض

(سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کا بیان)

سامان تجارت پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۲۲]: ہمارا اپنا پریس ہے، اپنی کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور دوسروں کے کام بھی اجرت لے کر کرتے ہیں، کتابوں کی فروخت اور چھپائی کے بل وصول ہوتے ہیں تو روپیہ آ جاتا ہے، کاغذ وغیرہ ہم خود خریدتے ہیں اور اس کا ذخیرہ ہمارے پاس رہتا ہے مگر اس میں سے وہی بچتا ہے جو چھپائی سے رہ جائے، کتب خانہ میں کتابوں کا ذخیرہ رہتا ہے۔ مذکورہ بالا روپیہ کچھ تعمیری کاموں میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ ذاتی اخراجات ہیں، جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہوتی ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا بھی ہمارے ذمہ ہے، انکم ٹیکس والے کل آمد کو خرچ معلوم کر کے ایک رقم نفع کی متعین کر دیتے ہیں اور اس پر ٹیکس لگا دیتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی روپیہ نفع کا جمع نہیں رہتا۔ اس حالت میں زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟ کیا انکم ٹیکس والے جو نفع متعین کرتے ہیں اسی کو نفع سمجھ کر اس کے حساب سے زکوٰۃ دے دی جائے یا کوئی اور شکل کی جائے اور وہ کیا شکل اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے تحریر کیا ہے کہ ”جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا ہمارے ذمہ ہے“۔ اس مال سے مراد روپیہ ہے یا کل سامان تجارت، اگر روپیہ مراد ہے تو اس روپیہ کے ساتھ کل سامان تجارت کو ملا کر دیکھئے کہ یہ مجموعہ قرض کے مجموعہ سے زیادہ ہے یا برابر یا کم ہے، اگر برابر یا کم ہو تب اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اگر زیادہ ہو اور مقدار نصاب سے زیادہ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ نقد روپیہ کو قرض میں محسوب کیا جائے اور جس قدر قرض اس کے بعد بچے اس کو سامان تجارت سے منہا کر کے بقیہ پر

زکوٰۃ فرض ہوگی (۱)۔ نفع کی رقم معین کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اصل سامان تجارت (بعد منہائی مقدار فرض) کا حساب کر کے اور قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے (۲)۔ اگر اس مال سے مراد کل سامان تجارت ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/۱۶/۶۰ھ۔

سامان تجارت کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۲۳]: اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا مال تجارت ہے تو زکوٰۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

عرضگذار: محمد عبدالرؤف، مقیم حال سلطان پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈھائی روپیہ دے یا اس کی قیمت کی چاندی وغیرہ، نیز مال تجارت کا چالیسواں حصہ دینا بھی درست ہے (۳)، لیکن اگر اس کے پاس صرف سو روپیہ کا سامان تجارت ہے اور نقد، چاندی، سونا کچھ اس کے پاس نہیں تو

(۱) ”من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكاة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً“۔ (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(و كذا في الدر المختار: ۲/۳۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ”شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي“۔ (مراقی الفلاح: ص: ۷۱۴، كتاب الزكاة، قديمی)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشیدیہ)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) ”وفى عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب: يعنى فى عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً إلى آخره“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۷۷، باب زکوٰۃ المال، دار الكتب العلمية، بيروت) =

اس پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

مال تجارت میں زکوٰۃ

سوال [۴۵۲۴]: میں نے صرف پچاس روپیہ کے سرمایہ سے کتب خانہ شروع کیا، جوں جوں فروختگی ہوتی رہی یوں یوں دینی، درسی، تبلیغی کتابیں، اردو، ہندی، عربی، فارسی و گجراتی ۱۰۰، ۱۰۰/ روپے کی ادھار خریدتے گیا، فروختگی پر کتابیں منگواتا رہتا ہوں، پانچ پچیس کا مال، کبھی قرآن شریف ہے تو کبھی کتابیں، اس طرح درسی کتب سال دو سال جمع رہتی ہیں، فی الحال جملہ مال دو ہزار روپے تک کا جمع ہو جاتا ہے اور ماہ دو ماہ میں ختم ہو جاتا ہے، پھر تھوڑا تھوڑا مال تیس پچاس کا طلب کرتا رہتا ہوں۔ تو اس ہیئت میں زکوٰۃ نکالنی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت آپ کا سرمایہ (نقد کتابیں، زیور) بقدر نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا) ہو گیا اس وقت سے سال بھر گزرنے پر آپ کے ذمہ اس کی زکوٰۃ لازم ہوگئی، بشرطیکہ ختم سال پر نصاب سے کم نہ رہ جائے (۲) درمیان میں کم ہو کر پھر پورا ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۰۵/۱، باب زکاة الذهب والفضة والعروض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲۳۷/۲، الفصل الثالث فی بیان ما یمنع وجوب الزکاة، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) چونکہ یہ مقدار نصاب سے کم ہے اس وجہ سے اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ”فی عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، تقوم بما هو أنفع للفقراء و تضم قيمتها إليهما

..... نقصان النصاب في أثناء الحول لا يضر إن كمل في طرفيه؛ لأن في اعتبار كمال النصاب في

جميع الحول حرجاً، فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد، و في آخره للوجوب“۔ (مجمع

الأنهر: ۳۰۴/۱، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی مختصر الطحاوی: ص: ۵۰، باب زکاة التجارة، سعید)

(و کذا فی فتح القدير شرح الهداية: ۲۱۸/۲، فصل فی العروض، مصطفى البابی الحلبي مصر)

ایضاً

سوال [۴۵۲۵]: بکرنے کپڑے کی دوکان کی ہے اور مال قرض مہاجن کے یہاں سے لاتا ہے اور مال بیچ کر تھوڑا تھوڑا روپیہ مہاجن کو دیتا ہے (۱)۔ تو ایسے مال تجارت میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کے پاس کپڑا یا روپیہ بقدر نصاب زکوٰۃ (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت) قرض سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ (چالیسواں حصہ) واجب ہے ورنہ واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

مال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال [۴۵۲۶]: تجارتی مال کی زکوٰۃ کا طریقہ کیا ہے، سال کے آخر میں موجود مال کی قیمت لگا کر ادا کر دے یا کوئی اور طریقہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ

(۱) ”مہاجرین: سوداگر، بیوپاری“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ”فلا زکاة علی مکاتب، و مدیون للعبد بقدر دینہ فیز کی الزائد إن بلغ نصاباً، الخ“۔ (تنویر الأبصار مع الدر المختار، ۳۶۳/۲، کتاب الزکاة، سعید)

”وفی مضروب کل و معمولہ ولو تبرأً أو حلیاً مطلقاً)..... (أو) فی (عروض التجارة قیمته، نصاب)..... (من ذهب أو ورق)..... (ربع عشر)“۔ (الدر المختار، کتاب الزکاة: ۲۹۸/۲، ۲۹۹، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۱۸۶/۱، کتاب الزکاة، مکتبہ شرکتہ علمیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲۸۷/۲، الفصل العاشر، إدارة القرآن، کراچی)

ادا کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بعض مال تجارت فروخت ہو جائے اور بعض رہ جائے تو زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟

سوال [۴۵۲۷]: مال تجارت یعنی ایک دوکان میں بیس ہزار روپے کا سامان ہے مگر بعض فروخت

ہو چکا ہے اور بعض موجود ہے، اب زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا مال موجود ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے یا اس کی قیمت دیدے، جتنا روپیہ ہے اس کا چالیسواں

حصہ دیدے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۸۸ھ۔

مال تجارت کی زکوٰۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا

سوال [۴۵۲۸]: زید نے تجارت کی غرض سے کیم/ذی الحجہ/۱۳۸۷ھ، کو دو ہزار قلم بنوائے جن کی

مجموعی قیمت چار ہزار روپے ہوتی ہے، اب ظاہر ہے کہ زید صاحب نصاب ہے اور کیم/ذی الحجہ/۱۳۸۸ھ، کو اس

مال پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، مگر زید یہ چاہتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو تدریجی طور پر ابھی سے

ادائیگی شروع کر دے اور صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کر بھی سکتا ہے اس لئے اس نے ۴/ذی

الحجہ/۱۳۸۷ھ، سے ہی مختلف مقامات پر ضرورت مند طلباء کو زکوٰۃ کی نیت سے ایک ایک دو دو قلم بھیجنا شروع

(۱) ”و شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي، وأما الاستفادة في أثناء الحول، فيضم

إلى مجانسته، و يزكى بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة أو ميراث“۔ (مراقی الفلاح،

ص: ۷۱۴، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی الدر المختار: ۳۰۲/۲، فصل فی زکاة الغنم، سعید)

(و کذا فی مختصر الطحاوی، ص: ۵۰، باب زکاة التجارة، سعید)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”سامان تجارت کی زکوٰۃ“۔)

کردیئے اور یہ ارادہ کر لیا کہ آخر سال میں رأس المال کا حساب لگا کر جو کچھ رہ جائے گا اس کو ادا کر دے گا۔
اصل نیت زکوٰۃ ادا کرنے کی ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح قلموں کے بھیجنے سے قلموں کی شہرت ہوتی ہے اور
اس شہرت سے زید کی تجارت کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید حصول منفعت کے شائبہ کی پروا کئے بغیر قلم
اسی طرح زکوٰۃ میں بھیجتا رہے یا بند کر دے؟ اگر بند کر دے تو جو قلم وہ بھیج چکا ہے وہ زکوٰۃ میں شمار ہوں گے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قلم دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس شائبہ سے ادائے زکوٰۃ میں نقصان نہیں ہوگا (۱)۔ فقط
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مالِ تجارب میں کس قیمت پر زکوٰۃ ہوگی؟

سوال [۴۵۲۹]: کتابوں کی بکری پر کمیشن وغیرہ نکال کر ہمیں بیس پچیس روپے فی سیکڑا بیچ رہتا
ہے۔ تو کتابوں کے اسٹاک میں اس لاگت پر زکوٰۃ واجب ہوگی جو ہمارا ان پر خرچ ہوا ہے، یا جس قیمت پر ہم
کتابوں کو فروخت کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ ادائے زکوٰۃ یعنی سال بھر پورا ہونے پر جس قدر کی مالیت موجود ہو اس قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

(۱) ”وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أى للأداء ولو كانت المقارنة حكماً أو مقارنة بعزل ما
وجب كله أو بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء“۔ (الدر المختار: ۲/۲۶۹، کتاب
الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۰، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کرے؟

سوال [۴۵۳۰]: مال تجارت کی قیمت زکوٰۃ کے لئے کس حساب سے لگائی جائے گی، آیا اصل مصارف پر یا مع منافع؟ مثلاً زید نے تجارت کے لئے ایک کتاب کے دو ہزار نسخے چھپوائے، ہر نسخہ پر اصل مصارف بغیر منافع کے ایک روپیہ آیا یعنی کل مال کی اصل قیمت دو ہزار روپے ہوئی، مگر زید نے اس کتاب پر بازار کے لئے تین روپے قیمت مقرر کی اور خود اس کو دوسرے تاجروں کو دو روپے فی کتاب کے حساب سے فروخت کرنا شروع کیا۔ اپنے کاروبار کے لئے زید نے ملازم بھی رکھے، دوکان وغیرہ کا کرایہ بھی دیا، جب سال پورا ہوا تو اس کے پاس اسی کتاب کے آٹھ سو نسخے باقی تھے، نقد کچھ نہ تھا۔ درمیان سال میں ملازم کی تنخواہ، دوکان کے کرایہ وغیرہ میں چار سو روپے بھی خرچ کئے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا رأس المال کیا ہے؟ زید اگر زکوٰۃ اصل کتاب ہی دینا چاہے تو ہر کتاب کی قیمت کیا لگائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال بھر گزرنے پر زید کے پاس تجارتی کتاب کے آٹھ سو نسخے ہیں اس کے علاوہ ایسا کوئی مال نقد وغیرہ نہیں جس میں زکوٰۃ واجب ہو تو اب زکوٰۃ کتاب کے موجودہ نسخوں ہی میں واجب ہوگی (۱)، نہ کہ کل مال میں جس کو صرف کر کے کتاب چھپوائی، نہ خرچ کردہ تنخواہ وغیرہ میں، نہ فروخت شدہ و خرچ شدہ قیمت میں، لہذا آسان صورت یہ ہے کہ بیس نسخے زکوٰۃ میں ادا کرے پھر مصرف زکوٰۃ ان نسخوں کو چالیس روپے میں فروخت کرے یا ساٹھ میں اس کو اختیار ہے، یا جس قیمت میں خود فروخت کرتا ہے بیس نسخوں کی وہ قیمت دیدے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

(۱) ”وفی عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب یعنی فی عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً“۔ (تبیین الحقائق: ۷۷/۲، باب زکوٰۃ المال، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۲۳۷/۱، الفصل الخامس فی زکاة المال، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی النہر الفائق: ۴۳۹/۱، کتاب الزکاة، إمدادیہ ملتان)

چھپائی کے کاغذ پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۱]: جو کاغذ کتابیں چھاپنے کے لئے ہمارے یہاں رہتے ہیں آیا اس کی قیمت میں زکوٰۃ ہے؟ یہ واضح ہے کہ وہ کاغذ تجارت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس پر کتابیں چھاپ کر بیچی جاتی ہیں، سادہ کاغذ ہم فروخت نہیں کرتے۔

نوٹ: اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو مہربانی فرما کر دریافت فرمائیں، یا کسی چیز کی تشریح کی ضرورت ہو۔ بہر حال مفصل و مشرح جواب تحریر فرمائیں تاکہ ہم عند اللہ ماخوذ نہ ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کاغذ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، یہ کتابوں کے حکم میں ہے مشینوں کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/۱۶/۶۰ھ۔

آلات تجارت پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۲]: آلات تجارت پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مثلاً پن چکی یا ٹریکٹر جس کے ذریعہ سے تجارت کی جاتی ہے یعنی پیسہ کمایا جاتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ آلات خود فروخت کرنے کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی، اگر ان کے ذریعہ سے کاشت کی

(۱) ”و أما إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفراً أو زعفراناً ليصبغ ثياب الناس بأجر، و حال عليه الحول، كان عليه الزكاة إذا بلغ نصاباً، و كذا كل من ابتاع عيناً ليعمل به، و يبقى أثر في المعمول كالعفص و الدهن لدبغ الجلد، فحال عليه الحول، كان عليه الزكاة“۔ (الفتاوى العالمکیرية: ۱/۲۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرها و صفتها و شرائطها، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۶۵، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۰۴، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارة، إدارة القرآن کراچی)

جاوے یا آٹا پیسا جاوے خود ان کو فروخت نہ کیا جائے تو ان پر زکوٰۃ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

سامانِ مطب میں زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۳]: میں حکیم ہوں، دوائی خانہ بھی رکھتا ہوں، مجھ پر دواؤں کی زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟
دوائیں جن شیشیوں میں رکھی ہیں ان کی زکوٰۃ، وہ شیشیاں جو مریضوں کو دوائیں دینے کے لئے رکھی ہیں، نیز میز،
کرسی، الماری جو مطب کی آرائش کے لئے ہے ان میں سے کس کس کی زکوٰۃ دی جائے گی؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

جو سامان مطب کی آرائش کے لئے ہے یا دوائیں رکھنے کے لئے اس میں زکوٰۃ نہیں (۲)، جو سامان
فروخت کے لئے ہے جیسے دوائیں یا شیشیاں وغیرہ تو اس میں زکوٰۃ فرض ہے جب کہ وہ قدرِ نصاب ہو اور اس پر
سال بھی گزر جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/۶۸ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/۶۸ھ۔

(۱) ”فلیس فی دور السکنی و سلاح استعمال زکاة“ و کذا کتب العلم ان کان من اہلہ،
و آلات المحترفين، هذا فی الآلات التي ینتفع بنفسها، و لا ینقی أثرها فی المعمول“۔ (الفتاویٰ
العالمکیریۃ: ۱/۷۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۶۵، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی فتح القدير: ۲/۱۶۴، کتاب الزکاة، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۲) ”أصل هذا أنه ليس على التاجر زکاة مسکنه و خدمه و مركبه و کسوة أهله و طعامهم العطار
إذا اشترى قوارير فهو هكذا، الخ“۔ (التاتارخانیۃ: ۲/۲۴۰، الفصل الثالث فی زکاة عروض التجارة،
إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۱۸۰، الفصل الثالث فی العروض، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۶۵، کتاب الزکاة، سعید)

پرپیس کی مشین پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۴]: چھاپنے کی مشینوں کی اصل لاگت میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مشینوں پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

شیرز کی بیع اور ان کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۵]: ہمارے یہاں شیرز کی ایک کمپنی ہے اس کے اس شیرز کی قیمت مثلاً دس

روپیہ ہے تو زید نے دس شیرز خریدے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی مگر جب اس کو بیچتے ہیں اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو

وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے تو اس طرح کا معاملہ کرنا

جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانہ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ملنے

سے قبل اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲..... یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود

میں سے دیتی ہوگی تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت

لے لینا صحیح ہے یا نہیں؟

۳..... چھ ہزار روپیہ کا شیرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے تو اب ہمیں

ساڑھے پانچ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے یا چھ ہزار کی جب کہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں

جمع ہی نہیں کرتا تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴..... زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا

کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سودی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”آلات تجارت پر زکوٰۃ“)

اور اس کا کاروبار سود کا ہو اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اور اسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کالوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع و نقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو (۱)۔

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کر لیا جاوے، اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوٰۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بنا پر) بری الذمہ ہو جاوے گا، صرف نفع کی زکوٰۃ باقی رہ جاوے گی وہ بھی ادا کر دی جاوے، اگر خدا نخواستہ نقصان ہو تب بھی برآۃ میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲..... اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے (۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کر دیا جائے۔

(۱) سوال (۱۶۳) ”اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہو کر کمپنی بناتے ہیں، اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ ان کمپنیوں کے حصص اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں جو لوگ حصص خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر کمپنی کو ہو تقسیم کر دیا جاتا ہے، کبھی کم کبھی زیادہ، اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ داران اپنے حصص کی نسبت سے نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصص خرید کر ناشرعاً جائز ہے، یا ناجائز؟“

الجواب: تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں اسی لئے ایسی کمپنیوں میں شرکت ناجائز ہے، اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے، اور دست بدست نہیں اس لئے جائز نہیں، اور قرض کی تاویل بھی قواعد پر منطبق نہیں ہوتی۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۱۳۰، ۱۳۲، مکتبہ دارالعلوم)

(وایضاً فقہی مقالات: ۱/۱۴۴)

(۲) ”فمن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه، ضمّه إلى ماله وزكاه، سواء كان المستفاد من نمائه أولاً“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الزکاة: ۱/۱۷۵، رشیدیہ)

(۳) ”لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: ”هم سواء“۔ رواه مسلم۔“ =

۳..... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوٰۃ بھی اتنے ہی روپے کی ہوگی (۱)، اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے۔

۴..... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کر کے یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں مسلم ہو یا غیر مسلم سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مال مضاربہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۵۳۶]: زید نے بکر کو تجارت کے لئے روپیہ دیا کہ روپیہ زید کا اور محنت بکر کی اور نفع نصف نصف، اب اس روپیہ کی زکوٰۃ زید کو دینا چاہئے یا دونوں کو نصف نصف؟ دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اطلاع کے زکوٰۃ دیے دیوے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل روپیہ زید کا ہے اس کی زکوٰۃ بھی زید کے ذمہ ہے بکر کے ذمہ نہیں، اگر زید کی اجازت سے بکر اصل

= (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الرباء، الفصل الأول: ۱/۵۷، قدیمی)

(۱) ”(وسببه): أى سبب افتراضها: أى الزكاة (ملك نصاب حولي)“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: ملك

نصاب) فلا زكاة فى سوائى الوقف لعدم الملك“۔ (رد المختار، کتاب الزکاة: ۳/۲۰۸، سعید)

(۲) ”أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن

كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يتقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو

استقرضته من رجل، كذا فى ينباع“۔ (الفتاوىٰ العالمکیریة، کتاب الکراہیة، الباب الثانی عشر فى

الهدایا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشیدیہ)

(و كذا فى رد المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲/۲۹۲، سعید)

(و كذا فى فتاوىٰ قاضى خان بهامش الفتاوىٰ العالمکیریة: ۳/۴۰۰، وما يكره اكله وماله يكره وما يتعلق

بالضيافة، رشیدیہ)

روپیہ کی زکوٰۃ ادا کر دے گا تو ادا ہو جائے گی، بغیر اجازت کے ادا نہیں ہوگی (۱) اور ضمان بکر کے ذمہ لازم ہوگا (۲)۔ نفع میں بکر بھی نصف کا شریک ہے وہ اپنے حصہ نفع کی زکوٰۃ دیگا (۳) اور زید کی اجازت سے زید کے حصہ نفع کی زکوٰۃ دینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مضاربت میں زکوٰۃ

سوال [۴۵۳]: ایک تجارت ہے جس کے اندر تین شریک ہیں اس طریقہ سے کہ رقم ایک آدمی اور باقی کی صرف محنت ہے اور نفع برابر برابر مثلاً تین ہزار کا سالانہ نفع ہو اور اصل رقم چالیس ہزار تھی باقی شرکاء کا نفع زکوٰۃ ایک ایک ہزار کا نکالیں گے۔ اب جس کی اصل رقم ہے وہ اکتالیس ہزار کی نکالے گا یا ایک ہزار کی صرف نفع ہی کی زکوٰۃ نکالے گا تو باقی شرکاء تو نفع میں رہے اور اس کا گھر سے بھی گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مضاربت کی صورت ہے، زکوٰۃ اصل مال اور نفع کے مجموعہ پر واجب ہوتی ہے، جس شخص کا رأس

(۱) ”لأنه: أى المضارب ليس بمالك، ولا نائب عنه فى أداء الزكاة، إلا أن يكون فى المال ربح يبلغ نصيبه نصاباً، فيؤخذ منه؛ لأنه مالك له“۔ (الهداية: ۱/۹۸، باب فى من يمر على العاشر، مكتبه شركة علميه)

(و كذا فى الدر المختار: ۲/۳۱۶، باب العاشر، سعيد)

(و كذا فى تبیین الحقائق: ۲/۹۱، باب العاشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”لو أدى زكوة غيره بغير أمره فبلغه، فأجاز، لم يجز، لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنه ملكه، ولم يصرنائباً عن غيره فنقذت عليه“۔ (رد المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا فى التاتارخانية: ۲/۲۸۳، المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) ”لأنه [أى المضارب] ليس بمالك ولا نائب عنه فى أداء الزكاة إلا أن يكون فى المال ربح يبلغ نصيبه نصاباً فيؤخذ منه؛ لأنه مالك له“۔ قال ابن الهمام: بخلاف حصة المضارب؛ لأنه يملكها فيؤخذ منه عنها“۔ (الهداية مع فتح القدير: ۲/۲۳۱، كتاب الزكاة، باب فى من يمر على العاشر، مصطفى البابى الحلبي، مصر)

المال چالیس ہزار ہے اور ایک ہزار اس کا نفع ہوا تو اکتالیس ہزار کی زکوٰۃ اس کے ذمہ لازم ہے، دوسرے دو شرکاء مضارب کی ملک میں اگر اس نفع کے علاوہ کچھ نہیں تو جب سے مقدار نصاب کے مالک ہوئے اس وقت سے سال بھر پورا ہو جانے کے بعد اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہوگئی ہے (۱)۔

رہا یہ سوال کہ تجارت کا نفع کیا ہوا؟ تو خود غور کر لیں کہ سال بھر کے اخراجات بھی اس تجارت سے پورے کئے ہوں گے، اگر تجارت نہ کرتا تو وہ اخراجات چالیس ہزار سے منہا کئے جاتے پھر حساب لگا کر دیکھتا کہ کیا نفع ہوا، نیز سال بھر کی زکوٰۃ مزید ہوتی یعنی تجارت کی برکت سے سال بھر کے اخراجات حاصل ہوئے اور زکوٰۃ میں صرف رأس المال (چالیس ہزار روپیہ) میں سے پچیس روپیہ ادا کرنے کی نوبت آئی، تجارت نہ ہوتی تو سال بھر کے اخراجات اس چالیس ہزار سے نکلتے اور زکوٰۃ بھی اس میں سے ادا ہوتی، نیز دوسرے دونوں شرکاء کو ایک ایک ہزار اس تجارت کی بدولت ملا اور تجارت کی ساکھ قائم ہوگئی، باقی آئندہ کتنا نفع ہوگا، اس کا علم اللہ کو ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۹۰ھ۔

جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۸]: زید کے پاس دو سمن دھان موجود ہیں (۲) اس پر حولان حول بھی گزر گیا لیکن تجارت کی نیت نہیں، کیا اس دھان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر زید کے پاس دوسرا روپیہ موجود ہو اس دھان کے علاوہ تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ دھان تجارت کے لئے نہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں خواہ اس پر حولان حول ہو یا نہیں، اس کے علاوہ جو روپیہ موجود ہے وہ اگر مقدار نصاب ہے تو اس روپیہ میں زکوٰۃ واجب ہوگی (۳)، دھان پر روپیہ

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مال مضارب في زكاة كالحكم")۔

(۲) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "و شرط حولان الحول و ثمنية المال كالدرهم والدنانير والسؤم و نية التجارة في العروض"۔

(تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۲۶۷، كتاب الزكاة، سعيد) =

کیساتھ بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

گھر کے سامان میں زکوٰۃ

سوال [۴۵۳۹]: زید کہتا ہے کہ زکوٰۃ صرف زیور پر واجب ہے سونے کی شکل میں ہو یا چاندی کی صورت میں، لیکن بکر کہتا ہے کہ زیور پر، کپڑوں پر چاہے استعمال کے ہوں یا نئے رکھے ہوں اور برتنوں پر جو کہ استعمال میں آ رہے ہیں، یا وہ برتن جو یوں ہی رکھے ہوئے ہیں، یا گھر کے استعمال کی الماریاں ہوں، یا صندوق غرضیکہ جو بھی اشیاء ہوں سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی، سونا، نقد (نوٹ) اور مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، گھر کے استعمالی سامان: کپڑوں، برتنوں، صندوقوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں، اگرچہ وہ ویسے ہی رکھے ہوں استعمال میں نہ ہوں:

” (قوله: فارغ عن حاجته الأصلية) و فسرہ ابن ملک بما يدفع عنه الهلاك تحقيقاً أو تقديرًا: أى فسر المشغولة بالحاجة الأصلية، والأولى فسرہا، وذلك حيث قال: وهى ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة و دور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد، أو تقديرًا كاللذين و كآلات الحرفة وأثاث المنزل و دواب الركوب و كتب العلم لأهلها، اهـ۔“ درمختار و شامی: ۶/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (و كذا فى بدائع الصنائع: ۳۹۵/۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا فى خلاصة الفتاوى: ۲۳۵/۱، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمى لاہور)

(۱) ”ولو وجد من أرضه حنطة تبلغ قيمتها قيمة نصاب، نوى أن يمسكها و يبيعها، فأمسكها حولاً، لا تجب فيها الزكاة، حتى ينفذ ثمنها و يحول الحول“۔ (التاتارخانية: ۲۴۴/۲، باب زكاة عروض التجارة، ادارة القرآن كراچی)

(و كذا فى فتاوى قاضى خان: ۲۵۱/۲، فصل فى مال التجارة، رشيدية)

(۲) (الدر المختار: ۲۶۲/۲، كتاب الزكاة، سعيد) =

گھڑی کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۴۰]: ہاتھ کی گھڑی اور گھر میں رازم گھڑی کی زکوٰۃ نکالی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گھڑی چاندی سونے کی نہیں اور تجارت کے لئے بھی نہیں تو اس کی زکوٰۃ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کے مکانات پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۴۱]: ہماری اپنی رہائش اور پرپیس کے مصرف میں جو مکان ہے اس کے علاوہ جو

مکانات ہیں اس کا کرایہ درج آمدنی ہو جاتا ہے اور تقریباً اس کے قریب قریب دوسرے مکانوں کا کرایہ ادا کرنا

پڑتا ہے جو پرپیس کی ضروریات کے لئے کرایہ پر لینے پڑتے ہیں، نیز یہ کہ مکانات سال بھر تک کرایہ پر چڑھتے

نہیں رہتے بلکہ کبھی چڑھ گئے اور کبھی خالی بھی رہتا ہے کہ ایک مکان سال بھر تک چڑھا رہے، بہر حال متعین

نہیں۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

= ”وأما كونه فارغاً عن الدين و عن حاجته الأصلية كدور السكنى و ثياب البذلة و أثاث المنازل

و آلات المحترفين، و كتب الفقه لأهلها، فلأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم“۔ (تبیین الحقائق:

۲/۲۳، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۴۵، باب زکاة عروض التجارة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۱۷۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۱) ”فلیس فی دور السكنى و سلاح استعمال زکاة و کذا کتب العلم إن کان من أهله

و آلات المتحرفين، هذا فی الآلات التي ينتفع بنفسها ولا یبقى أثرها فی المعمول“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریة، کتاب الزکاة: ۱/۱۷۲، رشیدیہ)

(و کذا فی ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۶۵، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الزکاة: ۲/۱۶۴، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مکانوں پر زکوٰۃ واجب نہیں (۱) ان کی آمدنی کا روپیہ اگر مقدارِ نصاب کو پہنچ کر اس پر سال بھر گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/۶/۶۰ھ۔

سلم کے روپیہ اور زمین پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۴۲]: اہل نصاب کے پاس جو زمین ہے اس زمین کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دینا ہے یا صرف جمع شدہ روپے کی زکوٰۃ دینا پڑے گی؟ اور جو روپیہ لوگوں کے پاس بطور قرض کے ہے اس شرط پر کہ شوال کے ماہ قرض میں دیا ہے اور ربیع الاول کے ماہ میں ہر روپے کے بدلے میں ایک من؟ یا نصف من دھان دینا پڑے گا؟ اس طریقے پر مبلغ ساٹھ روپے قرض دیا ہے؟ اب اس روپیہ کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین اگر کاشت کے لئے ہے تجارت کے لئے نہیں تو اس زمین کی زکوٰۃ نہیں خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو، اس کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا اگر وہ زمین عشری ہو (۳)، روپیہ بقدر نصاب اگر موجود ہو اور

(۱) (راجع، ص: ۴۱۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) ”إذا أجرداره أو بعده بمأتی درهم لا تجب الزکوۃ مالم يحل الحول بعد القبض فی قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعد الحول، كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن التجارة فی الصحيح من الرواية“۔ (فتاویٰ قاضی خان بہامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۲۵۳، کتاب الزکوٰۃ، فصل فی مال التجارة، رشیدیہ)

(۳) ”وقد أورد الزيلعي أيضاً ما إذا اشترى أرض عشر و زرعها، أو اشترى بذراً للتجارة و زرعها، فإنه يجب فيه العشر و لا تجب فيه الزكاة؛ لأنهما لا يجتمعان، اهـ“۔ (رد المحتار: ۲/۲۹۸، باب زکاة الذهب والفضة والعروض، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۸، باب زکاة الذهب والفضة، دارالکتب العلمیة، بیروت) =

اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے (۱)، طریق مذکور پر جو روپیہ دیا ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہو گیا اب اس روپیہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس روپے کے عوض دھان خرید چکا ہے، دھان لینے کا حقدار ہے لہذا اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

کارخانہ کی زمین و مشین پر زکوٰۃ

سوال [۴۵۴۳]: میں نے ایک زمین خرید کر اس پر اپنا کارخانہ تعمیر کرایا، چنانچہ اس کارخانہ میں

میری مشینیں چل رہی ہیں، اب اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱..... کیا اس سرزمین اور تعمیرات میں زکوٰۃ واجب ہے؟

۲..... جو مشینوں سے اس کارخانہ میں کام لیا جا رہا ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر یہ زمین و تعمیرات و مشین خود فروخت کرنے کے لئے نہیں، بلکہ آمدنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، تو ان پر زکوٰۃ لازم نہیں (۳)، ان سے حاصل شدہ آمدنی حسب ضابطہ شرعیہ دیگر نقد کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

= (و کذا فی فتح القدیر: ۲/۲۱۸، فصل فی العروض، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۱) ”و یقوم يوم حال علیها الحول بالغۃ ما بلغت بعد أن كانت قیمتھا فی أول الحول مائتین، ویزکی عن مائتی درہم خمسۃ درہم“۔ (التاتارخانیۃ: ۲/۲۳۸، باب زکوٰۃ عروض التجارۃ، إدارة القرآن)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۱۵، فصل فی نصاب اموال التجارۃ، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۱۷۹، الفصل الثانی فی العروض، رشیدیہ)

(۲) ”قید بكونها للتجارة؛ لأنها لو كانت للغلة فلا زكاة فيها؛ لأنها ليست للمبايعۃ“۔ (البحر الرائق:

۲/۳۹۸، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(۳) ”فليس فی دور السکنی و سلاح الاستعمال زکاة و کذا کتب العلم إن کان من

أهل، و آلات المتحرفین، وهذا فی الآلات التي ینتفع بنفسها ولا یبقى أثرها فی المعمول“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریۃ، کتاب الزکوٰۃ: ۱/۱۷۲، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۶۵، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۱۶۴، مصطفى البابی الحلبي مصر)

باب زکاة المواشي

(جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان)

بھینس پر زکوٰۃ ہے یا دودھ پر؟

سوال [۴۵۴۴]: ہماری بھینس جو کہ تجارت کی غرض سے ہے جس کا دودھ فروخت کیا جاتا ہے لیکن اس کی گھاس اور مختلف قسم کے دانے تیل وغیرہ کا انتظام خود کیا جاتا ہے وہ چرتی نہیں ہے۔ تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بھینسوں کی بھی تجارت ہوتی ہے تب تو دیگر مال تجارت کی طرح ان میں بھی زکوٰۃ لازم ہوگی یعنی سال بھر گزرنے پر جتنی قیمت کی بھینس موجود ہوگی اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ درمیان سال جو کچھ ان کو کھلایا پلایا، یا ان سے کما کر کھایا، خرچ کر ڈالا اس کا کوئی حساب زکوٰۃ میں نہیں ہوگا۔ اگر تجارت بھینسوں کی نہیں بلکہ ان کے دودھ کی تجارت ہوتی ہے تو بھینسوں پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، بلکہ دودھ کی قیمت کا جو روپیہ سال پورا ہونے پر موجود ہو اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۴ھ۔

(۱) ”وإن كانت للتجارة، فحكمها حكم العروض، يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً، سواء كانت سائمة أو علوفة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۷۸، کتاب الزکوٰۃ، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۷، باب زکوٰۃ المال، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۹۳۸، باب زکوٰۃ المال، رشیدیہ)

”وينظر في السائمة إلى كمال النصاب..... وينظر إلى قيمتها إن أراد بها التجارة، فإن كانت أقل من مائتي درهم، لم تجب الزکوٰۃ، وإن كان العدد كاملاً، الخ“۔ (المبسوط للرخسی: ۱/۲۳۸، الزکاة، دار الكتب العلمية بیروت)

تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ

سوال [۴۵۴۵]: ایک شخص نے تجارت کے لئے بکرے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ خریدے، یہ جانور ایک سال میں کئی دفعہ بک جاتے ہیں اور خریدے بھی جاتے ہیں تو اب ان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ سال ختم ہونے پر ادا کیا جائے، پھر چاہے قیمت دیدی جائے اور چاہے اس قیمت کا جانور دیدیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

نصاب سے کم جانوروں میں زکوٰۃ نہیں

سوال [۴۵۴۶]: زید کے پاس ۳۵/ بھیڑ اور دو گائے ہیں اور ایک بھینس بھی ہے، کل ۴۰/ عدد ہیں، جنگل میں چرایا جاتا ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے ادا کی جاوے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے پاس بھیڑ: ۳۵/، گائے: ۲/، بھینس: ۱/ اس مجموعہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، کسی کا بھی نصاب پورا

(۱) ”وتجب الزکوٰۃ أيضاً فی عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، الخ“۔ (مجمع الأنهر:

۳۰۶/۱، باب زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷۷/۲، باب زکوٰۃ المال، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه کان یقول: ”فی کل مال یدار فی عبید، أو دواب، أو بز

التجارة، تدار الزکاة فیہ کل عام“۔ رواہ عبد الرزاق بإسناد صحیح“۔ درایۃ: ۱۶۳“۔ (إعلاء السنن:

۶۳/۹، باب زکاة عروض التجارة، إدارة القرآن کراچی)

”لا یجب فی العلوفۃ..... حتی لو كانت العلوفۃ للتجارة، کان فیہا زکاة للتجارة“۔ (النهر

الفائق: ۴۶۸/۱، فصل فی الغنم، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱۷۶/۱، الباب الثانی فی صدقة السوائم، رشیدیہ)

نہیں (۱) اور ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کرنے کا حکم نہیں (۲)۔ ہاں اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ قیمت کے اعتبار سے چالیسواں حصہ واجب ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) ”لیس فی أقل من أربعین من الغنم السائمة صدقة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الزکاة، الفصل

الرابع فی زکاة الغنم: ۱/۸۷، مکتبہ رشیدیہ)

”وفی فتح القدير: والضأن والمعز سواء: أى فی تکمیل النصاب“۔ (البحر الرائق، کتاب

الزکاة، فصل فی الغنم: ۲/۳۷۸، رشیدیہ)

”لیس فی أقل من ثلاثین من البقر صدقة“..... والجاموس كالبقرة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الزکاة، الفصل الثالث فی زکاة البقر: ۱/۷۷، ۱/۷۸، رشیدیہ)

(۲) ”وأما السوائم إذا اختلف أجناسها، لایضم البعض إلى البعض لتکمیل النصاب“۔ (التاتار خانیہ،

کتاب الزکاة، زکاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن کراچی)

”والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه“۔ (الدرالمختار)۔ ”قوله: جنسه“ سیأتی أن أحد

النقدين يضم إلى الآخر، وأن عروض التجارة تضم إلى النقدين للجنسية باعتبار قيمتها، واحتراز عن المستفاد من

خلاف جنسه كالإبل مع الشياه، فلا تضم“۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲/۲۸۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم: ۲/۳۸۸، رشیدیہ)

(وکذا فی البدائع، کتاب الزکاة، فصل: وأما صفة نصاب السائمة، ومنها أن يكون الجنس فيه

واحد من الإبل والبقر والغنم الخ: ۲/۳۰، سعید)

(۳) ”أما التي نوى بها التجارة، فتجب فيها زکاة التجارة“۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة

الغنم: ۲/۲۸۲، سعید)

”ويضم بعض العروض (أى عروض التجارة) إلى بعض وإن اختلف أجناسها“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ، کتاب الزکاة، الفصل الثانی فی العروض: ۱/۱۸۰، رشیدیہ)

”يجب ربع العشر فی عروض التجارة إذا بلغت نصاباً من أحدهما..... وكل شئ فهو عرض سوى

الدرهم والدنانير..... فيدخل الحيوان“۔ (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۲/۳۹۸، رشیدیہ)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

قرآن کریم سے عشر کا ثبوت

سوال [۴۵۴]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشر زمین کے بارے میں قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں کیا، کیا یہ حکم: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ، وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ الآية، پارہ: ۳، رکوع: ۵ سے ثابت نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟
الجواب حامداً ومصلحاً:

حافظ ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے ”احکام القرآن“ ۱۲/۳ میں امت کا اتفاق نقل کیا ہے اس بات پر کہ آیت: ﴿وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ میں عشر مراد ہے (۱) بعض ائمہ نے: ﴿أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ، وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ سے بھی وجوب عشر پر استدلال کیا ہے، کذا فی احکام القرآن: ۱/۵۴۴ (۲)، والزیلعی ۱/۲۹۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۰/۶۴ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/شوال/۶۴ھ۔

(۱) (احکام القرآن للجصاص: ۱۶/۳، ذکر خلاف فی الموجب فیہ، قدیمی)

(۲) ”وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ“، عموم فی إيجابہ الحق فی قليل ماتخرجه الأرض و كثيره فی إيجابہ العشر فی قليل ماتخرجه الأرض..... اھ۔ (احکام القرآن: ۱/۶۲۵، باب المكاسب، قدیمی)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۹۳، فصل فی زکاة المزروع، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی روح المعانی: ۸/۳۸، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعید)

(۳) ”ولأبی حنیفہ قولہ تعالیٰ: ﴿أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ [البقرة: ۲۶۷]، =

وجوب عشر

سوال [۴۵۴۸]: ہندوستان کی ایسی زمین کہ جس کی پیداوار ماء السماء پر ہوں اور صاحب زمین گورنمنٹ کو خراج بھی دیتا ہو، تو کیا ایسی زمین کا عشر نکالنا واجب ہے، اگر واجب نہیں تو سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو کس درجہ کی مدلل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین عشری ہے تو اس کی پیداوار میں عشر نکالنا واجب ہے (۱) اور گورنمنٹ جو خراج لیتی ہے وہ عشر میں محسوب نہ ہوگا، کیونکہ وہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی، ہکذا أفتی مولانا گنگوہی المرحوم (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

عشر کا نصاب

سوال [۴۵۴۹]: پیداوار کی زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے؟

مقدار عشر

سوال [۴۵۵۰]: ۲..... پیداوار میں زکوٰۃ کب اور کس حساب سے نکالی جائے؟

ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۴۵۵۱]: ۳..... ربیع یا خریف کی زکوٰۃ کا حکم یکساں ہے یا جداگانہ؟ کیونکہ کبھی کبھی بارش اور

= وهو بعمومه يتناول جميع ما يخرج من الأرض. (تبیین الحقائق، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر:

۱۰۲/۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۱) ”(و) يجب العشر فی (مسقى السماء) : أى مطر (وسیح) کنهر“. (الدر المختار، باب العشر:

۳۲۶/۱، سعید)

(و کذا فی الهدایۃ، باب زکاة الزروع والثمار: ۲۰۱/۱، مکتبہ شرکت علمیہ)

(۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ زمینیں زمینداروں کی ملک تھیں، ملک سرکار نہیں تھیں، خاتمہ زمینداری کے بعد سے عشر =

ٹیوب ویل دونوں قسم کے پانی سے سینچائی ہوتی ہے، ایک ہی قسم کی پیداوار میں، لہذا ایسی صورت میں زکوٰۃ کا حساب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ایک صاع (سواتین سیر) بھی پیدا ہو تب بھی عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے، کذا فی رد المحتار: ۴۹/۲ (۱)۔

۲..... عشری زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ نکالا جائے گا جب کہ وہ زمین بارانی ہو، اگر آپ پاشی کرنی پڑتی ہے تو نصف عشر واجب ہوگا، حولان حول شرط نہیں، شامی (۲)۔

۳..... دونوں فصلوں کا حکم یکساں ہے، اگر بارش کا پانی غالب ہے اور ٹیوب ویل کی اتقاقیہ معمولی نوبت آتی ہے تو اس کو بارانی ہی سمجھا جائے گا ورنہ نصف عشر دینا ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۱ھ۔

= واجب نہیں رہا۔ فقط۔

(راجع فتاویٰ رشیدیہ، باب عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، إدارة اسلامیات، لاہور)

(۱) ”(قوله: بلا شرط نصاب) و بقاء، فيجب فيمادون النصاب بشرط أن يبلغ صاعاً، و قيل: نصفه، وفي الخضروات التي لا تبقى، وهذا قول الإمام، وهو الصحيح، كما في التحفة“۔ (رد المحتار: ۳۲۶/۲، باب العشر، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۴۵۳/۱، باب العشر، امداديه)

(۲) ”وتجب في مسقى سماء: أى مطرو وسيح كنهر بلا شرط نصاب و بلا شرط بقاء و حولان حول..... يجب العشر. ويجب نصفه في مسقى غرب: أى دلو كبير ودالية: أى دولا ب لكثرة المؤنة“۔ (الدر المختار: ۳۲۶/۲، باب العشر، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۱۰۱/۲، ۱۰۶، باب العشر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الهداية: ۲۰۱/۱، ۲۰۲ باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه ملتان)

(۳) ”ولو مسقى سيحاً وبآلة، اعتبر الغالب: أى أكثر السنة كما مر في السائمة والعلوفة، الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۸/۲، باب العشر، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۱۰۶/۲، باب العشر، دارالكتب العلمية، بيروت) =

عشر

سوال [۴۵۵۲]: زید ایک عالم ہے اس کے علاقہ میں غلہ کی پیداوار سے زکوٰۃ عام طور سے ادا کی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں پر لعن طعن ہوتی ہے۔ کیا یہ برتاؤ عند الشرع درست ہے؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ غلہ صاحب نصاب ہی لوگ دیتے ہیں۔ زید آج ڈھائی برس سے آسام کے ایک علاقہ میں دینی کام انجام دے رہا ہے، اس سلسلے میں حفظ قرآن پاک کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے جس کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ دیکھ کر غلہ کی زکوٰۃ لوگوں کو گراں معلوم ہوتی ہے، اس کے پیش نظر صرف یہ بات ہے کہ اگر دھان (چھلکوں والا چاول) کی فقط زکوٰۃ مسلمانوں کی طرف سے نکال کر اکٹھا کر لیا جائے تو عمدہ طور سے مدرسہ کے لئے طلبہ کے واسطے طعام و قیام کا نظم ہو سکے جب کہ زید کو کسی قسم کی تنخواہ و معاوضہ نہیں دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ طلب کرتا ہے۔

آسام یا پورے ہندوستان کی زمینوں پر گورنمنٹ کا ٹیکس وصول کر لیا جاتا ہے تو کیا ”کلما آخر جت الأرض ففیہ العشر“ پر عمل ہو جاتا ہے؟ دھان یا غلہ جس مقدار میں پیدا ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟ مدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔ نیز اگر زکوٰۃ یہاں کی زمینوں پر واجب نہیں ہے تو پھر زید کا یہ عمل کیسا ہے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا دینی مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے کوشش کرنا قابلِ صد تحسین ہے، اللہ پاک اس کی کوشش کو بار آور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ و عشر واجب ہونے کے لئے اس زمین پر ملک مسلم قائم ہونا ضروری ہے، خاتمہ زمینداری کے بعد یہاں کی زمینوں پر عموماً ملک مسلم قائم نہیں رہی، لہذا ایسی زمینوں کی پیداوار میں زکوٰۃ و عشر واجب نہیں، البتہ بطور صدقہ نافلہ اور دینی خدمت کے لئے جس قدر بھی دیدیں اور اس سے مدرسہ چلایا جائے، موجبِ خیر و برکت اور باعثِ اجر و ثواب ہے جو لوگ عشر نہ دیں ان پر لعن طعن درست نہیں، بات صرف ترغیب تک رکھی جائے:

”وانقسمت بین المسلمین لا یوظف إلا العشر، وإن سقیت بماء الأنهار، فلهذا قال فی التبیین: هذا فی حق المسلم، أما الکافر فیجب علیها الخراج من أى ماء سقى؛ لأن الکافر لا یتبدأ بالعشر، الخ“۔ مجمع الأنهر: ۱/۶۷۱ (۱)۔

”وخراج إن اشترى ذمی أرضاً عشریة من مسلم: أى یجب الخراج؛ لأن فی العشر معنی العبادة، والکفر ینافیها، الخ“۔ ۲/۲۳۸ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، کیم/ذیقعدہ/۱۳۸۸ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

آبی اور بارشی زمین میں عشر

سوال [۴۵۵۳]: آبی زمین میں عشر کتنا فرض ہے اور بارش والی زمین میں کتنا فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حرره العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

عشری اور خراجی زمین

سوال [۴۵۵۴]: ہندوستان کی زمین خصوصاً نئی آبادی مثلاً ملتان، منٹگمری وغیرہ کے علاقہ کی زمین

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۳۲۱، باب زکاة الخراج، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”وخراج إن اشترى ذمی أرضاً عشریة من مسلم: أى یجب الخراج إن اشترى ذمی غیر تغلیبی أرضاً عشریة من مسلم، الخ“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۱۰۷، باب العشر، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۲۵۶، باب العشر، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۷، باب العشر، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۶، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار، رشیدیہ)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”مقدار عشر“۔)

عشری ہے یا خراجی؟ اس کی صحیح تعریف تحریر کرنے کے بعد یہ بیان فرمائیے کہ ان زمینوں کی پیداوار کی زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟ ذرا مفصل تحریر فرمائیے کہ عشر کیسی زمین پر واجب ہے اور اس کا کیا حکم ہے، کچھ عشری خراجی زمین کی بھی تقسیم ہے یا عام ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوزین اسلامی حکومت کے وقت سے مسلمان کے پاس ہے اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے وہ عشری ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے (۱)۔ زمین کی متعدد قسمیں ہیں:

”والأرض إما عشرية أو خراجية أو تضعيفية، والمشترون: مسلم و ذمی و تغلبی۔
فالمسلم إذا اشترى العشرية أو الخراجية بقيت على حالها، أو التضعيفية فكذلك عند الإمام ومحمد، وقال أبو يوسف: ترجع إلى عشر واحد. وإذا اشترى التغلبی الخراجية بقيت خراجية أو التضعيفية فهي التضعيفية، إذا العشرية من مسلم، ضوعف عليه العشر عندهما خلافاً لمحمد. وإذا اشترى ذمی غیر تغلبی خراجية أو تضعيفية، بقيت على حالها، أو عشرية صارت خراجية إن استقرت في ملكه عنده، اهـ“۔ طحطاوی: ۱/ ۱۹۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حرره العبد محمود غفرلہ۔

(۱) ”كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به، لما فيه من معنى العبادة..... في جامع الصغير: كل أرض فتحت عنوة فوصل إليها ماء الأنهار، فهي أرض خراج، و ما لم يصل ماء الأنهار واستخرج منها عين، فهي أرض عشر..... فيعتبر السقي بماء العشر أو بماء الخراج“۔ (الهداية: ۲/ ۵۹۱، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه)

(و كذا في رد المحتار: ۲/ ۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربی)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (اسلام کا نظام عشر و خراج، ادارۃ القرآن) (و اسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت)

(۲) (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۴۱۹، باب العشر، دار المعرفة، بیروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۱۶، باب العشر، رشیدیہ) =

مال گزاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال [۴۵۵]: صوبہ بنگال کی زمین جس میں گورنمنٹ مالگزاری بھی لیتی ہے، آیا یہ مالگزاری لینا خراج شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس زمین پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ عشری زمین ہے تو اس پر عشر واجب ہوگا، مالگزاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ عفا اللہ عنہ۔

باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ

سوال [۴۵۶]: زید ڈیڑھ سو بیگہ زمین کا زمیندار یا کاشتکار تھا اس کے پاس مالگزاری سال وار ضروری اخراجات خانگی کے بعد ہزاروں من غلہ بچتا تھا، اسی طرح معمولی کمی بیشی کے ساتھ ہر سال بچت ہوتی ہے۔ وہ غلہ فروخت بھی نہیں کرتا، خانگی ضرورت کے لئے کبھی فروخت کرتا ہے تو بقدر ضرورت سالوں کا پرانا غلہ اس کے پاس فروختگی کے بعد کئی کئی نصاب کی قیمت کا موجود ہے۔ تو کیا اس حالت میں اس کے اوپر غلوں میں زکوٰۃ ہے؟ اسی طرح ضرورت سے زائد اس کے پاس باغ ہیں جن کی قیمت کئی نصابوں کو پہنچتی ہے، آیا ان باغات میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی تو کس صورت سے؟

= (و کذا فی رد المحتار: ۲/۳۲۹، باب العشر، سعید)

(۱) "أخذ البغاة والساطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على ربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره، ولا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم وبين الله إعادة غير الخراج". (الدر المختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعید)

(و کذا فی الهدایة: ۱/۹۳، فصل فی الغنم، مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل فی الغنم، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل فی زكاة الخيل، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غلہ تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوٰۃ فرض نہیں خواہ وہ کتنی بھی مقدار میں ہو، یہی حال زمین، کھیت، باغ کا ہے (۱)۔ البتہ زمین اور باغ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اگر وہ عشری ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے خواہ کتنی ہی پیداوار ہو اور اس کی قیمت کتنی ہی ہو (۲)۔ البسط فی رد المحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند

زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلہ عشر

سوال [۴۵۵]: تھوڑا عرصہ ہوا کہ سفر میں لوگوں نے ایک استفتاء اور اس کا جواب دکھلایا، اس مجمع میں واقف کار لوگوں نے جوابی استدلال پر اظہارِ تعجب بھی کیا، جواب کی نقل ارسال ہے، صورتحال یہ ہے کہ

(۱) ”ولا تصح نية التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية“۔ (الدر المختار)۔

”قوله: ولا تصح نية التجارة؛ لأنها لا تصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي، ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملك يثبت فيه بالنبات ولا اختيار له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أى بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصاباً ونوى أن يمسكها ويبيعها، فأمسكها حولاً، لا تجب فيها الزكاة كما في الميراث“۔ (رد المحتار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۴، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيدية)

(۲) ”قال أبو حنيفة: في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقى سيحاً أو سقته السماء، الخ“۔ (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه)

(و كذا رد المحتار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيدية)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمی لاہور)

(و كذا في امداد الفتاوى: ۲/۵۷، عشر در باغات، دارالعلوم كراچی)

زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کی ملک قرار پائی ہو یا نہ پائی ہو، زمین پر قبضہ اور تصرف کا حق رکھنے والوں کے حقوق میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں، یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ زمانہ سابق میں زمین کا مالک کاشتکار تھا یا زمین دار یا حکومت، بہر حال اتنی بات تو واضح ہے کہ زمینداری ختم ہونے سے پہلے جس زمین پر جو تصرف تھا وہ آج بھی ہے اگر اس پر پہلے عشر تھا تو آج بھی ہونا چاہئے۔

اب رہی یہ بات کہ حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصف عشر تو یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب حکومت نے زمینداری ختم کرنے کے بعد زمینوں کے مالکوں کی ملکیت منسوخ کر کے اپنی ملکیت کا اعلان کر دیا ہو اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے زید، عمر، سیتا رام اور تارا سنگھ وغیرہ کو زمین دی ہو لیکن ایسا واقعہ نہیں ہے، حکومت نے جن جن صورتوں میں زمین داری ختم کی اور زمین دار کی جگہ خود وہاں کوئی نئی ہندو بستی عمومی طریقے پر نہیں کی گئی، اس لئے یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد جو زمین حکومت کی ملک قرار پائی اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے لوگوں کو زمین دی ہو۔ اس حالت میں عرض ہے کہ جواب پر نظر ثانی فرمائی جائے اور اس عاجز کی اور ساتھ ہی ساتھ ہزاروں اہل علم کی تشنگی جو اس جواب سے پیدا ہوئی دور فرمائی جائے۔ والسلام۔

محمد عارف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملک حکومت قرار پائی پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصف عشر، تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصف عشر ادا کر دے تو موجب خیر و برکت ہے، جس قدر بھی وہ زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۸۷ھ۔

الجواب هو الموفق للصواب:

وجوب عشر کا مدار حقوق پر نہیں بلکہ ملک پر ہے یعنی وجوب عشر کے لئے شرط یہ ہے کہ زمین مسلمانوں کی ملک ہو اور جب سے مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا ہو اس کی زمین غنمیں میں تقسیم ہوئی ہو اور اس وقت سے آج تک برابر مسلمانوں کی ہی ملک چلی آرہی ہو:

”إرثاً أو شراءً وغير ذلك. أما شرط الأهلية فنوعان: أحدهما الإسلام، وإنه شرط ابتداء هذا الحق، فلا يبدأ بهذا الحق إلا على مسلم بلا خلاف؛ لأن فيه معنى العبادة، والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداءً، فلا يبدأ عليه“. (بدائع الصنائع: ۵۴/۲، في بيان العشر (۱)۔

درمیان میں کسی کافر کی ملک میں نہ چلی گئی ہو اور اگر درمیان میں کسی کافر کی ملک میں چلی گئی ہوگی تو عشری نہ رہے گی، چنانچہ فقہائے کرام کی عبارتیں اسی کی تصریح کرتی ہیں: ”واشتري ذمى أرضاً عشرية من مسلم، فعليه الخراج“. ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۷/۱ (۲)۔ ہدایہ میں ہے: ”ولو كانت الأرض لمسلم باعها لنصراني - يريد به ذمياً غير تغلبي - وقبضها، فعليه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله؛ لأنه أليق بحال الكافر“. هداية: ۱۷۵/۱ (۳)۔

فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں: ”وإذا اشترى ذمى غير تغلبي خراجية أو تضعيفية، بقيت على حالها، لو اشترى عشرية من مسلم فعند أبي حنيفة رحمه الله تصير خراجية إن استقرت في ملكه“. فتح القدیر: ۱۹۶/۲ (۴)۔ علامہ جلال الدین خوارزمی شارح ہدایہ فرماتے ہیں: ”كذمي اشترى أرض عشر من مسلم، ففيه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله“. كفاية مع الفتح: ۱۹۸/۲ (۵)۔ من مسلم كنز الدقائق، ص: ۶۳ (۶)۔ علامہ شامی حاشیہ بحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں: ”ولو أن كافراً اشترى أرضاً عشرية، فعليه الخراج في قول أبي حنيفة رحمه الله“. منحة

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في شرائط الفرضية: ۴۹۶/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخراج: ۲۱۷/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۲۰۳/۱، مكتبة شرکت علیمہ ملتان)

(۴) (فتح القدیر، كتاب الزكاة، باب الزروع والثمار: ۲۵۳/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۵) ”كذمي اشترى أرض عشر من مسلم ففيه الخراج“. (الكفاية مع الفتح، باب زكاة الزروع والثمار: ۱۹۸/۲، رشيدية)

(۶) (كنز الدقائق، كتاب الزكاة، باب العشر، ص: ۶۳، رشيدية)

الخالق حاشیہ البحر الرائق: ۲/۲۳۹ (۱)۔

اب اس کے بعد اگر اس کافر سے مسلمان نے خریدی یا کسی اور طریقہ سے مسلمان کی ملک میں آئی تو یہ زمین عشری نہ بنے گی: ”فصار شراء المسلم من الذمی بعد ما صارت خراجیة فتصیر علی حالها، ذکرہ التمر تاشی، کما إذا أسلم هو واشترها منه مسلم آخر“۔ فتح القدیر: ۲/۱۹۷ (۲)۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ خاتمہ زمینداری سے پہلے زمین کس کی ملک تھی، تو اس میں دو احتمال ہیں: پہلا یہ کہ زمین سرکاری ملک میں ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے، گو دلائل کے اعتبار سے یہ بات کچھ قوی نہ ہو۔ اس احتمال پر زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار کو چونکہ کاشتکاروں سے براہ راست لگان وصول کرنے میں دشواری رہتی ہے اس لئے اس نے خطے بنا کر زمینداروں میں تقسیم کر دیئے کہ یہ لوگ یعنی زمیندار کاشتکاروں سے لگان وصول کر لیا کریں اور سرکار میں پہونچا دیا کریں تاکہ سرکار کو اس کی وصولیابی میں دشواری نہ ہو تو گویا زمیندار مالک زمین نہیں ہوتے تھے بلکہ مالک تو سرکار ہی تھی، زمیندار تو کاشتکار اور سرکار کے درمیان لگان کی وصولیابی کا واسطہ تھے اور جو کچھ ان کو ملتا تھا وہ ان کی اجرت تھی۔

بہر حال زمیندار کی حیثیت اس صورت میں ایک اجیر سے بڑھ کر نہ تھی، ان کو جو کچھ اختیارات بھی دیئے گئے تھے وہ محض اسی حیثیت سے تھے، اب جب کہ سرکار بدلی اور انگریز کی جگہ نئی سرکار نے لی تو اس نے زمینداروں کی اس حیثیت کو ختم کر دیا اور چونکہ انہوں نے اتنی مدت تک سرکار کی خدمت کی تھی اس لئے اس کے عوض کے طور پر اور ان سے جو اختیارات چھین لئے گئے اس کی اشک شوائی کرتے ہوئے انہیں کچھ رقم بھی بونس کی شکل میں دی، یہ ایسا ہے جیسے پنشن کہ سابقہ خدمت کے عوض کر دی جاتی ہے۔

ان اختیارات کو ختم کرنے کا نام ”خاتمہ زمینداری“ ہے تو اس صورت میں زمین زمیندار کی ملک تھی ہی نہیں بلکہ سرکار کی ملک تھی، اس میں وجوب عشر کا سوال ہی نہیں اس لئے کہ سرکار اور حکومت اگر مسلمان ہو تو اس وقت بھی عشر واجب نہیں ہوتا، چنانچہ الدار المنتقی میں ہے: ”وهذا نوع ثالث یعنی لا عشریة ولا خراجیة

(۱) (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب العشر: ۲/۴۱۷، رشیدیہ)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الزکاة، باب زکاة الزروع والثمار: ۲/۲۵۴، مصطفى البابی الحلبي مصر)

من الأراضی تسمى أراضی المملکة، ص: ۶۷۱/۲ (۱)۔ چنانچہ جب سرکار مسلم ہو اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ زمین، زمیندار ہی کی ملک تھی جیسا کہ اکثر علمائے کرام کی تصریحات ہیں اور دلائل کے اعتبار سے بھی اقرب و اظہر ہے تو اس صورت میں ختم زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین زمیندار سے خرید لی گئی، گوجر اُبی صحیح اور کاشتکار کے ہاتھ فروخت کر دی گئی اور کاشتکار کو خریدنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ جو دس گنا ادا کرے وہ لے لے۔ کاشتکار نے براہ راست زمیندار سے خریدی نہ ہو، اس لئے کہ ان دونوں میں خرید و فروخت ہوتی ہی نہیں۔ لامحالہ سرکار نے زمیندار سے خریدی اور کاشتکار کو فروخت کی تو اس میں ملک کا فرک تخلل ہو گیا اور عشر ساقط ہو گیا (۲)۔

کتب فقہ: خانہ (۳)، بحر (۴)، طحاوی (۵)، عالمگیری (۶) وغیرہ تقریباً سبھی میں یہ مسائل بصراحت موجود ہیں جو اہل علم حضرات کی نظر سے مخفی نہیں، پھر تعجب ہے کہ اس عاجز کے جواب سے ہزاروں اہل علم کو تشنگی کیوں پیدا ہوئی، کیا یہ سب کتابیں تشنگی دفع کرنے کے لئے کافی نہیں، غالباً جواب مختصر ہونے اور استدلالی عبارات جواب میں نقل نہ کرنے اور اہل علم کی وسعت نظر پر اعتماد کرنے سے ایسا ہوا۔ تاہم اگر اسکے خلاف کتب مذہب میں دلائل قویہ موجود ہوں اور اس عاجز نے سمجھنے میں غلطی کی ہو تو دینی بات میں اصرار نہیں،

(۱) (الدرالمختار، المنتقى فی شرح الملتقى، باب العشر والخراج: ۴۶۲/۲، المكتبة الغفارية)
(۲) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب، ”ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی کو ابتداء دیدی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔“ (اسلام کا نظام اراضی، ص: ۱۸۰، عشر و خراج کے احکام، دارالاشاعت کراچی)

(و کذا فی امداد الفتاوی: ۶۰/۲، فصل فی العشر والخراج، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(و کذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۹۱/۶، چھٹا باب عشر، امدادیہ ملتان)

(۳) (الخانیه علی هامش الفتاوی العالمگیریه، فصل فی العشر والخراج: ۲۷۰/۱ - ۲۷۶، رشیدیہ)

(۴) (البحر الرائق، باب العشر: ۴۱۲/۲ - ۴۱۸، رشیدیہ)

(۵) (حاشیہ الطحاوی علی الدرالمختار، باب العشر: ۴۱۷/۱ - ۴۲۲، دارالمعرفۃ بیروت)

(۶) (الفتاوی العالمگیریه، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار: ۱۸۵/۱ - ۱۸۷، رشیدیہ)

سمجھ میں آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ رجوع سے دریغ نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ ضد اور ہٹ سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۸۸ھ۔

نقد، زمین وغیرہ میں زکوٰۃ

سوال [۴۵۵۸]: ۱۔ جس زمین کی مالگداری فی بیگہ دو روپیہ، تین روپیہ، چار روپیہ تک سالانہ ہو اس زمین کی بھی زکوٰۃ نکالنی چاہئے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ اس میں نکالنا فرض ہے تو کیا زمین کی قیمت لگا کر، اگر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ نکالنا ہے تو کتنا پیدا ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ کیا اس وقت زکوٰۃ پیداوار کی نکال دینی چاہئے یا سال بھر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد اور مالگداری ادا کرنے کے بعد زکوٰۃ نکالنی چاہئے؟

۲۔..... زید کی دال کی ایک مشین ہے اس مشین کی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی چاہئے یا جو نفع سال بھر میں ہو وہ اپنی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو روپیہ باقی رہے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟

۳۔..... جو سکھ ہندوستان میں انگریزی رائج ہے اس میں زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے، سینکڑہ میں کتنی زکوٰۃ نکالنی پڑے گی؟

۴۔..... زید کے پاس کچھ نقد روپے ہیں اور کچھ زمین ہے، رمضان کا مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نقد روپیہ میں تو زکوٰۃ رمضان میں نکالیں گے، باقی زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ فی الحال نکالی جائے گی، یا اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کے بعد جو غلہ بچ جائے گا وہ رمضان میں فروخت کر کے قیمت نقد روپیہ میں ملا کر زکوٰۃ نکالی جاوے؟

۵۔..... جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، چند کفار کی زمین زید کے پاس مرہون ہے، زکوٰۃ زمین کی پیداوار سے نکالی جاوے گی یا جو روپیہ باقی ہے اس کی زکوٰۃ نکالی جاوے گی؟

۶۔..... زید کا کچھ روپیہ بقدر حساب لوگوں کے پاس باقی ہے جس کے وصول ہونے کے بہت کم امید

ہے۔ کیا زید پر اس روپیہ کی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ہندوستان کی جو زمین کفار کے قبضہ میں تھی یا ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اور سلطنت اسلامیہ کے زمانے سے جو زمین برابر مسلم کے قبضہ میں آ رہی ہے وہ عشری ہے اس کی پیداوار کی زکوٰۃ بہر صورت واجب ہے (۱) خواہ مالگذاری کتنی ہی دینی پڑتی ہو، خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو اس کا کوئی حساب متعین نہیں اور نہ سال گزرنا یا سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے، اس میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا (بغیر مالگذاری اور بیج کی قیمت اور ملازمین کی تنخواہ اور جانوروں کی خوراک اور اپنا خرچ منہا کئے) دسواں حصہ (جب کہ کھیتی بارش کے پانی سے یا نہری پانی سے ہوتی ہو) پہلے ہی علیحدہ کر کے مستحقین کو دیدیا جاوے۔ اور کنویں کے پانی سے ہر ٹ پڑس وغیرہ کے ذریعہ سے کھیتی ہوتی ہے تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ پہلے ہی نکال دیا جاوے اس کے بعد میں اپنے خرچ میں لانا چاہئے۔

۲..... اس مشین پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مال تجارت نہیں ہے (۲)، البتہ سونے اور چاندی پر جب کہ بقدر نصاب ہو اور حوائج اصلیہ سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے زکوٰۃ واجب ہے خواہ اس مشین کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو یا کسی اور ذریعہ سے (۳)۔

(۱) ”کل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة..... الخ“۔ (الهداية: ۵۹۱/۲، باب العشر والخراج، مكتبة شركة علميه ملتان)

(و كذا في رد المحتار: ۱۷۶/۴، باب العشر والخراج، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۶۶۱/۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۶/۱، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمی لاہور)

(۲) ”فليس في دور السكنى..... و سلاح استعمال زكاة..... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، ولا يبقى أثرها في المعمول“۔ (الفتاوى العالمية: ۱۷۲/۱، كتاب الزكاة، رشيدية)

(و كذا في رد المحتار: ۲۶۵/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في فتح القدير: ۱۶۳/۲، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) ”مال التجارة نوعان: أحدهما ما خلق ثمناً وهو الذهب والفضة، ففي الذهب في كل عشرين مثقال =

۳..... سو روپیہ میں اڑھائی روپیہ یا اڑھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اور شئی نکالنی چاہئے (۱)۔

۴..... اس کا جواب پہلے نمبر میں آچکا ہے۔

۵..... اس زمین میں زکوٰۃ نہیں ہے اور روپیہ کی زکوٰۃ جب روپیہ تمام یا بقدر نصاب یا خمس نصاب وصول ہو تب گذشتہ تمام سالوں کی ادا کر دے۔

۶..... واجب ہے لیکن کم از کم خمس نصاب وصول ہو جانے پر اس کی ادائیگی واجب ہوگی پھر جب دوسرا خمس وصول ہو تو اس کی زکوٰۃ ادا کر دے (۲)۔

= ذهب نصف مثقال، مضروباً كان أولم يكن، مصوغاً أو غير مصوغ، حلياً كانت للرجال أو للنساء، تبرأ كان أو سبيكة، يعتبر في الذهب وزن المشاقيل وفي الدراهم وزن سبعة“. (خلاصة الفتاوى: ۲۳۷/۱، كتاب الزكاة، الفصل الخامس في زكاة المال، امجد اكيڈمی لاہور)

”ليس فيما دون مائتي درهم صدقة فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم؛ لأنه عليه السلام كتب إلى معاذ رضي الله تعالى عنه: أن خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالاً ففيها نصف مثقال“. (الهداية: ۱۹۴/۱-۱۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، شركت علميہ)

(۱) ”من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكاة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه، زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً“. (الهداية: ۱۸۶/۱، كتاب الزكاة، شركة علميہ ملتان)
(و كذا في الدر المختار: ۳۶۲/۲، كتاب الزكاة، سعيد)
(و كذا في تبين الحقائق: ۴۲/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في التاتارخانية: ۲۸۷/۲، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)
(۲) ”واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، الخ“. (الدر المختار: ۳۰۵/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲۹۹/۲، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، إدارة القرآن كراچی) =

۷..... جب زید کے روپیہ کے برابر اس زمین سے وصول ہو جائے تو زید زمین چھوڑ دے اور اصل مالک کے حوالے کر دے کہ میں اپنا مطالبہ وصول کر چکا ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۱۴۵۶ھ۔

زکوٰۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق

سوال [۴۵۵۹]: ۱..... زمینی پیداوار کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے یا بیسواں حصہ؟ اور کن شرائط کے ساتھ یعنی کیا موجودہ حکومت کا لگان اور مال گزاری دینے کی حالت میں بھی زکوٰۃ کی وہی مقدار ادا کرنی پڑے گی جو اسلام نے اسلامی حکومت میں مقرر کی ہے؟

۲..... زمینی پیداوار میں صرف غلہ مثلاً گیہوں اور چنا وغیرہ کا شمار ہے، یا ادرک اور آلو وغیرہ بھی زمینی پیداوار میں شامل ہے؟

۳..... زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے حاصل ہونے کے ساتھ ہی یا سال بھر تک کھانے پینے سے اگر بچے اس وقت؟

۴..... پیداوار کی زکوٰۃ پوری حاصل شدہ پیداوار میں نکلے گی یا مزدوری اور دیگر ضروری اخراجات نکال کر جو باقی بچے اس میں سے زکوٰۃ نکلے گی؟

۵..... مقروض پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، اگر فرض نہیں ہے تو صرف سونے چاندی کی فرض نہیں ہے یا پیداوار کی بھی زکوٰۃ اس پر فرض نہیں ہے؟

۶..... اگر کوئی شخص مقروض ہے لیکن اس کے پاس اتنی جائیداد بصورت زمینداری موجود ہے، جس کی قیمت قرض کے بار سے زائد ہے، اور مقروض اس جائیداد کا پورا مالک ہے، فروخت اور رہن سب کچھ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، ایسی حالت میں اس کے لئے سونے چاندی اور زمینی پیداوار کا کیا حکم ہے یعنی ان چیزوں کی زکوٰۃ اس پر فرض ہے کہ نہیں؟

۷..... اگر کہیں مسلمانوں نے مل کر اپنا ایک قومی بیت المال قائم کر لیا ہو وہاں کوئی شخص زکوٰۃ نکال کر

بیت المال میں نہ بھیجے بلکہ بطور خود تقسیم کر دے تو یہ زکوٰۃ ادا ہوئی کہ نہیں؟

۸..... کیا زکوٰۃ کی رقم و جنس ایسے مکاتب میں لگائی جاسکتی ہے جو تعلیم قرآن پاک کے لئے قائم کئے

گئے ہوں؟

۹..... کیا زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے جلسہ میں خرچ ہو سکتی ہے جو تبلیغ اسلام کے خیال سے منعقد کئے جائیں؟

مثلاً بارہ ربیع الاول کا جلسہ میلاد النبی جس میں غیر مسلمین کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے دعوت دی جاتی ہے کہ ان کے سامنے اسلام اور شارح اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل پیش کئے جائیں اور وہ اس کا کوئی بہتر اثر قبول کر سکیں۔

۱۰..... اگر سونے چاندی اور پیداوار کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے تو اس کے استعمال کے متعلق کیا حکم ہے یعنی

اس سونے چاندی یا غلہ کا استعمال کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو کس مرتبہ میں یعنی صرف ناجائز ہے یا حرام؟

۱۱..... زیور کی زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

۱۲..... عام خیرات و زکوٰۃ ایسے لوگوں کو جو..... اور دیگر ذرائع آمدنی رکھتے ہیں، روپے اور غلہ کے

خود مالک ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات دینا جائز ہے یا نہیں جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط ہیں یعنی محنت کرنے کے قابل ہیں لیکن بلا وجہ محنت نہیں کرتے؟ نیز یہ بھی ارشاد ہو کہ ان دونوں قسموں کے لوگوں کو خیرات اور زکوٰۃ کی رقم و جنس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۳..... موجودہ فقیر جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط یا کھیت اور روپے وغیرہ کے مالک ہیں لیکن بھیک مانگتے

پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ذات کے فقیر ہیں۔ ان کو از روئے شریعت بھیک دینا جائز ہے کہ نہیں اور ان کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کیا اسلام میں فقیر کی کوئی ذات ہے کہ نہیں؟

۱۴..... اگر نمبر: ۱۳ میں درج شدہ لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات دینا جائز ہے تو اس زکوٰۃ و خیرات کا کوئی ثواب

بھی دینے والے کو ملے گا یا نہیں؟

۱۵..... جو لوگ اپنے کو ذات کا فقیر کہتے ہیں لیکن پیداوار اور سونے چاندی کے مالک ہیں ان پر زکوٰۃ

فرض ہے کہ نہیں؟ از راہ عنایت مذکورہ بالا مسائل کے متعلق بالتفصیل قرآن پاک و احادیث نبوی و فتاویٰ فقہیہ کے

حوالہ سے جواب تحریر فرمائیں اور ہر نمبر کا علیحدہ علیحدہ بالترتیب جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں اور خدا سے اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے مستحق بنیں۔

المستفتی: سکریٹری کمیٹی قاضی پورہ نواب گنج گونڈہ یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو غلہ وغیرہ عشری زمین سے پیدا ہو خواہ اس کی پیداوار بارش کے پانی سے ہوئی ہو یا قدرتی نہر وغیرہ کے پانی سے بلا قیمت ہوئی ہو، اس میں زکوٰۃ واجب ہے اور وہ پیداوار کا دسواں حصہ ہے:

”قال أبو حنيفة رحمة الله تعالى عليه: وفي قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقى سيحاً أو سقته السماء“۔ ہدایہ، ص: ۱۸۱ (۱)۔

اور اگر چرس (۲) یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سے اس میں کاشت کی گئی ہے تو اس کی زکوٰۃ پیداوار کا بیسواں حصہ ہے:

”و يسقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين“۔ ہدایہ (۳)۔ مالکذاری اور لگان دینے سے یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۲..... یہ چیزیں بھی پیداوار میں شمار ہیں ان میں بھی زکوٰۃ مذکورہ لازم ہے: ”فيما سقته السماء أو سقى سيحاً أو أخذه من ثمر جبل العشر، قل أو كثر“ (۴)۔

(۱) (الهداية: ۲۰۱/۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۸۶/۱، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(و كذا في مختصر الطحاوي: ص: ۴۶، باب زكاة الثمار والزروع، سعيد)

(۲) ”چرس: چمڑے کا بڑا ڈول“۔ (فیروز اللغات، تحت لفظ چ-ر، ص: ۵۲۶، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الهداية: ۲۰۱/۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في التبيين: ۱۰۶/۲، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۳۱۹/۱، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۳۱۷/۱، باب زكاة الخارج، دار الكتب)

”يجب العشر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير =

۳..... حاصل ہونے کے ساتھ ہی لازم ہو جاتی ہے سال بھر گزرنا لازم نہیں: ”بلا شرط نصاب و بقاء و حولان حول“۔ سبب الأنهر (۱)۔

۴..... پوری پیداوار میں سے لگائی جائے گی مزدوری وغیرہ کو اس سے منہا نہیں کیا جائے گا: ”و کل شیء أخرجه الأرض عما فيه العشر لا يحتسب أجره العمال و نفقة البقر اه“ (۲)۔

۵، ۶..... قرض کی ادائیگی کے بعد اگر سونا یا چاندی بقدر نصاب اس کے پاس بچے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں (۳) زمین کی پیداوار میں بہر صورت زکوٰۃ یعنی عشر واجب ہے۔

= والدخن والأرز و أصناف الحبوب، والبقول والرياحين والأوراد والرطاب و قصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء و الخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/ ۱۸۶، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار، رشیدیہ)

(وکذا فی الهدایہ: ۱/ ۲۰۱، باب زکاة الزروع والثمار، مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/ ۳۲۵، باب العشر، سعید)

(۱) ”بلا شرط نصاب، و بلا شرط بقاء و حولان حول؛ لأن فيه معنى المؤنة“۔ (الدر المختار:

۲/ ۳۲۶، باب العشر، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/ ۳۱۷، باب زکاة الخراج، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/ ۲۵۳، باب العشر، امدادیہ ملتان)

(۲) (الهدایہ: ۱/ ۲۰۲، باب زکاة الزروع والثمار، مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

”(بلا رفع مؤن) يجب العشر في الأول و نصف في الثاني بلا رفع أجره العمال و نفقة البقر

و كرى الأنهار وأجرة الحافظ و نحو ذلك“۔ (ردالمحتار: ۲/ ۳۲۸، باب العشر، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۰، باب زکاة الخراج، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۱۶، باب العشر، رشیدیہ)

(۳) ”و من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكاة عليه وإن كان أكثر من دينه، زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً،

الخ“۔ (فتح القدير: ۲/ ۱۶۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/ ۲۶۲، کتاب الزکاة، سعید)

۷..... ادا ہو جائے گی (۱) اگر بیت المال کے ذمہ دار منتظم اسے صحیح مصرف پر صرف کرتے ہیں تو وہاں

دینا بھی درست ہے۔

۸..... زکوٰۃ سے غریب لڑکوں کو جو کہ سید نہ ہوں وظیفہ اور کپڑا وغیرہ تملیکاً دینا واجب ہے (۲)، مکتب

کی تعمیر میں لگانا یا معلم کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوٰۃ دی جائے اور وہ اس پر قبضہ کر کے اپنی طرف سے مکتب کے متولی اور مہتمم کو دیدے تو پھر معلم کی تنخواہ وغیرہ میں دینا بھی درست ہوگا (۳)۔

۹..... اداۓ زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی غریب مسلم غیر سید کو بلا کسی معاوضہ ومنفعت کے برائے

خدا تملیکاً دی جاوے اور ایسے جلسوں میں یہ صورت نہیں ہوتی، لہذا جلسہ میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی:

”الزکوٰۃ ہی تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة

عن الممّلك من كل وجه لله تعالى“۔ زیلعی (۴)۔

۱۰..... زکوٰۃ اگر فرض ہو اور کوئی ادا نہ کرے تو وہ سخت گنہگار، فاسق اور مردود الشہادۃ ہے مگر اس مال میں

حرمت نہیں آتی (۵)، اگر چہ غلہ کا کھانا قبل اداۓ زکوٰۃ منع ہے (۶)۔

(۱) ”فی المال الظاهر الأفضل أن يؤدي الزكاة بنفسه؛ لأنهم لا يضعون مواضعها“۔ (خلاصۃ الفتاوی:

۲۴۱/۱۱، جنس آخر فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی ردالمحتار: ۳۳۷/۲، باب العشر، سعید)

(۲) ”ولو أدى من خلاف جنسه، تعتبر القيمة بالإجماع“۔ (مجمع الأنهر: ۳۰۵/۱، کتاب الزکاة،

دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) ”وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير

المسجد، وتمامة في حيل الأشباه“۔ (الدر المختار: ۲۷۱/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(۴) (تبیین الحقائق: ۱۲۱/۲، کتاب الزکوٰۃ، باب المصروف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲۵۶/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(۵) ”عن محمد: أن من لم يؤدي الزكاة، لم تقبل شهادته“۔ (بدائع الصنائع: ۳۷۴/۲، فی کیفیۃ فرضہا،

دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲۱۸/۲، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(۶) ”ولا يأكل من طعام العشر حتى يؤدي العشر، وإن أكل ضمن عشره“۔ (الدر المختار: ۳۳۲/۲، باب العشر، سعید) =

۱۱..... جس طرح چاندی سونے میں زکوٰۃ ضروری ہے اسی طرح چاندی سونے کے زیور میں بھی زکوٰۃ

ضروری ہے:

”يجب في مائتي درهم و عشرين ديناراً ربع العشر و لو تبرأ أو حلياً، اهـ. و دليل وجوب الزكاة في الحلبي أحاديث في السنن: منها قوله عليه السلام لعائشة رضي الله تعالى عنها لما تزينت له بالفتحات: ”أتؤدين زكوتهن“؟ قالت: لا، قال: ”هو حسبك من النار، اهـ.“
بحر: ۲/۲۲۹ (۱)۔

۱۲..... جو شخص ایک زکوٰۃ یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی اور شے رکھتا ہو اور وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو اگرچہ اس پر سال بھر نہ گزرا ہو اور اگرچہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو، ایسے شخص کو زکوٰۃ ہرگز نہ دیجائے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، شرعاً ایسا شخص غریب اور فقیر نہیں اور ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس قدر مالیت اس کے پاس نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس میں کمانے کی قدرت ہو:

”(المصرف) هو الفقير، وهو من يملك لا يبلغ نصاباً ولا قيمة من أتي مال كان، ولو صحيحاً مكتسباً، اهـ.“ مراقی الفلاح، ص: ۴۱۷ (۲)۔

تاہم بہتر یہ ہے کہ جو شخص زیادہ حاجت مند ہے اور کمانے سے عاجز ہے اس کو دی جائے، جس کے پاس کھیت کی آمدنی اس قدر نہیں کہ اس کو اور اس کے اہل و عیال کو کافی ہو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے اگرچہ کھیت کی قیمت زائد ہو۔

۱۳..... جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو سوال کرنا اور بھیک مانگنا حرام ہے، کذا فی

= (و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۵۱۷، فصل فی وقت الوجوب، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۳۳۳، معرفۃ وجوب العشر عند ظهور الخارج، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاة المال، امدادیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح، باب المصرف، ص: ۷۱۹، قدیمی)

الطحاوی، ص: ۴۲۰ (۱)، ایسے لوگوں کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر کسی شخص کے متعلق علم نہ ہو کہ یہ مالدار ہے یا نہیں، یا اس کے غریب اور عاجز ہونے کا علم نہیں تو اس کو دینا درست ہے۔ شریعت مطہرہ میں سوال کو منع فرمایا ہے لہذا جب تک بغیر سوال کئے ضرورت پوری ہو جائے سوال کرنا حرام ہے، پس فقیر بننا اور باوجود صاحب مال و وسعت ہونے کے مانگنے کا پیشہ اختیار کرنا حرام ہے۔

۱۴..... ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور دینے کا گناہ ہوگا کہ اعانتِ معصیت ہے۔

۱۵..... اگر بقدر نصاب سونا یا چاندی ہے اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے نیز اس پر سال بھر گزر چکا ہے تو زکوٰۃ فرض ہے اور پیداوار میں بھی زکوٰۃ لازم ہے:

”فرضت علی حر، مسلم، مکلف، مالک لنصاب من نقد و لو تبرأ أو حلیاً أو زینۃً أو ما یساوی قیمتہ من عروض تجارۃ فارغ عن الدین، و عن حاجتہ الأصلیۃ، نام و لو تقدیراً. و شرط وجوب أدائها حولان الحول علی النصاب الأصلی، اھ“۔ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/رمضان المبارک/۵۵ھ۔



(۱) ”ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و یأثم معطیه إن علم بحالہ لإعانتہ علی المحرم، الخ“۔ (حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار: ۳۵۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۳۶/۲، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) ”الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً نامیاً حولاً كاملاً، الخ“۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۲۳۵/۱، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

فصل فی اراضی الہند (ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

اراضی ہند سے متعلق تفصیل

سوال [۴۵۶۰]: یہ رسالہ کبھی نظروں سے نہیں گزرا، جواب سے بڑی تشفی ہوئی، ذرا اس کی وضاحت فرمائیں جو زمین ملک مسلم نہ ہو، ہمارے قبضہ میں جو زمین ہے جو سرکار سے بندوبست کر لی ہے، کیا اس زمین پر ہماری ملکیت نہیں خاتمہ زمینداری کے بعد تمام زمینوں کی مالک حکومت ہوگی، ہمارے پاس جو زمین ہے، ہم اس کے عارضی مالک ہیں۔

نور الہدی قاسمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قانون زمینداری کی جو تشریحات جو حکومت کی طرف سے شائع ہوتی تھیں ان میں واضح کر دیا گیا تھا کہ زمیندار مالک نہیں رہا اس کو معاوضہ دیا جائے گا، مالک حکومت ہے، وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے۔ پھر اس صورت میں جب کہ مالک مسلم نہیں اس میں عشر کا کیا سوال (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

(۱) ”حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ”ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں ہیں۔ دوسرا قبضہ ملککانہ و حکیمانہ و منتظمانہ (اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے) اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہ عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو زمین دی سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہذا وہ عشری نہ رہی، یہ دونوں فتاویٰ امداد الفتاویٰ میں ہیں۔ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کے فتاویٰ میں بھی اسی مضمون کے شاہد و مؤید ہیں۔ (اسلام کا نظام اراضی، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، =

ہندوستانی زمین کا حکم

سوال [۴۵۶۱]: ہندوستانی زمین عشری ہے یا خراجی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ حالت میں جب کہ زمینیں ملک سرکار ہیں تو نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی: ”هذا نوع ثالث لا عشرية ولا خراجية من الاراضی، تسمى اراضی المملکة و اراضی الحوز، اھ۔“
شامی (۱)۔ فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال [۴۵۶۲]: ہندوستان کی زمین (خواہ بہار کی ہو یا یوپی وغیرہ کی) عشری ہے یا خراجی؟ بحوالہ

کتب معتبرہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینواتو جروا۔

المستفتی: محمد سعد اللہ بخاری، پیش امام جامع مسجد مونگیر، ۲۳/۱۱/۵۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوزمین بادشاہ اسلام کے وقت سے مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جوزمین اس وقت مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہو کر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بناء براستصحاب حال ان پر قبضہ مسلم مسترمان کران کو بھی عنری قرار دیا جائے گا۔ حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہو سکتا ہے لیکن عشر کے حق میں محسوب نہیں ہو سکتا، فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۵۵ میں اس کی تصریح موجود ہے (۲)،

= ص: ۱۷۹، دارالاشاعت کراچی)

(و کذا فی امداد الفتاوی: ۲/۶۰، فصل فی العشر والخراج، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(و کذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۹۱، چھٹا باب عشر، امدادیہ)

(۱) (رد المحتار: ۳/۱۷۸، مطلب: اراضی المملکة والحوز لا عشرية ولا خراجية، سعید)

(وراجع أيضاً عنوان: ”اراضی ہند سے متعلق تفصیل“)

(۲) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳۶۶، عشر و خراج کے احکام کا بیان، ادارہ اسلامیات لاہور)

ایسا ہی عزیز الفتاویٰ: ۷۲/۱، ۷۶، و تتمہ جلد اول (۱) امداد الفتاویٰ، ص: ۵۰ (۲) و حوادث الفتاویٰ، ص: ۱۹ میں بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناء پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی مؤوتوں: عشر و خراج سے مستثنیٰ کر دیا ہے:

”وما أسلم أهل طوعاً أو فتح عنوةً وقسم بين جيشنا والبصرة بإجماع الصحابة عشرية؛ لأنه أليق بالمسلم، الخ.“ در مختار۔ ”(وقوله: وقسم بين جيشنا) احتراز به عما إن أقسم بين قوم كافر غير أهل، فإنه خراجي، كما في التنف، ولو قال: بيننا، لشمّل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين، فإنه عشري؛ لأن الخراج لا يؤظف على المسلم ابتداءً.“ شامی: ۲۵۴/۳ (۳)۔

”لا يؤخذ العشر من الخارج ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه له، جاز عند الثاني، وحل له لو مصرفاً وأن لا تصدق، به يفتى. ولو ترك العشر، لا يجوز إجماعاً، ويخرجه بنفسه للفقراء، الخ.“ در مختار۔

”و كذا لو كانت عشرية، لا يؤخذ منها خراج؛ لأنهما لا يجتمعان. (قوله: لا يجوز إجماعاً) لعل وجهه أن العشر مصرفه مصرف الزكاة؛ لأنه زكاة الخارج، ولا يكون الإنسان مصرفاً لزكاة نفسه، بخلاف الخراج، فإنه ليس زكاة، ولذا يوضع على أرض الكافر.“ ملخصاً (۴)۔

حکومت اگر ارضِ عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ

(۱) (عزیز الفتاویٰ: ۴۱۸/۱، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۷۱/۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۳) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۱۷۶/۴، باب العشر والخراج والجزية، سعید)

(و كذا في الهداية: ۵۹۱/۲، باب العشر والخراج، شركة علمیه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۶۶۱/۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية: ۱۹۲/۴،

حکومت مصرف زکوٰۃ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۷۰ھ۔

اراضی ہند میں عشر و خراج کا حکم

سوال [۴۵۶۳]: ۱..... ما قولکم فی مسئلۃ وجوب العشر و عدمہ فی الأراضی الی
كانت مقبوضة فی أیدی النصارى كأرض الهند، والبنجاب، والفشاور وغيره، فإن كان واجباً
فبأی دلیل واضح و سند ساطع، وإن كان غير واجب، فلعدم وجوبه كونها أراضی دار الحرب
كافیة أم لا؟

۲..... وإذا وضعت النصارى على الأراضی المملوكة المذكورة ثمناً مخصوصاً و نقداً
معلوماً الذى يسمى فى عرف عامة الخلائق ببالية المال، هل هذا خراج شرعى أم لا؟ وفى
صورة عدمه موجب لسقوط العشر أم لا؟

۳..... والأراضی الی تستقى بماء الأنهار حفرتها النصارى، و وضعوا لاستعمال مائها
طرقاً مختلفة و ثمناً متفرقة حسب الفصول و البقول، والعامل فى مائها خلاف قوانینهم يكون
مجرماً عندهم، هل يجب فیها العشر أو نصف العشر؟ بینوا بحوالۃ الكتب المعتمدة۔
الجواب حامداً و مصلياً:

۱..... فيه قولان: أحدهما: وجوب العشر إذا ملك المسلم مستمراً عليها من زمن

(۱) "أخذ البغاة والسلطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على
أربابها إن صرف المأخوذ فى محله الآتى ذكره، وإلا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم و بين الله إعادة غير
الخراج". (الدر المختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل فى الغنم، رشيديه)

(و كذا فى مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل فى زكاة الخيل، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا فى الهداية: ۱/۱۹۳، فصل فى الغنم، مكتبه شركة علميه ملتان)

السلطنة المسلمة انتقلت إليه، وهو لا يعلم أنها من مسلم انتقلت أو كافر، هذا ما اختاره الشيخ رشيد أحمد المحدث الكنگوہی فی فتاواہ (۱)، و مولانا أشرف علی التهانوی، و مبناه عدم القطع بكونه دار الحرب لا سيما في بعض الأحكام (۲)۔

والقول الثاني: عدم وجوب العشر والخراج، واختاره مولانا محمد أعلى التهانوی فی رسالته حيث قال: إن أراضي الهند ليست بعشرية ولا خراجية، بل هي أراضي الحوز: أي أراضي بيت المال والمملكة، وصرح الشامي بعدم وجوب العشر والخراج من مثل تلك الأراضي (۳)۔

۲..... الأصح أن الثمن المذكور أجرة الأراضي، والعشر لا يسقط به إذا كانت الأرض عشرية، أما إذا كانت خراجية فهذا الثمن ينوب عن الخراج، كذا في الفتاوى الرشيدية (۴)۔

۳..... إذا كانت الأرض مسقية بماء الأنهار المذكورة الماخوذ بالثمن، ففيها نصف العشر (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حرره العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳۶۷، ۳۶۸، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۶۲/۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

”کل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة..... الخ“۔ (الهداية: ۵۹۱/۲، باب العشر والخراج، مکتبہ شریکۃ علمیہ ملتان)

(و کذا فی رد المحتار: ۱۷۶/۳، باب العشر والخراج، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۶۶۱/۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۶۶، عشر وخراج کے احکام، ادارہ اسلامیات، لاہور)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”هندوستانی زمین کا حکم“۔)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”هندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی“)

(۵) ”وما سقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين؛ لأن المؤنة تكثر فيه الخ“۔ =

اراضی ہند میں عشر کا حکم

سوال [۲۵۶۴]: اراضی ہند کی عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، آخر عوام کیا کریں عشر نکالیں یا نہیں؟ زمین کی مالگداری پانی کا جو حکومت نے پبلک پر عائد کر دیا ہے یہ عشر کے غلہ سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آم، امرود، لیموں، سبزی، ترکاریوں میں عشر ہے یا نہیں؟ اور اس کے دینے کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

المرسل: محمد نور الہدی القاسمی ضلع سہر سارہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج نہیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین نھانیسیری رحمۃ اللہ علیہ نے۔ جو خلیفہ خاص تھے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ ”اراضی ہند“ ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اور ان کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے۔ مختصراً عرض یہ ہے کہ جو زمین ملک مسلم نہ ہو جیسے کہ خاتمہ زمینداری کے بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے اس میں عشر واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستانی زمینوں میں عشر

سوال [۲۵۶۵]: ہندوستان کی وہ زمینیں جو حکومت اسلامیہ کے زمانہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں

= (الہدایہ: ۲۰۲/۱، باب زکاة الزروع والشمار، مکتبہ شرکتہ علمیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۸/۲، باب العشر، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۸۶/۱، باب زکاة الزروع والشمار، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتاریخانیہ: ۳۲۶/۲، الفصل الأول فی بیان ما یجب فیہ العشر وما لا یجب، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”اراضی ہند کے متعلق تفصیل“۔)

ہیں اور ان کی کاشت میں ہیں تو کیا ان پر عشر واجب ہوگا؟ مشہور یہ ہے کہ جو مال گذاری حکومت کو دی جاتی ہے یہ قائم مقام عشر کے ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر زمین دوسرے کو کاشت کے لئے دیدی جائے تو عشر کس پر واجب ہوگا؟

افتخار الحسن کاندھلہ، ۲/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی زمینوں پر عشر واجب ہے (۱)، حکومت کی مالگذاری عشر کے قائم مقام نہیں ہوتی جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے (۲)۔ عشری زمین اگر کاشت پر دی جائے تو مالک اور مزارع پر حصہ دار عشر واجب ہوگا، جو زمین نقد کرایہ پر دی جائے اس میں اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک مالک پر عشر ہوگا، صاحبین کے نزدیک مستاجر پر ہوگا:

”والعشر على المؤجر كخراج مؤظف، وقال: على المستاجر كمستعير مسلم. وفي الحاوي: وبقولهما نأخذ. وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه، ولو من العامل فعليهما بالحصّة.“ در مختار۔ ”وقال: حتى تفسد الإجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستاجر، كما في الأشباه، وكذا حامد آفند العمادی، وقال في فتاواه: قلت: عبارة الحاوي القدسي لا تعارض عبارة غيره، فإن قاضي خان من أهل الترجيح، فإن من عادته تقديم الأظهر والأشهر، وقد قدم قول الإمام، فكان هو المعتمد، وأفتى به غير واحد، منهم: زكريا آفندی شيخ

(۱) ”كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة..... الخ.“ (الهداية: ۵۹۱/۲، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في رد المحتار: ۱۷۶/۳، باب العشر والخراج، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۶۶۱/۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۶/۱، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمی لاہور)

(۲) (تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳۶۶، عشر وخراج کے احکام، ادار اسلامیات لاہور)

(و كذا في امداد الفتاوى: ۶۰/۲، فصل في العشر والخراج، دار العلوم كراچی)

الإسلام و عطاء الله آفندی شیخ الإسلام، وقد اقتصر عليه في الإسعاف والخصاف، اهـ.
ردالمحتار، باب العشر: ۲/۷۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/رجب/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/رجب/۶۶ھ۔

کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟

سوال [۴۵۶۱]: عشر کے متعلق آپ حضرات تحریر فرماتے ہیں کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد اراضی ہندوستان موجودہ حکومت کی ملکیت میں آگئی، لہذا عشر واجب نہیں لیکن رسالہ دارالعلوم (مولانا فضل الرحمن مونگیری کا) کے پرچہ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں عشری زمین موجود ہے، رسالہ دارالعلوم دیوبند میں اس کے خلاف ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مونگیری حضرات کی رائے عشر کے متعلق وہی ہے کہ واجب ہے، وہ حضرات امارت شرعیہ کو ایک نوع کی اسلامی امارت قرار دیتے ہیں اور دارالعلوم میں جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بھی صحیح ہے مگر وہ خاتمہ زمینداری سے پہلے کا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۳۴، باب العشر، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۷، باب زکاة الزروع والثمار، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۳، باب العشر، رشیدیہ)

(۲) ان حضرت کی رائے ہے جب کہ ہمارے دوسرے اکابر حضرات نے دونوں (خاتمہ اراضی سے قبل و بعد) میں کوئی فرق نہیں کیا لہذا عشر واجب ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں عنوان ”ارضی ہند سے متعلق تفصیل“، و عنوان: ”ہندوستان کی زمینیں عشری ہے یا خراجی؟“

عشر وخراج اور اراضی ہند

سوال [۴۵۶۷]: قبیل رمضان المبارک دارالاسلام ودارالحرب کی تعریف میں چند الفاظ میں احقر کو شبہ ہوا تھا، جناب کے ذریعہ سے بندے نے انہی الفاظ کو حل کیا تھا، لیکن بندے نے غلطی سے ”نظر والحکم من البعض برسم التتار“ کے علاوہ ”بنی قریظۃ بالیہودیہ“ پر نمبر نہیں دیا تھا، اس عبارت کا مطلب حل نہیں ہوا، لہذا ثانیاً حضور کو تکلیف دیتا ہوں، امید ہے کہ حضور اس تکلیف کو گوارہ فرمائیں۔

۲..... دیگر یہ کہ احقر کا زعم تھا کہ تحقیقات الفاظ سے ملک ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب حل ہو جائے، لیکن چونکہ حضور والا نے معنی اجزائے احکام کفر کی تفصیل یہ فرمائی ہے کہ ”کافر اپنی مملکت میں مستقل طور سے حکم جاری کرے“، یعنی ”مراد اجرائے احکام کفر ایس کہ در مقدمہ ملک داری و بسند و بست رعایا و حدّ خراج و باج و عشر اموال تجارت و سیاست و قطع الطريق و سراق و فصل خصوصیات سزائے جنایات کفار بطورِ خدا حاکم باشند“۔ سو ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، بندہ کو اس میں شبہ پیدا ہو گیا، کیونکہ ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا ہے بلکہ اہل اسلام اور ہندوؤں کو لے کر حکم کرتا ہے، پس ان احکام مذکورہ کا اجراء انگریز بطورِ خود نہیں کرتے ہیں۔

۳..... حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کے کسی ایک رسالہ میں بندے نے دیکھا ہے کہ حضرت موصوف نے تحریر فرمایا کہ ہے ”جو اراضی عشری ہے اس سے عشر ادا کرنا واجب ہے، اور جو خراجی ہے اس سے خراج ادا کرنا واجب ہے“۔ لیکن ہندوستان میں سرکار کو خراج دیا جاتا ہے اور چونکہ یہ خراج اپنے مصرف میں خرچ ہوتا نہیں، سو جس مقدار روپے سرکار کو دیا جاتا ہے اس مقدار روپے یا اس مقدار غلہ کسی دینی مدرسہ میں یا فقراء کو دیدیں ورنہ گنہگار ہوں گے۔

اب اس میں یہ شبہ ہے کہ جو خراج سرکار میں ادا کیا جاتا ہے یہ بعوضِ حفظِ جان و مال ہے، جب کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امین الامت کا تسلط جس وقت اہل شام پر ہوا تھا، اس اثناء میں جب آپ مع لشکر دوسرے شہر میں محاصرہ کے قصد سے گئے تھے تو شام کے بعض شہر کی حفاظت نہیں ہو سکی، اس بناء پر آپ نے

اس شہر والوں کے خراج کو۔ جو ان لوگوں نے ادا کی اتھا۔ واپس کر دیا تھا۔ پس جو خراج انگریز کو دیا جاتا ہے یہ حفظ جان و مال کے لئے ہے، پھر فقراء کو دینا ضروری کیوں ہے۔ البتہ عشری اراضی کا عشر فقراء کو دینا واجب ہے، کیونکہ یہ حق فقراء کا ہے اور خراج کے مستحق لشکر ہیں۔ پس خراج کا حقدار مدرسہ یا فقراء ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۴..... فتح میں مرقوم ہے کہ وصول مصر فی زماننا اجرت ہے یعنی کرایہ ہے، عشر یا خراج نہیں۔ اب دریافت اس بات کی ہے کہ مصر کی اراضی جس سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے اس پر عشر واجب ہوگا یا سوائے کرایہ کے کچھ دینا ضروری نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اصل عبارت فتاویٰ بزازیہ کی ہے، مگر مولانا عبدالحی نے کچھ اختصار کے ساتھ نقل کی ہے اور کہیں کہیں کچھ کتابت کی غلطی بھی ہے، چنانچہ عبارت مسئلہ میں منشاء عدم فہم یہی کتابت کی غلطی ہے۔ عبارت اس طرح ہے اور ”إعلان بیع الخمر وأخذ الضرائب والمكوس والحکم من البعض برسم التتار كإعلان بنی قریظہ بالتهود، وطلب الحکم من الطاغوت فی مقابلة محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام فی عہدہ بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاریب، الخ“۔ بزازیہ، ص: ۲۱۴ (۱)۔ ہندیہ، ج: ۲۔

جن بلاد پر اس زمانہ میں کفار کا تسلط ہو گیا تھا مگر تدریس، افتاء، جمعہ، عیدین وغیرہ حکومت نے جبراً نہیں روکا تھا، ان کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ وہ دار الحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے، کیونکہ اسلام کے آثار و احکام ہنوز کچھ باقی ہیں۔ اس پر اشکال وارد ہوتا تھا کہ خلاف اسلام بھی تو بہت سی اشیاء علی الاعلان کی جاتی ہیں جیسے بیع الخمر وغیرہ، نیز بعض لوگ کفار کے طریقہ پر حکم کرتے ہیں، اسلام کے طریقہ پر نہیں کرتے، پھر ان بلاد کے دارالاسلام ہونے کو ترجیح کیوں دی گئی؟ اس کا جواب دیا ہے کہ یہ ”إعلان بیع الخمر“ وغیرہ اور ”حکم من البعض برسم الکفار“۔ یہ لفظ ”من بعض“ ہے ”من البعض“ نہیں۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں بنو قریظہ اپنے یہودی ہونے کا اعلان کرتے تھے، اخفاء نہیں کرتے

(۱) (الفتاویٰ البزازیہ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب السیر، الثالث فی الحظر والإباحة:

تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں طاغوت سے حکم طلب کر کے اس کی پیروی کرتے تھے اور پھر بھی اس کو دارالحرب نہیں کہا گیا بلکہ وہ دارالاسلام ہی رہا۔

۲..... مولانا عبدالحی نے ہندوستان کو دارالاسلام مانا ہے اور عبارات بزازیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہندوستان کو دارالحرب فرماتے ہیں اور اجزائے احکام کی تفصیل وہی بیان فرماتے ہیں جو اس سے قبل نقل کی گئی تھی اور آپ نے بھی اب اس کو سوال میں نقل کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے ارشاد پر آپ کا یہ اشکال کہ ”ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا، بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر حکم کرتا ہے“ حکم کے معنی نہ سمجھنے کی بناء پر ہے، اس لئے کہ جو ہندو یا مسلمان کسی جگہ ڈپٹی وغیرہ حکام انگریز کی طرف سے مقرر ہے وہ قطعاً حکم انگریز کے تابع ہیں، ذرا بھی خلاف نہیں کر سکتے، تو درحقیقت یہ اجزائے حکم انگریز کا اگر اور ذریعہ ہے، مستقل طور پر حکم صرف انگریز کا ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں، اپنے قوانین ان لوگوں کے حوالے کر دیئے کہ ان کے ماتحت حکم کرتے رہو، ان کے خلاف یہ لوگ ہرگز نہیں کر سکتے۔ یہ تو شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک ہے۔ اور مولانا عبدالحی چونکہ دارالاسلام مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بعض احکام اسلام کا بقاء کافی ہے جیسا کہ عبارت بزازیہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ غرض کہ ہندوستان کا دارالاسلام اور دارالحرب ہونا ان دونوں بزرگوں کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

۳..... حضرت حکیم الامت مدت فیوضہم کی وہ تحریر میں نے نہیں دیکھی، لہذا اس کے متعلق کچھ تحریر نہیں کر سکتا، البتہ یہ مسئلہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۵۵ میں مذکور ہے، دیکھ لیجئے (۱)۔

۴..... ”فتح“ سے کیا مراد ہے، فتح القدیر، یا فتح الباری، یا فتح المعین، یا فتح الملہم، یا فتح المنان وغیرہ، اصل عبارت سے حوالہ کتاب و جلد و باب و صفحہ نقل کیجئے تاکہ اس عبارت پر غور کیا جاسکے، صرف اتنا لکھ دینا کہ ”فتح میں مرقوم ہے“ کافی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔



باب أداء الزکاة (زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان)

زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟

سوال [۴۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں آیا زکوٰۃ انفرادی طور پر ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اجتماعی طور پر ادا ہو تو اطمینان کی صورت کیا ہوگی؟

عبدالرحمن وکیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ فرمانا: ”میں اس منبر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ صرف یہ ہی نہیں کہ یہ زکوٰۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے درست نہیں ہے بلکہ صحیح اور اصح یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ہی نہیں، کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے زکوٰۃ کا نام نہیں دیا جاسکتا“، تصریحات مذہب اور جمہور علمائے امت کے خلاف ہے، غالباً اس کا منشاء یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وصول کرنے کا مخاطب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (الآیۃ ۱) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک یہ ہی معمول رہا کہ اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کی زکوٰۃ امام کا مقرر کردہ ساعی وصول کرتا تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی حالت میں تغیر پایا تو پھر اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے لئے ارباب اموال کو خود ادا کرنے کے لئے فرمایا اور اب تک یہ ہی معمول ہے، یہ امر کہ یہ حکم کیا تھا اور اس کے خلاف کیوں کیا گیا، اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن و حدیث کو خوب سمجھتے تھے، انہوں نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ حق ہے، اس لئے اس قسم کے ظواہر نص سے استدلال کرنا اور اجماع اصحاب کو نظر انداز کر کے اپنی ذمہ داری پر لوگوں کو عمل

کی تلقین کرنا عوام کے لئے نہ صرف مغالطہ ہے بلکہ اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک اور نقدہ عطیہ کا دروازہ کھولنا ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

اس وقت ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ صاحب مال خود ادا کرے یا امام کا آدمی اس سے وصول کرے، بہر صورت ادا ہو جاتی ہے اور انفرادی طور سے عدم جواز کا فتویٰ اجماع صحابہ کے خلاف ہے:

قال المحقق فی الفتح: ۱/ ۴۸۷، تحت قول صاحب الہدایۃ: ”(وإن کان ماله أكثر من دینہ زکی الفاضل)“: ولأبی یوسف فی الثانی علی ما روى عنه، لأن له مطالباً وهو الإمام، وذلك أن ظاهر قوله تعالى: ﴿خذ من أموالهم صدقة﴾ الآية، توجب حق أخذ الزکوۃ مطلقاً للإمام، و علی هذا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والخلیفتان بعده، فلما ولی عثمان، وظهر تغیر الناس، کره أن تفتش السعۃ علی الناس مستور أموالهم ولم تختلف الصحابة علیہ فی ذلك، وهذا لا یسقط طلب الإمام أصلاً، ولذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدون زکوٰۃهم، طالبهم بها. الخ“ (۱)۔

بلکہ موجودہ زمانہ میں خود ہی ادا کرنا افضل ہے: ”وفی الظہیریۃ: أفاضل لصاحب المال الظاهر أن يؤدي الزکوۃ إلى الفقراء بنفسه؛ لأن هؤلاء لا يضعون الزکوۃ مواضعها“۔ بحر: ۱/ ۲۲۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

تھوڑی تھوڑی کر کے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال [۴۵۶۹]: ایک شخص کے پاس مال و زیور ہے جس کی زکوٰۃ سالانہ ۱۲۰ روپیہ ہے، اس کی

(۱) (فتح القدیر: ۲/ ۱۶۲، کتاب الزکاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (البحر الرائق: ۲/ ۳۹۰، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۷، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی الخلاصۃ: ۱/ ۲۴۱، الفصل الثانی فی أداء الزکاة، امجد)

آمدنی یکمشت زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل نہیں اور بارگراں ہے اور بعض اوقات یکمشت زکوٰۃ ادا کرنے کی طاقت بھی نہیں ہوتی، ایک دفعہ ادا کرنا گراں بھی گزرتا ہے، آیا تھوڑا تھوڑا ماہانہ زکوٰۃ دے سکتا ہے یا خاص رمضان ہی میں ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تھوڑا تھوڑا دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا

سوال [۴۵۷۰]: ایک شخص ماہ رمضان آتے ہی اپنے مال اور روپیہ کا حساب کر کے رقم کتاب میں درج کر لیتا ہے، مثلاً دو سو روپیہ، اور سال آئندہ تک بتفریق خرچ کرنے لگتا ہے، کچھ اسی رمضان میں فوراً اور کچھ آئندہ مہینوں میں جس وقت مستحقین نظر آویں اور کچھ ماہوار مقررہ مسکینوں کو بطور وظیفہ، کسی کو ماہوار دو روپیہ کسی کو ایک علیٰ ہذا القیاس۔ اس مذکورہ بالا طریق سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا کل مبلغ فوراً رمضان ہی میں صرف کرنا ہوگا؟

۲..... بعض دفعہ بسبب نہ ملنے مستحقین کے کچھ رقم بچ رہتی ہے اور دوسرا رمضان آتا ہے تو یہ شخص عادت کے موافق زکوٰۃ درج کر لیتا ہے، مثلاً گذشتہ سال کی بچت تیس روپیہ، موجودہ سال کی دو سو، جملہ دو سو تیس روپیہ ہوئے اور اب جیسا نمبر: ۱ میں ذکر ہوا ویسا خرچ کرنے لگتا ہے۔ کیا یہ درست ہے، کسی صورت سے ممنوع تو نہیں؟

(۱) ”و شرط صحة أدائها نية مقارنة أى للآداء ولو حکماً أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالآداء للفقراء“۔ (الدر المختار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۰، الباب الأول فی تفسیرها و صفتها و شرائطها، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۸، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۳۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

۳..... اگر کسی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم حساب سے زیادہ صرف ہو گئی بجائے دو سو کے دو سو بیس خرچ ہو گئے، کیا یہ بیس روپیہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں سے وضع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کل رقم کا فوراً رمضان میں صرف کرنا ضروری نہیں بلکہ طریقہ مذکورہ سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، البتہ دیتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے (۱) اور جلد ادا کرنا احوط ہے۔

۲..... یہ بھی درست ہے لیکن ادائے زکوٰۃ میں دیر مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے (۲)۔

۳..... اگر آئندہ بھی اتنا نصاب ہے تو یہ زائد رقم آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کرنا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا

سوال [۴۵۷۱]: کسی نے زکوٰۃ کا حساب کیا مگر جو رقم واجب الادا ہوتی پوری موجود نہیں تو ایسی صورت میں کیا طریقہ ادائیگی زکوٰۃ کا ہوگا؟ آیا کما کر تھوڑی تھوڑی رقم ادا کرتے رہنے سے ادا ہو جائے گی؟

(۱) ”وشرط صحة أدائها نية مقارنة له ولو حكماً، أو مقارنة يعزل ما وجب كله أو بعضه“۔
(الدر المختار: ۲/۲۶۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۸، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(۲) ”و یأثم بتأخيرها بلا عذر“۔ (الدر المختار: ۲/۱۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۱۷۰، الباب الأول فی تفسیرھا و صفتھا، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲/۱۸، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) ”و لو عجل ذو نصاب زکاتہ لسنین أو لنصب صح لوجود السبب“۔ (الدر المختار: ۲/۲۹۳،

کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۵، قدیمی)

(و کذا فی المبسوط: ۱/۲۳۶، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب نصابِ زکوٰۃ پر سال گزر گیا تو اس نصاب کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا بہتر ہے اور اگر متفرق طور پر مثلاً سال کے اندر فقراء کو تھوڑا تھوڑا بیتِ زکوٰۃ دیدیا جائے تو یہ بھی درست ہے:

”وقیل: فوری: أى واجب على الفور، و عليه الفتوى، فیأثم بتأخیرها بلا عذر الدرالمختار، ظاهراً لا ثم بالتأخیر ولو قلّ کیوم أو یومین وقد یقال: المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل“. شامی: ۱۷/۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حرره العبد محمود وغفر له، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۸ھ۔

حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوٰۃ دینا

سوال [۴۵۷۲]: زکوٰۃ کے سالانہ حساب سے بے غم رہنے کی غرض سے اگر زکوٰۃ کی نیت سے مساکین کو نقد اور غیر نقد اتنا دیا جاتا رہے جو زکوٰۃ کے حساب سے بگمانِ غالب بلکہ یقیناً زیادہ ہو تو کیا اس طرح بھی ادائیگی زکوٰۃ سے سبکدوشی ہو سکتی ہے؟

غیر نقد سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۷۳]: غیر نقد سے زکوٰۃ کی ادائیگی کی بہت سی ایسی صورتیں ذہن میں آتی ہیں جن کو پوچھنا ضروری ہے، مثلاً بیمار کو دوا دیدی، یا کسی مسکین کو کھانا یا مٹھائی یا پھل کھلادیا، نیا پرانا کپڑا دیدیا، دستکار کو اوزار دے دیئے، کسی مسکین کو ایسی کوئی چیز دی جس کا وہ بذاتِ خود ضرورت مند ہے۔ تندرست کو دوا، یا آن پڑھ کو کتاب، نیز بعض قیمتی اشیاء ایسی ہیں جن کو زندگی کی اصل اور حقیقی ضروریات سے کچھ تعلق نہیں جیسے پان، چھالیہ، کتھہ، چونا، سگریٹ، بیڑی یا بچوں کے کھیل کھلونے وغیرہ تو غیر نقد سے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے اگر شرعاً حدود ہوں تو تحریر فرمائیں۔

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۱، ۲۷۲، کتاب الزکوٰۃ، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، کتاب الزکاة، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۳۷۳، کتاب الزکاة، فصل فی کیفیة فرضیتها، دارالکتب العلمیة بیروت)

مستعمل چیز زکوٰۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟

سوال [۴۵۷۴]: ۳..... غیر نقدی اگر نئی ہو تب تو اس کی قیمت معلوم ہوتی ہے اور اگر پرانی یا استعمال شدہ ہو تو اس کی قیمت لگانے میں دشواری ہے کہ مثلاً دس روپے کی جوتی جس کو تین ماہ پہنا گیا اور وہ اتنی مضبوط کہ کم از کم دو سال چلے تو اس کو فروخت کا ارادہ کیا جائے تو نصف یا نصف سے بھی کم قیمت ملتی ہے اور از روئے انصاف کم از کم آٹھ روپے کی بکنی چاہئے تو زکوٰۃ کے حساب کے لئے کون سی قیمت لگائی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جس قدر بنیت زکوٰۃ غرباء کو وقتاً فوقتاً دیا جائے اور مجموعہ زکوٰۃ واجب ہو جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۱)، بار بار اگر حساب میں الجھن ہوتی ہو تو ایک دفعہ حساب لگا کر مقدار واجب کو الگ الگ رکھ لیا جائے اس میں سے دیدیا کریں، حساب نہ کرنے سے اندیشہ ہے کہ اگر کبھی کمی ہوئی تو ذمہ بری نہ ہوگا۔

۲..... ان صورتوں میں جب مقدار واجب مستحق کو بنیت زکوٰۃ تملیکاً دیدی جائے تو ادا ہو جائے گی (۲)، تاہم تندرست کو دوا اور ان پڑھ کو کتاب دینا زیادہ کارآمد نہیں، یا تو وہ ضائع کر دے گا یا بہت کم قیمت پر کسی کو دے گا، مستحق کی حاجت کو پورا کرنا بھی زکوٰۃ کا بڑا مقصد ہے وہ اس سے پوری طرح سے حاصل نہیں ہوگا (۳)۔

(۱) ”ولو عجل ذو نصاب لسنین أو لنصب، صح، أما الأول، فلأنه أدى بعد سبب الوجوب، فيجوز

لسنة أو لسنين كما إذا كفر بعد الجرح“۔ (البحر الرائق: ۲/ ۳۹۰، فصل في الغنم، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۲۴۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(۲) ”ویشترط أن يكون الصرف تملیکاً لا إباحة“ (الدر المختار: ۲/ ۳۴۷، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی التاتار خانیہ: ۲/ ۲۷۷، باب من توضع الزکاة فیہ، رشیدیہ)

(۳) ”قال محمد: المعتبر ما هو أنفع للفقراء، فإن كان اعتبار القدر أنفع، فالمعتبر هو القدر، كما قال

أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله تعالى، وإن كان اعتبار القيمة أنفع، فالمعتبر هو القيمة كما قال زفر

رحمه الله تعالى“۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۶۲، فصل فيما يرجع إلى المؤدی، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/ ۲۱۹، فصل فی العروض، المصطفی البابی الحلبي)

(و کذا فی المبسوط: ۱/ ۲۵۶، باب زکاة المال، دارالکتب العلمیہ بیروت)

۳..... مالیت تو وہ ہے جو اہل تجربہ قیمت تجویز کریں، وہ اگر اس جوتی کو تین روپیہ کی تجویز کریں تو یہی قیمت معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

زکوٰۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں

سوال [۴۵۷]: زید نے مہتمم کے نام زکوٰۃ کا روپیہ بھیجا اور مہتمم نے جب زکوٰۃ کا روپیہ وصول کر کے اپنے رجسٹر میں جمع کر لیا تو وصول کر کے جمع کے بعد معطی کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا جب مہتمم رسید دے جب ادا ہوگی؟ اور اگر کسی وجہ سے ایک مرتبہ رسید نہ دیں بلکہ علیحدہ علیحدہ سالانہ رسید دے تھوڑی تھوڑی کی بھجوادے تو رسید سے ادا ہوگی؟ دریافت طلب یہ ہے کہ وصول کر لینے کے بعد معطی زکوٰۃ دینے والا ہی ہو گیا، یا جب کل رسیدات پہنچے گی جب زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوگی اور وصول یا بی مہتمم کے کرنے سے ادا نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زکوٰۃ کا ادا ہونا رسید پر موقوف نہیں ہے، مہتمم مصالح مدرسہ کے تحت رسید چاہے یکدم دے یا تدریجاً دے بلکہ معطی نے جب مہتمم کو رقم زکوٰۃ دے کر اپنی ملک ختم کردی اور مہتمم نے وصول کر لی تو معطی بری ہو گیا اور اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہوگئی اور معطی مستحق ثواب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/جمادی الثانیہ/۹۰ھ۔

(۱) ”و یقوّمہا المالك فی البلد الذی فیہ المال، حتی لو بعث عبداً للتجارة إلى بلد آخر فحال الحول، تعتبر قيمته فی ذلک البلد، الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۰، الفصل الثانی فی العروض، رشیدیہ) (و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۴۲، زکاة عروض التجارة، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”و لا یخرج عن العہدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء“۔ (الدر المختار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۵، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۹، کتاب الزکاة، امدادیہ)

زکوٰۃ کے روپیہ کی تقسیم

سوال [۲۵۷۶]: زکوٰۃ کا روپیہ یکمشت تقسیم کر دینا چاہئے یا کسی مدت تک؟ زکوٰۃ کا مستحق کون شخص

ہے؟ فقط۔

خادم خدا بخش خان، از تنگھ تھلہ، ضلع حصار، ۱۴/ فروری/ ۳۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یکدم تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا دینا بھی درست ہے اس میں کوئی تحدید نہیں، لیکن جس کو دے کم از کم اتنا دے کہ اس کو سوال کی ضرورت باقی نہ رہے اور اتنا زیادہ نہ دے کہ وہ مالکِ نصاب بن جائے جس کو بالفعل خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، جو مالکِ نصاب نہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، مالکِ نصاب اور سید کو دینا درست نہیں:

”وکرہ الإغناء، وهو أن يفضل للفقير نصاب بعد قضاء دينه، و بعد إعطاء كل فرد من عياله دون نصاب من المدفوع إليه، وإلا فلا يكره، و ندب غناه عن السؤال“. مراقی الفلاح۔ قال الطحطاوی: ”ولا يحل أن يسئل شيئاً من القوت من له قوت يومه بالفعل، أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ“. طحطاوی ص: ۱۹۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۱۲/ ۵۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵ ذی الحجہ/ ۵۴ھ۔

کیا زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟

سوال [۲۵۷۷]: ادائے زکوٰۃ کے لئے فقہائے احناف نے -جزاہم اللہ خیر الجزاء- شرط

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصروف، قدیمی)

”کرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عیال، الخ“۔

(الدر المختار: ۲/ ۲۵۳، باب المصروف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/ ۲۷۸. باب من يجوز دفع الصدقة إليه، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

لگائی ہے کہ زکوٰۃ جس شخص کو دی جائے اس کو مالِ زکوٰۃ کا پورا مالک قرار دیا جائے اور اسی لئے رفاہ عام کے کاروبار میں جو سرمایہ داخل کیا جاتا ہے اور مختلف ضرورتوں میں حسبِ مصلحت خرچ کیا جاتا ہے وہاں مالِ زکوٰۃ دینے سے روکا جاتا ہے مثلاً خیراتی مدارس مذہبی میں جہاں نادار طلباء درس حاصل کرتے ہیں اور ان کے واسطے مدارس میں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہو جو طلباء عاریۃً لیتے ہیں اور بعد فارغ ہونے مدرسہ کو واپس کر دیتے ہیں، یا طلباء کی خوراک کے واسطے کوئی سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ بسرِ اوقات کرتے ہیں، ایسے موقعوں پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں کرتے۔

ایک اور مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے اس میں جہاد کے آلات جنگ اور گھوڑے دیئے جاتے ہیں تو وہ بھی جس شخص کے مصرف میں دیا جاتا ہے اس کو اسی چیز کا مالک قرار دیتے ہیں اور گھوڑا ہتھیار لینے والا اختیار رکھتا ہے کہ وہ جہاد میں صرف کرے یا تجارت کے کاروبار میں استعمال کرے یا فروخت کر دے اور ایسی صورتوں میں مال کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا فائدہ کم رہ جاتا ہے، اس کے بجائے اگر سامانِ جنگ خود اسلامی حکومت کی ملک قرار پائے اور اغراضِ جہاد میں صرف کرنے کے لئے اسے خزانہ میں محفوظ رکھیں تو زیادہ فائدہ پہونچائے کہ یہ شرط لگانے اور شرط کے ساتھ سختی سے اس کی پابندی کرنے کے لئے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس شرط کی بنا کس دلیل پر اور کب رکھی گئی؟

قرآن پاک میں زکوٰۃ کا ذکر بار بار اور تاکید سے آیا ہے اس کے مصارف بھی معین فرمائے گئے ہیں اور نبوت کے مبارک عہد میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے دیہات اور قریوں میں زکوٰۃ وصول کرنے والے دورہ کرتے تھے، وصول کرنے والوں کا بھی قرآن مجید میں ”عاملین“ (۱) کے نام سے ذکر ہوا ہے اور انہیں اسی سرمایہ زکوٰۃ سے اجرت دی جاتی تھی، وہ تمام ہمسروں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور دینے والے انہیں دے کر فریضہ سے فارغ البال ہو جاتے تھے۔

مالِ عاملین زکوٰۃ باہر سے لا کر داخلِ خزانہ کرتے تھے تو کارکنانِ خزانہ بھی زکوٰۃ کے مالک قرار نہیں پاتے تھے، پھر حاکم یا اس کے مشیروں کے قبضہ سے زکوٰۃ صرف ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی بھی مالک قرار نہیں پاتا تھا، مگر منسلات کے زکوٰۃ دینے والے اپنے فریضہ سے انہی غیر مالکوں کو دے کر بری الذمہ ہو جاتے تھے اور

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

جن لوگوں کی ضرورتوں میں مال صرف ہوتا ہوگا انہیں مالک سمجھیں تو سمجھیں ورنہ حاکم وقت سے لے کر عالمین تک مال سب مالکوں کی طرف سے بطور وکیل کے تصرف کرتے تھے۔

پس یہ وکیل بننے کا اختیار جو حاکم وقت کو اور اس کے ماتحتوں کو دیا گیا ایسا ہی اختیار مہتممانِ مدارس اور منتظمینِ جنگ و جہاد سے کس بنا پر روک لیا گیا ہے؟ مہتممانِ مدارس خود مالک قرار نہ پائیں مگر سرمایہ کو مدرسہ کی ملکیت قرار دیں، اسے اپنے ذاتی تصرف میں کام نہ لائیں اور کتب خانہ، خوراکِ طلباء اور تنخواہِ مدرسین پر صرف کریں، اسی طرح منتظمینِ جنگ و جہاد حکومتِ اسلامیہ کو مالک تصور فرما کر اغراضِ جنگ کا سامان مہیا رکھیں اور کتابوں کو طلباء کی ملکیت اور گھوڑوں کو سواروں کی ملکیت قرار دے کر رفاہ عام کا مدعا زیادہ استقلال اور دیر تک پورا کر سکیں۔

پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم صادر ہونے میں جس شکل سے اس کی تعمیل زکوٰۃ سے ہے اور باوجود تنبیہ کے کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملا جس سے معلوم ہو کہ عہدِ نبوت یا عہدِ خلفائے راشدین یا دیگر شاہانِ اسلام (جن کا قول و فعل ائمہ فقہائے مجتہدین کے نزدیک قابلِ استدلال ہو) کے زمانہ میں مال زکوٰۃ کو مستعار دے کر ادائے زکوٰۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہو اور تملیک ضروری قرار نہ دی گئی ہو، اگر آپ کی نظر میں کوئی جزئیہ ایسا ہو تو ضرور مطلع فرمائیے۔

آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ عالمین اور حکام وقت سب کے سب مالکوں کی طرف سے وکیل ہوتے تھے مگر مہتممانِ مدرسہ اور منتظمینِ جنگ و جہاد سے یہ اختیار کس بناء پر روک لیا گیا؟ ہم تو نہیں سمجھتے کہ اختیار روکا گیا ہے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ان حضرات کو اب بھی اختیار ہے اور جس شخص کی ضرورت میں کھانا کپڑا وغیرہ دے کر صرف کریں گے وہ مالک بن جائے گا اور یہ دینا بطور تملیک ہوگا نہ کہ بطور عاریت کہ کپڑا دے کر واپس لے لیا جائے اور کتاب دے کر واپس لے لی جائے، نہ ہی آپ نے کوئی ایسی نظیر لکھی جس سے معلوم ہو کہ حکام وقت بطور عاریت دے کر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے تھے، مالک بننے کی صلاحیت ذی روح ذی عقل میں ہوتی ہے۔

سرمایہ کو مدرسہ کی ملک قرار دینے سے اگر یہ مراد ہے کہ ملازمین و طلباء سب مالک ہیں تو رفاہ عام میں ان کی ملک خرچ کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ کوئی مہتمم جو کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے محض وکیل ہے اس بات کا

مجاز نہیں کہ کسی طالب علم کی ملک میں۔ خواہ اس کو وہ کسی طرح حاصل ہوئی ہو۔ کوئی تصرف بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے۔ جب آپ نے اس مالِ زکوٰۃ کو طلباء کی ملک قرار دیا تو طلبہ کو اپنی ملک میں بیع، ہبہ وغیرہ کا پورے طور پر تصرفات کا اختیار حاصل ہوگا، مہتمم وغیرہ کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، یہی کیفیت سواروں کی اور قرنِ اول میں ہوتی اور اسلامی حکومت کے تمام زمانہ قیام میں ہوتی رہی، اس سے یہ شرط کب استنباط ہوتی ہے کہ لینے والے کو زکوٰۃ کا مالک قرار دینا ضروری ہے؟ اور جس حدیث میں زکوٰۃ کی مصلحت بیان ہوئی ہے کہ ”اغنیاء سے لی جائے اور فقراء کو دی جائے“ (۱) اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقراء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے جس صورت میں فائدہ زیادہ ہو وہی بہتر ہونی چاہئے، اور انتظام کرنے والوں کو اس میں مصلحت دیکھنے کا اختیار ہونا چاہئے۔

پس استدعا ہے کہ علمائے اسلام اس عقدہ کو حل فرمانے کی زحمت برداشت کریں اور اس دشواری کو اسلامیوں کے دماغ سے دور کرنے کا ثواب لے کر رفاہ عام کے کام کو سہل اور مفید تر بنائیں۔ فقط۔
المستفتی: عاجز محمود علی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدارس میں طلباء کی خوراک و بسرِ اوقات کے لئے کس نے زکوٰۃ کو منع کیا؟ آج بھی جگہ جگہ مدارس اسلامیہ میں زکوٰۃ کا روپیہ آتا ہے اور اس سے مستحق طلباء کو کھانا، کپڑا، جوتہ، نقد و وظیفہ دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ بطورِ تملیک ہوتا ہے، لہذا اس پر تو اشکال بے محل ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تملیک من کل وجہ کس شرط پر مبنی ہے اور کس وقت سے؟ تو ہمارے فقہائے کرام نے لفظ ”آتو“ سے استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانی ابن علی زلیعی ”تبیین ص: ۲۵۱، میں فرماتے ہیں:

”لأن الزکوۃ یجب فیہا تملیک المال؛ لأن الإیفاء من قوله تعالیٰ: ﴿واتو الزکوۃ﴾ یقتضی التملیک، ولا تتأدی بالإباحة، حتی لو کفل یتیمًا فأنفق علیہ ناویاً للزکوۃ، لا یجزیہ،

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعث معاذاً إلى الیمن

فقال: ”إن اللہ قد فرض علیہم صدقة تؤخذ من أغنیائہم، فتردُّ علی فقرائہم“. الحدیث. متفق

علیہ“. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الزکوۃ، الفصل الأول: ۱/۵۵، قدیمی)

بخلاف الكفارة لو كساه، تجزيه لوجود التملك، اهـ“ (۱)۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے ”تفسیر احکام القرآن“ میں منتخب مقامات پر لفظ ”إتساء“، ”إعطاء“ اور لفظ ”راداً“ اور لفظ ”إغناء“ وغیرہ سے (جو کہ احادیث میں وارد ہیں) استدلال کیا ہے (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط وقتِ فرضیت منتظرانِ جنگ و جہاد کی ہوگی۔ اگر مراد یہ ہے کہ عمارتِ مدرسہ سرمایہ کی مالک ہو تو اس میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں:

”ولا يبنى بها مسجد، ولا يكفن بها، لانعدام التملك، وهو الركن، اهـ“۔ ہدایہ۔
 ”ولقائل أن يقول: قولكم: ”التملك ركن“ دعوى مجردة، إذ ليس في الأدلة النقلية المنقولة في هذا الباب ما يدل على ذلك ما خلافة قوله تعالى: ﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ ﴾ وَأَنْتُمْ جَعَلْتُمُ اللَّامَ لِلْعَاقِبَةِ دُونَ التَّمْلِكِ؟ والجواب أن معنى قولهم للعاقبة أن المقبوض يصير ملكاً لهم في العاقبة فهم مصارف ابتداءً لا مستحقون ثم يحصل لهم الملك في العاقبة: بدلالة اللام، فلم تبق دعوى مجردة، اهـ“۔ عناية: ۲۰/۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
 حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوٰۃ ہے؟

سوال [۴۵۷۸]: اگر کوئی صاحب مسجد کے امام صاحب یا مؤذن صاحب کو ماہِ رمضان المبارک

(۱) (تبیین الحقائق: ۱۸/۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۵۲/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۲) ”فلا تجوز أن يكون ذلك مجزئاً من الصدقة؛ إذ شرط الصدقة وقوع الملك للمتصدق عليه فوجب بظاهر الآية جواز دفع المال الكثير من الزكاة إلى واحد من الفقراء من غير تحديد لمقداره وأيضاً، فإن الدفع والتمليك يُصادفانه وهو فقير، فلا فرق بين دفع القليل والكثير لحصول التملك“۔ (أحكام القرآن: ۱۸۳/۳، ۴۰۱، قدیمی)

(۳) (العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۲۶۷/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ،

مصطفى البابي الحلبي مصر) =

میں روپیہ یا کپڑا تحفہ دیا، مگر یہ نہیں کہا کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے۔ اب تحفہ لینے والے کو کیا حکم ہے، وہ تحفہ بلا تحقیق لیں یا تحقیق کریں؟ اگر وہ مال زکوٰۃ ہی تھا اور لینے والا اس کا مستحق نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام طور پر امام یا مؤذن کو رمضان المبارک میں جوڑا بنا کر جو لوگ دیتے ہیں زکوٰۃ کے پیسہ کا نہیں ہوتا، جب تک یہ ظن غالب نہ ہو کہ یہ زکوٰۃ کا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

مقروض کو قرض سے بری کر دینا، زکوٰۃ کے لئے

سوال [۴۵۷۹]: زید پر عمر کا قرض ہے، زید فی الحال مستحق زکوٰۃ ہے، اگر عمر زید سے کہدے کہ میں نے رقم تجھ کو دیدی تو اس صورت میں عمر زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم بطور قرض واجب الادا ہو، اس سے مقروض کو بری کر دینا ادائے زکوٰۃ کے لئے کافی نہیں، البتہ اگر مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کر لی جائے تو درست ہے (۲)، کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو اگر قرض کے نام سے دیدی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (۳) مگر پھر اس کو واپس نہ لے جس کا قرض ذمہ میں ہو اور وہ اب مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ دینا درست ہے لیکن اس سے اس کا قرض ختم نہیں ہوگا وہ بدستور باقی اور واجب الادا رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

= (و کذا فی تبیین الحقائق : ۱۱۸/۲، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) "فأما الصدقة على وجه العلة والقطوع، فلا بأس به، وكذلك يجوز النفل للغني". (التاتارخانية:

۲/۷۵، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفقہ الإسلامی وأدلته: ۲۵۶/۳، المتصدق علیہ، رشیدیہ)

(۲) (سیأتی تخریجہ تحت عنوان: "قرض کو زکوٰۃ میں محسوب کرنا")۔

(۳) "نوی الزکاة إلا أنه سماه قرضاً، جاز) فی الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا للسان". (الدر المختار:

۷/۷۳۳، مسائل شتی، سعید)

قرض کو زکوٰۃ میں محسوب کرنا

سوال [۴۵۸۰]: زید نے عمر کو دو سو روپیہ قرض دیئے اب زید قرض کو معاف کرنا چاہتا ہے، لیکن اس طرح کہ زید کے ذمہ دو سو روپیہ زکوٰۃ ہے تو ہر سال ۲۵، ۲۵ / روپیہ عمر کے ذمہ سے قرض ساقط ہو جائے اور وہی ۲۵ / روپیہ زکوٰۃ کے طور پر ادا ہو جائیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی بلکہ دو سو روپیہ یکدم یا متعدد بار اس کو دے کر اپنے قرض میں اس سے وصول کرے، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور قرض بھی وصول ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا

سوال [۴۵۸۱]: زکوٰۃ کا روپیہ کوئی شخص کسی رسالہ کے ادارے میں دے اس خیال سے کہ رسالہ کسی نادار مفلس کو یا طالب علم کو سال بھر تک پہنچایا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور ایسا کرنا کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی قیمت کا رسالہ مفلس کے پاس پہنچے گا، اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، ایسا کرنا ادارہ کو وکیل بنانا ہے کہ تم اولاً اپنا رسالہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دو پھر ہماری طرف سے وکیل ہو کر وہ رسالہ فلاں شخص کو دیدو، یا خود خرید کر فلاں شخص کے قبضہ کے لئے وکیل بنانا ہے اور بعد القبض اس کو مالک بنانا ہے اور دونوں طرح زکوٰۃ کا ادا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ۔

(۱) ”و حيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه، و لو امتنع المديون مَدَّ يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/ ۳۷۰، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۲) ”و کیل المزکی فیصح و لا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء“۔ (حاشیہ

الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۷۱۵، باب المصروف، قدیمی) =

فقیر کو کھلانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۸۲]: زکوٰۃ کے پیسوں سے اناج خرید کر تو مساکین کو دے سکتے ہیں، کیا اس اناج کو پکا

کر بھی کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھلا سکتے ہیں، جتنی مقدار کا ان کو مالک بنا کر کھلا دیں گے اتنی زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، اگر بغیر مالک بنائے ہوئے بطور حاجت کے اس طرح کھلائیں گے جس طرح عامۃ دعوت میں کھلایا جاتا ہے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی:

” (الزکوٰۃ ہی تمليك مال مخصوص، الخ). وأخرج بالتمليك الإباحة، فلا تكفي فيها، فلو أطلع يتيماً ناوياً به الزکوٰۃ لاتجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، اهـ. طحطاوی، ص: ۳۸۹ (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ۔

زکوٰۃ میں کھانا دینا

سوال [۴۵۸۳]: زکوٰۃ میں اگر کوئی طالب علم کو دو وقت یا ایک وقت کھانا دے تو اس کی زکوٰۃ ادا

ہو جائے گی یا نہیں؟ اور کیا زکوٰۃ کا شعار سال بھر میں ایک دفعہ ہونا ضروری ہے یا بس ایک دفعہ کے بعد اندازہ کافی ہے؟ اور سو روپیہ کی مالیت کی کیا زکوٰۃ ہوئی؟ فقط۔

= (و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۶۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۰، الباب الأول فی تفسیرھا الخ، رشیدیہ)

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکاة، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۲۵۷، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الدر المنتقى علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی زکوٰۃ واجب ہے اگر اتنا سامان خورد و نوش لے کر اس کا کھانا پکا کر کسی مستحق طالب علم کو دیدیا جائے، تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۱)۔ اگر آمدنی میں کمی زیادتی کا تغیر ہوتا رہتا ہے تب تو ہر سال اپنی آمدنی کا حساب کرنا ضروری ہے، اگر ایک رقم کسی کے پاس رکھی ہوئی ہے یا زیور رکھا ہے اور کوئی آمدنی ایسی نہیں کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو تو صرف ایک مرتبہ حساب کر لینا کافی ہے اس کے بعد اسی حساب سے ہر سال زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے (۲) اس اعتبار سے سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ واجب ہوئے، اب اس کو اختیار ہے کہ خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی دیدے یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اور چیز دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۷ھ۔

چوری کی ہوئی رقم کو زکوٰۃ میں شمار کرنا

سوال [۴۵۸۴]: اگر رقم چوری ہو جائے بعد میں پتہ چل جائے مگر رقم کی ادائیگی سے عاجزی ظاہر کی تو کیا اس رقم کو زکوٰۃ میں محسوب شمار کیا جاسکتا ہے؟

(۱) ”ہی تملیک، خرج الإباحة، فلو أطعم یتیمًا نأویاً الزکاة، لا یجزیہ، إلا إذا دفع إلیہ المطعوم، کما

لو کسأه بشرط أن یعقل القبض. الخ.“ (الدر المختار: ۲/۵۷، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۳، کتاب الزکاة رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(۲) ”فإذا بلغ الذهب عشرين مثقالاً أو الورق خمس أواق، ففيه ربع عشره بعد أن یحول الحول علیہ

قبل ذلک.“ (مختصر الطحاوی، ص: ۴۷، باب زکاة الذهب والورق، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۰، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاة المال، امدادیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری کی ہوئی رقم میں اب زکوٰۃ کی نیت کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ کے لئے حکم ہے: ﴿اتوا الزکوٰۃ﴾ اور اس صورت میں ”إیتاء“ نہیں پایا گیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوٰۃ کی رقم چوری ہو جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

سوال [۴۵۸۵]: ایک شخص نے اپنے مال وغیرہ کا حساب لگا کر جتنی زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی تھی نکال کر علیحدہ کر دی، اب اس کی جیب کسی نے کاٹ لی یا کسی طرح اس کی زکوٰۃ کی رقم ضائع ہو گئی، اس شکل میں اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی یا دوبارہ ادا کرنا ہوگی؟ اسی طرح فطرہ کی گم شدہ رقم کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی نہ فطرہ ادا ہوا، زکوٰۃ اور فطرہ ادا کریں، شامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقدار نصاب سے زائد کسی کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۵۸۶]: ایک مستحق زکوٰۃ کو بیک وقت زکوٰۃ، فدیہ روزہ و نماز میں سترہ اٹھارہ ہزار کی رقم یا اسی قیمت کا کوئی مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱) (راجع الحاشیۃ الآتیۃ)

(۲) ”ولا ینخرج عن العہدۃ بالعدل“۔ (الدر المختار)۔ ”قوله (ولا ینخرج عن العہدۃ بالعزل) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکاة“۔ (رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۷۰، سعید)

”رجل عزل زکوٰۃ ماله، و وضعها فی ناحیۃ بیتہ، فسرقتها سارق، لا یقطع یدہ للشبہۃ، وعلیہ أن یرکیہا“۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۲۳۸/۱، الفصل الخامس فی زکوٰۃ المال، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۹/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۲۶۳/۱، باب أداء الزکاة، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ اتنی مقدار میں کسی کو دینا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہو جائے مکروہ ہے، کذا فی الدر المختار۔ پس اگر اس شخص کے ذمہ سترہ اٹھارہ ہزار قرضہ ہے یا اتنا قرضہ ہے کہ یہ رقم بمذ زکوۃ اس کو دیدی جائے اور وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کر دے تو مقدارِ نصاب نہ بچے گا تو یہ دینا بلا کراہت درست ہوگا، اسی طرح اگر وہ شخص عیالدار ہے، بے گھر ہے، اگر اس روپے سے گھر خرید کر اس کی ملک میں دیدیا جائے جس سے وہ صاحبِ نصاب نہ ہو جائے جب بھی مکروہ نہ ہوگا بلکہ بہتر ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۸۹ھ۔

اگر ایک سال زکوۃ نہیں دی کیا آئندہ سال دو سال کی زکوۃ دینا ضروری ہے؟

سوال [۴۵۸۷]: اگر ایک نصاب کا مالک سال پورا ہو جانے کے باوجود زکوۃ ادا نہیں کی دوسرا سال بھی پورا ہو گیا تو اب ایک سال کی زکوۃ ادا کرے یا دو سال کی؟ اسی طرح اگر چار سال ہو جائیں تو صرف سال اول کی زکوۃ واجب ہوگی یا ہر سال کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو سال کی ادا کرے اگر ایک سال کی ادا کرنے کے بعد بھی مقدارِ نصاب باقی رہے، ورنہ صرف ایک سال کی واجب ہوگی یعنی جب کہ اس کے پاس صرف ایک نصاب ہے اس سے زائد نہیں، تو اس میں سے بقدر زکوۃ سال پورا ہونے پر دین ہو گیا اور سال آئندہ کے لئے نصاب باقی نہیں رہا تو سال آئندہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی:

(۱) ”و کرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عیال بحيث لو فرقه عليهم لا یخص کلاً، أو لا یفضل بعد دینه نصاب، فلا یکره“۔ (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدر: ۲/۲۷۸، باب من یجوز دفع الصدقة إليه الخ، المصطفی البابی الحلبي، مصر)

”ومدیون العبد بقدر دينه، فيزكى الزائد إن بلغ نصاباً. الخ.“ درمختار۔ ”(قوله: ومديون العبد) الأولى ”ومديون بدين يطالبه به العبد“ ليشمل دين الزكاة والخراج؛ لأنه لله تعالى مع أنه يمنع؛ لأن له مطالباً من جهة العباد، كما مر.“ شامی: ۲/۷ (۱)، چار سال کا حکم اسی سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

ادائے زکوٰۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا

سوال [۴۵۸۸]: ایک کتب فروش نے مثلاً دس ہزار کتابیں فی سیکڑہ دس روپے کے حساب سے ایک ہزار روپے میں طبع کرائیں یا خریدیں، اب اس نے فی سیکڑہ چار روپے نفع لینا طے کر کے اس کو فروخت کرنا شروع کیا، سال بھر میں پانچ ہزار کتابیں (جن کی اصل قیمت پانچ سو روپے ہے) فروخت ہوئیں، جن پر چار روپے سیکڑہ کے حساب سے دو سو روپے نفع ملا اور پانچ ہزار کتابوں کا اسٹاک اس کے پاس موجود ہے، اختتام سال پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں فروخت شدہ پانچ ہزار کتابوں کی اصل قیمت خرید جو کہ پانچ سو روپے ہے اس کے ساتھ نفع کی رقم دو سو روپے بھی شامل کر کے کل سات سو روپے کی زکوٰۃ ادا کی، اب باقی ماندہ پانچ ہزار کتابوں کا جو اسٹاک اس کے پاس موجود ہے جس کی اصل قیمت خرید پانچ سو روپے ہے اور فی سیکڑہ چار روپے نفع کے حساب سے قیمت فروخت سات سو روپے ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں موجودہ اسٹاک کی اصل قیمت خرید پانچ سو روپے اور قیمت فروخت سات سو روپے میں سے کونسی قیمت شرعاً معتبر ہوگی؟ اگر اس وقت قیمت فروخت ہی معتبر اور ضروری ہو تو کتب فروش پر دگنا بوجھ پڑے گا کیونکہ آئندہ سال کے اختتام پر مذکورہ اسٹاک کے فی سیکڑہ

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکوٰۃ، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۷، کتاب الزکوٰۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی العناية شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲/۱۶۰، کتاب الزکوٰۃ، مصطفیٰ البابی

الحلبی مصر)

(و کذا فی إعلاء السنن: ۹/۱۳، باب من کان علیہ الدین لازکوٰۃ علیہ، إدارة القرآن کراچی)

چار روپے نفع سے فروخت ہو جانے کی صورت میں اسے قیمتِ فروخت (سات سو روپے) ہی کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے اس سال موجودہ اشاک کی زکوٰۃ اصل قیمتِ خرید (پانچ سو روپے) کے اعتبار سے ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال ختم ہونے پر بازاری نرخ سے (نہ کہ اصل خرید کے اعتبار سے) جتنی قیمت کا مال موجود ہو اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی (۱)، بہتر یہ ہے کہ اسی نرخ کے اعتبار سے زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ کتابیں ہی دیدے تاکہ اصل مال اور زکوٰۃ کا نرخ کی وجہ سے تناسب قائم رہے، وهذا ظاہر لا یخفی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۲ھ۔

صرفہ ڈاک زکوٰۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا

سوال [۴۵۸۹]: زید جو ہندوستان میں تجارت کرتا ہے، ہندوستان کے اکثر مسلمان زید کی معرفت غربائے حرمین اور وہاں کے مہاجرین کی مالی خدمت کیا کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زید جو روپیہ ہندوستان کے اہل خیر کا جمع کرتا تھا اس کی دہانید (۲) حرمین کے تاجروں کو بھیج دیا کرتا تھا اور وہ تاجر غرباء و مہاجرین کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور حرمین شریفین کے تاجر وہ روپیہ جو دہانید میں ادا کرتے تھے حوالہ ہندی کے ذریعہ ہندوستان میں وصول کرایا کرتے تھے۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے سونے کی قیمت بڑھ جانے سے اور شرح تبادلہ ایکسچینج کے فرق کی وجہ سے وہ حضرات اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اب مجبوراً زید نے یہ صورت اختیار کی کہ یہ زائد رقم جو اہل خیر صدقات بھیجتے ہیں ان سے ہی وصول کر کے مثلاً جو لوگ سو روپیہ بھیجتے ہیں ان سے ایک سو دس وصول کر کے بھیجتا

(۱) ”وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم

الغالب عليها الفضة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الزکوٰۃ، الباب الثالث، الفصل الثانی فی العروض:

۱/۷۹، رشیدیہ)

(۲) ”دہانیدن: دینا، دلانا“۔ (فرہنگ فارسی، ص: ۳۶۲، دارالاشاعت)

ہے تاکہ وہ زائد رقم اسی سے وصول کر لی جائے اور اس طرح حرمین کے غرباء و مہاجرین کو پوری رقم مل جائے اور وہاں کے تاجروں کو بھی نقصان نہ پہونچے۔ زید کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ حرمین کے غرباء کو دہانید میں سونے یا چاندی کا سکہ دیا جاتا ہے اور زید وہ رقم حرمین کے تاجروں کو نوٹوں کی شکل میں ادا کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید سو روپے کے بجائے ایک سو دس لیکر بھیجے تاکہ اس کو نقصان نہ پہونچے (یہ درست ہے) (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوٰۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کو قرض دینا

سوال [۴۵۹۰]: مہتمم مدرسہ کو بوجہ وکیل قوم ہونے کے ادارہ کے خادم کو مدرسہ سے زکوٰۃ کے روپیہ سے قرض دینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ معطیٰ یہ بھی لکھ دے کہ اگر مناسب ہو تو قرض دیدیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معطیٰ کی اجازت کے بعد مہتمم کو حسب صواب دید زکوٰۃ کا روپیہ قرض میں دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

(۱) ”بشرطیکہ جو دس روپے لے رہا ہے وہ زکوٰۃ کے نہ ہوں، اگر زکوٰۃ ہی کے ہیں تو چونکہ وہ مستحق کو نہیں ملیں گے، لہذا وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوں گے جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تصریح ہے کہ ”یہ مسلم ہے کہ فیس منی آرڈر فقراء کو نہیں ملتی اس لئے وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگی“۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۵/۶، متفرق مسائل زکوٰۃ، إمدادیہ ملتان)

”ولا یخرج المزکی عن العہدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء“۔ (الدر المختار: ۲/۲۷۰، کتاب

الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۶۸/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۳۰/۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم وأمره أن يتصدق بها فأنفقها الوکیل ثم تصدق عن الأمر بعشرة =

زکوٰۃ کی رقم بطور قرض لے کر خرچ کرنا

سوال [۴۵۹۱]: یہ بات تو ظاہر ہے کہ صدقات وغیرہ کا مصرف صرف یتیم و مسکین ہیں تو کیا کوئی شرعاً ایسی صورت بھی ہے کہ جس مدرسہ میں کھانے والے بچے نہ پڑھتے ہوں اس مدرسہ میں ان مددات کو خرچ کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ مدرسہ بطور قرض کے لے کر خرچ کرے اس میں کوئی گناہ نہیں؟ اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقم واجب التملیک میں مالکوں کی طرف سے خلط و تصرف کی اجازت ہو تو وقت ضرورت ان کو بطور قرض دوسرے مدات میں خرچ کیا جاسکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا

سوال [۴۵۹۲]: اگر مال زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں، کیونکہ ”فتاویٰ رشیدیہ“ (۲) میں لکھا ہے کہ ”روپیہ بذریعہ منی آرڈر نہیں بھیجنا چاہئے اس میں سود کا شائبہ ہے“ اور ”در

= دراهم من ماله، لایجوز ویكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمة فامسکها الوکیل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوکالة، الباب العاشر فی المتفرقات: ۶۴۴/۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الزکوٰۃ، الفصل التاسع فی مسائل المتعلقة بمعطى الزکاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قدیمی)

(۱) ”وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه، وله أن يستقرض من أحدهما ليصرفه للآخر، ويعطى بقدر الحاجة والفقہ والفضل، فإن قصر كان الله عليه حسياً“۔ (الدرا المختار: ۲۱۹/۴، کتاب الجهاد، فصل فی الجزیة، سعید)
(۲) ”سوال: منی آرڈر کرنا اور محصول منی آرڈر کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخل ربوا ہے، اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے نادرست ہے۔“
(فتاویٰ رشیدیہ للمحدث العلامة مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، بیوع، سود کے مسائل کا بیان، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، سعید)

مختار“ میں لکھا ہے کہ ”اگر وکیل روپیہ زکوٰۃ کو قبل از ادا خرچ کر لیوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی“ (۱) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ”اگر وکیل زکوٰۃ دو موکلوں کو خلط کرے گا تو وکیل خائن ہوگا یعنی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی“ (۲)۔ گوشامی لکھتا ہے کہ ”زکوٰۃ مخلوط باعتبار عرف کے اگر مالک کو علم ہو ادا ہو جائے گی، مگر یہ صورت صرف خلط زکوٰۃ موکلوں میں گفتگو ہے نہ کہ عام مخلوط مال میں“۔

پس ان صورتوں سے معلوم ہوا کہ اگر زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجی جاوے تو ادا نہ ہوگی کیونکہ اول تو وہ اصل روپیہ جاتا نہیں، دوسرے وہ روپیہ اسی وقت دیگر اقوام میں مخلوط ہو جاتا ہے، تیسرے قبل از پہنچنے منی آرڈر یہ روپیہ مرسلہ زکوٰۃ اسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے اور نہ اس میں وکیل کی کچھ نیت ہے اور نہ اس کو علم ہے، چوتھے یہ وکیل آئندہ تقسیم کنندہ کو بلا نیت وکیل کرتا ہے، سو یہ بھی چیز درست ہے۔ بروے کتب معتبرہ مفصل تحریر فرماویں تاکہ طمانینت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں دو امر غور طلب ہیں: اول یہ کہ منی آرڈر ناجائز ہے، دوم یہ کہ منی آرڈر سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی جس کی وجوہ کا خلاصہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ادائے زکوٰۃ کے لئے وکیل ہے اور وہ منصب وکالت کے خلاف کرتی ہے۔

سوامراول کے متعلق عرض ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں بھی مذکور ہے کہ منی آرڈر ناجائز ہے اور مولانا تھانوی مدظلہم کے پہلے فتاویٰ میں بھی یہی ہے لیکن بعد کے ایک فتویٰ میں جواز تحریر فرمایا ہے، چنانچہ حوادث الفتاویٰ حصہ ثانیہ ص: ۵۵ مطبوعہ مجتہبائی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے کہ ”منی آرڈر مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے اور چونکہ آپس میں ابتلائے عام

(۱) ”بخلاف ما إذا أنفقہ أولاً علی نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع“۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاة:

۲۷۰/۳، سعید)

(۲) ”ولو خلط زکاة موکلیه ضمن، وکان متبرعاً“۔ (الدرالمختار، کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن

المبیع: ۲۶۹/۲، سعید)

ہے اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے“ (۱)۔

امر ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ جو روپیہ منی آرڈر کے متعلق سے بھیجا جاتا ہے، سرکار اس روپیہ کے حق میں وکیل نہیں جیسا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روپیہ کو قرض فرمایا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور اس کو امانت میں تصرف کا حق نہیں ہوتا:

”المال الذی قبضہ الوکیل بالبیع والشراء وإیفاء الدين واستيفاءه، وقبض العين من جهة الوكالة فی حکم الودیعة فی یدہ، اھ۔“ مرآة المجلة: ۲/۲۷۰ (۲)۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک فرض ہے کہ روپیہ بھیجنے والا مصرفِ زکوٰۃ کو فارم کے ذریعہ سے امر کرتا ہے کہ سرکار سے میرے اس دین پر قبضہ کر لو اور خود اس میں ادائے زکوٰۃ کی نیت کر لیتا ہے۔ اور مال موجودہ کی زکوٰۃ اس طرح ادا کرنا درست ہے جیسا کہ فقہاء نے اس جزئیہ کی تصریح کی ہے:

”لو أمر فقيراً لقبض دين له على آخر عن زکوة عين عنده، جاز، اھ۔“ البحر الرائق: ۲/۲۱۱ (۳)۔

نیز ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور تسلیط بھی تملیک کی ایک صورت ہے جو کہ منی آرڈر میں یقیناً متحقق ہے پس بوقت منی آرڈر ادائے زکوٰۃ کی نیت کافی ہے:

”تملیک الدین لمن لیس علیہ الدین باطل، إلا فی ثلث: حوالة، ووصیة، وإذا سلطه: أى سلطه غیر المديون على قبضه: أى الدین، فیصح حینئذ، ومنه مالو وهبت من ابنها على أبيه، فالمعتمد الصحة للتسلیط، اھ۔“ درمختار۔

قال الشامی: ”قال السائحانی: وحينئذ يصير وکیلاً فی القبض عن الأمر، ثم أصیلاً فی

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، باب الربا: ۳/۱۴۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (شرح المجلة، کتاب الزکاة: ۳/۷۸۴، لمادة: ۱۴۶۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۳۷۰، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرھا الخ، رشیدیہ)

القبض لنفسه، و مقتضاه صحة عزله عن التسليط قبل القبض، وإذا قبض بدل الدراهم دنائير، صح؛ لأنه صار الحق للموهوب له، فملك الاستبدال، وإذا نوى في ذلك التصديق بالزكاة أجزأه، كما في الأشباه، اهـ۔ رد المحتار: ۲/۷۱۷ (۱)۔

اس صورت میں اصل رقم کا مصرف کے پاس نہ پہنچنا بلکہ اس جگہ مخلوط اور خرچ ہو جانا کچھ مضر نہیں۔ گورنمنٹ کو ادائے زکوٰۃ کے لئے وکیل قرار دینے میں جس قدر اشکالات تھے وہ سب مرتفع ہو گئے، اگر منی آرڈر کو جائز نہ کہا جاوے بلکہ ناجائز ہی مانا جائے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں ہے تب بھی زکوٰۃ کے ادا کرنے میں کوئی تاثر نہیں۔

تنبیہ: ۱- ادائے زکوٰۃ کے لئے وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں بلکہ صرف مؤکل کی نیت کافی ہے: ”أو نوى عند الدفع للوكيل، ثم دفع الوكيل بلانية، أو دفعها لدمي ليدفعها للفقراء، جاز؛ لأن المعتبر نية الأمر“۔ اهـ۔ در مختار (۲)۔

تنبیہ: ۲- جب وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں تو وکیل الوکیل کی نیت اور علم بطریق اولیٰ ضروری نہیں، نیز وکیل کو یہ بھی جائز ہے کہ دوسرے شخص کو وکیل بنادے: ”للوكيل بدفع الزكاة أن يؤكل بلا إذن، ولا يتوقف اهـ۔ بحر: ۲/۲۱۲ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۷ھ۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۷۰۸، المسائل المتفرقة من الهبة، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۲/۲۶۸، کتاب الزکاة، سعيد)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرھا الخ، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۸، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۳/۳۵۵، فصل فی المسائل المتفرقة من الأضحیة، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکاة، سعيد)

زکوٰۃ دوسری جگہ بھیجنا

سوال [۴۵۹۳]: اپنے قرب وجوار اور شہر کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص محض اس خیال اور نیت سے دوسرے شہر اور مدارس اسلامیہ کی امداد کرے کہ وہ چند حیثیت سے بہتر نظر آتا ہو تو حق تلفی کے گناہ کا مرتکب تو نہ ہوگا، مثلاً بڑا اور قدیمی مدرسہ فیض بخش سمجھ کر یا تعلیم اور انتظام اور دیانتداری کی خوبی سمجھ کر یا صحیح عقائد، عمدہ تعلیم اور فرقہ بندی کے جھگڑوں سے اس پر زوال آنے کے سبب سے دور کے مدارس کی امداد کی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان وجوہ ترجیح کی بنا پر دور کے مدارس میں بھیجنا گناہ نہیں، ایک شہر سے دوسرے شہر میں بلا کسی معتبر وجہ ترجیح کے زکوٰۃ نقل کرنی مکروہ ہے، یہ کراہت سال پورا ہونے کے بعد میں ہے، اگر کوئی سال پورا ہونے سے پیشتر زکوٰۃ ادا کرنا چاہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیج دے تو وہ مکروہ نہیں، کذا فی الطحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔
جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا

سوال [۴۵۹۴]: کسی مدرسہ میں مدرسہ کی طرف سے زکوٰۃ و صدقات کا مال وصول کرنے والا

(۱) ”و کرہ نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغير قريب أو أحوج و أروع و أنفع للمسلمين بتعليم، والأفضل و صرفها للأقرب، الخ“۔ (مراقی الفلاح)۔ ”و کرہ نقلها: أي تحريماً، ولو إلى مادون مسافة القصر بعد تمام الحول، أما المعجلة و لو لفقر غير أحوج أما نقلها للقريب، فلا كراهة فيه؛ لأن الدفع إلى الفقير منهم فيه صلة و صدقة التصديق على العالم النقيير أفضل من الجاهل الفقير، الخ“۔ (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، ص: ۷۲۲، باب المصروف، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۸۱، باب من توضع فيه الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۳۱، باب المصروف، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

در صورتیکہ محصل محتاج ہو اور مصرفِ زکوٰۃ ہو، اگر اپنی اجرت سے زائد کچھ روپیہ خرچ کر ڈالے پھر اس کو اپنی آمدنی سے بعد میں پورا کر دے، کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

۲..... زکوٰۃ کا مال مدرسین کی تنخواہوں میں استعمال کرنا بغیر تملیک کے جس مدرسہ میں مطبخ ہو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مدرسہ کی طرف سے جو شخص محصل مقرر کیا گیا ہے وہ امین ہے، جتنا روپیہ زکوٰۃ و صدقات وصول کرتا ہے وہ امانت ہے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں، ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱) اور لازم ہے ہو گا کہ اس کا ضمان معطی کو دے اور کہدے کہ آپ کا دیا ہوا روپیہ میں نے خرچ کر لیا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس لئے یہ روپیہ بطور ضمان دے رہا ہوں، ہاں اگر معطی کی طرف سے صرف کرنے کی اجازت ہو تو بطور قرض اس کو صرف کر سکتا ہے پھر قرض مدرسہ کو واپس کر کے مصارف زکوٰۃ پر صرف کر دیا جائے۔

۲..... تنخواہ میں زکوٰۃ کا روپیہ لینا دینا جائز نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

وکیل کا زکوٰۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا

سوال [۴۵۹۵]: زید کو خالد نے مبلغ سو روپے دیئے کہ یہ روپے فلاں مدرسہ کو بھد زکوٰۃ دیدینا، زید نے کہا کہ منی آرڈر کر دوں گا، خالد نے کہا کہ ہاں منی آرڈر کر دینا۔ اب زید اپنی کسی مجبوری سے یا بد اطواری سے کچھ رقم یا پورے روپے کو خود خرچ کر لے اور زید کو کہدے کہ میں نے وہ روپے تمہارے کہنے کے مطابق مدرسہ کو

(۱) ”و لِّلْوَكِيلِ أَنْ يَدْفَعَ لَوْلَدِهِ الْفَقِيرَ وَ زَوْجَتَهُ لَا لِنَفْسِهِ، إِلَّا إِذَا قَالَ: رَبِّهَا: ضَعَهَا حَيْثُ شِئْتَ“.

(الدر المختار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۸، کتاب الزکاة، امدادیہ ملتان)

(۲) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”امام کو زکوٰۃ دینا“۔)

منی آرڈر کر دیئے۔ اب ایک عرصہ کے بعد زید کو حق تعالیٰ نے ہدایت دی اور پچھلے کئے پر نادم ہے اور چاہتا ہے کہ وہ روپے جو خالد نے کسی مدرسہ کے واسطے دیئے تھے وہ ادا کر دے اور آہستہ آہستہ ادا کر دے، چونکہ بیک دم ادا کرنے کی سکت نہیں ہے تو کیا اب وہ روپیہ اس مدرسہ کو ادا کر سکتا ہے؟

”بہشتی زیور“ میں لکھا ہے کہ ”اگر زکوٰۃ کا روپیہ کسی کو دیا اور اس نے وہ خرچ کر دیا تو وہ جواب روپیہ دیگا، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور زکوٰۃ کا روپیہ اگر خرچ نہ کیا اور دوسرا روپیہ اپنے پاس سے دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی“ (۱) تو اب اس میں کیا کیا جائے؟ اگر اس روپیہ کو ظاہر کرے تو زید کی عزت و توقیر ختم ہو جانے کا قوی احتمال ہے، اس حق کو کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب حق تعالیٰ سے ڈر کر توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی نیت ہے تو بات صاف صاف بتا دے اور روپیہ دینے والے سے اجازت لے لے کہ میں اب وہ روپیہ آپ کی طرف سے ادا کرتا ہوں، بغیر جدید اجازت کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)، اس لئے آپ گزشتہ کوتاہی کو معاف کر دیں اور اب اجازت دیدیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے توقیر ختم نہیں ہوگی بلکہ عند اللہ وعند الناس یہ شخص مستحسن ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۹۲ھ۔

وکیل خود مستحق زکوٰۃ ہو تو کیا وہ زکوٰۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟

سوال [۴۵۹۶]: زکوٰۃ یا صدقہ کوئی کسی کو اس واسطے دے کہ جہاں مصرف ہو اور جس کو مستحق دیکھے دیدے، درحقیقت وہ جن کو ادائیگی کے لئے دی جاتی ہے وہ خود مستحق ہے لیکن اس دینے والے کو اس کے مستحق اور

(۱) (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۲۲۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) ”(قوله: ولو تصدق الخ): أى الوکیل بدفع الزکاة إذا أمسک دراهم المؤکل و دفع من ماله

لیرجع ببدلها فی دراهم المؤکل، صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً علی نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو

متبرع الخ“۔ (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۸۴. فصل فی المسائل المتعلقة بمعطى الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

مصرف ہونے کا علم نہیں، کیا وہ مستحق رقم زکوٰۃ خود لے سکتا ہے یا نہیں، یا صرف دوسرے مستحقین پر تقسیم کر دے؟ اس بات کا اس کو اختیار تھا کہ جس کو چاہے دے اور جتنا دے لیکن مستحق کو دے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں اس کو خود رکھنا درست نہیں: ”لو قال لرجل: ادفع زکاتى الى من شئت، أو أعطها من شئت، فدفعها لنفسه، لم یجز. وفي جوامع الفقه: جعله قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال: عند أبي يوسف رحمه الله تعالى يجوز. ولو قال: ضعتها حيث شئت، جاز و ضعتها في نفسه“. شلبي هامش زيلعي: ۱/۳۰۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ۔

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم خود رکھنا

سوال [۲۵۹۷]: ایک شخص مسمی حمید جو صاحبِ نصاب ہے اس نے مالِ مملوکہ کی زکوٰۃ ایک سال گذشتہ کی یا ایک سال آئندہ کی بطور پیشگی کئی سو یا کئی ہزار کی رقم نکال کر ایک غیر ذی نصاب مسمی رشید مفلس کے حوالہ یہ کہہ کر دی ہے کہ یہ تمام رقم جو میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں مد زکوٰۃ کی ہے، اس رقم کا کوئی جز کسی ذی نصاب کی ملکیت میں ہرگز نہیں پہنچنا چاہئے، اور بھائی رشید صاحب! آپ بھی چونکہ غیر ذی نصاب ہیں حد

(۱) (حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲/۳۲، کتاب الزکوٰۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

”سئل البقالی عن من أعطی رجلاً دراهم یتصدق بها عن زکاة الأمر، فتصدق المأمور بدراهم نفسه، هل تقع الزکاة عن الأمر؟ فقال: إذا تصدق بذلك علی نية الرجوع، جاز، و سئل عنها الوبری؟ فقال: هذا علی وجهین: إن کان صرف المال الذی دفعه الأمر فی حاجته، ثم دفعه من مال نفسه، فهذا لا یجوز؛ لأنه لما أنفق صار مضموناً علیه، فلا یبرأ إلا بالأداء إلی المالك. الخ“ (التاتارخانیۃ:

۲/۲۸۴، فصل فی المسائل المتعلقة بمعطى الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

شریعت کے اندر آپ بھی اس رقم میں سے لے سکتے ہیں۔

پس مسمیٰ رشید مفلس نے وہ رقم زکوٰۃ کئی سو یا کئی ہزار کی اپنے قبضہ میں لے لی اور پچاس روپیہ اس رقم زکوٰۃ میں سے خود لے کر اپنی زوجہ کو جو پہلے سے وہ صاحبِ نصاب تھی اس کو ہبہ کر دیئے، اس کے بعد باقی ماندہ رقم زکوٰۃ میں سے پھر پچاس روپیہ رشید نے خود لے کر اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کر دیئے اور باقی صورت اس رقم زکوٰۃ میں سے بار بار مسمیٰ رشید پچاس روپیہ خود لیتا رہا اور ہر بار اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کرتا رہا اور یہ کام ایک ہی دن میں بیک وقت رقم زکوٰۃ کو ختم کر دینے کا رشید نے پورا کر کے تمام رقم زکوٰۃ اپنی زوجہ کی حوالگی میں بصورتِ مذکورہ بالا دے دی اور مسمیٰ حمید رقم زکوٰۃ کو رشید کے سپرد کر دینے کے وقت خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ میں مسمیٰ رشید کو جس قدر زکوٰۃ کی رقم سپرد کروں گا اس رقم میں رشید ایسا عمل کرے گا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

پس رشید ایسا عمل کرنے کے بعد اپنی زوجہ کی ہمراہ بنیتِ ہجرت یا بلدانیتِ ہجرت حرمین شریفین چلا گیا یا پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہذا اس میں دریافت طلب یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مسمیٰ حمید جو صاحبِ نصاب ہے اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر زکوٰۃ ادا ہوگئی تو اس ادائیگی میں کراہتِ شرعیہ داخل رہی یا بلا کراہت حمید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟

۲..... اگر صورتِ مذکورہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی کراہت باقی رہ گئی ہو تو وہ کراہت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمودہ ہے یا حضرات صحابہ کرام یا حضرات تابعین یا حضرات تبع تابعین کی بتلائی ہوئی ہے، یا ائمہ اربعہ: یعنی حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارشاد کردہ ہے؟

المستفتی: فیض الحسن از خورجہ، ۲۹/ صفر/ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱..... زکوٰۃ تو ادا ہوگئی مگر یہ فعل فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

۲..... یہ کراہت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سے ماخوذ ہے، حضرت سلیم غطفانی

رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب صحاح میں مذکور ہے (۱) وہ اس کراہت کا ماخذ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

وکیل کاموکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۵۹۸]: مرسل زکوٰۃ نے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ پہلے کاشتکاروں کو اس طرح دیئے جائیں کہ میری زکوٰۃ ادا ہو جائے، نمبر تین کے کارندوں (دوکان چلانے والے، زمین بڑھانے والے، جو خود کو قرضدار سمجھتے ہوں) کو یہ پیسے عہد آدیئے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تو یہ گناہ کس کے ذمہ ہوگا؟ تفصیل سے لکھیں۔

(۱) ”عن عیاض بن عبد اللہ قال: سمعت أبا سعيد الخدري يقول: جاء رجل يوم الجمعة -والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب- بهيأة بذّة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”أصليت؟“ قال: لا، قال: ”صل ركعتين“، وحث الناس على الصدقة، فألقوا ثيابهم، فأعطاه منها ثوبين، فلما كانت يوم الجمعة الثانية، جاء ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب، فحث الناس على الصدقة، قال: فألقى أحد ثوبيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”جاء هذا يوم الجمعة بهيأة بذّة، فأمرت الناس بالصدقة، فألقوا ثياباً، فأمرت له منها بثوبين، ثم جاء الآن، فأمرت الناس بالصدقة، فألقى أحدهما“، فانتهره، وقال: ”خذ ثوبك“. (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب حث الإمام على الصدقة يوم الجمعة في الخطبة: ۲۰۸/۱، قديمی)

”عن جابر بن عبد الله قال بينما النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يخطب يوم الجمعة إذ جاء رجل فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أصليت؟“ قال: لا، قال: ”فقم، فاركع“.

”(قوله: رجل) هو سليك بن هدية الغطفاني وأطنب الحافظ ههنا ورد على خصومة والجواب المشهور منا ان هذا الرجل كان في هيئة بذّة وكان غرضه عليه السلام ان يجمع له المتفرقات من الناس وأنه عليه السلام امهل خطبته وأما كونه في هيئة بذّة فثبت في حديث الباب والنسائي الصغرى وأما الحض على الصدقات له فمذكور في النسائي والطحاوى“. (الحواشي المفيدة على جامع الترمذی، ابواب الجمعة، باب ما جاء في الركعتين والإمام يخطب: ۱۱۵/۱، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے، ہدایت مؤکل کے خلاف تصرف کرنے کا اس کو حق نہیں، خلاف کرنے سے وکیل کے ذمہ ضمان لازم آئے گا اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

وکیل کا زکوٰۃ دینے میں تاخیر کرنا

سوال [۴۵۹۹]: زید نے عمر کو سو روپیہ زکوٰۃ کے دیئے کہ ان کو تقسیم کر دے مگر عرصہ دس سال گزر گیا عمر نے تقسیم نہیں کئے بلکہ استعمال کر لئے، اب عمر ان کو تقسیم کرنا چاہتا ہے تو کیا صرف سو روپیہ زکوٰۃ کے نکال دے یا کچھ جرمانہ وغیرہ بھی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کو از خود سو روپیہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کے ذمہ ضمان لازم ہے جو زید کو واپس کرنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ربیع الاول/۸۸ھ۔

معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کرنا

سوال [۴۶۰۰]: میں، میرے والد صاحب اور تین بھائی پانچوں مل کر تجارت کرتے ہیں، تمام مال

(۱) ”سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالا، فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين.“ (التاتارخانية: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن کراچی)
(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)
(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۷۱، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(۲) ”(قوله: ولو تصدق، الخ): أى الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل، و دفع من ماله ليرجع ببذلها في دراهم المؤكل، صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع. الخ.“ (رد المحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی التاتارخانية: ۲/۲۸۴، فصل في المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن کراچی)

اور حساب و کتاب میرے پاس ہی رہتا ہے اور نفع نقصان کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ہو وہ تجارت میں ہی لگا دیتے ہیں، اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ دیدیتے ہیں باقی تمام مال کو تجارت میں لگا دیتے ہیں۔ جب زکوٰۃ کا نصاب آتا ہے تو نصاب کے مطابق زکوٰۃ دینے کو والد صاحب اور باقی تینوں بھائی تیار نہیں، اس حال میں بندہ مجبور ہے اور حکم خداوندی کو پورا کرنا ضروری ہے اس وجہ سے میں پورے دو سال سے مال کی زکوٰۃ نکال کر دے رہا ہوں، حالانکہ ان کا بھی حق ہے۔ ان سے اجازت لئے بغیر ان سے چھپا کر زکوٰۃ نکالنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصل رقم والد صاحب کی ہے، اس سے تجارت شروع کی گئی ہے تو کل مال کے مالک والد صاحب ہیں ان کے ذمہ زکوٰۃ ہے، آپ چاروں بھائی شریک اس کے مالک نہیں، بلکہ والد صاحب کے معاون ہیں اس مال میں چاروں پر زکوٰۃ واجب نہیں، بغیر والد صاحب کی اجازت کے آپ کو اس کی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور اس طرح زکوٰۃ ادا بھی نہیں ہوتی (۱)۔

آپ کو چاہئے کہ بہت نرمی اور ادب و احترام سے والد صاحب کو بتائیں اور سمجھائیں کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اس کے ادا کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے، مال محفوظ رہتا ہے ضائع نہیں ہوتا، اور جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ سانپ بن کر گلے کا طوق ہوگا، کاٹے گا، نیز اس سونے چاندی کو تپا کر پیشانی پر، پہلو پر، کمر پر داغ دیا جائے گا (۲) کتاب ”فضائل صدقات“ ان کو سنائیں اور دعاء بھی کریں، حق تعالیٰ دل

(۱) ”و لو أدى زكاة غيره بغير أمره، فبلغه فأجاز، لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنها ملكه و

لم يصّر نائباً عن غيره، فنفذت عليه“۔ (البحر الرائق: ۳۶۹/۲، کتاب الزکوٰۃ، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲۸۳/۲۔ فصل فی المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۱، الفصل الأول فی تفسیرها و صفتها الخ، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲۶۹/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(۲) ”عن أبی هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من آتاه الله مالاً فلم

يؤد زكاته مثل له ماله يوم القيمة شجاعاً أقرع، له زبيبتان يطوقه يوم القيمة“۔ الحديث۔ (صحیح

البخاری، کتاب الزکاة، باب إثم مانع الزکاة: ۱۸۸/۱، قدیمی)

میں اس کا احساس پیدا فرمائے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کر کے خیرات کرنا

سوال [۴۶۰۱]: عمر بہت مالدار آدمی ہے مگر زکوٰۃ خیرات ادا نہیں کرتا، زید نے اس کا تمام روپیہ چوری کر کے خیرات کر دیا اس میں عمر اور زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر ترک فرض کا گناہگار ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے (۱) اور زید چور ہے، اگر حکومت اسلامی ہو اور شرعی شہادت سے ثبوت ہو جائے تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱) ”الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۳۵،

کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، إمدادیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والسارق والسارقة، فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من اللہ، و اللہ عزیز

حکیم﴾ (المائدہ)

اگر مال مسروقہ زکوٰۃ ہی ہو، اصل مال نہ ہو تو اس صورت میں قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی:

”لو عزل الرجل زکاة ماله، و وضعه فی ناحیۃ من بیتہ، فسرقتها منه سارق، لم تقطع یدہ

للسبۃ، و قد ذکر فی کتاب السرقة من هذا الكتاب أنه یقطع السارق غنیاً کان أو فقیراً، اھ۔ بلفظہ۔

..... وإن أخذ، کان لصاحب المال أن یسترده إن کان قائماً، و یضمنه إن کان هالکاً“۔

(البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، الفصل التاسع فی الحظر والإباحۃ، امجد

اکیڈمی لاہور)

سفیہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال [۴۶۰۲]: نابالغ جس وقت شرعاً بالغ ہو جائے لیکن دنیاوی معاملات میں نابالغ رہے، مثلاً یہ کہ اگر اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے تو اضاعت کا اندیشہ ہے وغیرہ تو اس کے مال کی زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقدار زکوٰۃ حساب کر کے اس کو دے دیا جائے کہ وہ مصرف زکوٰۃ پر صرف کرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف۔

زکوٰۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی

سوال [۴۶۰۳]: ۱..... ہمارے یہاں قصبہ اُبو پورہ میں ایک اسلامی مکتب ہے، مکتب کے نام پر ایک دوسری جگہ سے مبلغ چار سو چھتیس روپیہ زکوٰۃ کے مہتمم کے پاس آئے، مکتب میں زکوٰۃ کا مصرف نہ تھا لہذا مہتمم نے یہ ۴۳۶ روپیہ زکوٰۃ کا ایک دوسرے شخص زید کو بطور تملیک کے دیدیا اور کہا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ میں دیا اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، مہتمم نے روپیہ زید سے نہیں لیا اور کہا کہ تم ہی رکھو ضرورت پڑنے پر تم سے ہم لیتے رہیں گے۔ ضرورت کے موقع پر زید نے اس میں سے مبلغ ۲۹۰ روپیہ مدرسہ کو دیدئے اور باقی ۱۴۶ روپیہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کر لیا، مہتمم مدرسہ اس باقی ماندہ رقم کو زید سے طلب کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ باقی ماندہ ۱۴۶ روپے زید کے ذمہ مدرسہ میں دینا واجب ہے یا اس کو پورا اختیار ہے کہ دے یا نہ دے؟

۲..... نہ دینے کی صورت میں زید گناہ گار ہو گا یا نہیں؟

(۱) ”ویخرج الزکاة من مال السفیہ إلا أن القاضی يدفع قدر الزکاة إلیہ لیصرفها إلی مصرفها“.

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحجر، الباب الثانی فی الحجر للفساد، الفصل الأول: ۵/۵۸، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الحجر، فصل فی بیان حکم الحجر: ۱۰/۸۶، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الاکراه، باب الحجر: ۸/۱۴۸، رشیدیہ)

۳..... زید کے ذمہ واجب نہ ہونے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم جبراً یہ روپیہ زید سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

۴..... زید سے یہ باقی ماندہ روپیہ لینے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم گناہ گار یا فاسق ہوگا یا نہیں؟

۵..... زید کے ذمہ ان روپیوں کے واجب الادا ہونے کی صورت میں اگر زید سے مدرسہ کے

مہتمم ناراض ہوں اور دل میں کسی قسم کی کشیدگی و کدورت رکھیں تو مہتمم اس کشیدگی و ناراضی سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... جب یہ روپے مکتب کے نام مہتمم صاحب کے پاس آئے تو مہتمم صاحب کو حق نہیں تھا کہ کسی

غیر آدمی کو دیدیں، غیر آدمی کو دینے کی وجہ سے ان کے ذمہ ضمان لازم ہے (۱) پھر جتنا روپیہ اس نے دیا اس کا

مکتب میں صرف کرنا اس دینے والے کی طرف سے درست ہے، جو باقی رہ گیا اس کا ابھی مدرسہ میں دینا معتبر

نہیں، اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا تھا، وہ وعدہ کے درجہ میں ہے اس کو چاہئے کہ اپنا وعدہ پورا کرے اور بقیہ روپیہ

دیدے، بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (۲)۔

(۱) ”سنل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعتها

الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين.“ (التاتارخانية: ۲/۲۸۳، الفصل التاسع في

المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۷۱، كتاب الزكاة، رشيدية)

”وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، و هل له أن يخالف

أمره؟ لم أره، والظاهر نعم.“ (الدر المختار). ”وقال: لأنه مقتضى صحة التملك، قال الرحمتي:

الظاهر أنه لا شبهة فيه؛ لأنه ملكه إياه عن زكاة ماله، و شرط عليه شرطاً فاسداً، الخ.“ (الدر المختار مع

ردالمحتار: ۲/۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”وعن عبد الله بن عامر قال: دَعْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا، فَقَالَتْ: =

۳..... جبراً اس سے لینے کا مہتمم کو حق نہیں (۱)۔

۴..... مہتمم اس کو روپیہ ناحق دیکر گنہگار ہو چکا اب اس سے لینے کا حق نہیں کہ وصول نہ کرنے کی وجہ سے مستقل گناہ گار ہو۔

۵..... زید کے ذمہ دیانۃ وعدہ کر لینے کی وجہ سے اس کا دینا واجب ہے (۲)، زید تو اپنی طرف سے کہہ چکا تھا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ کو دیا، اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، اگر اس کہنے کے بعد وہ روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں دے دیتا تو وہ مدرسہ کا ہو جاتا (۳) پھر مہتمم زید کو دیتا تو یہ امانت ہوتا اور مہتمم کو ان کا واپس لینا قضاء و قانوناً بھی برحق ہوتا اور واپس نہ لینے کی وجہ سے وہ گناہگار بھی ہوتا، مگر چونکہ اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے زید کی ملک ختم نہیں ہوئی لہذا یہ دینا وعدہ کے درجہ میں رہ گیا۔ زید کو اور مہتمم کو مسئلہ سمجھا دیا جائے تاکہ دونوں اس کے موافق عمل کریں اور کشیدگی اور ناراضگی کو ختم کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۹۲ھ۔

حیلہ تملیک

سوال [۱۲۶۰۴]: اگر اہل برادری زکوٰۃ کا روپیہ فقیر مدرسہ و مکانات احاطہ مسجد میں صرف

= ہا تعال! أعطیک، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما أردت أن تُعطيه"، قالت: أردت أن أعطيه تمرًا، فقال لها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أما أنك لو تعطيه شيئاً، كُتِبَتْ عليك كَذِبَةٌ". رواه أبو داود والبيهقي في شعب الإيمان. (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثانی، ص: ۴۱۶، قدیمی)

(۱) "عن أبي حُرّة الرقّاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى. (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب البيوع، باب الغضب والعارية، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵/۱، قدیمی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدة: ۱)

(۳) "(والصدقة كالهبة) بجامع التبرع وحينئذٍ (لا تصح غير مقبوضة) اهـ". (الدر المختار، کتاب الهبة،

فصل في مسائل متفرقة: ۵/۷۰۹، سعيد)

کرنا چاہتے ہیں اس کی صورت یہ تجویز کرتے ہیں کہ مہتمم مدرسہ جو صاحب قرض ہیں اور صاحب نصاب نہیں ہیں زکوٰۃ کا پیسہ ان کو دیدیا جائے اور وہ پھر اپنی طرف سے مواقع مذکورہ میں فی الحال یا جب ضرورت ہو صرف کر دیں، یا مہتمم صاحب اگر صاحب نصاب ہیں تو وہ اس پیسے کو کسی غیر صاحب نصاب کو دیدیں وہ پھر مہتمم صاحب کو دیدے، پھر مہتمم صاحب اس کی طرف سے مذکورہ بالا مصرف میں صرف کر دے یا کوئی اور صورت جواز کی ہو کہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی: ”من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد والقنطرة، لا يجوز، فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولى على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولى، ثم المتولى يصرف إلى ذلك، كذا في الذخيرة، اهـ“۔ عالم گیری ۲/۴۷۳ (۱)۔
لیکن مہتمم یا کسی دوسرے مصرف کو مجبور کرنا اور اس پر دباؤ ڈالنا درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
۷۔ رہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

حیلہ تملیک

سوال [۴۶۰۵]: کسی صاحب مال کو کسی اسلامی ادارہ میں کثیر رقم خرچ کرنی ہے، صاحب مال یہ حیلہ کرتا ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو وہ رقم اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس کرے تو یہ حیلہ کیسا ہے، زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور وہ مستحق زکوٰۃ جس نے مال اسلامی ادارہ میں واپس کیا ہے اس کو کار خیر میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط قطعاً ناجائز ہے، صاحب مال کو کسی طرح جائز نہیں کہ مستحق زکوٰۃ کو اس اسلامی ادارہ میں اس رقم

(۱) (الفتاویٰ العالمیہ: ۲/۴۷۳، مطلب: يجوز وقف البناء وحده في مسألة القنطرة، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، کتاب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصرف، قدیمی)

کے دینے پر مجبور کرے، اگر باوجود شرط کے مستحق زکوٰۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس نہ دے اب بھی صاحب مال کو واپس لینے کا حق حاصل نہیں رہا، جب مستحق کو رقم کا مالک بنادیا اور اس کے حوالہ کردی تو زکوٰۃ ادا ہوگی، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے صرف کرے، چاہے اسلامی ادارہ میں دے چاہے اپنے کسی اور کام میں لاوے۔ جب ثواب کی جگہ میں صرف کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا، ایسی صورت میں شرط اور جبر کا تو حق نہیں ہے صرف تلقین کر سکتا ہے کہ اس ادارہ میں ضرورت زیادہ ہے اور اس میں دینے سے ثواب بھی زیادہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب: صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۹ھ۔

تملیک کی صورت

سوال [۴۶۰۶]: ۱..... تملیک کی صورت کیا ہے؟ کیا ان غریب الوطن یا مقیم طلباء سے جن کے اولیاء غنی ہیں، لیکن وہ خود نصاب زکوٰۃ کے مالک نہیں ہیں تملیک کرائی جاسکتی ہے؟ نیز کیا تملیک شدہ مال کو تعمیر مساجد جیسے دیگر مصارف میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ چرم قربانی کی رقم کی بھی تملیک ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۲..... تملیک کے لئے مملک کا بالغ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... کسی مستحق زکوٰۃ سے کہا جائے کہ ہمارے مدرسہ میں تعمیر یا تنخواہ یا خریداری مال و کتب وغیرہ کی ضرورت ہے، پیسہ موجود نہیں ہے تو مدرسہ کی امداد کردو، وہ کہے گا کہ میں خود غریب مستحق زکوٰۃ ہوں میرے پاس پیسہ نہیں میں کہاں سے دوں گا؟ اس سے کہا جائے گا کہ تم کسی سے مثلاً زید سے قرض لے کر دیدو، اللہ تعالیٰ تمہارا

(۱) ”والحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، فتكون لرب المال ثواب الزكاة، وللفقير ثواب هذا التقرب، ذكره في البحر. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم“.

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصروف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصروف، امداديه)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۴۵، باب المصروف، سعيد)

قرض ادا کر دے گا، اس کی ذات سے امید ہے، وہ شخص زید سے قرض لا کر مدرسے میں دیدے، اس سے تنخواہ، تعمیر وغیرہ کی ضرورت پوری کر لی جائے، پھر اس کو مذکورہ رقم دی جائے جس سے وہ قرض ادا کر دے۔

جو طالب علم بالغ ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو اس سے بھی تملیک کرائی جاسکتی ہے اگرچہ اس کے ولی غنی ہوں، نابالغ سے تملیک نہ کرائی جائے۔ جمیع صدقات واجبہ، چرم قربانی وغیرہ میں یہ صورت ہو سکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۳ھ۔

حج کے لئے حیلہ تملیک

سوال [۴۶۰۷]: احقر کو میراثی ترکہ سے حصہ ملا ہے، کل تین سو روپیہ ہیں، وہ اس طرح کہ مرحومہ بیوی کے حصہ میں باپ کا ترکہ کل نو صد روپیہ آیا جس کے حسبِ وصیت مرحومہ تین حصہ کئے گئے: ایک حصہ مرحومہ کی بہن کو ملا اور ایک احقر کو اور ایک حصہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کا نکال کر ڈیڑھ سو میرے پاس ہیں اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن کے پاس ہیں، گویا ڈیڑھ سو ایصالِ ثواب میں میں صرف کروں گا اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن صرف کرے گی۔

چونکہ مرحومہ کی بیماری میں روپیہ بھی دوا کے لئے بھیجے تھے جو مرحومہ کی کچھ دوا میں لگ گئے باقی ماندہ کچھ مرحومہ اپنے ہاتھ سے خیرات کر گئی، کچھ میں نے ایصالِ ثواب میں لگا دیئے، وہ پچاس روپیہ بہن نے اس کے تین تہائی حصہ میں وضع کر کے احقر کو کل چار سو روپیہ دیئے جس میں تین سو میرے حصے کے ہیں اور ایک سو مرحومہ کے حصہ کے ہیں، اب میں کل تین سو کا مالک ہوں اس کے علاوہ میں نے جو اپنے سرمایہ کا حساب دیکھا تو قرض وغیرہ ادا کر کے کل پچاس روپیہ کا حساب ہے جس میں پچاس سے زیادہ ادھار میں ہیں جن کی عند

(۱) "لا تدفع الزکاة لبناء المسجد و کذا بناء القناطیر و إصلاح الطرقات و إن أريد

الصرف إلى هذه الوجوه، صرف إلى فقير، ثم يأمره بالصرف إليها، فيثاب المزكى و الفقير". (مجمع

الأنهر: ۳۲۸/۱، باب المصرف دار الكتب العلمية بيروت)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱/۱۲۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۹۲/۶، الفصل الثالث فی مسائل الآبار من الحیل، رشیدیہ)

الضرورت وصولیت کی پختہ امید نہیں اور ایام حج کے چھ سات مہینے باقی ہیں، نہ معلوم اتنے دن اگر رہا ان میں سے کچھ گھٹے گا یا بڑھے گا اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیا صورت ہوگی، مذکورہ رقم میں سے پچاس روپیہ ادھار دیدیئے۔

جب احقر کو بہت تنگی ہوئی اور گزارہ مشکل ہونے لگا تو ادھار بھی ایسا ہے کہ وقت پر نہ ملے۔ احقر کے سرمایہ کی یہ صورت ہے اور فریضہ حج کی ادائیگی ذمہ ہے، اس لئے عرض کیا تھا کہ مرحومہ کے حصہ کے جو یک صد روپیہ باقی ہے اگر ان کی اجازت مل گئی تو ساڑھے تین سو کے قریب روپیہ قبضہ میں آجائے گا، حج کا ارادہ کر لوں گا، گو اتنا روپیہ بھی مجھ معذور کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مجھے معیت کے لئے ہر وقت ایک مستقل آدمی کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سفر تو دور دراز کا ہے، اگر قریبی سفر میں جاتا ہوں بغیر معیت دوسرے آدمی کے پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

سہارنپور جب گیا بازار میں تانگا موٹر کی بھیڑ میں کئی دفعہ چوٹ سے بچا اور مغرب کے بعد تو اندھیرے میں کہیں آنے جانے کی بہت ہی دقت ہوتی ہے حتیٰ کہ دن کو مکان میں بیٹھا ہوا آدمی بہت دیر میں پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اپنے حضرت مولانا عاشق الہی صاحب اور مولانا الیاس صاحب چھوٹے مدرسہ کی سہ دری میں تشریف فرما تھے، صبح کے وقت جب میں گیا تو پہچان نہیں سکا، یوں ہی السلام علیکم کی، انہوں نے سلام کا جواب دیا اس وقت مصافحہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ یک صد روپیہ کسی غریب کو برائے ایصالِ ثواب دیدیا جائے وہ اگر اپنی خوشی سے آپ کو دے دے تو پھر آپ اس کو اپنے صرف میں لا سکتے ہیں، مرحومہ نے آپ کو اس روپیہ کے مصرفِ خیر پر صرف کرنے کا وکیل بنایا ہے خود رکھنے کی اجازت نہیں دی اس لئے بغیر تملیک کے آپ کو خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ربیع الاول/۵۹ھ۔

(۱) "قال الطیبی: إذا تصدق علی المحتاج بشئ ملکہ، فله أن یهدی به إلی غیرہ. الخ." وهو معنی قول =

صدقہ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلہ تملیک

سوال [۴۶۰۸]: ہمارے مدرسہ میں نافلہ کی مد میں بھی کچھ روپیہ باقی رہتا ہے مگر زکوٰۃ کی رقم حیلہ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، کیا صدقات نافلہ جب تک بالکل ختم نہ ہو جائے اس وقت تک حیلہ تملیک جائز نہیں؟ ان مفاد کے پیش نظر زکوٰۃ کی رقم کو حیلہ تملیک کے ساتھ نافلہ بنایا جاتا ہے کہ مرکز کی زکوٰۃ جلد از جلد ادا ہو جاتی ہے اور عوام الناس اور مجہول الحال لوگوں پر صرف کرنے میں دل کو خدشہ باقی رہتا ہے کہ کہیں یہ صاحب نصاب تو نہیں، نیز تملیک کے بعد یہ وسعت ہو جاتی ہے، زکوٰۃ کی مد میں صرف کر سکتے ہیں اور نافلہ کی مد میں بھی (حسب ضرورت) وغیرہ۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عواقب کے پیش نظر اس کی گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سید سے تملیک زکوٰۃ

سوال [۴۶۰۹]: سید جبکہ غریب ہو اس سے مدرسہ کی تملیک کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

= ابن ملک: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاۃ المفاتیح: ۳۳۸/۴، باب من لا تحل له الصدقة، رشیدیہ)

”والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب هذا الصرف، وإن ملك المال من الحاج ليحج عن نفسه دون المالك، جاز لوجود التملیک من الفقير“. (التاتارخانية: ۲/۲۷۲، الفصل الثامن بمن توضع الزكاة فيه، غفاريہ)

(۱) ”وكل حيلة يحنل بها الرجل، ليتخلص بها عن حرام، أو ليتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى: ﴿خذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾“

(الفتاوى العالمگیریة: ۳۹۰/۶، الفصل الأول في بيان جواز الحيل و عدم جوازها، رشیدیہ)

(و کذا فی احکام القرآن للجصاص: ۵۶۶/۳، فصل: سورة، ص، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلحاً:

سادات کرام کی خدمت پورے ادب اور احترام کے ساتھ زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ دوسرے طرق سے کی جائے، صدقات واجبہ ان کے لئے جائز نہیں (۱) ان سے تملیک بھی نہ کرائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

کیا مہتمم مدرسہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال [۲۶۱۰]: گزارش ہے کہ احقر کو ایک مسئلہ درپیش ہے اور چونکہ اس میں زید (عالم) کی طرف سے چند کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اس لئے احقر آپ سے تحقیق کی غرض سے ملتمس ہے کہ آیا زید نے جو عبارات تحریر کی ہیں وہ مفتی بہا اور معمول بہا ہیں یا نہیں؟ در صورتِ ثانیہ وجہ متروکیت ذکر فرما کر عنایت فرمادیں، اولاً مسئلہ مبتلی بہا ذکر کرتا ہوں بعد ازیں زید کی پیش کردہ عبارات درج کروں گا۔

مسئلہ: احقر ایک مدرسہ کا رکن ہے اس لئے حصولِ چندہ مدرسہ کا کام بھی انجام دینا ہوتا ہے، زید نے مجھ سے کہا کہ تم نے جو چندہ فراہم کیا اس پر مد زکوٰۃ اور دونوں رقوم کو نیز رقوم مزکین مختلفین کو اگر باہم اختلاط

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۵۱، سعید)

”ولا يدفع إلى بني هاشم، وهم آل عليّ وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب..... هذا في الواجبات كالزكاة، والنذر، والعشر، والكفارات، فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم.“ (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۸۹ الباب السابع في المصارف، رشيدية)

(و كذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳، باب من يجوز دفع الصدقات إليه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في البدائع: ۲/۴۸۲، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في فتح القدير: ۲/۲۷۲، فصل: الذي يرجع إلى المؤدى إليه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۹، باب المصرف، رشيدية)

(و كذا في مرقاة المفاتيح: ۲/۲۳۵، باب لا تحل له الصدقات، رشيدية)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰، باب بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، إمداديه)

کر دیا ہو تو مزکین کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور تم اس رقم زکوٰۃ کے ضامن ہوئے اور تمہاری طرف سے مدرسہ میں تبرع ہوا، چنانچہ احقر نے بناءً علی حسن الظن بالعلماء یہ جواب دیا کہ اکثر و بیشتر مدارس کی طرف سے جو محصلین دورہ کرتے ہیں یا تو وہ خود بھی عالم ہوتے ہیں یا مرسل من المہتمم العالم ہوتے ہیں، نیز علمائے دیوبند و سہارنپور جیسے معتبر و معتمد حضرات اس مسئلہ اختلاف سے واقف ضرور ہوں گے اور جانتے ہیں کہ اختلافِ رقوم میں ضمان آتا ہے اور باوجود اس کے ساکت ہیں لہذا کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔

زید نے کہا سکوت محض اثباتِ جواز کے لئے ناکافی ہے جب کہ عالمگیری، بزازیہ، شامی وغیرہ میں عدمِ جواز کی تصریح ہے، البتہ حسن ظن بھی قائم رہ سکتا ہے، بایں وجہ ممکن ہے دیوبند و سہارنپور کے سفیر اختلاف سے اجتناب کرتے ہوں، یا ممکن ہے کتبِ مذکورہ کے خلاف فقہاء کا کوئی راجح، اقویٰ اور مفتی بہ قول ان کے پیش نظر ہو جو مثبتِ جوازِ اختلاف ہو، لیکن پھر بھی جب تک اس قولِ راجح کی تصریح ہمارے پاس نہ ہو اس وقت تک کتبِ مذکورہ بالا پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ پس احقر ملتزم ہے کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ فاسحکم بیننا بالحق۔

عبارات کتب:

”رجلان دفع کل واحد منهما زکوة ماله إلى رجل لیؤدی عنه، فخلط مالهما، ثم تصدق، ضمن الوکیل، وکانت الصدقة عنه“۔ عالمگیری، جلد اول، مسائل متفرقة من کتاب الزکاة (۱)۔

”رجلان دفع کل واحد منهما زکوة ماله إلى واحد يتصدق به عن زکوته إلى فقیر، فخلط قبل الدفع يجب الضمان علی الكل“۔ بزازیہ علی هامش العالمگیریہ (۲)۔

”ولو خلط زکوة مؤکلیه، ضمن و کان تبرعاً درمختار۔“ (قوله: ضمن و کان تبرعاً؛ لأنه ما کہ بالخلط، و صار مؤدیاً مال نفسه. وقال فی التاتارخانیة: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالکان. ثم قال فی التاتارخانیة: أو وجدت دلالة الإذن بالخلط، ویتصل بهذا العالم إذا سئل

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الزکاة، مسائل متفرقة: ۱/۸۳، رشیدیہ)

(۲) (البزازیہ، کتاب الزکاة، ۸۶/۴، رشیدیہ)

للفقراء شيئاً و خلط، یضمن. قلت (والقائل العلامة الشامی): و مقتضاه أنه لو وجد العرف، فلا ضمان، لو جود الإذن حينئذ دلالة، والظاهر أنه لا بد من علم المالك بهذا العرف، ليكون إذناً منه دلالة. شامی ملخصاً (۱)۔

”قال زيد مستفتياً: هل يجعل الاختلاط الواقع في المسئلة المسئلة مأذوناً عرفاً أم لا؟ فإن الواقع باختلاط للشبهة، ولكن لا يعلم مسئلة الاختلاط، ولا يخطر بباله قط أنه يتغير الأحكام بالاختلاط، وعدمه لكونه جاهلاً، فيسكت ولا يمنع من الاختلاط، فهل يجعل سكوته في هذه الصورة إذناً له دلالة أم لا يشترط علم بمسئلة الاختلاط؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔

ضلع کھیرہ (گجرات) مورخہ ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ، مطابق ۹/ اکتوبر ۱۳۶۶ء۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مدرسہ کا مہتمم وکیل ہوتا ہے طلبہ (فقراء) کی طرف سے کہ ارباب اموال سے زکوٰۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے، اس صورت میں بلاشبہ مختلف ارباب اموال کی زکوٰۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لئے درست ہے، درمختار کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو ارباب اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی:

”خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن و کان متبرعاً، إلا إذا وکله الفقراء، اھ۔“ در مختار۔ ”لأنه

كلما قبض شيئاً ملكوه و صار خالطاً مالهم بعضه من بعض، اھ۔“ شامی ۱۴/۲۔ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۱۱/ ۱۳۵۶ھ۔

آج کل اہل مدارس اور ارباب چندہ کا عرف اختلاط ہے اور سب کو معلوم ہے اس لئے خلط کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، ہاں اگر کسی کو معلوم نہ ہو یا وہ خاص طور سے خلط سے روک دے تو پھر زید کا قول صحیح ہے،

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲/ ۲۶۹، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲/ ۲۶۹، سعید)

لیکن صورتِ مسئلہ میں کسی کا عدمِ علم یا صراحتاً منع کرنا معلوم نہیں ہے اس لئے صورتِ مسئلہ میں ضمان واجب نہیں ہے۔ فقط۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۵ھ۔

سوال متعلقہ سوال و جواب بالا

[۴۶۱۱]: بعدہ احقر غلام رسول بن حاجی اسماعیل عرض گزار ہے کہ آپ کی طرف سے جواب موصول ہوا، پڑھ کر واقف ہوا۔ زید نے کہا کہ واقعی عرف کے تحقق کی وجہ سے تم پر ضمان واجب نہیں مگر جہاں تک جواب کا تعلق ہے مزید تنقیح کی غرض سے ذیل کے معروضہ کی طرف حضرات مجتہدین کی طرف توجہ منعطف کرنا مناسب ہوگا۔
الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل۔

مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات، ۱۱/ ذی الحجہ/ ۱۳۶۵ھ۔

معروضہ: تتعلق هذا المسئلة بأمر: ۱- الأول منها أن الروايات المذكورة مفتى بها أم لا؟ ۲- والثاني: أن المهمم هل يعد وكيلاً من المزكين أم من الفقراء (الطلباء)؟ ۳- والثالث: هل يجعل الخلط المبتلى به المسئول عنه مأذوناً عرفاً أم لا؟ ۴- والرابع: أنه لو فرض عدم جريان العرف، فسكوت المزكي الجاهل هل هو إذن منه دلالة أم لا؟ ۵- والخامس: أنه إن تحقق العرف فلاجل اشتراط الشامي علم المالك بهذا العرف ما شان الوكيل فيما إذا كانا شاكاً في علم المالك بهذا العرف؟ قال زيد: وبالله التوفيق، أما الأول فهو ظاهر لعدم التعرض له من أحد المجيبين.

وأما الثاني فلإن المجيب (المعين المفتي) مدظلهم جعل المهمم وكيلاً للفقراء وليس الأمر (في زعمي) كذلك، فلا يكون داخلاً تحت الاستثناء المذكورة في الدر المختار. نعم لاشك أنه سائل وجامع للفقراء والحكم المذكور في الشامي صراحة بقوله: "ويتصل بهذا العالم إذا سأل الخ" حيث جعله ضامناً مع أن العلامة ذكر بعد ذلك نيس له الخلط بلا إذنهم.....
وضمن للمؤكلين (الفقراء) والكلام في عدالتهم وكيلاً للفقراء والطلباء يحتاج إلى فكر عميق، فإن الطلبة ليسوا بالسنتهم وكلوه.

کیف وإن بعضهم يدخلون في المدرسة بعد تحصيل أموال الزكاة، ففي حين الحصول كيف يكون هذا المحصل وكيلاً منهم، وإن بعضهم يتركون المدرسة ولا يمكنون فيها، فلا يصل إليهم مالهم الذي قبضه وكيلهم حين الإقامة فيها، وأنه لا يفرض إليهم مالهم محرزاً، لكن يأكلون الطعام ماداموا مقيمين فيها بشرط الفوز في الامتحان، فلو سلم المهتم وکیل الطلبة بشكل هذا إلا أنه ليس للوكیل اشتراط الإقامة وغير ذلك، وإنما هو حق المؤکّلین (الطلبة) مطلقاً وملك لهم (فليتأمل)۔

وأما الثالث فقد اعتبر المجيب (المفتی سعید أحمد مدظلهم) جريان العرف، نعم والأمر كذلك مشاهد ومسلم ولا حاجة إلى علم المزکی بالمسئلة الاختلافية (ولكن يشترط علم المزکی بهذا العرف)۔

وأما الرابع ففي جعل سكوت الجاهل حينئذ إذناً منه دلالةً يشكل بأن علم الشئ مقدم على إذنه عقلاً فكيف يحصل بدونه؟

وأما الخامس فلعله يقال فيه: إنه لما تحقق العرف جعل المزکی كأنه العالم به. والله أعلم بالصواب۔

الجواب وهو الموفق للسداد والصواب حامداً ومصلياً:

یہ اشکال اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے، حضرت تھانوی نے بھی، حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کو دریافت فرمایا تھا اور جواب پر مکرر اشکال کیا تھا، امداد الفتاویٰ جلد رابع کے آخر میں یہ مراسلہ منقول ہے، نہایت بہترین علمی مضامین پر مشتمل ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بھی اس کو دریافت کیا گیا تھا، وہ سوال و جواب تذکرۃ الرشید، ص: ۱۶۳، ۱۶۵، سے نقل کرتا ہوں (۱):

”سوال: مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کاروپہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صرف بالاستہلاک ناجائز ہے؟ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل، تو معطی چندہ اگر مر جائے

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالة: ۳/۱۶، دارالعلوم دیوبند، کراچی)

ورثہ کا حق ہے اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام وخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعد شرعیہ سے حل نہ ہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہو جانا چاہیے اور مستہلک ملک مستہلک ہو کر صرف کیا جائے تو اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا، اگر یہ ہے تو اہل مدرسہ کے امیر انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب با صواب سے مشفی فرمائیں۔

جواب: مہتمم مدرسہ کا، نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسے امیر نائب جملہ عام کا ہوتا ہے، پس جو شئی کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الکمیت والذات ہوں مگر نائب معین ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی اس میں نہیں ہو سکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، (۱)۔

اس مختصر سے جواب میں زید کے جملہ اشکالات کا حل موجود ہے بشرطیکہ فکر عمیق سے مطالعہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۶۵ھ۔

دوبارہ جو تنقیحات اور ان کے جوابات زید کی طرف سے نقل کئے گئے ہیں ان کو دیکھا، ان کے دیکھنے کے بعد بھی اصل مسئلہ کے جواب میں کوئی فرق نہیں آیا، اس لئے اب بھی بندہ کی رائے وہی ہے کہ صورت مسئلہ میں ضمان واجب نہیں ہے، باقی وکالت مہتمم کا مسئلہ اختلافی ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں کا اس میں اختلاف ہے (۲)، بعد میں بھی فقہاء کا اختلاف رہا ہے۔ حضرت گنگوہی کی تحریر مفتی صاحب نے نقل کر دی ہے اس لئے اس میں کلام کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

(۱) (تذکرۃ الرشید، عنوان شبہات فقہیہ ومسائل مختلف فیہا، ص: ۱۶۲، ۱۶۵، إدارة اسلامیات، لاہور)

(۲) ”لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز، لم يجز قال في البحر: ولو تصدق عنه بأمره، جاز،

ويرجع بمادفع عند أبي يوسف. وعند (محمد) لا يرجع إلا بشرط الرجوع، اهـ.“ (رد المحتار، کتاب

مہتمم سے مال زکوٰۃ ضائع ہو جانے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۶۱۲]: زکوٰۃ کی رقم مہتمم مدرسہ یا اس کے نائب سے کسی ناگہانی حادثے یا کسی اور وجہ سے تلف ہو جائے تو کیا ضمان واجب ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر بالفرض زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اور ضمان واجب ہوا اور ضمان کی ادائیگی مہتمم کے امکان سے باہر ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر باوجود حفاظت کے وپوری سعی و انتظام کے ایسا ہو جائے تو ضمان لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مہتمم کے پاس سے زکوٰۃ چوری ہو گئی

سوال [۴۶۱۳]: زید نے عمر کو پانچ روپیہ زکوٰۃ کے دے دیئے کہ وہ اپنے مدرسہ کے طلباء کو تقسیم کر دے، عمر مہتمم مدرسہ ہے، اتفاق کی بات کہ وہ پانچ روپے عمر کے پاس اسی مدرسہ کے طلبہ نے چُرالئے۔ کیا اس طرح مال زکوٰۃ چوری ہونے سے زکوٰۃ ادا ہو گئی؟ اگر نہیں تو ان پانچ روپیہ مال مسروقہ کا دیندار کون ہے زید یا عمر؟

بینوا تو جروا۔

(۱) چونکہ مہتمم امین ہوتا ہے اور امین سے امانت میں کوتاہی نہ ہونے کی صورت میں ضائع ہونے سے ضمان لازم نہیں آتا:

”فی النوازل: إذا قال المودع: سقطت الوديعة أو ”بيفتاد از من“ لا يضمن. ولو قال: أسقطت أو بالفارسية: ”بيفكندم“..... ولو قال: لأدرى أضاعت أو لم تضع، لا يضمن بالإسقاط. ولو قال: لأدرى أضعتها أو لم أضع، يضمن رجل دفع إلى دلال ثوباً لبيعه، ثم قال الدلال: وقع الثوب من يدي وضاع، ولا أدرى كيف ضاع، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: لا ضمان عليه..... وفي الفتاوى: سئل ابن الفضل عن دفع جواهر إلى رجل لبيعها، فقال القابض أنا أريها تاجراً لأعرف قيمتها، فضاعت الجواهر قبل أن يريها، قال: إن ضاعت أو سقطت بحرakte، ضمن، وإن سرق منه أو سقطت لمزاحمة أصابته من غيره لم يضمن.“ (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً لوديعة الخ، فيما يضمن المودع وما لا يضمن: ۴/۳۲۲، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے، اباحت بھی کافی نہیں چہ جائیکہ مصرف کا چوری کر لینا۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر صرف معطی زکوٰۃ کا وکیل ہے تو صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ پھر اگر بغیر تعدی مہتمم یعنی باوجود حفاظت تامہ کے چوری ہوگئی تو عمر پر ضمان لازم نہیں، زید دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے، کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور امین کا یہی حکم ہے۔ اگر عمر کی طرف سے تعدی ہوئی یعنی حفاظت میں کوتاہی کی تو عمر پر ضمان لازم ہے۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر طلباء کا وکیل ہے تو اس کا قبضہ طلباء ہی کا قبضہ ہے، لہذا زکوٰۃ ادا ہوگئی، کسی پر ضمان لازم نہیں:

” (الزکوٰۃ: ہی تملیک) خرج الإباحة، فلو أطعم یتیمًا ناویاً الزکاة، لا یجزیہ، إلا إذا دفع إلیہ المطعوم کما لو کساه بشرط أن یعقل القبض، اه“۔ درمختار (۱)۔ ” (قوله: خرج الإباحة): أی فلا تکفی فیہا (قوله: إذا دفع الخ) مقید بما إذا لم یکن أبوه غنیاً؛ لأنه یعد غنیاً لغنی أبیه ومنه علم أنه لا یشرط فی المدفوع إلیہ البلوغ بل ولا العقل؛ لأن تملیک الصبی صحیح، لکن إن لم یکن عاقلاً فإنه یقبض عنه وصیہ أو أبوه أو من یعوله، قریباً أو أجنبیاً أو الملتقط. وإن کان عاقلاً فقبض من ذکر، وكذا قبضه بنفسه، اه“۔ طحطاوی: ۱/ ۳۸۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ شعبان۔

مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال [۴۶۱۴]: مہتمم مدرسہ غرباء کا وکیل ہوتا ہے یا ارباب اموال کا، ارباب اموال اور غرباء کے

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۴، کتاب الزکوٰۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/ ۲۲۴، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۳۸۸، دارالمعرفۃ، بیروت)

وکیل کی کیا تعریف ہے اور کیا حد ہے؟ ان دونوں کا وکیل کوئی کس طرح بنتا ہے، دونوں میں امتیازی فرق کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہتمم مدرسہ کو اربابِ اموال نے صراحتاً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسبِ صوابدید مصارف میں صرف کر دیں، غرباء کا بھی وکیل ہے اس طرح کہ طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ آپ ہمارے واسطے اربابِ اموال سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صرف کر دیں۔ امداد الفتاویٰ جلد نمبر ۴ (۱) کے اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق سوال کیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے، نہایت مفید علمی سوال ہے اور ایسا ہی جواب ہے، جس سے شبہ مرتفع ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال [۴۶۱۵]: زکوٰۃ کا روپیہ مدرسہ کے غریب فنڈ میں داخل کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپیہ طلبہ میں بتدریج تقسیم ہوگا اور مدت تک فنڈ میں جمع رہے گا، معطی زکوٰۃ کے ذمے سے بعد اداخل فی المدرسہ زکوٰۃ ساقط ہوگی یا بعداً تقسیم بین الطلبة؟ اگر ثانی صورت ہے تو قبل تقسیم اگر وہ بوجہ آفت یا چوری نقصان ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، تو یہ تاخیر کیونکر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اربابِ مدرسہ کو طلبہ کا وکیل تسلیم کر لیا جائے تو یہ شبہ ہی وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے، اگر اصحابِ اموال کا وکیل مانا جائے تو نفس الامر میں زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جب کہ طلبہ پر تقسیم ہو جائے، لیکن اگر خدا نخواستہ قبل تقسیم اضطراراً ضائع ہو گیا تو اربابِ مدرسہ پر ضمان لازم نہیں جیسا کہ ساعی پر لازم نہیں اور

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالة: ۳/۳۱۶، دارالعلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، ص ۱۶۴، بعنوان ”شبہات فقہیہ ومسائل مختلف فیہا“)

اصحاب اموال سے زکوٰۃ ساقط ہو جاوے گی۔ امداد الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر اس کی بحث ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ادارے میں زکوٰۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا

سوال [۴۶۱۶]: ہمارے یہاں ایک قومی ادارہ ہے جو غریب، یتیم، بیواؤں کی امداد کے لئے قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی خدمات ماشاء اللہ انجام بھی دیتا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں زکوٰۃ، فطرہ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی جمع کرتا ہے اور سال بھر ماہانہ یتیم، بیواؤں کو ایک مقدار مقرر دی جاتی ہے۔ فی الوقت ادارے کے پاس جمع شدہ کئی سال کی کچھ رقم موجود ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح رقم زکوٰۃ، فطرہ کی جمع کر کے رکھنا درست ہے یا سال بھر مکمل جتنی رقم جمع ہو صرف کر دی جائے؟ حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ، فطرہ دینے والوں نے ادارے کے ذمہ داروں کو وکیل بنایا ہے کہ ان کی زکوٰۃ، فطرہ کو صحیح جگہ پر صرف کر دیں، جب تک وہ صرف نہیں کریں گے زکوٰۃ، فطرہ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ذمہ بری نہیں ہوگا، واجب باقی رہے گا (۲)۔ ایسی رقم پر سال بھر گزر جانا اچھا نہیں ہے اور واجب میں اتنی دیر نہ کی جائے، درمیان میں حوادث کا بھی احتمال رہتا ہے، گزشتہ رقم جو کچھ باقی ہو اس کو حسب ضرورت غرباء اور مستحق کو دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۹۱ھ۔



(۱) (امداد الفتاویٰ: ۲/۴۵، ۴۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(وامداد الفتاویٰ: ۳/۵۳۴، مکتبہ دارالعلوم)

”بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي؛ لأن يده كيد الفقراء“ (رد المحتار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکوٰۃ، سعید)

(۲) ”ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء“ (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”(قوله: ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة، ولومات كانت ميراثاً عنه، بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي؛ لأن يده كيد الفقراء“ (رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۷۰، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۶۹، رشيدية)

باب مصارف الزکاة

(زکوٰۃ کے مصارف کا بیان)

فقیر کی تعریف

سوال [۴۶۱۷]: زید مسلک شافعیہ و حنفیہ کے اصول کے مطابق صاحب نصاب نہیں، زید پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، زید کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو زید کا شمار کس فرقہ میں ہوگا؟ اگر مساکین میں ہے تو مساکین کی تعریف و تشریح کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کا مالک نہ ہو وہ مستحق زکوٰۃ ہے، ایسے شخص کو شرعاً فقیر کہتے ہیں، بعض نے مسکین کی یہ تعریف کی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

مسکین کسے کہتے ہیں؟

سوال [۴۶۱۸]: مسکین کی کیا تعریف ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

(۱) ”مصرف الزکوٰۃ والعشر هو فقیر، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسکین من لا شيء له على المذهب“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: على المذهب) من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل: على العكس، والأول أصح“۔ (رد المحتار: ۳۳۹/۲، باب المصروف، سعيد)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۱۹/۲، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲۶۱/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۶۴/۱، باب فی بیان أحكام المصروف، دار الكتب العلمية بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس کچھ نہیں، کھانے اور بدن چھپانے کے لئے بھی سوال کی حاجت پیش آئے:

”مسکین من لا شیء له، فيحتاج إلى المسألة لقوته وما يوارى بدنه، الخ“.

الدرالمختار و الشامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱ شوال ۶۷ھ۔

مستحق زکوٰۃ کون ہے؟

سوال [۴۶۱۹]: خیرات لینا، دینا اور خیرات مانگنے کا کس کو حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر صاحب وسعت اپنی حیثیت کے موافق خیرات کر سکتا ہے، وجوب زکوٰۃ کے لئے نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا شرط ہے اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، جو شخص مالک نصاب نہ ہو اس کو خیرات زکوٰۃ وغیرہ دینا درست ہے (۲) اور صدقہ نافلہ مالک نصاب کے لئے بھی جائز ہے (۳)۔ جس

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المصروف: ۹۲/۲، سعید)

(۲) ”ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ“.

(الدرالمختار: ۳۵۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲۶۱/۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۸۸/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۴۸۰/۲، فصل: الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۳) ”الصدقة بمنزلة الهبة فی المشاع و غیر المشاع و حاجتها إلی القبض، إلا أنه لا رجوع فی الصدقة إذا تمت ویستوی إن تصدق علی غنی أو فقیر فی أنه لا رجوع فیها. ومن أصحابنا رحمهم الله تعالى من یقول: الصدقة علی الغنی والهبة سواء، کذا فی المحيط“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الهبة، الباب

الثانی عشر فی الصدقة: ۴۰۶/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی الدرالمختار، کتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة: ۷۰۹/۵، سعید)

کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو خیرات مانگنا اور سوال کرنا جائز نہیں، البتہ اگر ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہو تو اس کو سوال کرنا درست ہے، بشرطیکہ کمانے پر بھی قادر نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/جمادی الثانیہ/۵۵ھ۔

سب سے بہتر مصرفِ زکوٰۃ

سوال [۴۶۲۰]: زکوٰۃ کے روپیہ کا سب سے بہتر مصرف کیا ہے؟ سنا جاتا ہے کہ دینی تعلیم اور اشاعت میں کرنا فی زمانہ بہتر ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کا بہترین مصرف اپنے دیندار اقرباء ہیں جبکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں (۲) اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ دین میں مشغول ہوں تو اس میں رشتہ داری اور تعلیم دین کی رعایت ہو سکتی ہے، فساق و فجار کو دینے سے تعلیم دین میں مشغول ہونے والوں کو دینا بہر حال افضل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ تعالیٰ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

(۱) اگر کمانے پر قادر ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ”(ولا) يحل أن (يسأل) شيئاً من القوت (من له قوت يومه) بفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب“۔ (الدر المختار)۔ وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”(قوله: كالصحيح المكتسب)؛ لأنه قادر بصحته واكتسابه على قوت اليوم“۔ (رد المحتار، كتاب الزكوة، باب المصروف: ۳۵۳/۲، ۳۵۵، سعید)

”ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً“۔ (الفتاوى

العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۲ جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاہور)

(و كذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸ باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ”قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء، بل هو أولى؛ لأنه صلة =

مصارف زکوة

سوال [۴۶۲۱]: زکوة کن کن لوگوں کو دی جائے گی، اس کے بارے میں بھی واضح فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوة ایسے مسلمانوں کو دی جائے جو غریب فقیر ہوں، سید نہ ہوں، اپنے عزیز قریب مقدم ہیں، لا وارث بچے، نادر طالب علم، بیوائیں سب مستحق ہیں (۱)، مگر اپنے والدین، دادا، دادی، نانائے، شوہر، بیوی کو نہ دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

= وصدة، وفي الظهيرية: ويدأفى الصدقات بالأقارب، ثم الموالى، ثم الجيران“. (ردالمحتار: ۳۴۶/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع فى المصارف، رشيدية)

(و كذا فى البحر الرائق: ۴۲۵/۲، باب المصرف، رشيدية)

(۱) ”مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شئ، ومسكين من لا شئ له إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى من بينهما ولاد أو زوجية، الخ“. (الدر المختار: ۳۳۹/۲، ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(و كذا فى النهر الفائق: ۴۵۸/۱، ۴۶۳، باب المصرف، امداديه)

(و كذا فى مجمع الأنهر: ۳۲۴/۱، ۳۲۹، باب فى بيان أحكام مصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) ”أنه لا يجوز دفع الزكاة إلى أولاده، أو أولاد أولاده من قبل الذكور والإناث وإن سفلوا، ولا إلى والديه وأجداده وجداته وإن علوا من قبل الأباء والأمهات ولا يجوز الدفع إلى بنى هاشم ولا إلى مواليتهم ولا يجوز الدفع إلى الغنى، الخ“. (خلاصة الفتاوى: ۲۴۲/۱، جنس آخر من أداء الزكاة، امجدہ اکیڈمی لاہور)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱۸۹/۱، الباب السابع فى المصارف، رشيدية) =

مصارف بیت المال

- سوال [۴۶۲۲]: ایک کمیٹی کے زیر نگرانی ایک بیت المال قائم ہے، اس میں زکوٰۃ کی رقم اور کچھ عطیات جمع کر کے بوقت ضرورت حاجت مندوں کو قرض دینا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟
- ۲..... اس جمع شدہ رقم میں سے مسجد کی تعمیر یا مرمت میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟
- ۳..... امام و مؤذن کی تنخواہ بھی زکوٰۃ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟
- ۴..... یتیم طلباء یا غریبوں مسکینوں کے نابالغ بچے ان کا انتظام یا کھانا کپڑا وغیرہ یا کتب بیت المال سے دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

- ۵..... ان تمام بچوں کو مصارف و دھلائی، سلائی وغیرہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟
- ۶..... کتابیں، غلہ، کپڑا کافی مقدار میں خرید کر بطور ذخیرہ رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، سب کی زکوٰۃ تباہ و برباد ہوگی اور وبال ذمہ میں باقی رہے گا۔ زکوٰۃ جس مصرف (حاجتمند) کو دی جائے بطور تملیک دی جائے، نہ کہ بطور قرض۔
- ۲..... ان مواقع میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں (۱)، نہ قرض کے طور پر دینا درست ہے۔
- ۳..... زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔
- ۴..... ان کو کھانا، کپڑا، کتاب زکوٰۃ سے دینا درست ہے مگر جو کچھ دیا جائے ان کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پھر ان سے واپس نہ لیں۔
- ۵..... رقم زکوٰۃ ان کو دے دیں، پھر وہ دھلائی، سلائی، کرایہ آمد و رفت میں جہاں ضرورت ہو خرچ کریں (۲)۔

= (و کذا فی الهدایة: ۲۰۶/۱، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز، شرکت علمیه ملتان)

(و کذا فی التنف فی الفتاوی، ص: ۱۲۹، من لا تعطی لهم الزکاة، سعید)

(۱) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا“)

(۲) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”امام کو زکوٰۃ دینا“)

۶..... درست ہے مگر جو کچھ زکوٰۃ میں مستحقین کو دیں اس کا مالک بنادیں۔ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات اور عطیات سے مذکورہ بالا تمام مصارف میں صرف کرنا درست ہے، اس لئے بیت المال کے دونوں مد جدار کھے جائیں، نیز کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنی رقم زکوٰۃ عطیہ بیت المال کو ہی دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیت المال

سوال [۲۶۲۳]: جب کہ آج کے دور میں مسلمانوں کے اقتصادی حالات بہت نازک ہیں روزانہ حالت خراب ہو رہی ہے تو کیا ایسے وقت میں ایک بیت المال قائم کر لیا جائے جس سے غریب مسلمانوں کی حالت بہتر بنایا جاسکے جب کہ اسلام میں بیت المال کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیت المال قائم کیا گیا تھا۔ شرعی اعتبار سے بیت المال کی کیا تعریف ہے؟ اور کیا اصول ہونے چاہئیں؟ اور کس قسم کا مال جمع ہو سکتا ہے؟ کیا زکوٰۃ وغیرہ کی اجازت ہے تاکہ غریب مسلمان پر خرچ ہو سکے، چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں مگر جو اس کے مستحق ہیں ان کو نہیں ملتی، بلکہ غیر لوگ حاصل کر لیتے ہیں اور مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو بیت المال تھا اس کے شرائط کا اس وقت یہاں وجود نہیں، ہاں مسلمانوں کی موجودہ پریشانیوں کے دفعیہ کے لئے ایک اجتماعی نظم اتفاق واتحاد سے، ہو سکتا ہے اور کرنا چاہئے۔ اس کی نظیر بھی متعدد مقامات پر قائم ہے قریب تر مقام دیوبند ہے، مسلم فنڈ کے نام سے یہاں بھی یہی نظم ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہاں سے ضوابط اور طریق کار کے کاغذات منگالیں یا تکلیف کر کے ایک روز کے لئے تشریف لے آئیں اور پوری تفصیل اس کے ذمہ داروں سے سمجھ لیں۔ پھر اگر شرعی حیثیت سے کسی چیز پر اشکال ہو تو اس کو حل کر لیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زکوٰۃ اور عشر کا مصرف

- سوال [۴۶۲۴]: ۱..... زکوٰۃ و عشر کی رقم سے فساد زدہ مسلمانوں کی مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟
- ۲..... کسی یتیم بچے کو میں اپنی پرورش میں رکھ لوں اور اس سے اپنی خدمت بھی کراؤں تو ایسے بچے کو زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کی رقم سے کپڑا اور علاج کرا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... زکوٰۃ کی رقم واجب التملیک ہے جو لوگ مستحق زکوٰۃ ہیں تو ان کو تملیکاً دیدی جائے (۱) پھر وہ جہاں چاہیں صرف کریں، یا ان کو اس رقم کا سامان ضرورت خرید کر دیدیا جائے۔ اس طرح صرف نہ کریں کہ ان کی ملک نہ ہو سکے، مثلاً اگر ان کا مقدمہ ہو تو عدالت کے اخراجات میں ان کی طرف سے از خود خرچ نہ کریں قانون کے موافق ان اطراف میں زمینداروں کی ملک ختم کر کے سب زمین ملک حکومت قرار دیدی گئی ہیں اس لئے عشر واجب نہیں رہا، تاہم جو کچھ بھی دیدیں وہ باعث خیر و برکت ہے، اس کے خرچ کرنے میں اتنی تنگی نہیں جتنی زکوٰۃ میں ہے۔

۲..... کپڑے بنا کر زکوٰۃ کی رقم سے اس کو دینا درست ہے، علاج کے لئے اس کو پیسے دیدیں کہ وہ خود چاہے دوا میں خرچ کرے، چاہے فیس وغیرہ میں دیدے یہ بھی درست ہے (۲)، مگر یہ یاد رہے کہ خدمت کے معاوضہ میں دے دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے خدمت کا معاوضہ جدا گانہ اس کو دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۸۹ھ۔

(۱) ”وہی تملیک جزء مال عینہ الشارع، و هو ربع عشر نصاب حولی من مسلم فقیر، غیر ہاشمی، و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للہ تعالیٰ“۔ (الدر المختار: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۷۰، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی ملتقى الأبحر علی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۳، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”أما إذا أدى من خلاف جنسه، فالقيمة معتبرة اتفاقاً“۔ (رد المحتار: ۲/۲۸۶، باب الغنم، سعید) =

تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۲۵]: زید بزنس میں پچاس ساٹھ ہزار روپے کا قرض دار ہو گیا اور ساری پونجی ختم ہو گئی، اب بکر مد زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اور زید کے گھر میں تقریباً دس ہزار کا زیور بھی ہے، کیا بکر مذکورہ رقم ایسی صورت میں زید کو دے سکتا ہے؟

مشتاق احمد، بلٹ بیکر بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے گھر میں جو دس ہزار کا زیور ہے وہ اس کی بیوی کا ہوگا اور قرض خود زید کے ذمہ ہے اس لئے زید مستحق زکوٰۃ ہے اور اگر خود وہ زیور زید کی ملک ہو تب بھی وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد نہیں ہے، قرض اس سے بہت زیادہ ہے۔ تب بھی وہ مستحق زکوٰۃ ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مقروض کب مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال [۴۶۲۶]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن وہ قرض دار ہے، وہ کسی مدرسہ میں پڑھتا ہے اس کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مقروض ہے اور مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ وغیرہ کا کھانا مدرسہ

= (و کذا فی تبیین الحقائق: ۴/۲، باب زکاة المال، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۹۶/۲، باب زکاة المال، رشیدیہ)

(۱) ”مدیون لا یملک نصاباً فاضلاً عن دینہ، وفی الظہیریۃ: الدفع للمدیون أولى منه للفقیر“.

(الدر المختار: ۳۴۳/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲۶۳/۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۲۲/۲، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۶۶/۱، باب فی بیان أحكام المصرف، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

سے نہ لے (۱) اگر مقدار قرض کے علاوہ صاحب نصاب نہیں تو اس کے لئے اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۲۷]:۱ جو کسان قرض میں ڈوبے ہوئے ہیں مثلاً کوئی تین ہزار کو، کئی پانچ ہزار کا قرضدار ہے، اب ایسے کسانوں کو زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے اور وہ فوراً اسی جگہ قبضہ کر کے سوسائٹی میں قرض کے عوض جمع کرادیں تو ایسا کرنے سے صاحب زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں جبکہ کاشتکار قبضہ کر کے اپنے ہی ہاتھ سے جمع کرائے گا؟

۲..... ایک قرضدار کو ایک دو تین نصاب کی مقدار مال دیا گیا، مثلاً ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چھ سو روپے اور چھتیس روپے کے قرضدار کو چاندی کے چھ نصاب کی مقدار مال دیا گیا تو آیا یہ جائز ہے؟

۳..... چند حضرات دوکان چلانے کے لئے یا زمین بڑھانے کے لئے یا مکانات بنانے کے لئے رقم صرف کرتے ہیں اور خود کو قرضدار سمجھتے ہیں تو آیا ان کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مدیون کو اتنی زکوٰۃ دینا درست ہے کہ اس کے ذریعہ دین ادا کر دے پھر بقدر نصاب اس کے پاس باقی نہ رہے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۳)۔ مصرف زکوٰۃ اس پر مالکانہ قبضہ کر کے اپنا دین ادا کر دے

(۱) ”ومدیون للعبد بقدر دينه، فيزكى الزائد إن بلغ نصاباً، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب

الزکاة، سعید)

(و کذا فی الهدایة: ۱/۱۸۶، کتاب الزکاة، شركة علمية)

(و کذا فی الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/۲۸۷، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیة ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا“.)

(۳) ”و کره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال بحيث لو =

اور سبکدوش ہو جائے۔

۲..... یہ بھی درست ہے (۱)۔

۳..... ان کے حوائجِ اصلیہ دین وغیرہ سے فاضل اگر مقدارِ نصاب ان کی ملک میں نہیں تو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے

سوال [۴۶۲۸]: اسلم ایک دینی مدرسہ یا مسجد کا خادم ہے اس کی ضروریات اس کی تنخواہ سے پوری نہیں ہوتیں، اس صورت میں اسلم زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال [۴۶۲۹]: خالد ایک مسجد کا خادم تھا، اپنی سال بھر کی ضروریات جو تنخواہ سے پوری نہیں ہو سکتی تھیں، مالِ زکوٰۃ سے پوری کرتا تھا، اب ایک دینی مدرسہ میں اس کو خدمت کا موقع ملا، اب آمدنی کچھ بڑھ

= فرقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره. (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) ”ويكره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعداً، وإن دفع جاز“. (الهداية: ۲۰۷/۱، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، شركة علمية ملتان)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۳، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاہور)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۱۳۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً“. (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

(و كذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۸، باب المصرف، رشيدية)

گئی، معمولی تنگی کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے مگر صاحبِ نصاب نہیں بنا، اس صورت میں خالد حسب معمول زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... لے سکتا ہے مگر معاوضہ خدمت میں نہ ہو (۱)۔

۲..... جب تک ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت حاجتِ اصلیہ سے زائد اس کے پاس نہ ہو وہ مستحق زکوٰۃ ہے (۲)، مگر جب اللہ تعالیٰ نے آمدنی میں اضافہ فرمادیا ہے تو زکوٰۃ لینے سے بچنا بہتر ہے کہ اضافہ آمدنی کا شکریہ ہے، اس سے مزید ترقی کی توقع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوٰۃ لینا

سوال [۴۶۳۰]: مسماۃ زاہدہ خاتون کے شوہر کا عرصہ چار سال قبل انتقال ہوا، مرحوم نے کوئی جائیداد از قسم مکان اور نقدی زیور کچھ نہیں چھوڑا، البتہ تین بچے دو بچیاں ان کی یادگار ہیں جو ابھی نابالغ ہیں۔ بیوہ اور بچوں کا خرچ مرحوم کے بڑے بھائی دو سو روپیہ ماہوار مرحوم کے بعد سے اب تک دے رہے ہیں، بیوہ اسی خرچہ سے تھوڑا تھوڑا کفایت کر کے اب تک اس غرض سے بچا رہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بچیاں ہیں، رہنے کا کوئی مکان نہیں، یا ان کی تعلیم، بیاہ شادی وغیرہ کرنا ہے، لہذا اب تک دو ہزار روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ پس انداز کر چکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیوہ کو اس حالت میں زکوٰۃ لینا چاہئے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب بیوہ کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، بیوہ پر خود زکوٰۃ واجب ہوگئی (۳) اگر نابالغ بچوں اور بچیوں کو وہ روپیہ

(۱، ۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”مقروض کو زکوٰۃ دینا“۔)

(۳) ”ویشترط أن يكون الصرف تمليکاً لإباحة، لا يُصرف ولا إلى غنی يملك قدر نصاب

فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان، الخ“۔ (الدر المختار: ۳۴۷/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲۷۷/۲، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی) =

دے کر اپنی ملک ختم کر دے اور خود بطور محافظ و امین اپنے قبضہ میں رکھے تو بیوہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اور وہ مستحق زکوٰۃ رہے گی اور بالغ ہونے سے پہلے ان بچوں بچیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

جس کا گذرتنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال [۴۶۳۱]: بکر کی آمدنی کم ہے، تنگی سے گذر اوقات ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بکر زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

گدا گروں کو زکوٰۃ

سوال [۴۶۳۲]: دیہاتوں میں جو فقیر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۹، باب المصارف، رشیدیہ)

(۱) ”و شرط افتراضها عقل و بلوغ) فلا تجب علی مجنون و صبی؛ لأنها عبادة محضة و ليسا مخاطبین بها“۔ (رد المحتار: ۲/۲۵۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، إمدادیہ)

(۲) ”ویجوز دفعها إلی مَنْ یملک أقل من النصاب وإن کان صحیحاً مکتسباً، کذا فی الزاہدی“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۸۹، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الزکوٰۃ، باب المصروف: ۲/۴۱۹، رشیدیہ)

”(مصروف الزکوٰۃ والعشر هو فقیر، وهو مَنْ له أدنی شیئی): أى دون نصاب، قدر

نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة (ومسکین) مَنْ لا شیء له، الخ“۔ (الدر المختار، کتاب الزکوٰۃ، باب

المصرف: ۲/۲۳۹، سعید)

(و کذا فی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۹، کتاب الزکوٰۃ، باب المصروف، قدیمی)

ہیں۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ وغیرہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں تو ان کو دینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

زکوٰۃ لے کر اپنے باپ کو دینا

سوال [۴۶۳۳]: بالغ اولاد زکوٰۃ لے کر زید (باپ) کو دے اور زید اپنی اولاد کے مصرف میں

لائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بالغ اولاد مصرف زکوٰۃ ہے تو اس کو لے کر خود استعمال کرنا اور والد کو یا کسی دوسرے غیر مستحق زکوٰۃ کو

دینا درست ہے (۲) اور پھر ان کو لے کر خود استعمال کرنا اور اولاد وغیرہ کے مصرف میں لانا بھی درست ہے۔ فقط و

اللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۴]: موجودہ رسم و رواج کے پیش نظر آج کل لڑکی کی شادی پر ہزاروں روپیہ خرچ

ہو جاتے ہیں، اب ایک شخص جو کہ صاحبِ نصاب نہیں ہے شادی کے لئے چندہ فراہم کر کے صاحبِ نصاب

(۱) ”ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً: أي مال كان: دنانیر اودراهم فاضلاً عن

حاجتہ فی جمیع السّنة“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۸۹، رشیدیہ)

(۲) ”قال الطیسی: إذا تصدق علی المحتاج بشئ ملکہ، فله أن یهدی به إلى غیره الخ، وهو معنی قول

ابن ملک: فیحل التصدق علی من حرم علیہ بطریق الهدیۃ“۔ (المرفقاۃ: ۳/۳۳۸، رقم الحدیث:

۱۸۲۷، باب من لا تحل له الصدقة، رشیدیہ)

ہو جاتا ہے یا قبل ہی سے صاحبِ نصاب ہے مگر اس کے باوجود اسبابِ شادی کی تکمیل کے لئے چندہ مانگ رہا ہے تو کیا اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو چندہ مانگنا اور دوسروں کا اس کو اس حالت میں زکوٰۃ دینا درست نہیں، لٰئنہ لیس بمصرف للزکوٰۃ کما فی کتب الفقہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عالم کی اولاد کے لئے زکوٰۃ

سوال [۴۶۳۵]: زید ایک عالم ہے، اس کی بالغ اولاد کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، اور اولاد خود اپنے خرچہ میں لائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اولاد مصرفِ زکوٰۃ ہے تو اس کو لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

امام اور عالم کو صدقات واجبہ دینا

سوال [۴۶۳۶]: ایک شخص بستی والوں کی طرف سے امام مسجد مقرر ہوا ہے، درس دیتا ہے، بستی والے اس کو مقرر کر دیتے ہیں کہ تمام صدقات، خیرات، مثلاً صدقہ فطر شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خود صاحبِ نصاب ہے، زکوٰۃ اس پر فرض ہے، لے لے تو دینے والوں کی زکوٰۃ ہو جائے گی یا نہیں؟ کتاب

(۱) ”لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و یأثم معطیه إن علم بحالہ لإعانتہ علی المحرم“۔ (الدر المختار: ۳۵۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی النہر الفائق: ۴۶۹/۱، باب المصرف، امدادیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۳۶/۲، ۴۳۷، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) (سیاتی تخریجہ تحت المسئلة الآتیة)

”سلطان الفقہ“ صفحہ ۱۱، جلد اول میں لکھا ہے: إذا عینوا لإمامهم شيئاً من الأوقاف والصدقات والهدايا وغيرها، لزمهم أداءها، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر، چرم قربانی امام معین لے سکتا ہے۔

گذشتہ زمانوں میں علماء اور قاضیوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور وہ بیت المال زکوٰۃ وغیرہ کے روپے اور اجناس کا فراہم شدہ مال ہوتا تھا، اس میں سے قاضی اور عالم جو خود بھی صاحب نصاب ہوتے تھے لیتے تھے، جب وہ بیت المال کے جمع شدہ روپے سے وظائف لیتے تھے تو اب بھی زکوٰۃ یا صدقات واجبہ کا روپیہ کسی امام معین کو دیدیا جائے تو منع کیوں ہے؟

”فتویٰ جوہر“ ص: ۲۴۶، جلد اول میں لکھا ہے: ”من اشتغل بتعلم العلم، علی المسلمین کفأه، وإذا كان العالم والمتعلم فی بلدٍ لیس له من بیت المال وظیفه، یجب علی أغنیاء تلك البلدة نفقته وکسوته“۔ یعنی عالم اور متعلم کو کفاف دینا اہل قریہ پر واجب ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نصاب ہو یا نہ ہو امام معین صدقہ وغیرہ لے سکتا ہے۔ اور اگر امام معین اراضی اور مال نامی رکھتا ہے لیکن اس اراضی کی پیداوار اور مال کی آمدنی اس کو کفایت نہیں کرتی، عوام کو بھی اس کے مستحق ہونے کا علم نہیں اور وہ خود اپنے اس حال قرض وغیرہ تنگی معاش کو لوگوں سے چھپاتا ہے۔
المستفتی نور احمد بھاو پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ، صدقات واجبہ: زکوٰۃ وغیرہ کا لینا درست نہیں، اگر کسی نے ان کو زکوٰۃ وغیرہ دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اول شخص میں عدم جواز کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ وہ غنی صاحب نصاب ہے اور ہدایہ، درمختار، زیلعی، مجمع الأنهر، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ جملہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ ”لا تدفع إلی غنی، ۱ھ“ (۱)۔

(۱) (الدرا المختار، کتاب الزکاة، باب المصروف: ۳/۳۴۶، رشیدیہ)

(الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصروف: ۱/۱۸۹، رشیدیہ)

(مجمع الأنهر، باب فی بیان أحكام المصروف: ۱/۲۲۳، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(فتاویٰ قاضی خان، فصل فیمن توضع فیہ الزکاة: ۳/۳۶۶، رشیدیہ) =

دوم وجہ یہ ہے کہ اس کو امامت و تدریس کے عوض اجرت میں زکوٰۃ دی جا رہی ہے اور زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ بشرط: ”قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ“ ہو (۱)۔
دوسرے شخص میں اول وجہ موجود نہیں البتہ دوسری وجہ موجود ہے ”أحصروا فی سبیل اللہ“ کے مصداق کو بھی اجرت میں دینا درست نہیں۔

سلطان الفقہ میرے پاس موجود نہیں، اگر یہ کوئی معتبر کتاب ہے اور اس کے مسائل قابل اعتماد ہیں تب بھی عبارت مذکورہ استدلال کے لئے کافی نہیں کیوں کہ اس میں صرف ”الصدقات“ ہے، ”واجبہ“ کی قید نہیں اور چونکہ دیگر کتب معتبرہ میں صدقات واجبہ کے عدم جواز کی تصریح ہے، لہذا یہاں صدقات غیر واجبہ مراد ہوں گے۔

بیت المال سے جو وظائف علماء اور قضاة کو ملتے تھے وہ زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خراج اور جزیہ وغیرہ سے ملتے تھے:
”والنوع الثالث: الخراج والجزية، وما يؤخذ من صدقات بنی تغلب، وما يأخذ العاشر من أهل الذمة، ومن أهل الحرب إذا مروا عليه، فهذا نوع مصروف إلى نوائب المسلمين. ومنها: إعطاء المقاتلة كفايتهم، وكفاية عيالهم؛ لأنهم فرغوا أنفسهم للجهاد، ولدفع شرّ المشركين عن المسلمين، فيعطون الكفاية من أموالهم، ومن هذا النوع إيجاد الكراع والأسلحة، وسد الثغور، وإصلاح القناطر والجسور، وسد البثق، وكرى الأنهار العظام. ومنه رزاق القضاة والمفتين والمحتسبين والمعلمين، وكل من فرغ نفسه لعمل من أعمال المسلمين على وجه الحسبة، فكفاته في هذا النوع من المال، ۱ھ“۔ مبسوط: ۱۸/۳ (۲)۔

= (الهداية، كتاب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز: ۲۰۷/۱، شركة علمية ملتان)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الزکاة: ۴۷۶/۲، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی المبسوط، کتاب الزکاة: ۱۷۳/۱، غفاریہ، کوئٹہ)

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ”تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا“۔)

(۲) (المبسوط للسرخسی، باب ما یوضع فیہ الخمس: ۲۲/۲، الجزء الثالث، غفاریہ، کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۹/۳، مطلب فی مصارف بیت المال، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکریة: ۱۹۰/۱، ۱۹۱، فصل: ما یوضع فی بیت المال أربعة أنواع، رشیدیہ)

فتاویٰ جواہر کی عبارت میں تو صدقات واجبہ دینے کا اشارہ تک بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۰ھ۔

امام کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۷]: محلہ کے بلا تنخواہ کے اماموں کو اہل محلہ مل کر زکوٰۃ اور صدقہ فطر اس نیت سے دیں

کہ نماز پڑھاویں، کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ اور فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاوضہ امامت ہے اس سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ صدقہ فطر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شریک مکان کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۸]:۱ زید اور بکر ماموں بھانجے ہیں ایک ہی مکان میں جو بکر کی ملک ہے دونوں

رہتے ہیں، بکر نادر اور غریب ہے، کیا اسی مکان کی مرمت میں۔ جبکہ مرمت میں دونوں کا فائدہ ہے۔ زید بکر کو

زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے اور بکر اس رقم کو مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے؟

.....۲ زید اور بکر دونوں کا کھانا مشترک تیار ہوتا ہے، کیا زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم سے خورد و نوش کا سامان

منگوا سکتا ہے اور دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

.....۱ بھانجا اگر ماموں کو زکوٰۃ دے تو شرعاً درست ہے بشرطیکہ کہ کسی دباؤ سے نہ ہو، پھر ماموں کو اختیار

(۱) ”ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ہاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن

المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ“۔ (الدر المختار: ۲/۵۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۷، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

ہے کہ مکان کی تعمیر وغیرہ میں جہاں چاہے صرف کرے (۱)۔

۲..... اگر زکوٰۃ کا پیسہ بکرم کو دے دیا پھر اس نے سامان خریدا اور زید کے ساتھ مشترکہ طور پر وہ کھانا پکایا گیا تو شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نابالغ کو زکوٰۃ

سوال [۴۶۳۹]: زکوٰۃ کا پیسہ اگر نابالغ یتیم بچے کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ یتیم قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہو یعنی وہ غنی ہاشمی وغیرہ نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۲۵/۲/۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

(۱) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”رشتہ داروں میں سے سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ“۔)

(۲) ”إذا دفع الزکاة إلى الفقیر، لا یتیم الدفع مالم یقبضها، الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۷۷، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۴، من توضع الزکاة فیہ، غفاریہ)

(۳) قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”ولا إلى من بینہما ولا ذوا زوجیة“ (الدر المختار مع تنویر الأبصار). وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ”وقید بالولاد لجوازہ لبقیة الأقارب کالأخوة والأعمام والأخوال الفقراء“۔ (رد المحتار: ۲/۳۴۶، باب المصارف، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۷۱، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من یجوز دفع الصدقة إلیہ ومن لا یجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)=

نابالغ کو زکوٰۃ دینے کی صورتیں

سوال [۴۶۴۰]: ایک شخص مسمیٰ عید و قوم جولاہا فوت ہو گیا اور ایک بیوی ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ گیا، عید و کے تین چچا زاد بھائی ہیں مگر حقیقی کوئی نہیں ہے۔ عید و مذکور کی وفات کے بعد اس کی بیوہ نے گھر کا تمام اثاثہ جو صرف زیور ہی تھا برباد کر دیا، لڑکی کا متوفی کے چچا زاد بھائیوں نے نکاح کر دیا یعنی اس کی شادی کر دی اور بیوہ نے ایک دوسری جگہ خاوند کر لیا۔ متوفی کا لڑکا تا حال اپنی ماں کے پاس رہتا ہے۔ متوفی کے پاس سوائے زیور کے اور تو کوئی جائیداد نہ تھی زیور عورت نے برباد کر دیا، اب متوفی کا لڑکا بالکل حالت ناداری میں ہے لیکن اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ہاں رہتا ہے، لیکن اس غریب کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ایسی حالت میں عموماً ہوا کرتا ہے یعنی بدسلوکی۔

۱..... اب سوال یہ ہے کہ یتیم مذکور کے ہر سہ چچا کم و بیش زکوٰۃ دینے والے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ کے روپے اس یتیم کو کیوں نہ دے دیں جبکہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ: ﴿ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ یعنی پہلحق رشتہ داروں کا ہے، آپ تحریر فرمادیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ قریبی بھی ہے اور یتیم بھی؟

۲..... اس (یتیم) کو روپیہ دینے کی صورت کیا ہو سکتی ہے، اگر اب اس کو دیا جاوے تو وہ نابالغ ہے، اگر اس کی ماں کو دیا جاوے تو وہ وہی سلوک کرتی ہے جو اپنے خاوند کے زیور پر کیا تھا، اگر سوتیلے باپ کو بطور امانت دیا جائے تو کسی کا آج کل کیا اعتبار ہے۔ اب اگر اس کو دیا جائے تو کس طرح؟ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اس یتیم کے حصہ کا روپیہ علیحدہ ایک جگہ جمع کر کے ایک شخص اپنے پاس جمع بطور امانت جمع کر لے یعنی دینے والا خود اپنے پاس ہی علیحدہ بطور امانت رکھ لیوے، جس کو خرچ خود بالکل نہ کرے، کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

۳..... یا اس کے حصہ کے روپے کو سیونگ بینک، ڈاکخانہ میں اس کے ہی نام سے جمع کر دیا جائے، لہذا اس کا وہ شخص جس نے زکوٰۃ دی ہے سرپرست مقرر کر دیا جائے، جب بالغ ہو جائے گا، اپنے روپیہ کا حقدار ہو جائے گا وصول کر لیوے۔ کیا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

۴..... اگر یتیم کے واسطے زر زکوٰۃ نمبر: ۳ یا نمبر: ۲ کسی طرح جمع کیا جائے تو کیا زکوٰۃ دینے والے کے

زکوٰۃ دینے میں تو کسی قسم کا شبہ نہ رہے گا اگرچہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس ہی امانت ہوگی مگر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا۔ کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

۵..... اگر وہی نمبر: اکا یتیم لڑکا اپنے ایک چچا کے پاس بود و باش کرنے لگ جاوے اور وہ ہی زکوٰۃ دیتا ہو، اب وہ بالکل اپنے پاس جمع کر سکتا ہے یا نہیں، جو بصورت بالغ ہونے کے اس کو ادا کر دیا جائے؟

۶..... اگر یتیم بچہ ایک چچا کے پاس رہتا ہے اور زکوٰۃ دینے والے کے پاس نہیں ہے، کیا زکوٰۃ دینے والا اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو ایک ہزار دو سو بصورت بالغی اس کو ادا کر دے؟

۷..... ایک شخص کے پاس صرف بارہ بیگھ جائیداد ہے اور وہ بارہ سو روپے کا مقروض بھی ہے اور نہایت خستہ حال اور غریب ہے، کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اور قوم سے راجپوت ہے، دستِ رال دراز نہیں کر سکتا ہے۔ جواب با صواب سے جلد از جلد مطلع فرمادیں۔

امام الدین، ہیڈ ماسٹر سکول تلاکور، ڈاکخانہ مصطفیٰ آباد، ضلع انبالہ، مورخہ ۳/۱۲/۳۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... صورتِ مسئلہ میں زکوٰۃ اس لڑکے کو دینا درست ہے بلکہ اگر اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار مستحق زکوٰۃ موجود نہ ہو تو اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا افضل ہے:

”والأفضل فی الزکوۃ والفطر والنذور الصرف أولاً إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم، الخ“۔ عالمگیری: ۱/۱۸۷ (۱)۔

۲..... اگر وہ لڑکا سمجھ دار ہے روپیہ پر قبضہ کر سکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے، پھر اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطور امانت لیکر رکھ سکتا ہے اور اگر وہ نا سمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا یا کسی اور طرح ضائع کر دیگا تو پھر اس کو دینا درست نہیں بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے اس کو لڑکے کے لئے دے دیا جائے، اگر وہ قابل

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصارف، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۳۴۶، باب المصارف، سعید)

اعتماد نہ ہو تو پھر کوئی ساچچا اس روپیہ پر لڑ کے کے پرورش کرنیوالے کا قبضہ کرا کے بطور امانت رکھ سکتا ہے (۱)۔

۳..... لڑ کے کو خرچ کی ضرورت اس وقت ہے جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، بنک میں جمع کرنے سے وہ وقتی ضرورت کیسے پوری ہوگی لیکن اگر زائد ہو تو بعض علماء کے نزدیک لڑکا سمجھدار ہو اور پرورش کرنے والا اگر نا سمجھ ہو قبضہ کرا کے بنک میں جمع کرنا درست ہے۔

۴..... اگر ولی نے لڑ کے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں رکھا ہے تو اس میں کوئی نقصان نہیں لیکن جو روپیہ خود ولی نے زکوٰۃ کا نکالا ہے وہ جب تک بطور تملیک لڑ کے کی ضرورت میں صرف نہ کر دے گا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۵..... اگر وہ لڑکا سمجھدار ہے تو اس کو فی الحال ہی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگر نا سمجھ ہے تو چچا اس کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے بطور تملیک بلوغ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے (۲)۔

(۱) ”وإذا دفع الزكاة إلى الفقير، لا يتم الدفع ما لم يقبضها، أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب، والوصي يقبضان للصبي..... ولو قبض الصغير، وهو مراهق، جاز، وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمى ولا يخدع عنه، الخ.“ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۷، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في رد المحتار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) ”فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقتهم.“ (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”(قوله: بشرط أن يعقل القبض) قيد في الدفع والكسوة كليهما. وفسره في الفتح وغيره بالذي لا يرمى به ولا يخدع عنه، فإن لم يكن عاقلاً فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه، صح، كما في البحر والنهر. وعبر بالقبض؛ لأن التملك في التبرعات لا يحصل إلا به، فهو جزء من مفهومه، فلذا لم يقيد به أولاً، كما أشار إليه في البحر.“ (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۷، سعيد)

”لأن تملك الصبي صحيح، لكن إن لم يكن عاقلاً، فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو المتقط، كما في الولوالجية. وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر أو قبضه بنفسه.“ (البحر =

۶..... جس چچا کے پاس لڑکا رہتا ہے اس کو دینا بھی درست اور خود بھی لڑکے کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے اور کچھ روپیہ بچ گیا تو اس کو امانت رکھنا بھی درست ہے۔

۷..... اگر آمدنی جائیداد کی اتنی نہیں ہے کہ قرض ادا کر کے ایک نصاب موافق بچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ رمضان ۱۴۵۳ھ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۱/ رمضان ۱۴۵۳ھ۔

بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۴۱]: زکوٰۃ کا روپیہ زکوٰۃ کے مستحق بچوں کو دیکر اسے مالک بنادینے سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبضہ مالکانہ کرنے کے اہل ہوں اور سمجھدار ہوں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۰ھ۔

= الرائق، کتاب الزکوٰۃ: ۳۵۳/۲، رشیدیہ

(۱) ”ومدیون لا یملک نصاباً فاضلاً عن ذینہ..... الدفع للمدیون أولىٰ منه للفقیر“۔ (الدر المختار:

۳۴۳/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۳۲۵/۱، باب فی بیان أحكام المصارف، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۲۲/۲، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) ”فی التملیک إشارة إلى أنه لا یصرف إلى مجنون وصبی غیر مراقق..... ویصرف إلى مراقق

یعقل الاخذ“۔ (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱۹۰/۱ الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲۷۳/۲، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲۷۰/۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیہ ومن لا یجوز، مصطفى البابی

الحلبی مصر)

اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۴۲]: اگر کسی کا حقیقی بھائی اس قدر غریب ہو کہ جس قدر غریب ہونے پر دینا جائز ہوتا ہے تو کیا بھائی کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں تو اپنے کنبہ میں سے کس کس کو دینا جائز ہے؟ برائے مہربانی تحریر فرمائیں۔ المستفتی محمد یونس ۲۱/ رمضان مبارک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ وہ مستحق ہو اور اصول و فروع و زوجین کے علاوہ سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا درست ہے جبکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہوں: ”ولا إلی من بینہما ولاداً و زوجیۃ“۔ تنویر۔ وقال ابن عابدین الشامی: ”وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الأقارب کالأخوة والأعمام والأحوال الفقراء“۔ ص: ۶۳ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۱۴۵۳ھ
صحیح: عبداللطیف، عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۱۴۵۳ھ۔

رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ

سوال [۴۶۴۳]: زید زکوٰۃ کا مبلغ بجائے انفرادی شکل میں پانچ دس روپیہ تقسیم کرنے کے کسی ایک رشتہ کے مستحق لڑکے کو چن کر مستقل طور سے اس کی پڑھائی کی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں رشتہ داروں میں کس کا بیٹا یا بیٹی پہلے مستحق قرار پائے گی؟ از روئے شریعت بھائی کا یا بہن کا، خالو کا یا ماموں کا؟ تفصیل سے لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاجت میں اور نوعیت تعلیم میں سب مساوی ہوں تو بھائی کا لڑکا مقدم ہے، پھر بہن کا، پھر خالہ اور

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۴۶، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/ ۲۷۱، من توضیح الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/ ۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إلیہ ومن لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

ماموں کا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۴]: زید اپنے داماد بکر کو انگریزی تعلیم دلوانا چاہتا ہے اور ان کے اخراجات کو مد زکوٰۃ سے پورا کرنا چاہتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ ایک سو روپیہ دینا چاہتا ہے تو آیا اس طرح زید اپنے داماد کے اخراجات کو مد زکوٰۃ سے دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داماد اگر غریب ہے یعنی صاحب نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت نقد کا مالک) نہیں ہے نیز سید نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/۴/۹۰ھ۔

(۱) ”الأفضل صرف الزكوتين: یعنی صدقة الفطر وزكاة المال إلى أحد هؤلاء السبعة الأول: إخوته

الفقراء وأخواته، ثم إلى أولادهم ثم إلى أعمامه الفقراء، ثم إلى أخواله وخالاته، ثم ذوى الأرحام الفقراء،

الخ“ (التاتارخانية: ۲/۲۷۱، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزكاة، امجد اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی الفتاوى العالمکیرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۵، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) ”ویجوز دفعها لزوجہ أبیه وابنه، وزوج ابنته، الخ“ (رد المحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزكاة، رشیدیہ)

کیا نانا، ماموں، چچا مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟

سوال [۴۶۴۵]: زید صاحبِ نصاب ہے اور اس کے نانا غریب ہیں، تو نانا کو یا ماموں، چچا کو زید زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

نانا غریب ہونے کے باوجود مصرفِ زکوٰۃ نہیں (۱)، ماموں، چچا اور ان کی اولاد اگر غریب ہوں تو ان کو دے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۸۹ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ، فطرہ دینا

سوال [۴۶۴۶]: زید اپنے لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ لڑکا مفروز ہے، چار بچے ہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی بیوی کو اگر زکوٰۃ، فطرہ دے تو درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۴۷]: کیا اپنے حقیقی غریب بھائی کو خوشحال بھائی زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے؟

(۱) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”حاجت منداں باپ کو زکوٰۃ دینا“۔)

(۲) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: ”رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ“۔)

(۳) ”ویجوز دفعها لزوجہ أبیه وابنه وزوج ابنته الخ“۔ (رد المحتار: ۳۴۶/۲، باب المصروف، سعید)

(وایضاً تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”داماد کو زکوٰۃ دینا“۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ وہ غیروں سے مقدم ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۹ھ

زکوٰۃ بھائی اور اس کی اولاد کو

سوال [۴۶۲۸]: ہم دو بھائی چچا تایا کے ہیں اور ایک دادا کی اولاد ہیں، ہمارے دونوں بھائیوں کے علیحدہ علیحدہ بچے ہیں اور ہماری تیسری نسل ہے، ہم میں ایک کی اولاد تنگدست ہے اور ایک کی اولاد زکوٰۃ نکالتی ہے تو وہ زکوٰۃ کے روپے جو کہ تنگدست ہیں ان کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کے مطابق آپ مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے پیسے بھائی کو اور بھائی کی اولاد کو دینا درست ہے جبکہ وہ مستحق ہوں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زکوٰۃ کی رقم ماموں، سالے اور ان کی اولاد کو دینا

سوال [۴۶۲۹]: زکوٰۃ اور قربانی کے چمڑے کی قیمت نانی، ماموں، سالے یا ان تینوں کی اولاد کو بھی دی جاسکتی ہے؟ اگر ان کا گزراوقات بمشکل ہوتا ہے، احکام شرعیہ مع دلائل سلیس اردو میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانی کو تو جائز نہیں، ماموں اور سالے کو جائز ہے، ان دونوں کی اولاد کو بھی جائز ہے نانی کی اولاد میں سے والدہ کو جائز نہیں، خالہ، ماموں اور ان کی اولاد کو جائز ہے:

”(وقوله: أصله) بالجر: أي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده وإن علا، وفيه إشارة إلى أن

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”رشته داروں میں سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ“۔)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”رشته داروں میں سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ“۔)

هذا الحكم لا يخص الزكوة، بل كل صدقة واجبة، لا يجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالکفارات وصدقة الفطر والندور، وفيه: بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء، ولهذا قال في الفتاوى الظهيرية: ويبدأ في الصدقات بالأقارب، ۱هـ. بحر: ۴/۲۴۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/۴/۶۰ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

پھوپھی زاد بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۵۰]: اگر زید نے اپنے پھوپھا اور پھوپھی کے انتقال ہو جانے کے بعد اپنی پھوپھی زاد بہن کو بطور پرورش اپنے مکان پر رکھ لیا ہو اور زید اپنی نابالغ بہن کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا چاہے تو بدیں صورت صحیح معنی میں ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

۲..... سوتیلی ماں کی طرف سے لڑکی کے حصہ کا روپیہ مل جانے کے بعد نابالغی یا بالغی ہر دو صورت میں لڑکی مذکور زکوٰۃ کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

مرسلہ: حاجی عنایت اللہ، از کھیڑہ افغان، ۱۹/جنوری/۴۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱..... اگر وہ مصرف زکوٰۃ ہے یعنی اس کی ملک بقدر نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۲)۔

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۲۵، باب المصروف، رشیدیہ)

وراجع للتفصیل عنوان: ”اقرباء کو زکوٰۃ دینا“۔

(۲) ”ویجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً“۔ (الفتاویٰ العالمکیریہ:

۱/۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۸، باب المصروف، رشیدیہ)

اور اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر وہ مصرف زکوٰۃ نہیں یعنی اس کی ملک بقدر نصاب ہے جو کہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے تو زکوٰۃ دینا درست نہیں (۱)، اس مسئلہ میں بالغ اور نابالغ سب کا ایک حکم ہے، نابالغ کا باپ اگر زندہ ہو اور وہ صاحبِ نصاب ہو تو ایسے نابالغ کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ربیع الثانی/۶۷۲ھ۔

اگر وہ لڑکی نابالغ و یتیم ہے تو زکوٰۃ دینا اس کو جائز ہے لیکن اس پر اول مال پر قبضہ کرنا ضروری ہے، محض اپنے گھر کھانا کھلانا کافی نہیں ہے، الا یہ کہ کھانا دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے (۳)۔

نمبر: ۲ میں جو ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حصہ میں کچھ روپیہ موجود ہے، اگر وہ بقدر نصاب اور جلد وصول ہو سکنے کی امید ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۱/ربیع الاول/۶۷۷ھ۔

(۱) ”الزکوٰۃ ہی تملیک مال مخصوص اھ۔ أخرج بالتملیک الإباحة، فلا تکفی فیہا، فلو أطعم یتیمًا نأویاً بہ الزکوٰۃ، لا تجزیہ، إلا إذا رفع إلیہ المطعوم، اھ۔“ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوٰۃ، ص: ۷۱۴، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الزکوٰۃ: ۱/۲۵۷، سعید)

(و کذا فی الدر المنتقى علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۸۴، بیروت)

(۲) ”(ولا إلی طفله): أي الغنی، فیصرف إلی البالغ ولو ذکراً صحیحاً، قہستانی، فأفاد أن المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً کان أو أنثى، فی عیال أبیہ أو لا، علی الأصح، لما أنه یعدّ غنیاً بغناه۔“ (رد المحتار: ۲/۳۴۹، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، امدادیہ)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، باب المصرف، غفاریہ)

(۳) ”تملیک، خرج الإباحة، فلو أطعم یتیمًا نأویاً الزکوٰۃ لا یجزیہ، إلا إذا دفع إلیہ المطعوم، کما لو کان بشرط أن یعقل إلا إذا حکم علیہ بنفقتهم۔“ (الدر المختار: ۲/۲۵۷، کتاب الزکوٰۃ، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۷۵، من توضع الزکوٰۃ فیہ، إدارة القرآن)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکوٰۃ، امدادیہ)

(۴) ”وفی الفتح: دفع إلی فقیرة لها مهر دین علی زوجها یبلغ نصاباً وهو موسر بحیث لو طلبت أعطایا =

دوا کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنا

سوال [۴۶۵۱]: زید گھر پر دوا فروخت کرتا ہے، عمر اور دوسرے لوگ دوا کے لئے آتے ہیں جو مستحق زکوٰۃ ہیں، تو کیا زید اُن کو دوا بہ نیتِ ادائیگی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی قیمت بالکل نہ لے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دے سکتا ہے، مگر ان پر ظاہر کر دے تو اچھا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی مد سے ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوٰۃ سے طبی امداد

سوال [۴۶۵۲]: دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف اس طبی امدادی فنڈ میں لگایا جاسکتا ہے

= لايجوز، وإن كان لا يعطى لو طلبت، جاز“۔ (رد المحتار: ۳۴۴/۲، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، سعید)

”ولو كان الدين على مقرّ ملي أو معسر تجب الزکوٰۃ لإمكان الوصول إليه ابتداءً أو بواسطة التحصيل“۔ (الهداية: ۱/۸۷، کتاب الزکوٰۃ، شرکت علمیه)
(۱) ”ويجزيه أن يعطى من الواجب جنساً آخر من المكيل والموزون أو العروض أو غير ذلك بقيمته. وهذا عندنا وقد بيّناه“۔ (کتاب المبسوط للسرخسی، کتاب الزکوٰۃ، باب العشر: ۲۷۰/۱، الجزء الثاني، غفاريه کوئٹہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ البقر: ۲۸۶/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال: ۳۹۶/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الزکوٰۃ، الفصل الثانی فی العروض: ۱/۱۷۹، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال: ۴۳۸/۱)

(سوال): زکوٰۃ کے روپے میں سے مستحق زکوٰۃ کو اگر کپڑے بنا کر دیئے جائیں تو جائز ہے یا نقد دینا ضروری ہے؟

(الجواب): زکوٰۃ کے روپے سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دیدیئے جائیں، تو یہ بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکوٰۃ، مسائل مصارف الزکوٰۃ، (سوال نمبر: ۳۱۵): ۱۹۶/۶،

مکتبہ امدادیہ ملتان)

یا نہیں؟ اس کا اشتہار یہ ہے:

طبی امدادی فنڈ: ہمارے شہر بھٹکل کی آبادی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور بیماریوں کی بھی کثرت ہو رہی ہے، ڈاکٹروں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے اور میونسپلٹی کی طرف سے کوئی انتظام نہیں ہے، بعض مسلمان ڈاکٹر غریب اور مزدوروں پر رحم کھا کر یا تو ادھار دوا دے دیتے ہیں یا ان پر مہربانی کرتے ہیں، مگر ہمارے شہر میں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے جہاں پر غریب عوام بیماری میں دوا دارو کے لئے کچھ اعانت طلب کر سکیں۔ بعض ایسے مریضوں کو بھی دیکھا گیا ہے جن کو ڈاکٹری مشورے کے مطابق بھٹکل سے باہر جا کر علاج کرنا چاہیے مگر بغیر خرچ اور دوسرے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے گھٹتے رہتے ہیں۔

مجلس اصلاح و تنظیم نے اس سلسلے میں بہت غور کیا اور ایک مرتبہ ڈاکٹروں کو بلا کر مشورے بھی کئے، آخر ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ مجلس کے زیر اہتمام ایک طبی امدادی فنڈ قائم کیا جائے تاکہ قوم کے امیر لوگ تعاون کر کے مجبور اور غریب مریضوں کو کچھ سہارا دے سکیں، ابھی ہم لوگوں کو اور بھی ضرورت ہے تاکہ اپنی عورتوں کی پریشانیوں کا کچھ مددوا کر سکیں۔

۱- اس فنڈ سے غریب مریضوں کو ان کی دوا دارو کے لئے ان کی مدد کی جائے گی۔

۲- مریضوں کے لئے ضروری چیزیں خرید کر رکھی جائیں گی اور ضرورت پر ان کو استعمال کے لئے دی جائیں گی۔

۳- غریب مریض کے لئے ڈاکٹروں کے دیئے ہوئے مشورے پر عمل کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

۴- امکان میں ہو تو مسلمان ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر کے غریبوں کے لئے خیراتی دوا خانہ کی صورت پیدا کی جائے گی۔ یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہے جب ہمارے طبی امدادی فنڈ میں دل کھول کر اپنا عطیہ عطا کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوائیں بنا کر جن کی قیمت مقدار واجب (زکوٰۃ) ہو، غرباء و مستحقین کو تملیکاً دیدی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہی حکم صدقۃ الفطر اور قیمتِ چرم قربانی کا ہے (۱)۔ ہسپتال میں مستحق اور غیر مستحق دونوں قسم کے

(۱) ”ویشترط أن يكون الصرف تمليکاً لإباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد..... إن =

آدمی آتے ہیں، دوا بھی اکثر اوقات تملیکاً نہیں دی جاتی، ان دونوں باتوں کی رعایت اگر کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہونے میں تردد نہیں رہے گا۔ اگر ہسپتال میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا گیا اور اس سے ذمہ داروں نے دوا منگانے، بنوانے کی مزدوری دی تو اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، غرض ادائے واجب کے لئے معاملہ کی پوری تفتیش لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔
تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال [۲۶۵۳]: زکوٰۃ کی رقم تبلیغی جماعت کے افراد پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہنا کہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف تبلیغی جماعت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مصرف زکوٰۃ ہیں تو ان پر صرف کرنا درست ہے (۱)، لیکن مصرف صحیح کو ان میں منحصر کرنا صحیح نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء، الخ (الدر المختار). ”(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه.“ (رد المحتار: ۳۶۴/۲، باب المصروف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰ باب المصروف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في المحيط البرهانی: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضیح الزکاة فيه، غفاريه)

(۱) ”هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير، غير هاشمي، ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن المملک من كل وجه لله تعالى“ (الدر المختار: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، كتاب الزکوة، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۱۷۷، كتاب الزکوة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزکوة، رشيدية)

(۲) ”أما قوله تعالى: ﴿و في سبيل الله﴾ [التوبة: ۶۰] عبارة عن جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى =

نادار طلبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۵۴]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحب نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہو گیا ہے وہ ادا کر دو اور وہ مجبوری ظاہر کرے اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر دیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں، لاچاروں و تنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کر دیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مد زکوٰۃ سے قاعدہ، پارہ تملیکاً دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا نا سمجھ نہ ہو (۱)۔

مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= فی طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً“ (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۱، فصل فی الذی یرجع إلی المؤدی، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۱، باب المصرف، امدادیہ)

(۱) ”فی التملیک إشارة إلی أنه لا یصرف إلی مجنون وصبی غیر مراقق..... ویصرف إلی مراقق یعقل =

نادار طلبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۵۵]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے، اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہو گیا ہے وہ ادا کر دو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر اگر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر دیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو، تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں، یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں لاچاروں و تنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کر دیں۔ تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مد زکوٰۃ سے قاعدہ پارہ تملیک دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو، بالکل چھوٹا نا سمجھ نہ ہو (۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ

= الأخذ. (رد المحتار: ۲/۳۴۴، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۰ الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۱) ”(الزکوٰۃ: ہی تملیک) خرج الإباحة، فلو أطعم یتیمًا ناویاً الزکاة، لا یجزیه، إلا إذا دفع إلیه

المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض، اهـ.“ (الدرمختار). ”(قوله: خرج الإباحة): أي فلا تكفي

فيها..... (قوله: إذا دفع الخ) مقيّد بما إذا لم يكن أبوه غنياً؛ لأنه يعدّ غنياً لغنى أبيه..... ومنه علم

أنه لا يشترط في المدفوع إلیه البلوغ بل ولا العقل؛ لأنّ تمليك الصبي صحيح، لكن إن لم يكن عاقلاً

فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله، قريباً أو أجنبياً أو الملتقط. وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر،

و كذا قبضه بنفسه، اهـ.“

آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۹۲ھ۔

حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۵۶]: کسی شخص کی ایک لڑکی ہے جس کی شادی ہو گئی ہے تو اب اس لڑکی پر اپنے ماں باپ کا نفقہ تو واجب ہے نہیں تو لڑکی اپنے باپ یا ماں کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے جبکہ اس کے ماں باپ محتاج ہوں؟ اگر زکوٰۃ نہیں دے سکتی تو کیا اس لڑکی کے ذمہ امداد واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے (۱) اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کا نفقہ بھی واجب ہے، صلہ رحمی کے طور پر بھی امداد کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکوٰۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۲۲۳، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۸۸، دارالمعرفۃ، بیروت)

(۱) ”ولا یدفع المزکی زکاة مالہ الی أبیہ وجدہ وإن علا“۔ (الہدایۃ: ۱/۲۰۶، باب من یجوز دفع الصدقۃ إلیہ ومن لا یجوز، شرکتہ علمیۃ ملتان)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”فلا تدفع الزکاة إلی الوالدین وإن علوا..... لأن نفقتہم واجبة علی المزکی، الخ“۔ (الفقہ

الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزکاة، رشیدیہ)

البتہ صدقات نافلہ والدین کو دینا جائز ہے:

والد اور سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۵]: ایک صاحب نصاب ہے وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتا ہے، والد اس کے ضعیف ہیں اور روزگار کچھ نہیں ہے، والد صاحب کے دوسری بیوی سے ۶، ۷ بچے ہیں جن میں سے صرف ایک بالغ ہے وہ بھی جاہل اور بے روزگار ہے، ذریعہ آمدنی کچھ نہیں۔ کیا ایسی صورت میں بیٹا والدین کو یعنی والد اور سوتیلی ماں کو جو کہ سادات سے نہیں اگرچہ والد سید ہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ زکوٰۃ کے علاوہ جو پیسہ بمذخیرات اپنی کمائی میں سے نکالتا ہے وہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کو زکوٰۃ دینا تو کسی حال میں درست نہیں (۱)، سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جب کہ وہ مصرف زکوٰۃ ہو یعنی صاحب نصاب اور سید نہ ہو درست ہے (۲)۔ خیرات غیر واجبہ دونوں (والدین) کو دینا جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= ”وأما صدقة التطوع: فيجوز دفعها إلى هؤلاء والدفع إليهم أولى؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة وأجر الصلة، الخ“۔ (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۴، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیہ، غفاریہ)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۷۳، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا“۔)

(۲) ”ويجوز دفعها لزوجته أبيه وابنه وزوج ابنته، الخ“۔ (رد المحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(و کذا فی التاتارخانیہ: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفقہ الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزکاة، رشیدیہ)

(۳) ”فلا تدفع الزکاة إلى الوالدين وإن علوا..... لأن نفقتهم واجبة على المزكى، الخ“۔ (الفقہ

الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزکاة، رشیدیہ) =

جن اقرباء وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال [۴۶۵۸]: زکوٰۃ جن لوگوں کو نہ دی جائے ان کے نام تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”اصول“ ماں: باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، وغیرہ۔ ”فروع“: بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔ ”زوجین“: شوہر بیوی، ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہ دی جائے (۱)، بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، سادات کرام کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے، نیز صاحب نصاب کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۹۲ھ۔

سادات کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۵۹]: سیدوں کو زکوٰۃ، عشر، صدقات واجبہ مثل فطرہ، نذر و نیاز دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں:

”ولا إلى بنی ہاشم، و جازت التطوعات من الصدقات، الخ“۔ ”قید بها لیخرج بقیة الواجبات كالنذر والعشر والكفارات“۔ درمختار، شامی (۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= البتہ صدقات نافلہ والدین کو دینا جائز ہے:

”وأما صدقة التطوع: فيجوز دفعها إلى هؤلاء والدفع إليهم أولى؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ“۔ (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۴، فصل فی الذی یرجع إلی المؤدی إلیہ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)
(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیہ، غفرایہ)
(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۷۳، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)
(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”مصارف زکوٰۃ“۔)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعيد) =

سید کوزکوة دینا

سوال [۴۶۶۰]: سید کوزکوة دینی ناجائز ہے جبکہ آج کل ہندوستان بھر میں کہیں بھی بیت المال کا سلسلہ نہیں تو ان کی امداد کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ بیچارے کہاں جاویں، کیا وہ اس صورت میں زکوة کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اغنیاء کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنا چاہیئے، زکوة تو میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے ارفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے:

”ولا تدفع إلى بنی ہاشم لقوله عليه السلام: ”یا بنی ہاشم! إن الله قد حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم، ۱ھ“۔ ہدایہ: ۱/۱۸۶ (۱)۔

قال فی البحر: ”أطلق الحكم فی بنی ہاشم، ولم یقید بزمان ولا بشخص للإشارة إلى

= ”ولا یدفع إلى بنی ہاشم، وهم ال علی، وال عباس، وال جعفر، وال عقیل، وال الحارث بن عبدالمطلب..... هذا فی الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارات، فأما التطوع، فیجوز الصرف إلیهم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی إعلاء السنن: ۹/۹۳، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲، فصل: الذی یرجع إلى المؤدی إلیه، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۹، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح: ۴/۲۳۵، باب من لا تحل له الصدقات، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰، باب بیان أحكام المصروف، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۵، باب المصروف، امدادیہ)

(۱) (الهدایہ: ۱/۲۰۶، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ولا یجوز، شرکت علمیہ) =

الرد علی روایة أبی عصمة عن الإمام أنه يجوز إلى بنی هاشم فی زمانه، ولإشارة إلى الرد علی روایة أنه يجوز للهاشمی أن يدفع زکوته إلى مثله؛ لأن ظاهر الروایة المنع مطلقاً، ۱ھ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/۱۰/۵۶ھ۔

سید کوزکوة دینا

سوال [۴۶۶۱]: ۱..... اس زمانہ میں سیدوں کوزکوة دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲..... کیا حضرت امام ابو جعفر و امام فخر الدین رازی نے اپنے زمانوں میں سیدوں کوزکوة دینی جائز کر دی تھی یا نہیں؟ شرح ترمذی میں کہیں لکھا ہے یا نہیں؟

۳..... کیا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی روایت شامی و فتح القدیر میں سیدوں کوزکوة دینے کے جواز میں ہے یا نہیں؟

۴..... ”من لم یکن عالمًا بعرف زمانه فهو جاهل“، یہ کوئی فقہ حنفیہ میں بنیادی یا اصولی مسئلہ ہے، زمانہ حال کے بموجب ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مجتہد یا مفتی بعض احکام میں رد و بدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے قبل مجتہدوں و مفتیوں نے کچھ احکام میں رد و بدل کیا ہے؟

۵..... اگر کسی شخص نے بعض مفتی علماء کے کہنے پر سیدوں کوزکوة دیدی اور کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ سیدوں کوزکوة دینی جائز نہیں تو وہ دی ہوئی زکوة کو دوبارہ دے یا نہ دے اگر نہ دے، تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے علماء جیسے مولانا انور شاہ صاحب، حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب و دیگر علماء: مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب دیوبندی ندوۃ المصنفین، مولوی محمد معصوم صاحب، مولوی عبد الغفور صاحب مدنی جیسے حضرات نے سیدوں کوزکوة دینی جائز فرمائی تو اس کو دی ہوئی زکوة کو لوٹانا واجب ہے یا

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۱ باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۳۵۰ باب المصرف، سعید)

نہیں؟ اگر نہ لوٹائے تو بتائیے گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

۶..... بہشتی زیور (۱) میں یہ مسئلہ ہے کہ ”ایک شخص کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی تھی، پھر معلوم ہوا کہ وہ مالدار ہے یا سید ہے، یا اندھیری رات میں کسی کو دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو میری ماں یا میری لڑکی تھی یا اور کوئی رشتہ دار تھا جس کو زکوٰۃ دیدی جس کو دینا درست نہ تھا، ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی، دوبارہ ادا کرنا واجب نہیں۔ اگر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے وہ کافر ہے تو زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔ درمختار: ۱۰۸/۲ (۲)، ہدایہ: ۱۸۹/۱ (۳)۔

المستفتی: حافظ محمد سعید (دہلی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں: ”أوهاشمی: أي لا يجوز دفعها إلى بني هاشم لقوله عليه السلام: ”إن هذه الصدقات إنما أوساخ الناس، وإنها لا تحل، لمحمد ولآل محمد“. رواه مسلم. وقال عليه الصلوة والسلام: ”نحن أهل بيت، لا تحل لنا الصدقة“. رواه البخاری. ۱۰ھ“ زیلعی: ۳۰۳ (۴)۔

۲..... جی ہاں ”عقد الجید“ سے نقل کیا ہے (۵) لیکن ابو جعفرؒ نے ”شرح معانی الآثار“ میں تین ورق

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، ص: ۲۴۹، کتاب الزکوٰۃ، جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ان کا بیان، المكتبة المدیة، لاہور)

(۲) ”دفع بتحر لمن یظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربی ولو مستأمناً أعادها“. (الدر المختار: ۳۵۲/۲، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، سعید)

”والحق المنع فقد قال فی غایة البیان مغریاً إلى التحفة: ”وأجمعوا أنه إذا اظهر أنه حربی ولو مستأمناً لا یجوز“. (البحر الرائق: ۴۳۲/۲، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، رشیدیہ)

(۳) (الهدایة: ۲۰۷/۱، کتاب الزکوٰۃ، باب من یجوز دفع الصدقات إليه ومن لا یجوز، شركة علمية، ملتان)

(۴) (تبیین الحقائق: ۱۲۶/۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۵) ”باب کراهیة الصدقة للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأهل بيته ومواليه المسئلة متفق علیها الخ. وأما النافلة ففيها اختلاف، قال الزیلعی شارح الكنز: إنها لا یجوز للهاشمی، وتبعه ابن الهمام، وأما غیره =

کے قریب بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے ناجائز ہونے پر تحریر فرمائے ہیں (۱) اور اسی شرح ترمذی میں ہے، ص: ۲۹۲ ”باب کراهة الصدقة للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأهل بيته ومواليه، المسئلة متفق عليها“ (۲) اور امام رازی شافعی المذهب ہیں (۳)۔

۳.....فتح القدير (۴) اور شامی (۵) وغیرہ میں ابو عصمة کی روایت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز کی نقل کی ہے جو کہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے (۶)۔

۴.....اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کا مدار عرف پر ہوتا ہے وہ عرف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، لہذا مفتی کو عرف کا پہچانا ضروری ہے تاکہ اس کے موافق خود عمل کرے اور دوسروں کو بتلائے، اگر عرف کو نہیں پہچانے گا تو غلطی کا احتمال زیادہ ہے، اس کی نظیریں زمانہ گذشتہ اور موجودہ میں بکثرت موجود ہیں (۷)۔

= فيجوز هالہاھ۔“

”وفى عقد الجيد: أفتى الطحاوى من الحنفية وفخر الدين الرازى من الشافعية بجواز الزكاة للهاشمى فى هذه الصورة، وأما النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، فلا تجوز له النافلة أيضاً“۔ (العرف الشدى على هامش الترمذى، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۳۳، سعيد)

(۱) (شرح معانى الآثار، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بنى هاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية رقمها: ۱)

(۳) (راجع، ص: ۵۵۴، رقم الحاشية: ۵)

(۴) (فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و كذا فى التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۵) (رد المحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(۶) ”ولا يدفع إلى بنى هاشم“۔ هذا ظاهر الرواية وروى أبو عصمة عن أبي حنيفة أنه يجوز فى هذا

الزمان“۔ (فتح القدير: ۲/۲۷۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى

الباى الحلبي، مصر)

(۷) ”واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه فى مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا فى

الأصول، فى باب ما ترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة، هكذا ذكر

فخر الإسلام“۔ (رسائل ابن عابدين: ۲/۱۱۳، سهيل اكيڈمى) =

۶، ۵..... میں نے ان علماء کی کوئی تحریر اس مسئلہ میں ایسی نہیں دیکھی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سید کو زکوٰۃ

دینی جائز ہے، بلکہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی عبارت جواب نمبر: ۲ میں منقول ہے، تاہم اگر کسی ناواقف نے ان حضرات سے فتویٰ لے کر سید کو زکوٰۃ دی ہے اور اس کا یہی اعتقاد ہے کہ ان حضرات نے صحیح بتایا ہے تو اس کے ذمہ اس زکوٰۃ کا اعادہ ضروری نہیں۔ رہا ان حضرات کا گناہ گار ہونا نہ ہونا تو یہ سائل کا سوال بے محل ہے، سائل کو اس سے کچھ غرض نہیں، یہ حضرات اپنے علم کے مطابق جو کچھ فتویٰ دیتے ہیں اپنی ذمہ داری پر دیتے ہیں۔ نمبر: ۵ کا حکم مستقلاً معلوم ہو گیا، اس مسئلہ کو نمبر: ۶ والے مسئلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ نمبر: ۶ میں مسئلہ کا علم صحیح طور پر حاصل ہے، غلطی جو کچھ ہوئی وہ عمل میں ہوئی اور وہ تحری کے بعد عملی غلطی شرعاً معاف ہے اور نمبر: ۵ میں علم و اعتقاد ہی غلط ہے اور عمل جو کچھ کیا ہے اعتقاد کے مطابق کیا ہے اور اعتقاد ہی غلطی، نیز ایسی غلطی جو کہ اعتقاد ہی غلطی پر مرتب ہو شرعاً معاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتمم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سید کی زکوٰۃ سید کو دینا

سوال [۴۶۶۲]: کیا سید مالدار اپنے غریب مسکین رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر

سید طالب علم سفر میں ہو تو کیا زکوٰۃ کے مال سے کچھ کھاپی سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نا جائز ہے یہی صحیح اور صواب ہے: ”ولا ىلٰى بنى هاشم، ظاهر المذهب إطلاق المنع، وقول

= (و كذا فى الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۸، القاعدة السادسة العادة محكمة، إدارة القرآن كراچی)

نوٹ: بعینہ یہی سوال کفایۃ المفتی میں موجود ہے، مزید برآں جواز کے فتویٰ دینے والے علماء کرام کے فتاویٰ بھی

موجود ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: (کفایۃ المفتی: ۴/۲۷۱، مصارف زکوٰۃ، دارالاشاعت)

العینی: ”والهاشمی يجوز دفع زكوته لمثله“. صوابه: ”لا يجوز، نهر“ ۱ھ. درمختار:
۱۰۱/۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

زکوٰۃ سے سید کا قرض ادا کرنا

سوال [۴۶۶۳]: زید جو نبأ سید ہے اور عمر کا مقروض ہے، بکر صاحب نصاب ہے، وہ اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے زید کا قرض ادا کر دے اس طرح سے کہ زکوٰۃ کا روپیہ عمر کو دیدے اور زید کو اس کی خبر کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض تو ادا ہو جائے گا مگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

(۱) (الدر المختار: ۳۵۰/۲، باب المصرف، سعید)

”وإطلاقه يفيد أنه لا فرق بين دفع غيرهم لهم ودفعهم بعضهم بعضاً، وجوز الثاني دفع بعضهم لبعض، وهو رواية عن الإمام، وقول العيني: ”والهاشمی يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمی مثله عند أبي حنيفة خلافاً لأبي يوسف“، صوابه: ”لا يجوز“۔ (النهر الفائق: ۴۶۶/۱، باب المصرف، امداديه)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۳۱/۱، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)
(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى الباي الحلبي، مصر)

(۲) ”وجازت التطوعات من الصدقات والأوقاف لهم أي لبني هاشم، سواء سماهم الواقف أولاً على ما هو الحق كما حققه في الفتح لكن في السراج وغيره إن سماهم جاز، وإلا لا“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۵۱/۲، سعید)

”ولا يدفع إلى بني هاشم وهم: آل علي وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل الحارث بن عبد المطلب..... هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارات، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم“۔ (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه) =

سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۶۴]: کیا اس زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ انگریزی تعلیم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابوعصمہ کی روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ ”بیت المال سے حصہ (خمس الخمس) نہ ملنے کی وجہ سے بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ درست ہے کذا فی الدر مختار: ۱/۹۱ (۱)۔ امام طحاوی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، کذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۹۳ (۲)، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ درست نہیں (۳)۔ اگر

= (و کذا فی إعلاء السنن: ۹/۹۳، باب من يجوز دفع الصدقات إليه، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲ فصل الذی یرجع الی المؤدی الیه، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی

الحلبی مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۹، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح: ۴/۲۳۵، باب لا تحل له الصدقات، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰، باب بیان أحكام المصرف، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، امدادیہ)

(۱) ”وروی أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس

الخمس لم يصل إليهم“۔ (ردالمحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعید)

(۲) ”واختار الطحاوی دفعها لبني هاشم، وكذا روى أبو عصمة عن الإمام: يجوز، الخ“۔ (حاشیة

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصرف، قدیمی)

(۳) ”ولا يدع إلى بني هاشم“ هذا ظاهر الرواية“۔ (فتح القدير: ۲/۲۷۲، كتاب الزکوة، باب من يجوز

دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

مستحق کو تملیک کر دیجائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگرچہ وہ انگریزی پڑھتا ہو لیکن دیندار کو دینا افضل ہے (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سادات کو بینک کا سود اور زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۶۵]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں

دریافت طلب ہیں:

سوال یہ تھا کہ بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے؟ ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، سادات اور دینی مدارس کے طلبہ کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء، بنانا بالکل درست نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بینک جو سود دیتا ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے یعنی بینک کا سود سود ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے، اگر بینک کا سود حرام ہے بلکہ اشد فی الحرمة ہے تو سادات اور علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

(۱) ”وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو أصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين أو إلى طالب علم. وفي المعراج: التصديق على العالم الفقير أفضل، الخ“. (الدر المختار: ۳۳۹/۲، ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۴۳۶/۲ باب المصرف، رشيدية)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۳۳۰/۱، باب بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنص قطعی ہے، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اس لئے وہ حرام ہے، بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلاف اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا ضرر ظاہر ہے، اس ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کر لیا جائے پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو اس کو دے دیا جائے، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ ان کے گزارے کی کوئی صورت نہ ہو وہ اس کے مستحق ہیں (۱)۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے اس لئے ان کو زکوٰۃ و صدقات واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گزارے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی اور شافعیہ میں سے امام رازی نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زبرد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ اہون ہے، اگرچہ یہ قول ظاہر الروایت نہیں ہے اور عامۃً اس کو فتوے کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا نور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ ”فیض الباری“ (۲) اور ”العرف الشذی (۳)“ میں

(۱) ”لومات الرجل وکسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصديق إذا تعذر الرد على صاحبه“۔ (رد المحتار: ۳۸۵/۶، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۳۴۹/۵، الباب الخامس فی الکسب من الکراہیہ، رشیدیہ)

(و کذا فی کفاۃ المفتی: ۷۶/۸، کتاب الربو، دار الإشاعت کراچی)

(و کذا فی أحسن الفتاوی: ۱۸/۷، باب الربو، سعید)

(۲) ”قلت: وأخذ الزکاة عندی أسهل من السؤال، فأفتی به أيضاً“۔ (فیض الباری: ۵۲/۳، باب ما یدکر

فی الصدقة للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم وآله، خضر راہ بک ڈپو، دیوبند)

(۳) (العرف الشذی علی هامش جامع الترمذی: ۱۴۳/۱، باب کراہیہ الصدقة للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم)

منقول ہے۔ تاہم جہاں تک ہو سکے سادات کرام کو اس سے بچانا اعلیٰ و افضل ہے اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔ اسکول کی تعمیر اور پیشاب پاخانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دیدیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے جہاں چاہے خرچ کرے۔ سابقہ فتویٰ نمبر: ۵۰۵۴، ۲۵/۱۱/۹۲ھ میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحب نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا

سوال [۲۶۶۶]: زید صاحب نصاب کسی مجبوری کی وجہ سے مدرسہ کا کھانا کھائے یہ نیت کر کے کہ میں بعد میں کسی لڑکے کو پڑھا دوں گا اتنے سال جتنے کہ میں پڑھا ہوں۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بیـنوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مستحق باوجود نیت مسئلہ کے کھانا زکوٰۃ وغیرہ نہ کھائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

زکوٰۃ کی کتابیں صاحب نصاب کو دینا

سوال [۲۶۶۷]: کسی صاحب نصاب نے اپنے زکوٰۃ کے روپیہ سے کتب خرید کر دوسرے عالم

= علیہ وسلم وأهل بيته ومواليه، سعيد)

(وشرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقة علی بنی ہاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعید)

(۱) "ولا إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان، الخ". (الدر المختار:

۲/۳۴۷، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزکوٰۃ فیہ، مکتبہ غفاریہ)

صاحب نصاب کو ہبہ کر دیں، کیا صاحب نصاب عالم کے لئے ایسی کتب لینا درست ہے، نیز ایسی صورت میں مزکی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کا مصرف وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو، لہذا صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوئی (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۹ھ۔

زکوٰۃ جمعیتہ علمائے اسلام کو دینا

سوال [۴۶۶۸]: زکوٰۃ کی رقم جمعیتہ علمائے اسلام کے فنڈ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ غرباء و مساکین پر بطور تملیک صرف کریں تو اس کو دینا درست ہے ورنہ نہیں، مالک اگر خود کسی غریب کو دے دے اور وہ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد از خود جمعیتہ مذکورہ کو دے دے تو درست ہے (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

(۱) ”ولا إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان، الخ“۔ (الدر المختار: ۳۴۷/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزکوٰۃ فیہ، مکتبہ غفاریہ)

(۲) ”لا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد؛ لأن التملك شرط فیہا، ولم يوجد، كذا لا يبنى بها القناطير والسقايات..... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء، فيحصل له ثواب الصدقة، ويحصل للفقير ثواب هذه القرب“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی الهدایہ: ۱/۲۰۴، باب من يجوز دفع الصدقات إلیہ ومن لا يجوز، شركة علمیه ملتان)

(و کذا فی التاتار خانیہ: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیہ، غفاریہ کوئٹہ)

دارالحرب میں حربی کوزکوة وصدقہ

سوال [۴۶۶۹]: ہندوستان اس وقت دارالحرب ہے یا کیا ہے؟ نیز ہندو حربی ہیں یا کیا ہیں؟ اور بہر صورت ہندو کو صدقہ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق دیر سے اختلاف چلا آ رہا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی نے دارالحرب قرار دیا ہے، یہی رائے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کی ہے اور اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں اور یہاں کے جملہ کفار کو حربی فرماتے ہیں، کذافی الفتاویٰ الرشیدیہ، ج ۳ (۱)۔

دارالحرب کے متعلق تین قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

”وہمیس قول ثالث را محققین ترجیح داده اند، و بریں تقدیر معمولہ انگریز و اشباہ ایشان بلاشبہ دار الحرب است، اھ۔“ فتاویٰ عزیزیہ: ۱/۱۶ (۲)۔

”و در کافی می نویسد ”إن المراد بدار الإسلام بلادٌ یجری فیہا حکم إمام المسلمین، وتكون تحت قهره، وبلاد الحرب بلاد یجری فیہا أمر عظیمہا، وتكون تحت قهره، انتھی۔“

”دریں شہر (دہلی) حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، و حکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است، و مراد از اجرائے احکام کفر این است کہ در مقدمہ ملک داری، و بندوبست رعایا و اخذ خراج و باج و عشور، اموال تجارت، و سیاست قطاع الطريق و سراق، و فصل خصومات، و سزاء جنایات کفار بطور خود حاکم باشند آری، اگر بعضی احکام اسلام را مثل جمعہ و عیدین و اذان و ذبح بقر تعرض نکنند نکرده

(۱) (تالیفات رشیدیہ: ص: ۶۵۴ ”فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب والإسلام“، ادارہ اسلامیات، لاہور)

(۲) (فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۱۱۱، سودگرفتن از انگریزاں، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند یو پی)

باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزد ایشان ہدر است، زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم می نمایند، و هیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشان دریں شهر و درنواح آن نمی تواند آمد، برائے منفعت خود از واردین مسافرین و تجار مخالفت نمی نمایند، اعیان دیگر مثل شجاع الملک و ولایتی بیگم بغیر حکم ایشان دریں بلاد داخل نمی توانند شد، و ازیں شهر کلکتہ عمل نصاری ممتداست آری در چپ و راست مثل حیدرآباد، لکھنؤ و رام پور احکام خود جاری نکرده اند بسبب مصالح و اطاعت آن ملک، اھ۔ فتاویٰ عزیزہ: ۱/۱۷۱ (۱)۔

بعض علماء نے دارالاسلام فرمایا ہے جیسے مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲)۔ یہاں کے ہنود کو حربی ماننے کی صورت میں (جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے) صدقۃ الفطر دینے کی گنجائش نہیں اور ان کا ذمی نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، ذمی کے متعلق بھی امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اس کو دینا درست نہیں، درمختار نے حاوی قدسی سے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے قول طرفین کو ترجیح دی ہے:

”ولا تدفع (الزکاة) إلى ذمی، و جاز دفع غیرها و غیر العشر و الخراج إلیہ: أي الذمی ولو واجباً، کنذر و کفارة و فطرة، خلافاً للثانی، و بقوله یفتی، حاوی القدسی. و أما الحربی فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقاً، بحر عن العنابة و غیرها، ۱ھ۔ درمختار۔

”(قوله: و بقوله یفتی) الذی فی حاشیة البحر عن الحاوی و بقوله نأخذ، قلت: لکن کلام الهدایة و غیرها یفید ترجیح قولہما، و علیہ المتون، ۱ھ۔ شامی: ۲/۹۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (فتاویٰ عزیز (فارسی): ۱/۳۰، مسئلہ دار الحرب شدن دارالاسلام، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند یو پی)

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ (اردو): ۱/۲۳۷، سعید)

(۳) (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف دارالکتب العلمیہ، بیروت) =

حررہ العبد محمود گنگوی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/ رمضان/ ۶۶ھ۔

ابھی ہندوستان کے سابقہ حالات میں کوئی خصوصی تغیر نہیں ہوا ہے، نہ ابھی مکمل آزادی حاصل ہوئی ہے، اس لئے سابقہ ہی احکام ہیں، ہاں آئندہ آزادی ملنے پر دستورِ جدید کی رو سے ممکن ہے کوئی تغیر پیدا ہو جائے۔ فقط۔

سید احمد غفرلہ، ۱۵/ رمضان/ ۶۶ھ۔

زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا

سوال [۴۶۷۰]: زکوٰۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/۱۰۰ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے، اسی طرح صدقہ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

ترجمہ سوال: ”اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے اور اسی تقدیر پر بلاشبہ انگریز کا زیر تسلط علاقہ دار الحرب ہے، اھ۔“ (فتاویٰ عزیز: ۱/ ۱۶)

”کافی میں لکھا ہے کہ دارالاسلام سے مراد وہ شہر ہیں جن میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور اس کے قبضہ و تسلط میں ہوں اور دار الحرب سے مراد وہ شہر ہیں جن میں ان کے بڑے (سردار کفار) کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہوں انتہی۔“

”اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے اور احکام کفر کے جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بند و بست کے مقدمات ٹیکس اور اموال تجارت سے وصول کرنے، چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزا دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگرچہ بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ، عیدین، اذان، گائے ذبح کرنے سے تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان سے امن طلب کئے بغیر اس شہر (دہلی) اور اس کے اطراف میں داخل نہیں ہو سکتا، اپنی منفعت کی خاطر آنے والوں سے، مسافروں سے، تاجروں سے تعرض نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً: شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کے حکم کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً: حیدر آباد، لکھنؤ، رام پور میں احکام اس ملک کی اطاعت و مصالحت کی بناء پر جاری نہیں کئے۔“

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ دینا ہندو کو ناجائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: ”لا يجوز دفع الزکوٰۃ إلى ذمی، وصح دفع غیر الزکاة من الصدقات: أي الذمی کصدقۃ الفطر“۔ زیلعی: ۱/۳۰۰ (۱)۔

مگر احتیاط یہ ہے کہ صدقۃ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۹/۱۱/۸۵ھ۔

حج کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۴۶۷۱]: اگر کوئی حج کو جا رہا ہے اور اس کے پاس پیسہ کم پڑ جائے تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس خرچ کم ہو اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں (۳)، لیکن اگر پیسہ پورا تھا اور چلا گیا مگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا کہ روپیہ ضائع ہو گیا اور مکان سے منگانے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو وہاں

(۱) (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصروف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

”ولا تدفع إلى ذمی لحديث معاذ رضى الله تعالى عنه، و جاز دفع غيرها و غیر العشر و الخراج إليه أي الذمی ولو واجباً کنذر و کفارة و فطرة، خلافاً للثانی، و بقوله یفتی“۔ (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، مکتبہ رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصروف، امدادیہ)

(۲) (الدر المختار، المصدر السابق)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”صاحب نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا“۔)

زکوٰۃ کا پیسہ بقدر ضرورت لے لینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۹ھ۔

زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا

سوال [۴۶۷۲]: مسمیٰ رحمت اللہ کا انتقال ہوا جو بالکل مفلس تھا، مسمیٰ احمد حسن نے کفن دیا اور میت کی کہ زکوٰۃ دے رہا ہوں یہ زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ یہ پوچھنا ہے کہ زکوٰۃ کا وقت ابھی نہ تھا یعنی رمضان میں زکوٰۃ واجب ہوتی اور حسن نے میت کی کہ آئندہ زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، نہ گذشتہ نہ آئندہ، ادائے زکوٰۃ کے لئے مسرف کو مالک بنانا ضروری ہے اور میت میں مالک بننے کی اہلیت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زکوٰۃ فطرہ سے کفن میت

سوال [۴۶۷۳]: بیت المال میں جو زکوٰۃ فطرہ کی رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے کسی غریب میت کے کفن، فتن کے لئے خرچ کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۱) ”(وفی سبیل اللہ)، وهو منقطع الغزاة، وقيل: الحاج“. (الدر المختار). ”أی منقطع الحاج، قال

فی المغرب: الحاج كالسامر بمعنى السمار فی قوله تعالى: ﴿سَامِرًا تَهْجُرُونَ﴾. وهذا قول محمد،

الخ“. (ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۳۴۳/۲، باب المصرف، سعید)

(و كذا فی تبيين الحقائق: ۱۱۶/۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و كذا فی المحيط البرهانی: ۴۳۱/۲، باب المصرف، غفاریہ)

(۲) ”(ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه) لعدم صحة التملك منه، الخ“. (الدر المختار مع

ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱۸۸/۱، الباب السابع فی المصارف، سعید)

(و كذا فی فتح القدير: ۲۶۷/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی

الحلبی مصر) =

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقم فطرہ وزکوۃ براہ راست میت کے کفن و دفن میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں (۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

رفاہ عام کے کام میں زکوۃ صرف کرنا

سوال [۴۶۷۴]: زکوۃ کی رقم رفاه عام کے کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جیسے کنواں بنا

دینا، کاروان سرائے، طلباء کے رہنے کے لئے کمرہ وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم مواقع مذکورہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوۃ دے دی جائے اور پھر وہ

مواقع مذکورہ میں اپنی خوشی سے بعد قبضہ کے دیدے تو صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

= (و کذا فی التاتار خانیۃ: ۲/۲۷۷، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ”(ولا إلى کفن میت وقضاء دینہ) لعدم صحة التملیک منه، الخ“۔ (الدر المختار، باب المصروف:

۳۴۴/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۸۸، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، باب من يجوز دفع الصدقات إلیہ، مصطفى البابی الحلبي، مصر)

(و کذا فی التاتار خانیۃ، باب من توضع الزکاة فیہ: ۲/۲۷۷، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”ویشترط أن يكون المصروف تملیکاً لا إباحةً كما مر، لا یصرف إلی بناء نحو مسجد..... إن

الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء، الخ“۔ (الدر المختار) =

قبرستان کے مقدمہ میں زکوٰۃ لگانا

سوال [۴۶۷۵]: حضرت مفتی صاحب! ضروری گزارش ہے کہ قبرستان پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا ہے جس پر مقدمہ چل رہا ہے، چندہ ہو رہا ہے، مگر بعض حضرات زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں تو مقدمہ کے اخراجات میں زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کے مقدمہ میں خرچ کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں، کسی مستحق کو دیدی جائے وہ مالکانہ قبضہ کے بعد اگر دیدے تو یہاں بھی خرچ کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

قتل کے مقدمہ میں زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۷۶]: ایک مسلمان نے کسی کو عداً قتل کر دیا اور اس کو پھانسی کا حکم ہو گیا اس کے بھائی چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے اس کی اپیل کریں اور پھانسی سے بچالیں تو قاتل کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ اس روپیہ پر قبضہ کر کے اپنے مقدمہ میں خرچ کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲) اگر زکوٰۃ کا روپیہ اس کو نہ دیا جائے بلکہ برادری جمع کر کے اس کے

= ”(قوله: نحو مسجد) کبناء القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکری الأنهار، والحج،

والجهاد، وکل مالا تملیک فیہ“۔ (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع فیہ الزکاة، غفاریہ)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”رفاه عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا“۔)

(۲) ”إذا دفع الزکاة إلى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها، اهـ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۱۹۰، رشیدیہ) =

مقدمہ میں خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

قاتل جو ناحق قتل کرے وہ سخت گناہ گار ہے جیسا اور کبیرہ گناہ کرنے والے زانی وغیرہ کا حال ہے ویسا ہی اس کا حال ہے، دیندار کو اگر زکوٰۃ دی جائے تو اعلیٰ درجہ ہے اگرچہ گناہ گار کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور گناہ میں خرچ کر نیوالے کی اعانت گناہ ہے (۲)۔

زکوٰۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا

سوال [۴۶۷]: ایک موضع میں قریب بارہ برس سے ایک مسجد تیار ہے مگر اس کی چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار نہ ہو سکا، علاوہ اس کے اب مسجد ہی منہدم ہو چکی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت نازک ہے جس کی وجہ سے وہ مسجد اب تک اسی حالت میں ہے، مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی ہمت پست ہو گئی ہے، اب رہا یہ کہ ان لوگوں کا مصمم ارادہ ہے کہ جو رقم مثلاً فطرہ و قربانی و زکوٰۃ وغیرہ کی ہو اس کو وہ مسجد میں لگانا چاہتے ہیں اور اس رقم سے مسجد کی مرمت، چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار کروانا چاہتے ہیں۔ اب مفصل کیفیت سے مطلع فرمائیں کہ یہ رقم مسجد میں صرف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور عید گاہ وغیرہ میں مرمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور برادری کے مصرف کی چیزیں مثلاً فرش وسیع بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دیگر سامان بنوا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رقوم مذکورہ کا تصدق واجب ہے یعنی کسی غریب کو جو کہ سید نہ ہو مالک بنا دینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے مسجد یا عید گاہ یا برادری کے لئے فرش وغیرہ میں صرف کرنا ناجائز ہے، اگر کسی غریب کو بطور تملیک دیدی جائے اور اپنے قبضہ کے بعد خود مواقع مذکورہ کے لئے دیدے تو پھر مواقع مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے:

”و کذا من علیہ الزکوٰۃ لو اراد صرفها إلى بناء المسجد أو القنطرة، لا يجوز، فإن اراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولی علی الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولی، ثم

= (و کذا فی التاتار خانیة، من توضع فیہ الزکاة: ۲/۲۷۷، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی المحيط البرہانی، من توضع فیہ الزکاة: ۲/۴۳۴، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”رفاه عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا“ حاشیہ رقم: ۱)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ الآية. [المائدة: ۲]

المتولی یصرف إلى ذلك كذا فی الذخيرة، ۱ھ۔ عالمگیری: ۲/۴۷۳ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/۱۲/۵۹ھ۔

مالکِ اراضی کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۲۶۷۸]: ایک شخص جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک نہیں، مقروض ہے، لیکن اراضی اور مالِ نامی از قسمِ جانور رکھتا ہے، لیکن وہ جانور نصاب کے برابر نہیں، البتہ ان کی قیمت نصابِ چاندی کے برابر ہے، اسی طرح اراضی زرعی کی پیداوار فصلی بھی اس کو ملتی نہیں، لیکن اس اراضی کی اگر قیمت کی جائے تو نصابِ چاندی سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کیا وہ شخص زکوٰۃ یا صدقہ فطریہ چرمِ قربانی لے سکتا ہے یا نہیں جبکہ وہ غریب بالکل تنگ دست اور مفلس ہے، قرضہ کا بوجھ رکھتا ہے؟

دوسری صورت وہ شخص جو اراضی اور مالِ نامی کا مالک ہے لیکن مقروض اور تنگ دست ہے اس کو سرکاری نوکری سے تین چار سو روپے یا اس سے کچھ زیادہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے، لیکن حالتِ نہایت تنگی کی ہے، کثیر العیال کی وجہ سے روزی اس کی پوری نہیں ہوتی، قرض دار رہتا ہے، نصاب سونا چاندی کی بھی کوئی چیز نہیں رکھتا۔ کیا وہ شرعاً زکوٰۃ یا صدقہ فطر لے سکتا ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ مفلس غریب آدمی کے لئے اس کی اراضی ملکیت اور تنخواہ معین اس کو استحقاقِ زکوٰۃ میں مانع ہے یا نہیں جبکہ وہ صاحبِ تنخواہ بالکل غریب اور تنگ دست مقروض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو صدقہ فطرہ، چرمِ قربانی کی قیمت لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) (الفتاویٰ العالمیہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر الخ: ۲/۴۷۳، رشیدیہ)

(وراجع للتفصیل عنوان: ”جمعیت علماء اسلام کو زکوٰۃ دینا“۔)

(۲) ”وکرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عیال بحيث لو فرقه

عليهم لا یخص کلاً، أو لا یفضل بعد دینہ نصاب، فلا یکره“۔ (الدر المختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعید) =

کیا زمیندار مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال [۴۶۷۹]: زید صاحب نصاب ہے لیکن قرضدار نہیں ہے، اگر وہ مدرسہ میں پڑھنا چاہے اپنے خرچ سے تو اس کو زمین بیچنی پڑے گی اور جو مال ہے اس میں اس کا تکفل نہیں ہوگا۔ اب زید کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہوگا یا وہ زمین بیچ کر پڑھے گا، اس کے لئے کون سی صورت جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین کی پیداوار پر اس کا گزارہ ہے اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہیں اور سال بھر کے خرچ کے بعد پیداوار اور مقدارِ نصاب نہیں بچتی لیکن اور نصاب جداگانہ اس کے پاس رہتا ہے تو بھی زکوٰۃ کا کھانا مدرسہ سے لینا درست نہیں (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال [۴۶۸۰]: ایک شخص کی بہت سی زمین ہے مگر وہ آباد نہیں، تو اس شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ ان زمینوں سے اس کی حوائج پوری نہیں ہوتیں اور وہ مالِ نامی بھی نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب فی بیان أحكام المصارف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۱) "ولا إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان، الخ"۔ (الدر المختار:

۲/۳۴۷، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۱/۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی المحيط البرهانی: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزکوٰۃ فیہ، مکتبہ غفاریہ)

(۲) "ولو كان له ضیعة قیمتھا آلاف، ولا یحصل منه ما یکفی له ولعیالہ، اختلف فیہ، قال ابن مقاتل: =

جو شخص صاحب نصاب نہ ہو لیکن مالک مکان ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال [۴۶۸۱]: ایک شخص صاحب نصاب تو نہیں لیکن آسودہ اور فارغ البال ضرور ہے، ذاتی مکان بھی ہے اور کھانے و کپڑے وغیرہ کی کل ضروریات با آسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ و صدقات دینا درست ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ جو شخص ایسے کو زکوٰۃ دے اس کی طرف سے ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ایسے شخص کو تو سوال کرنا حرام ہے مگر مالک نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینا درست ہے اور خود اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض نہیں، آسودہ ہونے کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا لینا درست ہے اور خود اس پر زکوٰۃ فرض نہیں:

”والأولى أن يفسر الفقير بمن له ما دون النصاب، كما في النقاية أخذاً من قولهم: يجوز دفع الزكاة إلى من يملك ما دون النصاب، أو قدر نصاب غير نام، وهو مستغرق في الحاجة. ۱ھ.“ بحر: ۲/۲۵۸ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۴/۶۰ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= يجوز صرف الزكاة إليه. (البزازیة على هامش الفتاوى العالمکیریة: ۸۵/۴، الثانی فی المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی خلاصة الفتاوى: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن فی أداء الزكاة، امجد اکیڈمی)

(و کذا فی الفتاوى العالمکیریة: ۱۸۹/۱، الباب الثالث فی زکوة الذهب والفضة والعروض، رشیدیہ)

(۱) (البحر الرائق: ۴۱۹/۲، باب المصروف، رشیدیہ)

”و يجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً.“ (الفتاوى

العالمکیریة: ۱۸۹/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدير: ۲۷۸/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابی

الحلبی مصر)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۲۸/۲، باب المصروف، رشیدیہ)

جس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال [۴۶۸۲]: خالد جو مستحق زکوٰۃ تھا زکوٰۃ لیتا تھا، اب اس کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کی خدمت میں جو ہوتی ہے کس طرح پوری ہو سکتی ہے، اب اگر وہ مال زکوٰۃ لے کر اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے تو جو لوگ اس کو دیتے ہیں وہ بلا مانگے دیتے ہیں اب وہ لے کر دوسرے مستحقین زکوٰۃ کو پہنچا سکتا ہے یا نہیں (یعنی جو لوگ پہلے سے دیتے آئے ہیں وہ دیتے ہیں خالد لے کر اپنے استعمال میں نہیں لایا، دوسرے جو مستحق ہیں ان کو پہنچا دیا) ایسا کرنا خالد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بغیر زکوٰۃ لئے اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو اچھا ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری ضروریات اب پوری ہو جاتی ہیں آپ کسی ضرورت مند کو دے دیں (۱)۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

تعمیر اسکول میں زکوٰۃ

سوال [۴۶۸۳]: ایک پرائمری اسکول ہے جہاں اکثر یتیم و غریب بچے پڑھتے ہیں، سرکاری نصاب کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوتی ہے، حکومت کی طرف سے اس کی تعمیر کے لئے کوئی امداد نہیں ملتی۔ ایسے اسکول کی تعمیر کے لئے عشر و صدقات وغیرہ دینا اور خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ”وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرقہ عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره“۔ (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب المصروف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقات واجبہ کو براہ راست تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صدقہ جاریہ میں زکوٰۃ کا مصرف

سوال [۴۶۸۴]: مال زکوٰۃ اصل میں تو غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت کرنے کے لئے

شریعت نے مالداروں کو مالک نصاب کو مجبور کیا ہے کہ بحساب شریعت زکوٰۃ دے کر ان کی حاجت روائی کریں۔

اب صدقہ جاریہ ہیں، مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں اکثر غریبوں کے لڑکے پڑھتے ہیں

اور راستہ اور سرائوں میں مسافر وغیرہ کے اندر صرف ہوتے ہیں جیسے مکتب اور اسکول تیار کرتے ہی خرچ کرنا، یا

مکتب اور اسکول میں خرچ کرنا، راستہ بنانا، پانی کے لئے کنواں کھدوانا وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائے زکوٰۃ کے لئے مستحق کو مالک بنادینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (۲)۔ کنواں،

راستہ، اسکول، مکتب میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں، لہذا تعمیر کے لئے ان مواقع میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ہے،

البتہ اگر غریب مستحق طلباء کو مالک بنادیا جائے خواہ روپیہ دے کر خواہ کتاب دے کر، خواہ کپڑوں وغیرہ دے کر تو

ادا ہو جائے گی۔ اگر غریب مستحق کو بطور ملک زکوٰۃ دے دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے مواقع مذکورہ میں

(۱) "لا يجوز أن يبني بالزكاة؛ لأن التملك شرط فيها، ولم يوجد، وكذا لا يبني بها القناطير

والسقايات اهـ"۔ (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیہ، باب من توضع الزکوٰۃ فیہ: ۲/۲۷۴، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزکوٰۃ فیہ، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تملكاً لا إباحةً، كما مر". (الدر المختار، کتاب الزکوٰۃ، باب

المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمدادیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۱، باب المصرف، دارالکتب العلمیہ بیروت)

صرف کر دے تو درست ہے براہ راست کی گئی تنخواہ اور معاوضہ میں دینا صحیح نہیں:

”زکوة هی تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص، الخ“۔ مراقی الفلاح، ص: ۱۴۱ (۱)۔ ”ولا يجوز أن يُبنى بالزکوة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك منه، الخ“۔ فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۸۸ (۲)۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔



(۱) (حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الزکوة، ص: ۷۱۳، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، الباب الأول فی تفسیرھا ۱/۱۷۰، رشیدیہ)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الزکوة، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۸۸، رشیدیہ)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمدادیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

”أن الحيلة أن يتصدق على فقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء“۔ (الدر المختار، کتاب الزکوة،

باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعید)

فصل فی صرف الزکوة فی المدارس (مدارس میں زکوة دینے کا بیان)

مدارس میں زکوة دینا

- سوال [۴۶۸۵]:۱۔ اہل مدارس، مدارس کے جملہ اخراجات کے لئے مدرسہ کے نام و پتہ کی چھپی ہوئی رسیدوں پر زکوة و صدقات واجبہ وصول کرتے ہیں یہ ان کا خود ساختہ نواں مصرف ہے۔
- ۲۔..... رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، رواد، کارڈ کے سہارے زکوة و صدقات واجبہ کی وصولی کا مروجہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔
- ۳۔..... اس جدید اختراعی طریقہ وصولی کو بروئے کار لانے کے لئے علماء و فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہیں اجماع نہیں ہوا، اس پر عمل کرنے والے جو یہ نہیں جانتے کہ کس کی سنت ہے؟
- ۴۔..... زکوة و صدقات واجبہ کا تعلیمی مشغلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
- ۵۔..... زکوة و صدقات واجبہ کے لئے طلبائے علم دین کی حیثیت بالکل غیر منصوص ہے۔
- ۶۔..... مدارس و مکاتیب نہ بیت المال ہیں نہ مثل بیت المال اور نہ ان کے محصلین ”عاملین علیہا“ ہیں۔

- ۷۔..... مدارس کے محصلین زکوة دہندگان پر مسلط کئے گئے وکیل ہوتے ہیں۔
- ۸۔..... معطیان زکوة پر وکیل مسلط کرنا غیر شرعی ہے، یہ تجارتی نقطہ نظر ہے۔
- ۹۔..... رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، کارڈ، وغیرہ کی طباعت بھی تجارتی نقطہ نظر سے کی جاتی ہے اور ان کی طباعت میں قوم کا ہزاروں روپیہ فضول خرچ کیا جاتا ہے۔
- ۱۰۔..... زکوة و صدقات واجبہ کی آدھی رقم مدارس کے مقررہ غیر شرعی وکیل اپنے خرچ میں لاتے ہیں۔
- ۱۱۔..... یہی رقم مدرسین کی تنخواہوں میں، دارالاقامہ و مدارس کی تعمیر و مرمت میں کلینڈر، چارٹ، رسیدوں

وغیرہ کی طباعت میں مقدمات اور مہمان نوازی وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، جب کہ شرعاً ممنوع ہے۔

۱۲..... زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقوم کا بہ مشکل دسواں حصہ ہی غریب طلباء پر خرچ ہوتا ہے۔

۱۳..... اہل مدارس اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، مستحق طلباء کو مالک نہیں بناتے اور زکوٰۃ جب تک مستحق کی ملکیت میں نہیں دی جاتی، ادا نہیں ہوتی۔

۱۴..... نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرما دیا کرتے تھے (۱) اہل مدارس زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقوم سالہا سال تحویل میں رکھتے ہیں، نہ جانے یہ کس کا طریقہ ہے؟

۱۵..... کسی مستحق کو زکوٰۃ کی رقم اتنی دی جائے کہ وہ صاحب نصاب نہ بن جائے، اہل مدارس اتنی رقوم جمع کر لیتے ہیں کہ اگر وہ مستحق طلباء میں تقسیم کی جائے تو وہ سب ہی صاحب نصاب بن جائیں اور کثیر رقم بچ جائے۔

۱۶..... ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کو بھیجنا مکروہ ہے، اہل مدارس دوردراز شہروں سے زکوٰۃ وصول کراتے ہیں۔

۱۷..... اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گار اور مشرک و کافر کا بھی ایک دن کے لئے کھانا بند نہیں کرتے، لیکن اہل مدارس انہیں مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا مہینوں بند رکھتے ہیں جب کہ وہ امتحان میں کم نمبر پاتے ہیں، جب کہ انہیں کا نام لے کر زکوٰۃ و صدقات وصول کرتے ہیں۔

۱۸..... ان مدارس میں بعض ایسے محصل بھی ہوتے ہیں جو وصول کم اور خرچ زیادہ کرتے ہیں، اپنے خرچ کی بقیہ رقم مدرسہ کی تحویل سے لیتے ہیں۔

۱۹..... کلامِ الہی اتنا مطہر ہے کہ مومن پاک ہونے پر بھی بلا وضو چھو نہیں سکتا، اس علمِ نبوت کے حاصل کرنے اور کرانے والے کے لئے میل کچیل کا استعمال علمِ مطہر کی توہین ہے۔

(۱) ”عن ابن ابي ملكية أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم العصر فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: ”كنت خلفت في البيت تبرأ من الصدقة فكرهت أن أبيتة فقسمته“۔ (صحيح البخاری: ۱۹۲/۱، کتاب الزکوٰۃ، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمی)

۲۰..... زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے مطلق آٹھ مصارف ہیں (سورہ توبہ رکوع: ۱۴)

۱- فقراء جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ ۲- مساکین جن کو بقدر ضرورت میسر نہ ہو۔ ۳- عاملین علیہا جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات پر مامور ہوں۔

۴- مؤلفہ قلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مصرف باقی نہیں رہا۔ ۵- رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرانے میں۔ ۶- غارمین یعنی وہ لوگ جن پر کوئی حادثہ آ پڑا اور وہ مقروض ہو گئے۔ ۷- فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ جانے والے کو۔ ۸- ابن السبیل وہ مسافر جو بحالت سفر مالک نصاب نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔

محی الدین سنگا ہی کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے، تقریباً بتیس آیات میں اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ایتاءِ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے (۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (الآیۃ) (۲)۔

زکوٰۃ کے مصارف بھی بتائے گئے ہیں: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ (الآیۃ) (۳)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنی طرف سے آدمی مقرر کر کے بھیجے ہیں (۴)، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو

(۱) ”قرنها بالصلوة من اثنين وثمانين موضعاً في التنزيل دليل على كمال الاتصال“. (الدر المختار).
 ”(قوله: في اثنين وثمانين موضعاً) كذا عزاه في البحر إلى مناقب البزازية، وتبعه في النهر والمنح. قال ح:
 وصه ابه اثنين وثلاثين كما عده شيخنا السيد رحمه الله تعالى“. (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۶،
 سعيد)

(۲) (التوبة: ۱۰۳)

(۳) (التوبة: ۷۹)

(۴) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: بعث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل: منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس..... الخ“. (مشکوٰۃ المصابيح: ۱/۱۵۶،
 كتاب الزكاة، الفصل الأول، قديمی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قتال کا عزم فرمایا جیسا کہ صحاح کی روایت میں موجود ہے (۱) زکوٰۃ کے لئے ترغیب دینا، آدمیوں کے ذریعے پیغام بھیجنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے صاف صاف منقول ہے (۲)۔

دینی مدارس کے غیر مستطیع طلبہ جو کہ سید نہ ہوں وہ مستحق زکوٰۃ ہیں اور فقراء و مساکین میں داخل ہیں (۳) اس نوع کو نویں قسم قرار دینا غلط ہے، علم دین کی تحصیل کوئی جرم نہیں کہ جس کی وجہ سے فقر و مسکنت کے با

(۱) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما توفی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واستخلف أبو بکر بعده فقال أبو بکر: واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکاة، فإن الزکوۃ حق المال، واللہ لو منعونی عقلاً کانوا یؤذونہ إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقاتلتہم علی منعه.“ (الصحيح لمسلم: ۳۷/۱، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا: لا إله إلا اللہ محمد رسول اللہ، قدیمی)

(۲) ”عن أبی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: استعمل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجلاً من الأسد علی صدقات بنی سلیم یدعی ابن اللتبیۃ، فلما جاء حاسبہ.“ (صحيح البخاری: ۲۰۳/۱، باب قول اللہ تعالیٰ والعاملین علیہا الخ، قدیمی)

”أجمع المسلمون فی جمیع الأعصار علی وجوب الزکاة، واتفق الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم علی قتال مانعہا، فمن أنکر فرضیتها کفر وارتد إن کان مسلماً، الخ.“ (الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۷۹۲/۳، فرضیۃ الزکاة، رشیدیہ)

(۳) ”ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ہاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ، الخ.“ (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲۵۸/۲، کتاب الزکاة، سعید) (و کذا فی مجمع الأنہر: ۲۸۴/۱، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیۃ، بیروت) (و کذا فی البحر الرائق: ۳۵۲/۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

”ان طالب العلم یجوز لہ أخذ الزکاة ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزہ عن الکسب والحاجۃ واعیۃ إلی مالا بدمنہ.“ (الدر المختار).

”وفی المبسوط لا یجوز دفع الزکاة إلی من یملک نصاباً إلا إلی طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام: ”لا یجوز دفع الزکاة لطالب العلم وإن کان لہ نفقة أربعین سنۃ“ =

وجود زکوٰۃ دینا منع ہو۔

معترض صاحب نے جو اپنے ہینڈیل کے نمبر: ۲۰ میں تلقین کی ہے کہ ”کسی طالب علم کو دینے کا طریقہ یہ ہے کہ براہ راست دیجئے“۔ تو انہوں نے یہ نیا مصرف کہاں سے نکالا؟ نیز اسی ہینڈیل میں نمبر: ۲۰ میں یہ بھی گلہ کیا ہے کہ ”طلباء پر رقم زکوٰۃ کی کم خرچ کی جاتی ہے اور ان کو مالک نہیں بنایا جاتا“، اگر یہ مصرف نیا اور نواں ہے جو کہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے پھر گلہ کیوں ہے؟ معترض صاحب کے ہینڈیل کے نمبر: ۱۴ میں یہ لکھنا کہ ”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم کر دیا کرتے تھے“ (۱) اور اس کو کلیہ سمجھنا حدیث پاک اور سیرت مبارکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ”صدقہ کی حفاظت کے لئے ایک صحابی کو مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں نماز کی نیت باندھ لی، رات کا وقت تھا، ایک چور آیا اس نے اس میں سے کچھ لیا، انہوں نے نیت توڑ کر اس کو پکڑ لیا کہ چل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس نے معذرت کی کہ آمدنی کم ہے اور عیال زیادہ اس لئے میں نے ایسا کیا آئندہ نہیں کروں گا، انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، صبح کو جب حاضر خدمت ہوئے تو یہ واقعہ پیش ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ جھوٹا ہے پھر آئے گا“۔ چنانچہ دوسری اور تیسری رات جب انہوں نے خدمت اقدس میں لے جانے پر زور دیا تب اس نے کہا کہ میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ جہاں اس کو پڑھ دیں گے وہاں نہ آؤں گا اور اس نے آیت الکرسی بتلائی، پھر صبح کو خدمت اقدس میں حاضری ہوئی قصہ بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”وہ جھوٹا مگر

= والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لا غنى له عنها، فحينئذ إذا لم يجز له قبول الزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ما عنده ومكث محتاجاً، فينقطع عن الإفادة والاستفادة، فيضعف الدين لعدم من يتحملة قلت: وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مخصصاً لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادراً على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال“۔ (رد المحتار: ۲/۳۴۰، کتاب الزکوٰۃ، باب المصروف، سعيد)

(۱) ”عن ابن أبي مليكة أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم العصر، فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: ”كنت خلّفت في البيت تبرأ من الصدقة فكرهت أن أبيتة فقسمته“۔ (الصحيح البخاری: ۱/۱۹۲، کتاب الزکوٰۃ، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

بات کچی بتا گیا، وہ شیطان تھا“ (۱)۔

اگر تمام صدقات سونے سے پہلے تقسیم فرمادینے کا حتمی معمول تھا تو آخر اس کی نوبت کیوں آئی، نیز اہل عرینہ کا واقعہ بھی بخاری شریف اور دیگر صحاح میں مذکور ہے کہ ”ان کو مدینہ کا پانی موافق نہیں آیا مریض ہو گئے تو ان کو ایک جگہ بھیج دیا کہ ”وہاں صدقہ کے اونٹ چرتے ہیں، وہاں جا کے رہو سہو“ چنانچہ وہ گئے اور کچھ روز تک رہے تندرست ہو گئے، راعی کو قتل کیا، مثلہ کیا، اونٹوں کو بھگالے گئے، جس وقت خبر پہنچی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پکڑنے کے لئے آدمی بھیجے، وہ پکڑے ہوئے آئے“ (۲) اگر سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرما دیتے تھے تو اتنے روز تک یہ صدقے کے اونٹ کیسے باقی رہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقات واجب التملیک کی حفاظت کا مستقل انتظام فرما رکھا تھا، وقتاً فوقتاً حسب ضرورت و مصلحت مستحقین کو دیتے تھے (۳)۔ صحابہ کرام تمام امت سے افضل

(۱) ”عن أبی هريرة رضي الله تعالى عنه قال: وكُنني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بحفظ الزكاة رمضان، فأتاني أب، فجعل يحثو من الطعام فأخذه، فقلت: لأرفعنك إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقصر الحديث فقال إذا أويت إلى فراشك فاقرأ آية الكرسي لن يزال من الله حافظا ولا يقربك شيطان حتى تصبح وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم صدقك وهو كذوب ذاك الشيطان“ (صحيح البخارى: ۷۴۹/۲، فصل البقرة، قديمي)

(و جامع الترمذی: ۱۱۵/۲، باب ماجاء فی سورة البقرة، وآية الكرسي، سعيد)

(۲) ”عن قتاده أن أنساً رضي الله تعالى عنه حدثهم أن ناساً من عكل وعرينه قدموا المدينة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وتكلموا بالإسلام، فقالوا: يا نبي الله! إنا كنا أهل ضرع ولم نكن أهل ريف، واستوخموا المدينة، فأمرهم رسول الله بذود راعى، وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالها فانطلقوا ناحية الحرة كفروا بعد إسلامهم وقتلوا راعى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم واستاقوا الذود فبلغ النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فبعث الطلب في آثارهم فأمرهم فسمروا أعينهم وقطعوا أيديهم وتركوا في ناحية الحرة حتى ماتوا على حالهم“ (صحيح البخارى: ۲۰۲/۲، باب قصة عكل وعرينة، قديمي)

(۳) ”وقد بلغ من عدل عمر أنه كان يحرص كل الحرص على دفع أعطيات المسلمين إليهم في مواعيدها لا فرق بين عامة وخاصة وكذلك كان أحرص الناس على أموال المسلمين =

تھے (۱)، اصحاب صفہ کا ایک خاص مقام تھا کہ قرآن کریم اور علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے تھے، اہل وسعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صدقات ان کو دیا کرتے تھے (۲) تو قرآن کریم و علم دین حاصل کرنے کے لئے آدمی کا طاہر و مطہر ہونا ضروری ہے تو یہ صدقات ایسے لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کی ہدایت کے مطابق دوسرے صحابہ کی طرف سے کیوں دیئے جاتے تھے؟

= ومصلحهم، فكثير ما كان يرى وهو يدن إبل الصدقة وكان عمر رضى الله تعالى عنه يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه والفضل، والأخذ بهذا في زماننا أحسن، الخ“۔ (رد المحتار: ۲/۹، مصارف بيت المال، سعيد)

(۱) ”عن عبد الله عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم“۔

قال النووي رحمه الله: اتفق العلماء على أن خير القرون قرنه صلى الله تعالى عليه وسلم والمراد أصحابه، وقد قدمنا أن الصحيح الذي عليه الجمهور أن كل مسلم رأى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولو ساعة فهو من أصحابه. ورواية ”خير الناس“ على عمومها، والمراد منه جملة القرن“۔ (الصحيح للإمام مسلم مع شرحه للإمام النووي: ۲/۸۰، ۳۰۹، كتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم الخ، قديمی)

”قال القاضي: ويؤيد هذا ما قدمناه في اول باب فضائل الصحابة عن الجمهور من تفضيل الصحابة كلهم على جميع من بعدهم“۔ (شرح الصحيح لمسلم للنووي: ۲/۳۱۰، كتاب الفضائل، باب تحريم سب الصحابة، قديمی)

”والصحابه كلهم عدول مطلقاً لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به“۔

”في شرح السنة قال أبو منصور البغدادی: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، ومن له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذلك السابقون الأولون“۔ (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۳۵۵/۱، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله تعالى عنهم اجمعين، حقانيه)

(۲) ”قال عليه الصلوة والسلام: ”أهل الصفة أضاف الإسلام: لا يأوون على أهل ولا مال ولا على أحد، إذا أتته صدقة بعث بها إليهم ولم يتناول منها شيئاً، وإذا أتته هدية أرسل إليهم وأصاب منها وأثرلهم فيها“۔ =

ایک شہر سے دوسرے شہر کو زکوٰۃ بھیجنا یا منتقل کرانا اگر ہر صورت میں مکروہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف بستیوں میں جاتے تھے (۱) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا انتظام فرمایا تھا کہ دوسرے شہروں میں سے زکوٰۃ منگوائی جاتی تھی (۲)، اگر اپنے عزیز رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو وہاں بھیجنا بھی مکروہ نہیں، اسی طرح زیادہ دیندار دوسری جگہ ہوں تو بھیجنا مکروہ

= قال الحافظ: "وتقدم في "باب علامات النبوة" وغيره حديث عبد الرحمن بن أبي بكر أن أصحاب الصفة وكانوا ناساً فقراء وأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث". (فتح الباری: ۲۸۱/۱۱-۲۸۶، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی وأصحابه، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(۱) "الحادی عشر: فی قوله "تؤخذ من أغنيائهم" دليل على أن الإمام يرسل السعاة إلى أصحاب الأموال لقبض صدقاتهم، وقال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن الزکوٰۃ كانت ترفع إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وإلى رسله وعماله وإلى من أمر بدفعها إليه". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۳۴۳/۸، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، رشیدیہ)

"وقال غيرهم: إنه يجوز مع كراهة لما علم بالضرورة أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يستدعى الصدقات من الأعراب إلى المدينة، ويصرفها في فقراء المهاجرين والأنصار، كما أخرج النسائي من حديث عبد الله بن هلال الثقفي قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فقال: كدت أقتل بعدك في عناق أو شاة من الصدقة، فقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "لولا أنها تعطى فقراء المهاجرين ما أخذتها. ولما أخرج البيهقي وعلقه البخاری عن معاذ أنه قال لأهل اليمن: اتوني بكل خميس وليس آخذه منكم مكان الصدقة، فإنه أرفق بكم وأنفع للمهاجرين والأنصار بالمدينة". (نیل الأوطار: ۲۱۵/۴-۲۱۶، کتاب الزکوة، أبواب تفرقة الزکاة فی بلدها، دار الباز مکہ مکرمہ)

"ومن الثاني حديث محمد بن مسلمة أنه يعمل لصدقة في عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فكان يأمر الرجل إذا جاء بالفريضة أن يأتي بعقالها وقرائنها". (حاشية سنن أبي داود: ۲۲۷/۱، کتاب الزکوة، رحمانیہ)

(۲) "وقال ابن الأثير: قد جاء في الحديث ما يدل على القولين، فمن الأول حديث عمر أنه أخر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وانتني بالآخر يريد به =

نہیں، کتب فقہ، البحر الرائق (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، مجمع الانہر (۴) میں یہ مسائل مذکور ہیں، تو اگر دور دراز سے لوگ دینی مدارس میں زکوٰۃ بھیجیں جن کے رشتہ دار پڑھتے ہیں اور جہاں زیادہ حاجت مند ہیں اور جہاں زیادہ اہل دین ہیں تو کوئی کراہت نہیں (۵)۔

= صدقة عاملین“۔ (حاشیہ سنن أبی داؤد: ۱/۲۲۷، کتاب الزکوٰۃ، رحمانیہ)

”عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرج به إلى عماله حتى قبض، فقرنه بسيفه، فعمل به أبو بكر حتى قبض، ثم عمل به عمر حتى قبض“۔ (سنن أبی داؤد: ۱/۲۳۰، کتاب الزکوٰۃ، باب زکاة السائمة، رحمانیہ)

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء هلال أحد بني مُتَعَانَ إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعشور نحل له وكان سألَه أن يحمي وادياً يقال له: سلبه، فحمي له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذلك الوادي. فلما ولى عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، كتب سفيان بن وهب إلى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك، فكتب عمر: إن أدى إليك ما كان يؤدي إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من عشور نحلته فأحِمُّ له سلبه، وإلا فإنما هو ذباب غيث يأكله من يشاء“۔ (سنن أبی داؤد: ۱/۲۳۳، کتاب الزکوٰۃ، باب زکاة العسل، امدادیہ ملتان)

(۱) ”وعدم الكراهة في نقلها للقريب للجمع بين أجرى الصدقة والصلة والأحوج؛ لأن المقصود منها سدّ خلة المحتاج، فمن كان أحوج كان أولى، وليس عدم الكراهة منحصراً في هاتين؛ لأنه لو نقلها إلى فقير في بلد آخر أروع وأصلح كما فعل معاذ رضي الله عنه، لا يكره، ولهذا قيل: التصديق على العالم الفقير أفضل، كذا في المعراج“۔ (البحر الرائق، باب المصروف: ۲/۴۳۶، رشیدیہ)

(۲) (ردالمحتار، باب المصروف: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، سعید)

(۳) (الفتاویٰ العالمگیریہ، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۹۰، رشیدیہ)

(۴) (مجمع الأنهر، باب فی بیان أحكام المصروف: ۱/۲۲۶، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۵) ”وكره نقلها، إلا إلى قرابة أو أحوج أو أروع أو أنفع للمسلمين، أو من دار الحرب إلى دار الإسلام، أو إلى طالب علم أو إلى الزهاد، الخ“۔ (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۳۵۳، باب المصروف، سعید)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب بيان أحكام المصارف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۳۵، باب المصروف، رشیدیہ)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب بيان أحكام المصارف، دار الكتب العلمية، بيروت)

البتہ زکوٰۃ کا مستحق کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے خواہ اس کو نقد دیا جائے یا اس کی ضرورت کے مطابق گرمی سردی کے کپڑے دیئے جائیں یا کتابیں دی جائیں یا ان کو کھانا دیا جائے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہوں میں، تعمیر میں، کلینڈر، رسید وغیرہ طبع کرانے میں خرچ کرنا درست نہیں ہے (۱) جو اباب مدارس ایسا کرتے ہیں ان کو اس کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

اللہ پاک نے براہ راست ﴿آتُوا الزکوٰۃ﴾ (۲) کا خطاب فرمایا ہے پھر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حکم دیا یعنی مسلط فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (۳) پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسلط فرمایا، یمن کے دو ڈویژن تھے ایک پر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلط فرمایا وغیرہ وغیرہ (۴) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عاملین کو مقرر فرمادیا اور جنہوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا، ان سے قتال کے لئے آمادہ ہو گئے پھر ان کے بعد دیگر خلفاء نے اس سلسلہ کو باقی رکھا (۵)۔

(۱) ”ویشترط أن يكون الصرف تملیکاً لإباحة كما مر، لا یصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى کفن

میت وقضاء دینہ، الخ“۔ (رد المحتار: ۲/۳۴۴، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصروف، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(۲) (سورہ البقرہ: ۴۳)

(۳) (سورہ التوبہ: ۱۳)

(۴) ”عن أبی بردة قال: بعث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أبا موسى ومعاذ بن جبل رضي الله

تعالى عنهما اليمن، قال: بعث كل واحد منهما على خلاف، - قال: واليمن مخلافان -، ثم قال: ”يسرا

ولا تعسرا“..... فانطلق منهما إلى عمله“۔ (صحيح البخاری: ۲/۶۲۲، باب بعث أبی موسى ومعاذ بن

جبل إلى اليمن، قديمی)

(والسنن لأبی داؤد: ۱/۲۲۲، باب زكاة السائمة، سعید)

(و کذا فی المحيط البرهانی: ۲/۴۴۱، الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه، غفاریہ)

(۵) ”عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجہ إلى عماله

حتى قبض، فقرنه بسيفه فعمل به أبو بكر حتى قبض ثم عمل به حتى قبض“۔ (سنن أبی داؤد: ۱/۲۳۰، =

آج تسلیط کی قوت نہیں، ترغیب و ترہیب کا وقت ہے یہ سلسلہ جاری ہے، جس طرح کسی آدمی کے ذریعہ زبانی پیغام دے کر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح خط، اشتہار وغیرہ کے ذریعہ ترغیب دی جاتی ہے، اس پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ریل اور جہاز میں سوار ہو کر حج کرنا کہاں سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اونٹ پر سوار ہو کر مسافت طے فرمائی ہے، ریل اور جہاز سے سفر نہیں فرمایا؟ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بالکل نا سمجھی کا ہے۔

اگر تربیت و تہذیب کے لئے کوئی سزا مناسب تجویز کی جائے جو حد و شرع کے اندر ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کافر و مشرک کا کھانا بند نہیں کرتے تو مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا کیوں بند کیا جاتا ہے؟ یہ بھی نا سمجھی پر مبنی ہے، کسی شخص سے زنا کا صدور ہو جائے اس کو سنگسار کیا جاتا ہے یا کوڑے مارے جاتے ہیں، اگر کوئی سوال کرنے لگے کہ کافر و مشرک کفر و شرک میں مبتلاء ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نہ سنگسار کرتے ہیں نہ کوڑے مارتے ہیں تو مسلمان کو یہ سزا کیوں دی جاتی ہے۔ کوئی شخص تہذیب سکھانے کے لئے اپنے بچے کی کمر پر چپت مار دیتا ہے جس سے اس کی غلطی پر تنبیہ ہوا اگر وہ بچہ مطالبہ کرے کہ جو غلطی میں نے کی اس سے بڑی غلطی کافر کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو انہیں چپت نہیں مارتا، آپ نے مجھے چپت کیوں ماری؟ ظاہر ہے کہ اس کا قول نا سمجھی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ اس میں بات سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکاة السائمة، رحمانیہ

”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ”لما توفی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر بعدہ، وکفر من کفر من العرب فقال ابوبکر: واللہ! لأقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکاة، فإن الزکاة حق المال، واللہ! لو منعونی عقلاً کانوا یؤدونه إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقاتلتہم علی منعه.“ (سنن أبی داؤد: ۲۲۴/۱، کتاب الزکوٰۃ، امدادیہ)

(والصحيح لمسلم: ۳۷/۱، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس الخ، قدیمی)

”فمن الأول حدیث عمر أنه أخر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالین، فاقسم فیہم عقلاً وأثنی بالآخر“ یرید بہ صدقة عامین. وحديث معاوية: أنه بعث ابن رضية عمرو بن عتبة بن أبی سفیان علی صدقات کلب“. (حاشیة سنن أبی داؤد: ۲۲۷/۱، کتاب الزکوٰۃ، رحمانیہ)

زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا

سوال [۴۶۸۶]: کیا صدقہ فطر، قربانی کی کھال اور زکوٰۃ وغیرہ دینی مدارس میں دے سکتے ہیں، اسی طرح کیا انہیں مساجد کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چیزیں براہ راست مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے کسی ملازم کی تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ دینی مدارس کے مستحق طلباء پر صرف کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا

سوال [۴۶۸۷]: ایک بہت بڑا موضع مسلمانوں نے آباد کیا ہے مگر وہاں کے لوگ بہت جاہل اور لاعلم ہیں، عام طور سے غیر مستطیع ۸۵ فیصد ہیں، شرعی و مذہبی رسم و رواج سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہاں پر ایک مکتب جاری کیا گیا، بے حد کوشش کی گئی کہ مکتب میں کوئی رقم ماہانہ دی جائے لیکن لوگوں نے نہیں دیا، مکتب بار بار مع عمارت کے ختم ہوتا گیا لیکن لوگوں نے توجہ نہیں کی۔ یہاں کے لوگ وعظ و پند کی کوئی اہمیت نہیں رکھتے، مکرر، سہ کڑ لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن برابر ناکامی رہی، یہ دیکھ کر ایک صاحب نے کوشش کر کے چالیسواں حصہ غلہ، فطرہ، زکوٰۃ، کچھ معمولی رقم بیرونی حضرات سے اعانت لے کر مدرسہ چلانا شروع کیا اور عمارت بھی بنوایا، ابھی بن رہا ہے۔

اب مدرسہ میں مدرسین ہیں، علاوہ دینیات کے ہندی اور جغرافیہ حساب وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اب نادار طلبہ کو مدرسہ سے کتابیں دی جاتی ہیں مگر اب تک گاؤں کے لوگوں نے اس پر توجہ نہیں کی اور نہ کچھ مدد کرتے ہیں صرف چالیسواں غلہ سے کچھ مدد کر دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ عموماً جاہل اور بخیل ہیں، مذہبی قانون سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، یہاں مدرسہ اسلامیہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ بحالتِ مجبوری ہر قسم کی

(۱) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”مدارس میں زکوٰۃ دینا“۔)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمیہ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی انفاہ الإسلامی وأدلته: ۳/۹۵۸، مصارف الزکاة، رشیدیہ)

رقوم سے مدرسین کی تنخواہ دے جاسکتی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن رقوم (زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی، نذر، کفارۃ یمین و صوم وغیرہ) میں تملیک ضروری ہے، ان کو تعمیر یا تنخواہ میں براہ راست صرف کرنا جائز نہیں (۱)، ایسا کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا۔ غریب طلباء پر بصورتِ لباس، طعام وغیرہ تملیکاً صرف کرنا ضروری ہے (۲)، البتہ نقلی خیرات و صدقات کو تعمیر و تنخواہ میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے (۳)۔

جو حضرات اہل دین مدارس چلاتے ہیں اور طریق سے واقف ہیں، نیز اللہ پاک نے ان کو خشیت اور تقویٰ بھی عطا فرمایا ہے ان کے وعظ کرائیں اور ان سے مشورہ لیں، اپنی بستی کی حالت ان کو دکھائیں، وقتاً فوقتاً بستی کے لوگوں کو دیگر مقامات پر دینی مدارس کا معائنہ کرائیں، کہ کس طرح وہ مدارس چلاتے ہیں اور ان کی کیسی کیسی علمی و عملی و اخلاقی ترقیات ہوتی ہیں اور ان سے مخلوق کو کس قدر ہدایت ہوئی ہے اور فیض پہنچتا ہے، اس سے ان کے دلوں میں بھی شوق اور علم دین کا جذبہ پیدا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

(۱) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا۔“)

(۲) ”ویشترط أن يكون الصرف تملیکاً، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۳۴۴، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزکاة، إدارة القرآن)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصروف، امدادیہ)

(۳) ”فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به. وفي الفتاوى العتابية: وكذلك يجوز النفل

للغنى الخ“۔ (التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۱۸۹، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۴، باب المصروف، امدادیہ)

بچیوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۸۸]: ایک بچیوں کا مدرسہ قائم ہوا جس میں دینی تعلیم ہو رہی ہے لیکن اس کی مالی حالت کمزور ہے اس لئے دریافت طلب امر یہ کہ:

(الف)..... کیا اس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اور اگر دی جاسکتی ہے تو دینے والا کس کو دینے کی نیت کرے؟ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے تو کیا غریب اور نابالغ بچیوں کی نیت سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

(ب)..... زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کے ذمہ دار کو دی جائے گی اور وہ ذمہ دار بچیوں کو دے کر حیلہ تملیک کرے گا تو کیا بچیاں اس سے مدرسین کی تنخواہیں ادا کر سکتی ہیں؟

(ج)..... کیا بچیوں کو دے کر پھر اس رقم کو ان سے بطور فیس واپس لے کر مدرسہ کے حساب میں جمع کیا جاسکتا ہے اور پھر اس سے تنخواہیں دی جاسکتی ہیں؟

(د)..... نیز اس طرح صدقات، خیرات، فطرہ، عید قربانی پر کھال کی قیمت، عقیقہ پر بکرے کی کھال کی قیمت، فدیہ وغیرہ بھی ان بچیوں کی نیت سے دیگر ذمہ دار مدرسہ بحیلہ شرعی اس کو ان سے لے کر عطیہ میں جمع کر سکتے ہیں اور ان سے تنخواہیں وغیرہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس دینی مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے نہ کوئی وقف کی آمدنی ہے، نہ چندہ ہوتا ہے، نہ فیس وصول ہوتی ہے تو بدرجہ مجبوری رقم واجب التملیک کو اس طرح صرف کرنا درست ہے کہ مستحق زکوٰۃ لڑکیوں کو تملیکاً دیدیں اور وہ مالک وقابض ہونے کے بعد مقررہ فیس میں ذمہ دار کو دیدیں، پھر ذمہ دار اس رقم کو تنخواہ یا دیگر ضروریات میں صرف کر دے۔

لڑکیاں اگر چھوٹی ہوں اور ان کے اولیاء مستحق زکوٰۃ ہوں تو زکوٰۃ ان کے اولیاء کو بھی اس مقصد کے لئے دی جاسکتی ہے اور ذمہ دار مدرسہ، معلمہ وغیرہ کو بھی دی جاسکتی ہے اس تشریح کے ساتھ کہ یہ زکوٰۃ ہے،

زکوٰۃ، فطرہ، قیمت چرم قربانی، نذر وغیرہ سب کا حکم یہی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۸۸ھ۔

نیم سرکاری مدرسہ میں زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۸۹]: گنگوہ میں ایک مدرسہ اسلامی محض قرآن کی تعلیم نیز ضروری حساب وارد کی تعلیم کے لئے کھولا گیا تھا جس کے اخراجات کی یہ صورت تھی کہ مسلمانوں سے کسی قدر بطور چندہ لیا جاتا تھا، جب اس چندے سے مدرسہ کا خرچ نہ چلا تو زکوٰۃ کی مد سے نیز چرم قربانی کا روپیہ لوگوں سے حاصل کر کے بحیلہ جواز مدرسہ میں صرف کرنے لگے، چند روز اسی طرح کاروائی کی گئی بعد میں سرکاری امداد بھی اس قدر امداد کا مطالبہ کیا، چنانچہ اس وقت تک سرکاری امداد بھی اس قدر مل رہی ہے جو اخراجات مدرسہ کو کافی ہے یعنی مدرسہ ہذا میں چار مدرس ہیں ان کی تنخواہوں کو کافی ہے۔ رہا مدرسہ کا کرایہ یا سامان وغیرہ کا خرچ وہ بھی چندہ وغیرہ طلبہ سے وصول کر کے پورا کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ مدرسہ مجبوری کی وجہ سے سرکاری ضابطہ کے ماتحت کاروائی کرنے پر مجبور ہو گیا جس میں جبریہ تعلیم کی زد سے بچوں کی تعلیم میں رخنہ اندازی بھی ہو رہی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ مدرسہ خالص اسلامی تو رہا نہیں سرکاری سرپرستی میں آ گیا پس اس مدرسہ میں بصورت متذکرہ بالا زکوٰۃ اور چرم قربانی کا روپیہ بحیلہ جواز لگانا درست ہے یا نہیں جب کہ اس مدرسہ کا خرچ معلموں کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے؟ نیز مدرسہ کے روپیہ کو مہتمم اپنے ذاتی کام میں بطور قرض تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ جب مستحق کے پاس پہنچ گئی تو وہ ادا ہو گئی، اب اس نے جس کام کے لئے وہ روپیہ مدرسہ میں دیا

(۱) "یشترط أن يكون الصرف تملیکاً لا إباحةً، كما مرّ". (الدر المختار). "وفی التملیک إشارة إلى أنه لا یصرف إلى مجنون وصبی غیر مرأق إلا إذا قبض لهما من یجوز له قبضه کالأب والوصی وغیرهما". (رد المختار: ۳۲۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۹۰، الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۴، الفصل الثامن من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاہور)

ہے اس کی ہدایت کے موافق خرچ کرنا درست ہے اور یہی حال قیمت قربانی کا ہے (۱)۔ مدرسہ کاروپہ مہتمم کے پاس امانت ہے اپنے ذاتی کام میں صرف کرنا درست نہیں، اگر صرف کرے گا تو وہ قرض ہو جائے گا امانت نہ رہے گا یعنی اس کا تاوان واجب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۵/۵۶ھ۔

جب مدرسہ کے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے خرچ نہ کرنی چاہیے اور اب چونکہ وہ نیم سرکاری مدرسہ ہو گیا ہے اس لئے غرباء اور طلبائے مدارس اسلامیہ اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں (۳)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

مدرسہ میں زکوٰۃ کاروپہ دینا

سوال [۴۶۹۰]: دینی مدارس میں زکوٰۃ دینے والے مہتمم مدرسہ کو اس طرح دیتے ہیں کہ وہ صحیح

(۱) ”لا يجوز الزكاة، إلا إذا قبضها الفقير أو قبضها من يجوز قبضه له، لولايته عليه كالأب والوصي،

الخ“۔ (التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۲) كذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۳) ”الوديعة لا تودع ولا تعار ولا تجرو ولا ترهن، فإن فعل شيئاً منها ضمن“۔ (الفتاوى العالمكيرية،

كتاب الوديعة: ۴/۳۳۸، رشيديه)

(۴) ”التصدق على الفقير العالم أفضل من التصديق على الجاهل“۔ (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع

في المصارف، كتاب الزكاة: ۱/۱۸۷، رشيديه)

”وبهذا التعليل يقوى مانسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً إذا

فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلى مالا بدمنه“۔ (الدر المختار،

كتاب الزكاة: ۳/۳۳۵، رشيديه)

مصرف میں خرچ کرے، گویا مہتمم صاحب وکیل ہوتے ہیں۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ طلباء کی خوراک پوشاک میں بایں طور دینا جائز ہے کہ نہیں کہ زکوٰۃ کے روپے کا گندم و سالن وغیرہ خرید کر عام مطبخوں کی طرح تیار کر کے تقسیم کر دیا جائے، یا روپیہ ہی کا طلباء کو مالک بنا دیا جائے؟

عبد اللطیف، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ، ضلع مظفرنگر، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے روپے سے غلہ خرید کر مطبخ میں کھانا پکا کر مستحقین طلباء کو کھانے کا مالک بنا کر دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور نقد روپیہ دینے سے بھی ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۳ھ۔

فی الحال زکوٰۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال [۴۶۹۱]: زکوٰۃ کے پیسوں کی فی الحال ضرورت نہیں ہے مگر مدرسہ کے ابقاء اور ارتقاء اور استحکام کے پیش نظر بطور پیش بینی زکوٰۃ کی رقم لی جاتی ہے۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے، مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی تو نہیں؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ وصول کر کے حیلہ تملیک کرے اور پھر حسب مصالح صرف کرتا ہے تو حیلہ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ لینے سے انکار کر دے تو وقت ضرورت زکوٰۃ ملنا دشوار ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے بقاء و ارتقاء اور استحکام کے لئے صورت مسئلہ اختیار کرنا درست ہے، تملیک سے زکوٰۃ فوراً

(۱) ”ہی تملیک، خرج الإباحة، فلو أطعم یتیمًا ناویاً الزکاة لا یجزیہ، إلا إذا دفع إلیہ المطعوم، کما لو کساه بشرط أن یعقل القبض إلا إذا حکم علیہ بنفقتهم“۔ (الدر المختار: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی النہر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، امدادیہ)

ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں مصرف زکوٰۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو وہاں زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۹۲]: مدرسہ میں صرف ایک مدرس ہیں، وہی مہتمم ہیں، بوجہ فقر مصرف زکوٰۃ ہیں، مدرسہ بہت خستہ حالت میں ہے، کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، مدرسہ میں مقامی طلباء ہیں مگر گرد و نواح کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں، بعض مصرف زکوٰۃ ہیں بعض نہیں ہیں لیکن مدرسہ سے امداد نہیں چاہتے۔ تو اس صورت میں یہ مہتمم بحیثیت مہتمم ہونے کے بلا نیت اپنی تملیک کے محض مدرسہ کے واسطے زکوٰۃ کا روپیہ بقدر نصاب یا نصاب سے زیادہ بیک وقت کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اس خیال سے کہ آئندہ کوئی مصرف زکوٰۃ طالب علم آجائے اور خود کو بھی ضرورت ہوگی، امدادی روپیہ بہت ہی کم آتا ہے۔ برائے مہربانی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ وہاں زکوٰۃ کا مصرف موجود نہیں، اگر ہے بھی تو زکوٰۃ لینے کے لئے آمادہ نہیں، تو محض اس خیال سے کہ شاید آئندہ کبھی کوئی مصرف زکوٰۃ آجائے اور وہ زکوٰۃ کے لئے آمادہ بھی ہو جائے، زکوٰۃ وصول کرنا اور اس کو محفوظ رکھنا بہت بڑی ذمہ داری کو سر رکھنا اور اہل (مستحقین) کو محروم کرنا ہے، اس لئے انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مہتمم اگر حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ لیتا ہے تو یہ ناجائز ہے (۲)، اگر مصرف زکوٰۃ ہونے کی وجہ

(۱) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”بچوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا“۔)

(۲) ”لا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد؛ لأن التملك شرط فيها، ولم يوجد، كذا لا يبنى بها القناطر والسقايات..... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء، فيحصل له ثواب الصدقة، ويحصل للفقير ثواب هذه القرب“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الزهداية: ۲۰۴/۱، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، شركة علميه ملتان)

(و كذا في التاتار خانية: ۲۷۲/۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۴۳۳/۲، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹہ)

سے لیتا ہے اور خدمت مدرسہ کے عوض تنخواہ لیتا ہے یا حسبہً للخدمت کرتا ہے تو اس کے لئے درست ہے لیکن بقدر نصاب مالک ہونے کے بعد زکوٰۃ لینا درست نہیں اگرچہ آئندہ ضرورت پیش آنے کا گمان غالب ہو (۱)۔ یہ بات کہ وہ حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ لیتا ہے یا نہیں، اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کو زکوٰۃ بالکل نہ دی جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ مدرسہ کی خدمت حسب سابق کرتا ہے یا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں زکوٰۃ اور قیمتِ چرم قربانی

سوال [۴۶۹۳]: ہمارے یہاں ایک مکتب اسلامیہ درجہ چہارم تک قائم ہے جس میں دو مدرسین کام کرتے ہیں، سڑک بورڈ ضلع میرٹھ سے مبلغ پندرہ روپیہ ماہوار بطور امداد مقرر ہے، تعداد طلبہ ۷۲/۷ ہے، مکتب مذکور ضلع کے خاص مکتبوں میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں کے مسلمانوں کی حالت نہایت کمزور ہے، مکتب والے مالی امداد سے مجبور ہیں، طلباء سے فیس وغیرہ قطعاً نہیں لی جاتی اور غریب طلباء کے لئے کتابوں کا انتظام بمشکل چندہ سے کیا جاتا ہے۔ مکتب میں درجہ تین و چار میں فارسی بھی پڑھائی جاتی ہے، دینیات میں رسالہ ہائے تعلیم الاسلام مصنفہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب پڑھائے جاتے ہیں، ایک حافظ قرآن کا اضافہ کر کے حفظ کلام جاری کرنے کا ارادہ ہے۔ ایسی صورت میں چرم قربانی، نیز زکوٰۃ کا روپیہ اس مکتب کی امداد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ اور چرم قربانی کو تعمیر یا تنخواہ میں یا وقفی کتب و قرآن شریف خریدنے میں صرف کرنا جائز نہیں،

(۱) ”و کرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عیال، بحيث لو

فرقه عليهم لا یخص کلاً، أو لا یفضل بعد دینه نصاب، فلا یکره“۔ (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب

المصرف، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴۱۵/۲، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۳۰/۲، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی المحیط البرہانی: ۴۳۹/۲، الفصل الثامن من توضع زکوٰۃ فیہ، غفاریہ)

البتہ مستحق طلبہ کے وظائف میں صرف کرنا درست ہے کہ ان طلباء کے کپڑے وغیرہ بنا دیئے جائیں۔ اگر مکتب متولی یا مہتمم غریب اور مستحق ہو اور مالکان زکوٰۃ یا قیمت چرم قربانی ان کو دیدیں اور مالک بنادیں تو اس کو از خود تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا درست ہوگا (۱)۔ اسی طرح اگر کسی غریب مستحق کو دیگر قبضہ کرادیں اور وہ اپنی طرف سے مکتب کے لئے دیدے، تب بھی مکتب کی جمیع ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، یہ حکم ہے زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی کا (۲)۔ اگر مالکان قیمت نہیں بلکہ خود چرم قربانی کا مہتمم مکتب کو مالک بنادیں تو اس کے لئے مہتمم کا غریب اور مستحق زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہ مالدار ہونے کی حالت میں بھی اس کو حسب ضرورت صرف کر

(۱) ”ویشترط أن يكون الصرف تملكاً الخ“ (الدر المختار: ۳۴۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۵۷۲، باب من توضع الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصروف، امدادیہ)

(۲) ”(تمليکاً لا إباحة كما مر)، فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التملك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة

لا تكفي الخ“ (رد المحتار: ۳۴۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۵۷۲، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصروف، رشیدیہ)

اس کے لئے یہ صورت اختیار کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے مذکورہ کاموں کو کیا جائے: ”وحيلة التكفين بها التصديق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد“ (الدر المختار: ۲/۵۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصروف، امدادیہ)

(و کذا فی کفاية المفتی: ۴/۲۹۳، کتاب الزکاة، دارالاشاعت)

(و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۶۰۸، کتاب الزکاة)

سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/۵/۵۷ھ۔

مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف

سوال [۴۶۹۴]: زکوٰۃ کے روپیہ سے غریب و نادار طلبہ کی رہائش کے لئے حجرے بنانا، آلات دستکاری خریدنا، مدرسہ کے کتب خانہ کیلئے کتابیں خرید کر ایک وقت مقررہ کے لئے طلبہ کو مستعار دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲..... زکوٰۃ کے روپے سے اگر کوئی مکان اس لئے خریدا جائے کہ اس کی آمدنی سے غریب طلباء کو امدادی وظائف دیئے جائیں گے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۳..... زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسین اور معلمین دستکاری کو تنخواہیں دینا درست ہے یا نہیں؟
براہ کرم جملہ امور کا جواب بحوالہ کتب مسلک احناف کے مطابق مرحمت فرمایا جاوے۔ فقط والسلام۔
المستفتی: قاضی خلیق احمد، کنگ روڈ، ہرنا گڈ، کاٹھیاواڑ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... زکوٰۃ کے روپیہ کے لئے تملیک یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، حجرے بنانے، آلات اور دستکاری خریدنے اور کتب خرید کر مستعار دینے میں تملیک مستحق نہیں، لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ایسے مواقع میں صرف کرنا درست نہیں، البتہ اگر آلات اور کتب وغیرہ خرید کر بطور تملیک دیدیں تو درست ہے۔ نیز کسی مستحق کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ حجرے بنوادے یا کتب وغیرہ خرید کر مدرسہ میں وقف کر دے تب بھی درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی:

(۱) ”یتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال أو جراب وقربة ودلو، أو يبدل بما ينتفع به باقياً.....“

فإن بيع اللحم أو الجلد به أو بدراهم تصدق ثمنه، الخ“۔ (الدر المختار: ۶/۳۲۸، باب الأضحیۃ، سعید)

(و کذا فی الجوہرۃ النیرۃ: ۲/۲۷۱، کتاب الأضحیۃ، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق: ۸/۱۷۸، کتاب الأضحیۃ، رشیدیہ)

”وَحِيلَةُ الْكَافِرِينَ بِهَا التَّصَدَّقَ عَلَى فَقِيرٍ ثُمَّ هُوَ يَكْفُنُ، فَيَكُونُ الثَّوَابُ لِهَمَا، وَكَذَافِي تَعْمِيرِ الْمَسْجِدِ“۔ درمختار، ص ۱۳ (۱)۔

۲..... اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تمہلیک مستحق نہیں پائی گئی، بعد تمہلیک مکان وغیرہ بنوانا درست ہے (۲)۔

۳..... مدرسین اور معلمین دستکاری وغیرہ کی تنخواہ زکوٰۃ کے روپیہ سے دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ دیدی اور وہ مدرسہ میں دیدیں تو اس سے تنخواہ دینا درست ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۸/۵۳ھ۔
صحیح: عبداللطیف، ۱۹/شعبان/۵۳ھ۔

ایضاً

سوال [۴۶۹۵]: صدقہ فطر، چرم قربانی، زکوٰۃ، صدقات اور عشر سے مندرجہ ذیل مصارف جائز ہیں یا ناجائز:

- ۱..... طلباء کے لئے درجات: عالم، فاضل، درس نظامی وغیرہ کی کتابیں خرید کر طلباء کو مستعار دینا۔
- ۲..... مدرسہ کی ملکیت میں جو کتب ہیں ان کی جلد بندی۔ ۳..... عمارت مدرسہ کا کرایہ۔ ۴..... غیر مستطیع طلباء جو امتحان عالم و فاضل، منشی و کامل میں شرکت کریں ان کی فیس اور کرایہ ریل آمد و رفت۔ ۵..... مدرسہ کے لئے ضروری سامان چٹائی میز کرسی وغیرہ۔ ۶..... طلباء کو بطور انعام از قسم نقد یا کتب۔ ۷..... طلباء عربی کو وظیفہ علاوہ خوراک و لباس وغیرہ۔ ۸..... معلم قرآن و تجوید و قرآنہ کی تنخواہ۔ ۹..... اگر مدرسہ کی ذاتی عمارت نہ ہو تو مدرسہ کی تعمیر۔ ۱۰..... مدرسہ عربیہ کی ملکیت میں کتب مذہبی و ادب وغیرہ۔

محمد وسیم الحق چشم رحمت اور ثلیل کالج غازی پور۔

(۱) (الدر المختار، باب المصروف: ۲/۲۷۱، سعید)

(۲، ۳) (تقدّم تخریجہ تحت عنوان: ”کتب میں زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی“۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... ناجائز ہے، البتہ صدقاتِ نافلہ کو جمع مصارف مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے۔ ۲..... ناجائز،
 ۳..... ناجائز۔ ۴..... اگر وہ طلباء سید نہ ہوں تو خود ان کو دیدینا جائز ہے۔ ۵..... ناجائز۔ ۶..... جائز ہے
 بشرطیکہ وہ مستحق ہوں اور سید نہ ہوں۔ ۷..... جائز ہے بشرط مذکور۔ ۸..... ناجائز ہے۔ ۹..... ناجائز ہے۔
 ۱۰..... ناجائز ہے۔

اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی کی قیمت دیدی جاوے اور وہ خود اپنی طرف سے
 مدرسہ میں دیدے تو اس کو جمع مصارف مذکورہ بالا میں صرف کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
 حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

طلباء کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت

سوال [۴۶۹۶]: میں ایک ہندو محلہ میں متوکل امام ہوں عرصہ بارہ سال سے، الحمد للہ میری گذر
 اوقات اچھی ہو رہی ہے۔ کوئی ذاتی غرض نہیں ہے، محض مسجد کی آبادی کے لئے کچھ میرا خیال ہے کہ چند طلباء
 بیرونی رکھ لئے جائیں جو دین سیکھیں گے بصورت مدرسہ کے، ان کی سب ضروریات کے انتظام کا مال زکوٰۃ سے
 بعض احباب نے وعدہ کیا ہے، اس واسطے یہ مسائل دریافت کئے گئے ہیں، اگر مسئلہ کا جواب حوالہ جات سے تحریر
 فرمائیں تو نوازش ہوگی ورنہ ویسے بھی معتبر ہوں گے۔

عبدالعزیز امام مسجد نور، جالندھر شہر۔

(۱) ”مصرف الزکاة..... ہو فقیر..... وفى سبيل الله..... قيل: طلبة العلم..... يصرف
 المزكى الى كلهم أو الى بعضهم..... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لإباحة.....“
 (الدر المختار). ”فلا يكفى فيها الإطعام إلا بطريق التملك، الخ.“ (رد المحتار: ۳۴۰، ۳۴۲، باب
 المصروف، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۳، باب المصروف، رشيدية)

(و كذا فى التاتارخانية: ۲/۵۷۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا فى مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت) =

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحق طلباء کی ضروریات بصورتِ تملیک پوری کرنے کے لئے زکوٰۃ وغیرہ کا صرف کرنا شرعاً درست ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اس میں کسی حیلہ کی ضرورت نہیں (۱)، جس جگہ حیلہ کی ضرورت ہو اس کو تحریر کر کے دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ۔

صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۴۶۹۷]: طلباء میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو نصابِ شرعی کے مالک ہیں جن پر صدقۃ الفطر و قربانی واجب ہوتی ہے اور سوال کرنا حرام ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود طلبہ اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتے اس وجہ سے دارالعلوم سے امداد لیتے ہیں، بعض دورانِ تعلیم مقروض ہو جاتے ہیں، لوگ صراحۃً زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں وہ لے کر اپنا قرض ادا کرتے ہیں، کیا ایسے طلباء امداد لے سکتے ہیں اور زکوٰۃ و صدقات واجبہ لے کر اپنی ضروریات لے کر اپنی ضروریات قرض وغیرہ میں کام لا سکتے ہیں؟ اور دینے والوں کی زکوٰۃ و صدقات ادا ہو جاتے ہیں اور اگر ادا نہیں ہوتے تو ان طلبہ کی تکمیلِ تعلیم کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو طلبہ اپنے وطن میں صاحبِ نصاب ہیں اور یہاں نہیں اور اپنے وطن سے منگا بھی نہیں سکتے وہ زکوٰۃ،

= (و کذا فی النہر الفائق: ۱/ ۴۱۱، کتاب الزکاة، إمدادیہ)

وراجع للتفصیل عنوان: ”طلباء کو یکجا بٹھا کر کھانا کھلانا“۔

(۱) ”مصرف الزکاة..... ہو فقیر..... وفی سبیل اللہ..... قیل: طلبۃ العلم..... یصرف المزکی

إلی کلہم أو الی بعضہم..... ویشرط أن یكون الصرف تملیکاً لا إباحۃً..... اھ“۔ (الدر المختار).

”فلا یکفی فیہا الإطعام إلا بطریق التملیک، الخ“۔ (رد المختار: ۳۴۰، ۳۴۴، باب مصرف، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۱۹، باب مصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزکوة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

= (و کذا فی مجمع الأنہر: ۱/ ۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قیمتِ چرم قربانی، صدقۃ الفطر کے مصرف ہیں ان کو یہ چیزیں اگر دی جائیں اور یقیناً دی جائیں اور یقیناً دی جاتی ہیں تو واجب ادا ہو جاتا ہے (۱)۔ داخلہ کے وقت ان کے ساتھ اگر چہ ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اور اس دن کے لئے ان کے لئے سوال کرنا ناجائز ہو، لیکن وہ صرف اس دن کے لئے سوال نہیں کرتے نہ ان کا سوال اس دن پورا کر دیا جاتا ہے بلکہ وہ تمام سال قیام کا ارادہ کرتے ہیں اور تمام سال کے مصارف ان کے ساتھ موجود نہیں اور کسی دوسری جگہ سے آمدنی کی توقع بھی نہیں، اس لئے ان کا حکم وہ نہیں جس کا شبہ ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۷ھ۔

طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھلانا

سوال [۴۶۹۸]: جس مدرسے میں زکوٰۃ کے پیسے دیئے جاتے ہیں تو مستحق زکوٰۃ کو مطبخ سے حو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ امیر غریب سب کو ساتھ بٹھا کر کھلانے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تو نہیں آئے گی؟

= (و کذا فی النہر الفائق: ۱/۱۱۴، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(۱) ”وبہذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من أن طالب العلم یجوز له أخذ الزکاة ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الکسب، والحاجة داعية إلى ما لا بد منه، الخ“۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۰، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنہر: ۱/۳۲۶، باب بیان أحكام المصرف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی الفقہ الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۵۹، مصارف الزکاة، رشیدیہ)

(۲) ”ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ولو سأل للکسوة أو لا شغاله عن الکسب بالجهاد، أو طلب العلم جاز، أو محتاجاً“۔ (الدر المختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۳۷، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۴۶۹، باب المصرف، امدادیہ)

(و کذا فی الدر المنتقى: ۱/۳۳۳، باب فی بیان أحكام المصارف دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کا کھانا مستحق کو بطور تملیک دینا لازم ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ اتنی مقدار میری ملک ہے خواہ میں کھاؤں یا فروخت کروں یا کسی کو کھلاؤں (۱) اور ایک ساتھ سب کو بٹھا کر کھلانے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مطبوع سے بمذ زکوٰۃ طلبہ کو کھانا دینا

سوال [۴۶۹۹]: حضرت مفتی صاحب زید مجدکم العالی! السلام علیکم

آپ کا مرسلہ جواب موصول ہو گیا، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوراک طلبہ کے سلسلہ کے دیگر اخراجات کی طرح تنخواہ باورچی بھی ایک خرچ ہے یعنی تنخواہ باورچی کی نوعیت درج ذیل اخراجات سے مختلف مثلاً طلبہ کے لئے راشن لانے کا صرفہ، گندم کی پسائی، سوختہ کی خریداری اور اس کی چرائی وغیرہ، کیا ان اخراجات کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، اگر نہیں ہے تو ان سب کا مد زکوٰۃ سے دینا ناجائز ہوگا اور اگر ہے تو کیا اور کیوں؟ مدلل جواب کی ضرورت ہے۔ فقط زید۔

(۱) ”(تملیکاً لا إباحةً كما مرّ) فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التملیک، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لا تكفي، الخ“۔ (رد المحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۵۷، من توضیح الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشیدیہ)

اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرا دی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: ”وحيلة التكفين بها التصديق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما،

و کذا فی تعمیر المسجد“۔ (الدر المختار ۲/۵۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشیدیہ)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امدادیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

” (ہی تملیک) خرج الإباحة (جزء مال) خرج المنفعة، فلو أسکن فقيراً داره سنةً ناویاً، لا یحزیه، ۱ھ“۔

” (قوله: فلو أسکن) فی البحر إلى الكشف الكبير، وقال قبله: والمال صرح به أهل الأصول، يتمول ويدخر للحاجة وهو خاص بالأعيان فخرج تملیک المنافع، ۱ھ“۔ در مختار وشامی (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک مال ضروری ہے محض تملیک منافع سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، گندم پسائی اور سوختہ کی چرائی وغیرہ میں بھی مد زکوٰۃ سے صرف کرنا درست نہیں، یہی حال تنخواہ باورچی کا ہے، ان مواقع پر صرف کرنے سے طلبہ کی ملک میں مال نہیں پہنچتا بلکہ ان کو منافع حاصل ہوتے ہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اگر جواز کی صورت مطلوب ہے تو اس طرح کیا جائے (کہ) مدرسہ اپنی طرف سے غلہ سوختہ وغیرہ خرید کر کھانا تیار کرائے اور اس میں مد زکوٰۃ سے صرف نہ کرے پھر تیار شدہ کھانے کی قیمت لگا کر یا طلبہ کے ہاتھ فروخت کرے اور طلبہ کو بصورت نقد مد زکوٰۃ سے وظیفہ دے کر کھانے کی قیمت ان سے وصول کر لے یا وہ تیار شدہ کھانا مد زکوٰۃ کے جمع شدہ روپیہ سے بدل کر مدرسہ اپنا خرچ شدہ روپیہ (جس میں پسائی، چرائی، تنخواہ باورچی وغیرہ سب داخل ہیں) وصول کر لے اور اس زکوٰۃ میں یہ کھانا طلبہ کو دیدے، اس صورت میں یہ نہیں ہوگا کہ مد زکوٰۃ کا روپیہ منافع طلبہ میں خرچ ہوا بلکہ تیار شدہ کھانا مد زکوٰۃ سے خرید کر (بدل کر) طلبہ کو دیا گیا ہے اور وہ کھانا دینا یقیناً تملیک المال ہے (۲) تملیک المنفعة نہیں، لہذا ادائے زکوٰۃ میں خلجان نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ذی الحجہ/۶۶ھ۔

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۵۷، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی الدر المنقذ فی شرح الملتقى: ۱/۲۸۴، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، امدادیہ)

(۲) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھانا کھانا“۔

غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوٰۃ کو صرف کرنا

سوال [۴۷۰۰]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحب نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہو گیا ہے وہ ادا کر دو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر دیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں لاچاروں و تنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کر دیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مد زکوٰۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا نا سمجھ نہ ہو (۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۹۲ھ۔

زکوٰۃ سے ملازمین مدرسہ کو تنخواہ دینا

سوال [۴۷۰۱]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ عربیہ عرصہ سے قائم ہے جس میں دینی تعلیم دی جاتی ہے

(۱) ”فی التملیک إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق..... ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ“۔ (رد المحتار: ۳۴۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۰ الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتار خانیۃ: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی) =

اور غریب و نادار طلبہ کے قیام و طعام لباس اور دیگر ضروریات سے امداد و اعانت کی جاتی ہے۔ مدرسہ مذکورہ میں کئی قسم کی آمدنیاں ہیں، قسم اول: منافع جائیداد موقوفہ، چندہ عمومی، خصوصی امداد سرکاری، صدقات نافلہ۔ قسم دوم: صدقات مثل زکوٰۃ و قیمت کھال وغیرہ وغیرہ۔

آمدنی قسم اول تنخواہ مدرسین و ملازمین و دیگر مصارف دفتر وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے اور قسم دوم خوراک طلبہ و پوشاک و دیگر ضروریات طلبہ میں خرچ کی جاتی ہے کیونکہ آمدنی قسم اول مصارف قسم اول کے لئے ناکافی اور اراکین مدرسہ میں بعض ایسے خیال کے حضرات بھی ہیں جو حیلہ شرعی کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا آمدنی قسم دوم میں سے محصل و محرر و محاسب جو اس مدرسہ میں بھی کام کر رہے ہیں اور ان کی اجرت یا تنخواہ حصہ ہنر اس میں سے دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صدقات واجبہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ ان کو مصارف (فقراء وغیرہ) پر بطور تملیک بلا عوض صرف کیا جائے لہذا تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اگر کارکنان مدرسہ بغیر شرعی حیلے کے تنخواہ میں دیں گے تو زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی (۱) اور اصل معطی کے حق میں یہ لوگ ضامن ہوں گے، ہکذا فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (و کذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إلیه وما لا يجوز، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(۱) ”(تملیکاً لا إباحة كما مرّ) فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاً للزکاة لا تکفی، الخ“۔ (رد المحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، من توضیح الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشیدیہ)

اس کی صورت یہ اختیار کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: ”وحيلة التكفين بها التصديق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون =

زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا

سوال [۴۷۰۲]: ایک مدرسہ ہے جس میں بیرونی طلبہ بہت کم ہیں، غریب مدرسہ ہے، اگر طلباء کو روپیہ دیدیں تو ممکن ہے کہ لے کر بھاگ جائیں، آخر مدرسین کی تنخواہ کس طرح دی جائے؟ مدرسین مال زکوٰۃ لیں یا نہ لیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ کا غرباء پر تملیکاً صرف کرنا بلا معاوضہ ضروری ہے، مدرسین وغیرہ کی تنخواہ میں براہ راست دینا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی (۱)، لڑکوں پر تعلیمی فیس تجویز کردی جائے اس سے ملازمین کی تنخواہ ادا کی جائے، جو لڑکے غریب ہوں ان کو زکوٰۃ سے وظیفہ دیا جائے وہ اس سے فیس دیدیا کریں، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور تنخواہ کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوٰۃ سے تنخواہ دینا

سوال [۴۷۰۳]: قومی فنڈ جہاں عشر و صدقات وغیرہ جمع ہوتے ہیں اس سے بچوں اور طالب علموں کو پڑھانے والے استاد کو تنخواہ یا خرچ دینا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں اور آج کل بڑے بڑے مدارس میں جہاں زکوٰۃ وغیرہ جمع ہوتی ہے، بغیر کسی حیلے کے اساتذہ کو تنخواہیں دیتے ہیں۔

= الثواب لهما، وكذا في تعمیر المسجد“۔ (الدر المختار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصروف، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصروف، امداديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۴/۲۹۳، كتاب الزكاة، دارالإشاعت كراچی)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم دیوبند: ۶/۶۰۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجہ تحت عنوان: ”زکوٰۃ سے ملازمین مدرسہ کو تنخواہ دینا“۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقوم واجب التملیک ہیں ان کو براہ راست اساتذہ کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، پڑھنے والے مستحق طلبہ کی ضروریات طعام، لباس، کتاب وغیرہ کو ان رقوم سے تملیکاً پورا کرنا درست ہے (۱)، ارباب مدارس کو اس کا اہتمام و انتظام لازم ہے کہ وہ رقوم کے امین ہیں اور مسائل شرعیہ پر عمل کے بڑے ذمہ دار ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ و عطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال [۴۷۰۴]: جس ادارہ میں یہ نظم نہیں ہے کہ زکوٰۃ اور عطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں بلکہ گڈڈ ہوں اس سے مدرسین و ملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور پھر زکوٰۃ کی رقموں میں تملیک نہیں ہوتی وہ زکوٰۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) ”(تملیکاً لا إباحة كما مر) فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لا تكفي، الخ“۔ (رد المحتار: ۳۴۴/۲، باب المصروف، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۵۷، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصروف، رشيدية)

اس کی صورت یہ اختیار کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: ”وحيلة التكفين بها التصديق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما و كذا في تعمیر المسجد“۔ (الدر المختار: ۲/۵۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصروف، رشيدية)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصروف، امداديه)

(و كذا في كفاية المفتي: ۴/۲۹۳، كتاب الزكاة، دار الإشاعت كراچی)

(و كذا في فتاوى دار العلوم دیوبند: ۶/۶۰۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم کا تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے، مخلوط میں سے جتنی زکوٰۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ہے (۱)۔ معطی کو اطلاع کر دی جائے کہ وہ اتنی زکوٰۃ خود ادا کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

مال زکوٰۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا

سوال [۴۷۰۵]: یہاں اکثر مدارس میں مدرسین کی تنخواہیں خورد و نوش کے علاوہ متعین کی جاتی ہیں گویا کہ مکمل تنخواہ میں سے خورد و نوش کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے تو اب اگر مدرسہ میں بمد زکوٰۃ و صدقات کوئی مال آئے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اساتذہ کھانے کی قیمت ادا کر رہے ہیں؟

(۱) ”ولو دفعها المعلم خليفته إن كان بحيث يعمل له لم يُعطه، صح، وإلا لا“۔ (الدر المختار)۔ ”قوله: إلا لا“: أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض، الخ“۔ (رد المحتار، باب المصروف: ۳۵۶/۲، سعيد)
(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

”سئل عن معلّم له خليفة في المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب الواحهم ولم يستاجر به بشي معلوم وما اشترط شيئاً، والمعلّم يعطيه في الأحيان دراهم بنية الزكاة، هل يجوز عن زكاة؟ قال: نعم، إلا أن يكون بحيث لو لم يُعطه، لم يعمل له ذالك في مكتبه“۔ (الفتاوى التاتارخانية: ۲/۲۰۹، ۲۱۰، كتاب الزكاة، قديمی)

(۲) ”أما إذا ظهر أنه غنيّ لا يجوز، وعليه أن يعيدها بالإجماع“۔ (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

”لولم يتحرّر ولم يشك فظهر أنه ليس مصرفاً، أعاد إجماعاً، الخ“۔ (النهر الفائق: ۱/۴۶۷، باب المصروف، رشيدية)

”في الحديث المذكور ثلاثة أشياء، فما وجه الترجمة في التصديق على الغني؟ قلت: على الغني لا يجوز على كل حال، حتى إذا أعطى زكاته لغنيّ يظنّه فقراً، ثم بان له أنه غنيّ، يُعيد زكاته، الخ“۔
(عمدة القارى: ۸/۴۱۱، باب: إذا تصدق على غني وهو لا يعلم، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مقدار اساتذہ جزو تنخواہ (حق الخدمت) کے طور پر کھائیں گے اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا حساب رکھنا ضروری ہے، اسی طرح دیگر ملازمین وغیرہ مستحق پر صرف کرنے کا حال ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ادائے زکوٰۃ بغیر تملیک کے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا

سوال [۴۷۰۶]: اگر مہتمم مدرسہ بغیر تملیک کے مدرسین کو تنخواہ دیتا ہے، جبکہ مہتمم سے کہہ دیا گیا ہو جو کہ بغیر تملیک کے زکوٰۃ کے مال کا صرف کرنا جائز نہیں تو اس صورت میں مدرسین کے اوپر تو کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسین کو معلوم ہے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ میں دیا جا رہا ہے تو وہ لینے سے انکار کر دیں، تاہم اگر لے لیں گے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور مہتمم کے ذمہ ضمان لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا

سوال [۴۷۰۷]: ایک مدرسہ اسلامیہ مقروض ہے اور چندہ کے پیسے سے چلتا ہے، اس کی مالی حالت بہت کمزور ہے، کیا زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرضہ ادا کیا جاسکتا ہے جبکہ مدرسہ میں کوئی طالب علم یتیم نہیں ہے؟

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "زکوٰۃ سے تنخواہ دینا")۔

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلا عوض شرط ہے، جبکہ ملازمین مدرسہ و معلمین کو تنخواہ بطور معاوضہ کے دی جاتی ہے جو تملیک بلا عوض نہیں: "ولو دفعها [أى الزکوۃ] المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا".

(الدر المختار، کتاب الزکوٰۃ، باب المصروف: ۳۵۶/۲، سعید)

(و کذا فی کفاية المفتی: ۲۸۷/۴، کتاب الزکاة، دارالاشاعت کراچی)

مدرسہ بہت قرض دار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی غریب مستحق کو اس کا مالک بنا دیا جائے (۱)، پس جو پیسہ مدرسہ میں زکوٰۃ کا دیا گیا ہے، اگر براہ راست اس سے مدرسہ کا قرض ادا کر دیا جائے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ: زکوٰۃ کا پیسہ براہ راست تنخواہ و تعمیر میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”(تملیکاً لا إباحة كما مر) فلا يكفي فيها إلا طعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة

لا تكفي، الخ“۔ (رد المحتار: ۳۴۳/۲، باب المصرف، سعید)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۳، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشیدیہ)

”وحيلة التكفين بها التصديق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمیر

المسجد“۔ (الدر المختار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشیدیہ)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امدادیہ)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ”ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحة كما مر (لا)

يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد) (الدر المختار)۔“ (قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات

وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تملك فيه“۔ (رد المحتار، كتاب الزكاة،

باب المصرف: ۳۴۳/۲، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشیدیہ)

(و كذا في تبیین الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۱۲۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوٰۃ

سوال [۴۷۰۸]: دارالعلوم دیوبند میں جتنی بھی انجمنیں ہیں مثلاً پورنیہ والوں کی الگ ہے، چمپارن کی الگ ہے، ہر ضلع کی الگ الگ ہے۔ ان انجمنوں سے طالب علم مالی و کتابی ہر صورت کا فائدہ اٹھاتے ہیں جس کو آپ بخوبی جانتے ہوں گے، ایسی انجمنوں میں زکوٰۃ کا مال یا صدقۃ الفطر یا چرم قربانی یا صدقہ وغیرہ جتنے بھی ایسے مال ہوں جو صاحبِ نصاب پر واجب ہو رہے ہوں، ان مالوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟

محمد سلیم الدین پورنوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی کا غریبوں پر صدقہ کر دینا واجب ہے، پس جو انجمن صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا انتظام کرے اس کو دینا درست ہے، محض قرض دینے یا مستعار کتابیں دینے سے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی، ایسے پیسہ سے غریب مستحق طلباء کو کھانا کپڑا دینا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۹۲ھ۔

اسکول میں زکوٰۃ و صدقۃ فطر

سوال [۴۷۰۹]: یہاں ایک اردو اسکول مسلمانوں کی طرف سے جاری ہے جس کے اجراء کے وقت دینیات اور کلام مجید کی تعلیم کے لئے مسلمانوں کو اطمینان دیدیا گیا مگر عملاً دینیات اور کلام مجید کی تعلیم نفی کے برابر ہے اور اردو و انگریزی کی تعلیم گورنمنٹ نصاب کے مطابق دی جاتی ہے۔ اس اسکول میں غرباء اور یتیم بچوں کے قیام اور نان و نفقہ کا کوئی انتظام نہیں ہے اور مقامی بیوگان اور یتیمی ضرورت سے زیادہ حاجت مند

(۱) ”ویشترط أن يكون الصرف تمليكاً، الخ“۔ (الدر المختار: ۳۴۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصروف، امدادیہ)

ہیں۔ ایسی صورت میں فطرہ، صدقہ، زکوٰۃ، خیرات، چرم قربانی وغیرہ اس اسکول میں دیا جانا جائز ہے یا نہیں جب کہ اس اسکول کے لئے کافی ذرائع دیگر آمدنی کے ہوں؟

۲..... موجودہ زمانہ میں ناخواندہ مسلمانوں کو دینیات سے باخبر کرنے کی غرض سے مدرسہ شبینہ جاری کر کے اردو پڑھانے پر خرچ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے یا انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا فرض ہے؟ چرم قربانی، زکوٰۃ، فطرہ کا بیت المال میں براہ راست استفادہ مقامی بیواگان و یتامی کرنا ثواب ہے یا انگریزی پر؟ امید ہے کہ مستفسرہ سوالات کے تمام و کمال شرعی احکام سے علماء کرام مطلع فرما کر داخل حسنات ہوں۔

الجواب حامداً وصلياً:

۱..... اگر ان یتیم و غریب مستحق بچوں کو زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ، چرم قربانی کی قیمت دی جائے تو شرعاً درست ہے (۱) لیکن مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کی کسی اور ضرورت میں خرچ کرنا جائز نہیں (۲)۔ جبکہ اسکول کا خرچ دوسرے طریقے سے ملتا ہے اور یتیم بچوں کے لئے قیام اور نان و نفقہ کا کوئی انتظام نہیں تو پھر اسکول والے اس زکوٰۃ وغیرہ کو کس جگہ صرف کرتے ہیں، بظاہر صحیح مصرف میں نہ صرف کرتے ہوں گے اس لئے وہاں اس قسم کے روپیہ وغیرہ نہیں دینا چاہیے اور جبکہ مقامی بیواگان و یتامی زیادہ حاجت مند ہیں تو پھر انہیں کو دینا

(۱) "یشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر". (الدر المختار). "وفي التملك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون و صبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما". (رد المحتار: ۳۲۴/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع في مصارف الزكاة، رشيدية)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۴۳۴/۲، الفصل الثامن من توضيح الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاہور)

(۲) "لا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد؛ لأن التملك شرط فيها، ولم يوجد، كذا لا يبنى بها القناطير والسقايات..... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء، فيحصل له ثواب الصدقة، ويحصل للفقير ثواب هذه القرب". (تبين الحقائق: ۱۲۰/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الهداية: ۲۰۴/۱، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، شركة علميه ملتان)

(و كذا في التاتار خانية: ۲۷۲/۲، باب من توضيح الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۴۳۳/۲، باب من توضيح الزكاة فيه، غفاريہ كوٹہ)

چاہیے اسکول میں نہیں دینا چاہیے (۱)۔

۲..... مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے جس قدر روپیہ خرچ کریں گے سراسر عبادت اور ثواب ہے، اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو دین سے واقف کرانے کے لئے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے جتنا بھی مال صرف کریں اس میں اجر عظیم ہے خواہ یہ معلومات کی تحصیل عربی کے ذریعہ ہو یا فارسی، اردو کے ذریعہ ہو۔ موجودہ زمانہ میں انگریزی تعلیم کے نتائج مذہبی حیثیت سے بہت ہی خراب نکلتے ہیں جیسا کہ شب و روز مشاہدہ ہے اور جو کچھ مذہب سے ناواقفیت ہے وہ بھی ظاہر ہے، اس لئے اہل اسلام کے ذمہ فرض ہے کہ حتی الوسع خود بھی مذہب اسلام سے واقفیت پیدا کریں اور دوسروں کو بھی واقف بنائیں اور جب تک مذہب میں اعتقاداً و عملاً پختگی نہ ہو جائے اس وقت تک ہرگز انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہوں، جو شخص مذہب کی پوری واقفیت کے ساتھ پختگی رکھتا ہے اس کو کسی ضرورت سے انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں مضائقہ نہیں، اس سے پہلے احتیاط و اجتناب لازم ہے۔ جس تعلیم کے نتائج اس قدر خراب ہوں کہ عقائد و اعمال سب کچھ بدل جاتے ہوں اور بگڑ جاتے ہوں اس کا حاصل کرنا اور اس پر روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ زکوٰۃ اور فطرہ کا ایسی جگہ خرچ کرنا، اس لئے مستحقین غرباء و یتامی و بیوگان پر اس روپیہ کو صرف کرنا واجب ہے۔ چرم قربانی مالدار کو بھی دینا درست ہے لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا جائے تو قیمت کسی غریب کو دینا واجب ہے نہ تو خود رکھنا جائز ہے نہ مالدار کو دینا جائز ہے، پس اس کا حکم زکوٰۃ کا سا ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/۷/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم۔

(۱) ”کرہ نقلہا، إلا إلى قرابة..... أو أحوج أو أصلح أو أروع أو أنفع للمسلمين، الخ.“

(الدر المختار: ۳۵۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی النہر الفائق: ۱/۲۶۹، باب المصرف، امدادیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۳۱/۲، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۸۱، من توضیح الزکاة فیہ، ادارۃ القرآن)

(۲) ”فإن بیع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدرهم، تصدق ثمنه.“ (الدر المختار: ۳۲۸/۶، سعید)

”وہو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة“۔

(رد المحتار، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعید)

”و يتصدق بجلدها؛ لأنها جزء منها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجواب

والغربال“۔ (الجوہرۃ النیرۃ: ۲/۲۷۱، کتاب الأضحیۃ، قدیمی)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقہ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

نصاب صدقة الفطر

سوال [۴۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعی متین مسئلہ ذیل میں کہ:

بہشتی زیور، ص: ۳۶، تیسرا حصہ، حاشیہ اول میں ذکر کیا گیا ہے (۱) جس کا حوالہ مراقی الفلاح علی حاشیہ

الطحاوی، ص: ۳۹۴ کہ:

”صدقۃ الفطر تجب علیٰ حر مسلم مکلف مالک لنصاب أو قیمته وإن لم يحل علیہ الحول، عند طلوع فجر يوم الفطر، ولم یکن للتجارة، فارغ عن الدين، و حاجته الأصلية، و حوائج عیالہ. والمعتبر فیہا الکفاية لا التقدير، وھی مسکنه واثاثه و ثیابه و فرسه و سلاحه و عبیدہ للخدمة“ (۲)۔

تو مضمون ہذا سے ہماری عقل میں بہت کم لوگوں پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔

۱..... ذیل میں جتنی اشیاء ذکر کی گئی ہیں وہ سب ہماری حوائج الاصلیہ اور حوائج عیالیہ ہیں: مسکنہ

ثیابہ، اثاثۃ المنزل، فرسہ، ودابۃ للركوب، سلاحہ، کتابہ. اس کے سوا آباد کرنے کے لئے بیل یعنی ہل جو تنے کیلئے اور دودھ پینے کیلئے، بوجھ ڈھونے کیلئے، زمین، دھان، گہوں وغیرہ، لہذا بہشتی زیور نمبر: ۲ کے مسئلہ کے اعتبار سے یہ ہر ایک اگرچہ ہزاروں روپیہ کی قیمت کا ہوا اور ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو صدقہ فطرہ واجب نہیں۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

۲..... ہمارے سامنے شریف الدین اور امیر الدین کے درمیان مخاصمت ہوئی، شریف الدین کہتا ہے

(۱) (بہشتی زیور، ص: ۲۵۰، تیسرا حصہ، صدقہ فطر کا بیان، المکتبۃ المدنیۃ، لاہور)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الايضاح، ص: ۷۳۲، کتاب الزکوۃ، باب صدقة الفطر، قدیمی)

کہ اوپر میں جو ذکر کیا گیا ہے حوائجِ اصلیہ اور حوائجِ عیالیہ اگر وہ سب اشیاء عید الفطر کے روز موجود نہ ہوں جتنا ہی قیمت کا ہو صدقہ فطر واجب ہوگا۔

امیر الدین کہتا ہے ہر گز نہیں، جتنا اشیاء اوپر میں ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضروری اسباب ہیں اس کے سوا اگر کوئی اور اسباب موجود ہوں جو نصاب تک ہو سکے جیسے کریم الدین کے پاس عید الفطر کے روز تین سو من دھان یا گہوں موجود ہے، موسم فصل آتے وقت اس کو دو سو من دھان یا گہوں کی ضرورت ہوتی ہے باقی ایک ایک سو من دھان یہ نصاب میں شامل ہوگا اور اسی کو فاضل عن الضرورة کہتا ہے۔

میں نے کہا کہ عید الفطر کے روز حوائجِ عیالیہ پر جتنے دھان یا گہوں کی ضرورت ہوتی ہے باقی دھان حوائجِ عیالیہ یا حوائجِ اصلیہ نہیں۔ تو ان میں سے کس کی بات معتبر ہوگی؟

۳..... زید مزدوری کر کے کھاتا ہے، ایک بیگہ زمین بھی نہیں صرف اس کے پاس ایک گائے موجود ہے اور گائے کا دودھ بچوں کو پلاتا ہے، اس کی طاقت نہیں کہ بازار سے دودھ خرید کر بچوں کو پلا دے حالانکہ اس کی قیمت سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟

۴..... زکوٰۃ اور صدقہ کے نصاب میں کیا فرق ہے اور کس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، نیز زمین والا غریب جو یہاں لوگوں کو دھان یا روپیہ قرض دیتا ہے اور موسم فصل میں ادا کرتا ہے تو یہ زکوٰۃ کے نصاب میں شامل ہوگا یا نہیں؟

۵..... صدقہ فطر، قربانی کے چرم کی قیمت اور زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ میں حیلہ کر کے دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

خادم القوم محمد منصب، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، ساکن سند رکھاتہ، ڈاکخانہ کھوگا کھوڑی، باڑی، ضلع رنگپور، پاکستان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مسئلہ اسی طرح ہے دیگر کتب فقہ بحر، بدائع وغیرہ میں بھی مذکور ہے، ایسے شخص پر صدقہ فطر واجب

نہیں (۱)۔

۲.....صرف عید الفطر کے روز کی حوائج کا اعتبار نہیں کہ اس روز کی حاجت سے جو زائد مقدار ہو اس پر صدقہ فطر واجب کر دیا جائے:

”وإن لم يكن النصاب نامياً وكدار لا تكون للسكنى، ولا للتجارة، ولو كان له دار واحدة يسكنها، وفضلت عن مسكنه يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصاباً، وكذا ما فضل عن الثلاثة من الثياب للشتاء والصيف، وعن فرسين للغازی، وفرس وحمار للغير، وعن نسخة واحدة من مصنف من كتب الفقه لأهلها، واثنين من التفسير والحديث، الواحد من المصاحف. وفي الخلاصة: لو كانت له كتب، إن كانت كتب الطب والنجوم والأدب يعتبر نصاباً،..... ولو كانت له دور وحوانیت للغلة، وهی لا تكفی عیاله، فهو من الفقراء علی قول محمد، خلافاً لابى يوسف.....، ولا يعتبر ما قيمته نصاب من قوت شهر بلا خلاف عندنا، وقال الشافعی: تجب علی كل من يملك زيادة علی قوة يومه لنفسه وعیاله، اه“. مجمع الأنهر: ۱/۲۲۶ (۱)۔

۳.....محض اس گائے کی وجہ سے صدقہ الفطر واجب نہ ہوگا (۲)۔

۴.....مقدار نصاب میں صدقہ الفطر کے لئے نقدین کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نقدین کے برابر کوئی اور چیز قیمتی ہو تب بھی صدقہ الفطر واجب ہوگا اور زکوٰۃ جب واجب ہوگی کہ نقدین ہوں یا نقدین کے قائم مقام سوائے یا مال تجارت ہو، الحاصل مقدار تو برابر ہی ہے لیکن زکوٰۃ کے لئے نامی اور حولی ہونا ضروری ہے حولی ہونا یعنی سال بھر کا گزرنا (۳)۔

= (و كذا فى النهر الفائق: ۲/۴۷۰، باب صدقة الفطر، امدادیہ)

(و كذا فى تبیین الحقائق: ۲/۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمیة بیروت)

(و كذا فى مجمع الأنهر: ۱/۲۲۶، ۲۲۷، باب صدقة الفطر، دار إحياء التراث العربی)

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۲۲۶، ۲۲۷، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و كذا فى تبیین الحقائق: ۲/۱۳۳، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمیة بیروت)

(۲) (راجع، ص: ۲۱۴، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) ”تجب..... علی كل حر مسلم ولو صغيراً مجنوناً ذی نصاب فارغ عن حاجته الأصلية كدينه وحوائج عیاله وإن لم ينم كما مر، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۳۵۹، صدقة الفطر، سعید).....=

۵..... یہ چیزیں واجب التملیک ہیں، اگر مستحق کو تملیکاً دی جائیں اور پھر وہ اپنی طرف سے بلا کسی دباؤ کے بخوشی دیدے تو مصالح مدرسہ میں یعنی تعمیر و تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔ بلا تملیک درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۱۴۱۹ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذی الحجہ۔

مصرف فطرہ وفدیہ

سوال [۴۷۱۱]: استفتاء: مخدومی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

- ۱..... صدقہ فطر کے مصرف اور فدیہ کے مصرف میں قول رائج پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟
 - ۲..... کئی ایام کے فدیہ صوم و صلوٰۃ کی رقم کسی ایک شخص کو ایک دم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ درمختار سے
- مثلاً صدقہ فطر حکم سمجھ میں نہیں آتا ہے، شامی کی عبارت سے تردد ہو گیا ہے، لہذا آپ سے قول رائج کی تحقیق مطلوب ہے۔ فقط۔

ابرار الحق، ۱۳/ رمضان/ ۱۴۰۰ھ۔

= (وکذا فی النہر الفائق: ۱/ ۴۷۱، باب صدقة الفطر، إمدادیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/ ۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

”ولا تجب هذه الصدقة إلا على حر مسلم غنی، والغنی أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه، وإن كان يساوی مالا عظيماً و ثيابه و أثاثه، الخ“۔ (التاتارخانیۃ: ۲/ ۴۱۸، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ”ویشترط أن يكون الصرف تملیکاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد..... ان الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیۃ: ۲/ ۲۷۲، من توضع الزکاة فیہ، إدارة القرآن کراچی)

= (وکذا فی المحيط البرہانی: ۲/ ۴۳۳، من توضع الزکاة فیہ، غفاریہ کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱..... دونوں کا مصرف ایک ہے (۱)۔

۲..... کئی ایام کے صوم و صلوٰۃ کے فدیہ کی رقم شخص واحد کو دینا درست ہے اس میں تعدد شرط نہیں:

”فدية كل صلوۃ كصوم يوم، وهو الصحيح، ولا يشترط هنا تعدد المساكين“. سكب الأنهر (۲)۔ ”ثم إن شاء أعطى في أول رمضان، وإن شاء أعطى في آخره، ولا يشترط في المدفوع إليه العدد، اهـ“. طحطاوی علی مراقی الفلاح (۳)۔

شامی کی جس عبارت سے آپ کو تردد پیدا ہوا اس سے کچھ پہلے دیکھیے:

”وفدى لزوماً عنه: أى عن الميت وليه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدرأ“. درمختار۔
 ”(قوله: قدرأ): أى التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذ لا يشترط التملك هنا، بل تكفى الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هى مثل الفطرة من حيث الجنس و جواز أداء القيمة. وقال القهستاني: وإطلاق كلامه يدل على أنه لو دفع إلى فقير جملةً جاز، ولم يشترط العدد ولا المقدار، لكن لو دفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، وبه يفتى، اهـ“. شامی (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
 حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/رمضان/۱۴۰۰ھ۔

= (و كذا فى البحر الرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشيدية)

(۱) ”ولو مات عليه صلوات فائنة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة“۔
 (الدر المختار: ۷۲/۲، كتاب الصلوة باب قضاء الفوائت، سعيد)

”و مصرف الزكاة والعشر وهو أيضاً كصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة“۔ (رد المحتار: ۳۳۹/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۲۰۴۸/۳، المبحث الخامس مصرفها و من يأخذها، رشيدية)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۴/۱، الباب الثامن فى صدقة الفطر، رشيدية)

(۲) (الدر المنتقى فى شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر: ۲۵۰/۱، فصل: يباح الفطر لمريض، كتاب الصوم، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۴/۲، فصل فى العوارض، سعيد)

صدقة الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کی صورت

سوال [۴۷۱۲]: مايقول العلماء في صدقة الفطر هل هو واجب أم غيره؟ وإن كان الأول فما صورة إعطائه؟ ورجل في يوم الفطر تصدق بصدقة الفطر في هذه الصورة: أعنى يطبخ الطعام واللحم كما هو دأب الفنجاب، وهو أن يعطوا الطعام كثيراً لا الرغيفين كما هو في الهند أو في بعض علاقة الفنجاب، فيأكلون ما هو في قسمتهم، ثم يعطون بقية إلى مالكة، فهذه الصورة لا عطاء صدقة الفطر جائز أم لا؟ إن كان الأول فما معنى التملك؟ و كما ذكر في كتب الفقه، و التملك شرط حرروا بحواله الكتب مع الصفحات بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صدقة الفطر واجبة صرح به الحنفی فی الدر المختار حیث قال: "وصورة إعطائه أن يعطى نصف صاع من بر أو دقيق أو سوقة أو صاع تمر أو زبيب أو شعير إلى مصرف الزكاة، ويجوز دفع القيمة وهي أفضل عند وجدان ما يحتاجه؛ لأنها أسرع بقضاء حاجة الفقير، وإن كان زمن شدة فالحنطة والشعير وما يؤكل أفضل من الدراهم. ووقت الوجوب عند طلوع فجر يوم الفطر، ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى، وصح لو قدم أو أخر والتأخير مكروه. ويدفع كل شخص فطرته بغير واحد، واختلف في جواز تفريق فطرة واحدة على أكثر من فقير، وعلى الجواز أكثر، وبه جزم في الخانية والبدايع والزيلعي، فكان هو المذهب. ويجوز دفع ما على جماعة لواحد على الصحيح: "۲/۵۱۲ (۱)۔ وكذا في مراقى الفلاح وحاشيتها للطحطاوى، ص: ۳۹۵ (۲) والصورة المسئلة صورة الإباحة لا التملك۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۶۳/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(۲) (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى: ص: ۷۲۳، باب صدقة الفطر، قديمي)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۱۳۷/۲، صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت) =

نصاب صدقة الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف

سوال [۴۷۱۳]: علم الفقہ مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی میں صدقہ فطر کے متعلق ایک روایت اٹھارہ چھٹانک کی بھی ہے، فتاویٰ دارالعلوم میں اس کی تغلیط کی ہے اور تحریر ہے کہ جس نے مذکورہ حساب سے ادا کیا اس کی ادائیگی صحیح نہیں ہوئی، باقی کا نکالنا ضروری ہے۔ اس تعارض کے دفعیہ کے لئے علامہ کی تحریر کردہ روایت کی کیا توجیہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ احمر (رتی) دو قسم کی ہے: ایک عند الفقہاء، دوسری عند الاطباء، دونوں کے وزن میں تفاوت ہے، مولانا عبدالشکور لکھنؤی نے ایک وزن کو معتبر مانا اور دیگر اکابر نے دوسرے وزن کو (۱)، مصنف علم الفقہ مولانا عبدالشکور صاحب نے مولانا عبدالحی کا اتباع کیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل

سوال [۴۷۱۴]: کسی امام کے نزدیک صاع ۲۵۲ تولہ کا ہے جس کو مولانا روح الامین مرحوم نے

= (و کذا فی المحيط البرہانی: ۴۳۲/۲، من توضع الزکاة فیہ، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) ”صاع انگریزی سیر کے حساب سے جو کلد اسی روپیہ کا ہوتا ہے، سوادو سیر نو تولہ سات ماشہ کا ہوتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ پانچ ماشہ کم دو سیر ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے۔ عرض کہ پانچ ماشہ کی کمی کوئی کمی نہیں، ایک صاع کو دو سیر ڈیڑھ پاؤ سمجھنا چاہیے، کیونکہ حسب تصریح محققین ایک صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور ہر درہم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کا۔ پس صاع میں دو ہزار دو سو پچھتر ماشے ہوئے اور ان ماشوں کے ایک سو نو اسی تولے سات ماشے ہوئے، اور ان تولوں کے بحساب اسی تولہ فی سیر دو سیر ایک پاؤ نو تولے سات ماشے ہوئے۔“ (علم الفقہ، حصہ چہارم، زکوۃ، ص: ۴۸۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) ”وأما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، وكل درهم أربعة عشر قيراطاً یعنی سبعین شعیرۃ، فتحصل فی درهم سبعة عشر ونصف أحمر، وهو ما هجتان وواحد ونصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتي درهم ستا وثلاثين تولجة ونصف الماهجة“۔ (عمدة القاری علی هامش شرح الوقایة: ۲۲۹/۱، کتاب الزکوۃ، بیان نصاب الذهب والفضة، سعید)

”واعتبر بأحمر الأطباء وهي أربعة شعيرات“۔ (العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۲۰/۱،

کتاب الطہارۃ، باب الوضوء بالمد، سعید)

اپنی فتاویٰ کی کتاب میں لکھا ہے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب مطالعہ کی گئی اس میں ۲۷۰/تولہ کا حساب ہے۔
۲۵۲/تولہ صاع نہیں ملا ہے۔ ۲۵۲/تولہ کے صاع کے حساب سے فطرہ ادا کرنے سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

صاع کے وزن کو جب تولہ اور سیر میں منتقل کیا جاتا ہے تو حساب سے کچھ فرق نکلتا ہے۔ چنانچہ بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ ومظاہر حق کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے (۱) اس لئے احتیاطی پہلو یہ ہے کہ جو وزن زائد ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ صاع بھی مختلف تھے اور سیر بھی مختلف تھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۲ھ۔

فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟

سوال [۱۷۱۵]: صدقۃ فطر ادا کرنے کے لئے کون سا اناج، یا کون سے اناج کی قیمت ادا

کرنا چاہیے؟ ایک تو یہ کہ سرکاری اناج کی (کنٹرول) دوکانوں پر جو اناج مثلاً گہوں جوار ملتا ہے وہ یا بازاری عام دوکانوں کا اناج زیادہ بھاؤ کا ہوتا ہے اور سرکاری اناج کی کنٹرول دوکانوں کے اناج پر تو کبھی عام بازاری دوکان کا بھاؤ کم ہوتا ہے، لیکن روزانہ کا استعمال کبھی سرکاری دوکان کے اناج پر ہوتا ہے۔

۲..... فی الحال گہوں نہ سرکاری اناج کی کنٹرول دوکان پر ملتے ہیں اور نہ بازاری عام دوکانوں سے ملتے ہیں، ایسی حالت میں صدقۃ فطر ادا کرنے کے لئے کون سے دوکان کے اناج کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا اناج وغیرہ دینا چاہیے؟ آیا سرکاری اناج کی کنٹرول دوکان کے بھاؤ سے یا عام بازاری اناج کی دوکانوں کے بھاؤ سے ہونا چاہیے؟

(۱) راجع: (بہشتی زیور، تیسرا حصہ، ص: ۳۶، صدقہ فطر کا بیان، امدادیہ)

(و فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۴۴۶، صاع اور مہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں)

(وامداد الفتاویٰ: ۲/۸۴، ۸۵، صاع کے وزن کی تحقیق، دارالعلوم کراچی)

(ومظاہر حق جدید: ۱/۲۰۵-۲۰۷، صدقہ فطر کی مقدار، دارالامناعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱..... کنٹرول سے سب کی ضروریات پوری نہیں ہوتی مجبوراً عام بازاری شرح سے خرید کر پوری کی جاتی ہے اس لئے سلع عام بازاری نرخ سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا، نصف صاع گیہوں کی قیمت کا کوئی اور غلہ جوار، چنا وغیرہ بھی دے سکتے ہیں، اگر جو دینا چاہیں تو ایک صاع دیں (۱)۔

۲..... جو نرخ عام بازاروں میں ہے خواہ اس نرخ سے دیدیں خواہ قریب تر جگہ جہاں عام گیہوں ملتا ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار کر لیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

صدقہ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال [۴۷۱۶]: صدقہ فطر بمقدار نصف صاع گیہوں ہوتا ہے، اب نصف صاع کی قیمت بعض

(۱) ”يجب..... نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو زبيب أو صاع تمر أو شعير و لو رديناً، ومالم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، ودفع القيمة: أى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب، أما فى الشدة فدفع العين أفضل، كما لا يخفى“۔ (الدر المختار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۱، الباب الثامن فى صدقة الفطر، رشيدية)

(و كذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۳/۲۰۴، المبحث الثالث، جنس الواجب و صفته و مقداره، رشيدية)

(و كذا فى المحيط البرهانى: ۲/۵۹۰، الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر، غفاريه كوئته)

(۲) ”ويقوم العرض بالمصر الذى هو فيه حتى لو بعث عبداً للتجارة فى بلد آخر يقوم فى ذلك الذى فيه العبد، إن كان فى مفازة، تعتبر قيمته فى أقرب الأمصار إلى ذلك الموضع“۔ (البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيدية)

(و كذا فى فتح القدير: ۲/۲۱۹، باب زكاة المال، مصطفى البابى الحلبي مصر)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثانى فى العروص، رشيدية)

شہر میں ۴ آنہ ہوتے ہیں اور بعض جگہ ۲ آنہ اور بعض جگہ ۶ آنے، اب جو اختلاف اماکن کی وجہ سے قیمت میں فرق ہو گیا ہے، کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مخصوص کسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا ہر جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، یا جس جگہ کی پیداوار ہو اس جگہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ صدقہ فطر ادا کرنا ہے اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۶ھ۔

فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟

سوال [۴۷۱]: بری وغیرہ میں گیہوں کی پیداوار نہیں ہوتی اور گیہوں فروخت ہوتا ہے، البتہ بعض گھروں میں قدر قلیل آٹا اور آٹا اور میدہ بکثرت، نیز بسکٹ فروخت ہوتے ہیں، میدہ کی قیمت آٹا اور گیہوں سے بہت مہنگا لگتا ہے۔ ایسی صورت میں میدہ کی قیمت کے حساب سے کر کے دام دیئے جائیں یا ہندوستان سے گیہوں کے دام معلوم کر کے قیمت ادا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیہوں، میدہ، آٹا تینوں میں سے کسی ایک کے دینے سے صدقہ ادا ہو جائے گا: ”الفطرة نصف صاع من برأود قيق، الخ“۔ ہدایہ: ۱/۱۹۰ (۲)۔

گیہوں سے آٹا دینا افضل اور آٹا دینے سے قیمت دینا افضل ہے: ”والدقيق أولى من البر،

(۱) ”وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالوا: يوم الأداء ويقوم في البلد الذي المال فيه، ولو في

مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه“۔ (الدر المختار: ۲/۲۸۶، باب زكاة الغنم، سعید)

(وقد تقدم التفصيل تحت عنوان: ”فطره كس غله سے ادا کریں؟“)

(۲) (الهداية: ۱/۲۱۰، باب صدقة الفطر، شركة علمیه ملتان)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۷۵، الفصل السابع في صدقة الفطر، امجد اكيڈمی لاہور)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۷۴، باب صدقة الفطر، إمداديه)

والدراهم أولى من الدقيق“۔ ہدایہ: ۱/۱۹۰ (۱)۔

جس قریب کی جگہ گیہوں، آٹے کی فروخت ہوتی ہے وہاں کے نرخ سے قیمت لگائی جاوے (۲)، اور رمضان کے مہینہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور جب آپ کے یہاں میدہ کی خرید فروخت بکثرت ہے تو خود میدہ یا اس کی قیمت دینا چاہیے اگرچہ گیہوں سے زیادہ بیٹھے، ہندوستان سے گیہوں کا نرخ معلوم کر کے قیمت دینا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟

سوال [۴۷۱۸]: بغرض اداۓ فدیہ روزہ اور فطرہ عید نرخ بازار معتبر ہے یا کنٹرول ریٹ؟ جس کو دیا جانا مقصود ہے اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گواتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں اس لئے بازاری نرخ سے دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

صدقہ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال [۴۷۱۹]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے۔ اگر دلال لوگ خفیہ طور سے قیمت مقررہ سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کر دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائط جبریہ مقرر کر دی ہے نہ کہ مالک نے)۔ اور کنٹرول ریٹ کے دام

(۱) الہدایہ، باب صدقة الفطر: ۱/۲۱۰، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

(۲) (راجع للتفصیل العنوان المتقدم: ”فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟“)

(۳) ”و یقوم فی البلد الذی المال فیہ، ولو فی مفاضة ففی أقرب الأمصار إلیہ“۔ (الدرا المختار مع

رد المحتار: ۲/۲۸۶، باب زکاة الغنم، سعید)

سے فطرہ ادا ہو گیا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے نیز عزت اور نقصان مال کا خطرہ نہ ہو (۱) (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہو جاتا ہے) تو درست ہے (۲)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقہ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۰۷ھ۔

(۱) ”والإسلام يحرم الغش والخداع بكل صورة من الصور، في كل بيع وشراء، وفي سائر أنواع المعاملات الإنسانية. والمسلم مطالب بالتزام الصدق في كل شأنه، ونصيحة في الدين أعلى من كل كسب دينوي..... وكذلك كان سلف المسلمين يفعلون..... ولا يكذبون، وينصحون ولا يغشون..... ونشد الحرمة إذا أيد غشه بميين كاذبة، وقد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم التجار عن كثرة الحلف بعمامة وعن الحلف الكاذب بخاصة. وقال: ”الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبركة“.(الحلال والحرام في الإسلام للشيخ يوسف القرضاوي، ص: ۲۱۴، ۲۱۵)

(۲) حکومت کے مقرر کردہ نرخ اگر ظالمانہ ہوں تو اس صورت میں اس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے کی گنجائش ہے:

”نرى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين غلا السعر على عهده، فقالوا: يا رسول الله! سَعَّرَ لَنَا. قال: ”إن الله هو المسعِّرُ القابضُ الباسطُ الرازقُ، وإنى لأرجو أن ألقى الله وليس أحدٌ منكم بمظلمةٍ في دمٍ ولا مالٍ“..... فليس معنى الحديث السابق حظر كل تسعير، ولو كان من ورائه دفع ضرر أمتع ظلم فاحش، بل قرر المحققون من العلماء أن التسعير: منه ما هو ظلم محرم، ومنه ما هو عدل عاجز: إذا تَضَمَّنَ ظلم الناس وإكراههم بغير حق على البيع بثمانٍ يرضونه، أو منهم مما أباح الله لهم، فهو حرام. وإذا تَضَمَّنَ العدل بين الناس، مثل إكراههم على ما يجب عليهم من المعاوضة بثمانٍ المثل، ومنعهم مما يحرم عليهم من أخذ الزيادة على عوض المثل، وهو جائز، بل واجب. وفي القسم الأول جاء الحديث المذكور، فإذا كان الناس يبيعون سلعتهم على الوجه المعروف من غير ظلم منهم، وقد ارتفع السعر، إما لقلَّة الشيء أو لكثرة الخلق -إشارة إلى قانون العرض والطلب- فهذا إلى الله، فالزام الناس أن يبيعوا بقيمة بعضها إكراه بغير حق. أما الثاني فمثل أن يمتنع أرباب السلع من بيعها مع ضرورة =

چاول وغیرہ سے صدقہ فطر ادا کرنے کی صورت

سوال [۴۷۲۰]: چاول سے صدقہ فطر ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں گیہوں و جو وغیرہ نہیں ہوتے اور نہ ان کی قیمت ہم کو معلوم ہوتی ہے، ہاں البتہ بڑے بڑے شہروں اور گیہوں والے ملکوں میں کسی کو بھیج کر یا خط کے ذریعے سے ان کی قیمت معلوم کی جاسکتی ہے اور اس میں کس قدر تکلیف ہے، وہ مخفی نہیں، اور نیز چاول بھی گیہوں اور جو کی طرح طعام ہی ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ چاول سے صدقہ فطر ادا نہیں کیا جاسکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاول سے صدقہ فطر ادا کرنے کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے، لہذا اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا اس طرح اقرب مواضع میں گیہوں یا جو کی قیمت معلوم کر کے اس قیمت کے موافق چاول دیدیئے جائیں:

”و ما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة، اهـ“۔ در مختار۔ قال الشامي: ”(قوله: وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح، لعدم ورود النص به، فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد بها نص وكالاً قط. بحر“۔ ردالمحتار: ۱۱۷/۲ (۱)۔

= الناس إليها لإلزامهم بقيمة المثل، والتسعير هنا إلزام بالعدل الذي إلزامهم الله به“۔ (الحلال والحرام في الإسلام للشيخ يوسف القرضاوي، ص: ۲۰۹، ۲۱۱)

”ولا يسعّر حاكم لقوله عليه السلام: ”لا تسعّروا، فإن الله هو المسعّر القابض الباسط الرازق، الخ“ أقول: وفيه تأمل؛ لأنه مثل ما قالوا فيمن صدره السلطان بمال، ولم يعين بيع ماله فصار يبيع أملاكه بنفسه ينفذ بيعه؛ لأنه غير مكروه على البيع، وهنا كذا لك“۔ (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۹۹/۲، ۴۰۰، فصل في البيع، سعيد)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۶۲/۲، ۳۶۵، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل في بيان جنس الواجب، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۱۳۸/۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

جب گہیوں کی روٹی گہیوں پر قیاس کرنا درست نہیں تو چاول کو گہیوں یا جو پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، ۵/۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

چاول سے صدقة الفطر کی مقدار

سوال [۴۷۲۱]: اگر کوئی شخص فطرہ گہیوں کے چاول میں ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں اور انگریزی تول کے حساب سے کتنے سیر گہیوں یا چاول دینے ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادا ہو جائیگا، گہیوں کی قیمت لگا کر اس کے عوض چاول جتنے بھی بازار میں فروخت ہوتے ہوں اس قدر چاول دیدے، وزن کے اعتبار سے گہیوں کے برابر نہ دے: ”ومالم ينص عليه كذرة وخبز، يعتبر فيه القيمة، ۱ھ“۔ در مختار: ۲/۱۲۲ (۱)۔

سہارنپور کی تول سے ایک صدقة الفطر کی مقدار ڈیڑھ سیر پختہ گہیوں ہے، احتیاطاً کچھ زائد پونے دو سیر دے دیئے جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہوں، وہاں صدقة الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟

سوال [۴۷۲۲]: ما قولکم رحمکم اللہ! پوسٹ آفس و تھانہ بوسیدنگ، ضلع اکیاب ملک برما ہے، ہمارے ملک میں فطرہ کا جو اشیائے خمسہ منصوص علیہا ہے یہ کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے اور نہ ہماری غذا ہے اور نہ اس کا عین میسر ہوتا ہے اگرچہ شہر اکیاب اور بوسیدنگ میں گہیوں کا آٹا مل جاتا ہے، لیکن چاول سے جو ہماری

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۶۳/۲، باب صدقة الفطر، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۹۲، الباب الثامن فی صدقة الفطر، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۳۸، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیہ بیروت)

غذا ہے آٹا کی قیمت از حد گراں ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چیز کا بھاؤ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے مثلاً اس موسم میں آٹا کا بھاؤ اگر شہر اکیاب میں بحساب فی روپیہ چھ سیر ہے تو بوسیدنگ میں فی روپیہ چار سیر ہوتا ہے اور ہمارے چاول کا بھاؤ عام طور پر فی روپیہ انیس بیس سیر ہے اور گیہوں کا بھاؤ ہندوستان میں فی روپیہ بارہ تیرہ سیر ہے۔

اب غور کا مقام ہے کہ جو چیز ارزاں و آسان ہوتا ہے اس کی طرف لوگوں کا زیادہ میلان ہوتا ہے، لہذا گزشتہ زمانہ کی طرح دلیل پکڑتے ہیں کہ جیسا ہندوستانی وغیرہ کیلئے گیہوں عام طعام ہے اور ارزاں و آسان بھی ہے ویسا ہی ہمارے لئے چاول عام طعام اور ارزاں و آسان بھی ہے۔ پس اس صورت میں ہم لوگ حدیث:

”انہ سمع أبا سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه يقول: كنا نخرج زكوة الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعير أو صاعاً من تمر أو صاعاً من أقط أو صاعاً من زبيب“ (۱) پر عمل کر کے نصف صاع چاول سے یعنی صرف ڈھائی سیر چاول سے فطرۃ صوم ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بر تقدیر ثانی کیا اشیائے خمسہ منصوص علیہا کی قیمت دریافت کی بابت ہر اہل بلد اور ہر اہل قریہ کے لئے بلاد عام ہے یا خاص؟ اگر عام ہے تو صدقۃ فطر کے بارے میں جو عبارت منصوص علیہ ہے: ”تذخرون فی بلادکم“ آیا ہے۔ اس کی مراد کیا ہے؟

اگر خاص ہے تو صدقۃ فطر کی قیمت اشیائے منصوص علیہا کا جہاں اس کا پیداوار ہے (مثلاً ہندوستان) وہاں سے دریافت کیا جاوے یا ہمارے بلاد سے جہاں اس کا پیداوار نہیں اور ”عبارت اقرب بلاد“ کا اعتبار کیا جاوے آیا ہے، دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ اور خصوصاً ہم اہل قریہ کے لئے سراغ بالا پر جو ترتیب وار خط کشیدہ جگہ کا نام نشان ہے اس میں سے خاص اقرب بلاد کا اعتبار کس پر معتبر ہوگا آیا تھا نہ بوسیدنگ ہے؟ مگر اس میں اتنا آٹا میسر نہیں ہو سکتا، جو ہر اہل قریہ کو کفایت کر سکے اور اگر کفایت کرنا ضروری نہیں تو جو عبارت اشیائے خمسہ میں منصوص علیہ میں سے اتنی ہونی چاہیے جو اس کی اہل کفایت ہو سکے آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی

(۱) (صحیح البخاری: ۲۰۴/۱، کتاب الزکوۃ، باب صدقة الفطر صاع من طعام، قدیمی)

(والصحیح لمسلم: ۳۱۷/۱، کتاب الزکوۃ، باب زکوة الفطر، قدیمی)

(ومشکوۃ المصابیح: ۱۶۰/۱، کتاب الزکوۃ، باب صدقة الفطر، الفصل الأول، قدیمی)

دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ بحوالہ کتب حدیث وفقہ حنفیہ تحریر فرمائیں، مع تعیین صفحہ جات واسامی مطابح۔
بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ استدلال بہت ہی غلط اور لغو ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ”صاعاً من طعام“ ہے اور آپ اس پر عمل کرتے ہوئے نصف صاع چاول سے بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں، لفظ ”طعام“ کے معنی میں عطا کے اقوال مختلف ہیں: ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ طعام سے مراد گیہوں ہے جس کو ”قمح، حنطہ، بر“ بھی کہتے ہیں اور اس کی تائید میں لغت، عرف اور دیگر احادیث صریحہ پیش کرتے ہیں:

”اختلفوا فی المراد بالطعام فی هذا الحديث، والمعروف أن الطعام على الإطلاق يطلق على الحنطة، وفي المجمع: قال الخليل: إن الغالب في كلام العرب أن الطعام هو البر، وحكي الخطابي أن المراد بالطعام ههنا الحنطة وهو اسم خاص له، قال: ويدل على ذلك ذكر الشعير وغيره من الأقوات، والحنطة أعلاها فلا بد أنه أرادها بذلك مكان ذكرها عند التفضيل كثيرة من الأقوات ولا سيما حيث عطف عليها بحرف ”أو“ الفاصلة، وقال هو وغيره: وقد كانت لفظة ”الطعام“ تستعمل في الحنطة عند الإطلاق حتى إذا قيل: اذهب إلى سوق الطعام منهم، منه سوق القمح، وإذا غلب العرف نزل اللفظ عليه، اهـ“۔ أوجز المسالك ۳/ ۲۸۴ (۱)۔ وفتح الباری: ۳/ ۲۹۰ (۲)۔ ”قالوا: والطعام هو البر بدليل ذكر الشعير، غاية، اهـ“۔ شلبي حاشیه زيلعي: ۱/ ۳۰۸ (۳)۔

بعض علماء نے لفظ ”طعام“ کو عام کہا ہے کہ گیہوں اور دیگر غلہ جات سب کو شامل ہے حتیٰ کہ زبیب کو بھی شامل ہے لفظ ”طعام“ خواہ ”حنطہ“ کے ساتھ مخصوص ہو یا سب کو شامل ہے، بہر کیف جن حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ پورا صاع واجب کہتے ہیں۔

(۱) (أوجز المسالك: ۳/ ۲۸۴، زکوة الفطر، المكتبة الحيوية سہارنپور)

(۲) (فتح الباری: ۳/ ۴۷۵، کتاب الزکوة، باب صدقة الفطر، قدیمی)

(۳) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲/ ۱۳۷، باب صدقة الفطر، دارالکتب العلمیة، بیروت)

گیہوں میں بھی اور شعیر وغیرہ میں بھی اس حدیث سے استدلال کر کے نصف صاع واجب کسی نے نہیں کہا پھر اس حدیث سے جب کہ اس میں لفظ ”صاع“ موجود ہے نصف صاع کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جانے پر کیسے استدلال درست ہے:

”صدقة الفطر نصف صاع من بر، أو دقيقة أو سويقة، أو زبيب، أو صاع من تمر، أو شعير. وقال الشافعي: من جميع ذلك صاع، ولا يجزى نصف صاع من بر لقول أبي سعيد الخدري: ”كنا نخرج على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صاعاً من طعام، أو صاعاً من شعير، أو صاعاً من تمر، أو صاعاً من أقط، أو صاعاً من زبيب“. وفي بعض طرقه: ذكر صاعاً من دقيق. ولنا قوله عليه السلام في خطبته: ”أدوا عن كل حر أو عبد، صغير و كبير نصف صاع من بر، أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير“. الحديث“. تبين الحقائق ۱/۳۰۸ (۱)۔

”قال: روى الطحاوي أحاديث كثيرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وعن أصحابه، وعن تابعيهم في أن صدقة الفطر من الحنطة نصف صاع، ومما سوى الحنطة صاع، ثم قال: ما علمنا أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولا من التابعين روى عنه خلاف ذلك، فلا ينبغي لأحد أن يخالف ذلك إذ كان قد صار إجماعاً في زمن أبي بكر و عمر و عثمان و على رضي الله تعالى عنهم أجمعين إلى من من ذكرنا من التابعين“۔
أوجز: ۳/۲۸۵ (۲)۔

اشیائے منصوصہ پر غیر منصوص کو قیاس کرنا درست نہیں بلکہ غیر منصوص میں قیمت کا اعتبار ہوگا: ”و ما لم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ“۔ درمختار: ۲/۱۱۷ (۳)۔

(۱) (تبين الحقائق: ۲/۱۳۷، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/۵۴۰، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۴۱۹، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (أوجز المسالك: ۳/۲۷۵، زكوة الفطر، المكتبة اليعقوبية)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعيد) =

پس اگر غیر منصوص سے کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو منصوص کی قیمت لگا کر دراہم یا دنانیر دیدے، یا اتنی قیمت کی کوئی اور شے ثوب وغیرہ دیدے:

”ودفع القيمة إلى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب المفتى به، وهذا في السعة، أما في الشدة، فدفع العين أفضل كما لا يخفى.“ درمختار۔ ”(قوله: أي الدراهم) ربما يشعر أنها المراد بالقيمة مع أن القيمة تكون أيضاً من الفلوس والعروض، كما في البدائع والجوهرية، اهـ.“ رد المحتار (۱)۔

”قوله: أي الدراهم مثلها الفلوس والعروض كما في المنح، اهـ.“ طحطاوی (۲)۔

اقرب بلاد کا اعتبار اس عبارت فقہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے: ”ويقوم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه.“ درمختار (۳)۔ جس روز صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے اس روز کی قیمت معتبر ہوگی: ”و تعتبر القيمة يوم الوجوب، اهـ.“ درمختار: ۳۳/۲ (۴)۔

مقامات خط کشیدہ میں سے جو مقام آپ کے زیادہ قریب ہو اور وہاں اشیائے منصوصہ ملتی ہوں وہیں کے نرخ کا اعتبار کر لیا جاوے۔ جملہ ”تدخرون فی بلادکم“ خط کشیدہ اور ”مسئلہ کفایت“ کس کتاب میں ہے؟ پورا حوالہ دیا جائے ﴿تدخرون فی بیوتکم﴾ تو قرآن شریف میں بھی آیا ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

= (و کذا فی بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل فی بیان جنس الواجب، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۳۸/۲، باب صدقة الفطر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۳۶۶/۲، مطلب فی مقدار الفطرة بالمد الشامی، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل فی بیان جنس الواجب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۲) (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴۳۷/۱، باب صدقة الفطر، دارالمعرفة، بیروت)

(۳) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲۸۶/۲، باب زكاة الغنم، سعید)

(۴) (الدر المختار، المصدر السابق آنفاً)

(۵) (ال عمران: ۴۹)

صدقۃ الفطر وغیرہ کیلئے بیت المال

سوال [۴۷۲۳]: ہماری بستی میں الحمد للہ بیت المال قائم ہے، ہم ہر سال عید الفطر پر صدقۃ فطر گھر گھر سے وصول کر لیتے ہیں اور عید کے بعد مجلس منتظمہ یہ طے کرتی ہے کہ بستی کے کن کن مستحقین کو کتنا روپیہ ماہانہ یکمشت دیدیا جائے۔ اس قسم کے نظم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا صدقۃ فطر یوم عید سے قبل وصول کیا جاسکتا ہے؟ کیا جمع شدہ صدقۃ فطر نیز زکوٰۃ وغیرہ سال کے اندر یا بروقت ہی تقسیم کیا جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۃ الفطر کا ایسا انتظام کرنا کہ سبھی ادا کریں کوئی باقی نہ رہ جائے اور صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے، بہت مناسب ہے مگر اس میں جبر کی صورت اختیار نہ کی جائے کہ ہر شخص صدقۃ فطر لازمی طور پر بیت المال ہی کو دے اور بیت المال کے لوگ اس پر جا کر مسلط ہو جائیں کیونکہ یہ بیت المال شرعی بیت المال نہیں بلکہ نام کا بیت المال ہے، اس لئے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی جبراً وصول کرنے کا حق نہیں چہ جائیکہ صدقۃ الفطر، پھر اس کا وجوب عید الفطر کی صبح صادق پر ہوتا ہے حتیٰ کہ شب عیدین میں اگر کوئی مر جائے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں، اگر کسی سے پیشگی وصول کر لیا جائے اور مستحق کو دینے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ کی طرف اس کی واپسی لازم ہوگی۔ نیز صدقۃ الفطر میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے (۱)، اس کو وصول کر کے مقرر کر لینا کہ یہ سال بھر تک کسی وقت ادا کر دیا جائے اس کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۹ھ۔

(۱) ”و یستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلی بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله علیہ السلام، وصح أدائها إذا قدمه أو أخره، الخ“۔ (الدر المختار: ۳۶۷/۲، باب صدقۃ الفطر، سعید)
(و کذا فی النہر الفائق: ۴۷۴/۲، باب صدقۃ الفطر، امدادیہ ملتان)

(و کذا فی مجمع الأنہر: ۳۳۷/۱، باب صدقۃ الفطر، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”والواجب علی الأئمة أن یوصلوا الحقوق إلى أربابها، و لا یحبسونها عنهم، و لا یحل للإمام وأعوانہ من هذه الأحوال إلا ما یکفہم و عائلتہم، و لا یجعلونها کنوزاً، و ما فضل من هذه الأحوال قسّم بین المسلمین، فإن قصر الأئمة فی ذلك فوبالہ علیہم، الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱۹۱/۱، فصل: ما یوضع فی بیت المال، رشیدیہ)

فقیر، مسکین اور صدقہ فطر کا مصرف

سوال [۲۷۲۲]:۱۔ فقیر، مسکین اور غریب کی شرعی تعریف فرماتے ہوئے یہ بتائیے کہ صدقہ فطر کا شرعی مستحق کون ہے؟ یعنی قاضی یا مرشد یا ایستاذ ہی ہیں یا فقیر اور مسکین اور قریبی رشتہ دار (جن کی آمدنی خرچ کیلئے ناکافی ہے) بھی ہیں، افضلیت کس میں ہے؟

فطرہ کا مصرف ہمیشہ کیلئے متعین کرنا

سوال [۲۷۲۵]:۲۔ قاضی یا مرشد (اس) کا مجاز ہے کہ اپنے تابعین سے بوجہ غربت یہ کہہ دے کہ تم لوگ ہمیشہ (نسلاً بعد نسل) فی کس ۲۵، ۳۰ روپیہ صدقہ فطر میں دیدیں تو کافی ہے؟ کیا اس صورت میں پورا صدقہ ادا ہو جائیگا یا نہیں؟ بصورتِ ثانی کیا کہا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔..... جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا مقدار نصاب سے کم ہو اس کو اصطلاح شرع میں فقیر و مسکین کہتے ہیں، وہ زکوٰۃ اور فطرہ اور زکوٰۃ کا مستحق ہے (۱)، خواہ قاضی، مرشد استاذ بھی ہو یا کوئی اور ہو مگر کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا درست نہیں (۲)، اپنے عزیزوں کو اور ان میں بھی جو زیادہ دیندار ہوں ان کو دینا افضل ہے، مگر

= (وکذا فی رد المحتار: ۲/۲۱۹، مطلب فی مصارف بیت المال، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۱۹۹، باب العشر والجزية والخراج، رشیدیہ)

(۱) ”هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام، مستغرق في الحاجة،

ومسكين من لا شيء له على المذهب، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۳۳۹، باب المصروف، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۶۱، من يجوز دفع الصدقة اليه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۷، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(۲) ”تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاہ، مع قطع المنفعة عن

المملك من كل وجه لله تعالى“۔ (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشیدیہ)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۱، كتاب الزكاة، إمدادیہ)

جو عزیز مصرفِ زکوٰۃ نہیں جیسے والدین اور اولاد وغیرہ ان کو نہ دیا جائے، کذا فی ردالمحتار (۱)۔

۲..... یہ پابندی عائد کرنا غلط ہے اور مرشد کے منصب کے لئے بھی عیب کی چیز ہے اور صدقة الفطر حساب سے ادا کرنا لازم ہے (۲) کمی رہ جائے گی تو واجب باقی رہ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

صدقہ فطر کیا امام کا حق ہے؟

سوال [۴۷۲۶]: امام مسجد مسکین ہے مگر لوگ صدقة فطر سے امام مسجد کو کچھ نہیں دیتے بلکہ ہنود اور ایسے فقیروں کو جو کہ مالدار ہیں محض اس لئے کہ ان کا حق ہے بانٹ دیتے ہیں، امام مسجد کو صدقة فطر سے کچھ حصہ دینا چاہیے یا نہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام مسجد کو مسکین ہوتے ہوئے کیا صدقة فطر سے کچھ نہ لینا چاہیے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اکثر جگہ امام مسجد صدقة الفطر کو اپنا حق سمجھتا ہے اور دینے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نماز پڑھاتا ہے اس صورت میں امامت کا معاوضہ ہو جاتا ہے اس لئے امام کو نہیں دینا چاہیے۔ غیر مسلم کو صدقة فطر نہیں دینا چاہیے بلکہ وہ مسلم مساکین و فقراء کا حق ہے:

”ولا تدفع (الزکوة) إلى ذمی، و جاز دفع غیرها و غیر العشر و الخراج إليه: أى الذمی

(۱) ”ولا يجوز الدفع إلى أصوله: وهم الأبوان والأجداد والجندات من قبل الأب والأم وإن علوا، ولا إلى فروعه: وهم الأولاد وأولاد الأولاد وإن سفلوا إلى آخر ما ذکر و کذا بین الزوجین و کذا جمیع الصدقات کالکفارات و صدقة الفطر و النذور، الخ“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصروف، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۲، من توضیح الزکاة فیہ، غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۳۸۴، فصل الذی یرجع الی المؤدی الیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) ”نصف صاع من بر أو دقیقہ أو سویقہ أو زبیب، وجعلاه کالتمر أو صاع تمرٍ أو شعیر، الخ“۔

(ردالمحتار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۱، صدقة الفطر، مکتبہ رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۳۷، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ولو واجباً كذرو كفارة وفطر، خلافاً للثانی، وبقوله يفتی، حاوی القدسی، ۱ھ۔
در مختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/۶۷ھ۔

کیا پوتہ کا صدقہ فطر دادا پر ہے؟

سوال [۴۷۲]: زید صاحب نصاب ہے اور اس کے ایک لڑکا ہے اور زید کے ایک پوتا ہے جس کا باپ مرگیا اور زید اور اس کے لڑکے پوتہ کا خورد و نوش یکجائی ہے، پس اس صورت میں زید کے پوتہ کو زکوٰۃ دیجا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز زید کے اوپر اس پوتے کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ زید کا پوتہ ابھی نابالغ ہے لیکن قریب البلوغ ہے اور زید کی کفالت میں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنے پوتہ کو شرعاً اپنے مال سے زکوٰۃ نہیں دے سکتا: ”ولا يدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل، كذا في الكافي، ۱ھ۔“ عالمگیری: ۱/۱۸۸ (۲)۔

اگر زید کا پوتا صاحب نصاب ہے تو کوئی اور شخص بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا لیکن اگر وہ صاحب نصاب نہیں تو دوسرے لوگ اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، زید کا صاحب نصاب ہونا پوتے کے لئے موجب غنا نہیں، جیسا کہ ماں کے غنی ہونے سے بیٹا غنی نہیں ہوتا کیونکہ دادا پر اصالۃ پوتے کا نفقہ واجب نہیں، ہکذا ایفہم ممافی باب المصروف وباب النفقة من كتب المذهب الحنفی۔

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصروف، رشیدیہ)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصروف، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی المبسوط: ۲/۱۴، باب عشر الارضین، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ظاہر الروایہ میں دادا کے ذمہ پوتے کا صدقہ فطر واجب نہیں:

”ولیس علی الجد أن يؤدي الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذا كان الأب حياً باتفاق الروایات، وکذا لو كان الأب میتاً فی ظاہر الروایات؛ لأن ولاية الجد یثبت بواسطة الأب، فكانت ناقصة بعد وفات الأب دون حال حیاته، وعلی الرجل أن يؤدي عن أولاده الکبار وإخوانه الصغار، ولا عن قرابته وإن كانوا فی عیاله ولا عن والديه وإن كانوا فی عیاله، اهـ“۔
فتاویٰ قاضی خان علی ہامش ہندیہ: ۱/۲۲۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/رجب/۶۴ھ۔

جب تک جزئیہ نہ ملے، اصول کے مطابق دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام اور مولوی کیلئے صدقہ فطر

سوال [۴۷۲۸]: ۱..... اگر کوئی مولوی یا امام مسجد مالدار ہے تو اس کیلئے صدقہ فطر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... صورت مذکورہ میں لینے والا دینے والا اور دینے والے کا حکم عند الشرع کیا ہے، نیز ایسے مولوی

اور امام جو کہ مالدار ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۳..... صورت بالا میں مولوی صاحب اور امام صاحب جو کہ مالدار ہیں اور صدقہ فطر لیتے ہیں اور اگر

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۲۲۸، فصل فی صدقة الفطر، رشیدیہ)

”ولا يؤدي الجد عن نوافله الصغار وإن كانوا فی عیاله، وروی الحسن عن أبي حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ أن علیہ الأداء عنهم بعد موت الأب، وهذه أربع مسائل یخالف الجد فیها الأب فی ظاہر الروایة، ولا یخالف فی رواية الحسن، الخ“۔ (المبسوط: ۲/۱۱۶، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی التاتاریخانیہ: ۲/۴۲۳، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۹۲، باب صدقة الفطر، رشیدیہ)

ان کو کوئی روکے کہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے، جواب دیتے ہیں کہ ہم فقیر مسکین کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو صدقہ فطر کا مالک بنا کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ لیکر فقیر مسکین کو دے بھی دیں تو دینے والے کا صدقہ فطر ادا ہو گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... نا جائز ہے: ”و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف، اهـ.“ بحر: ۲/۲۵۶ (۱)۔
- ۲..... لینے والا گناہگار ہے دینے والے کا صدقہ فطر ادا نہیں ہوا، دوبارہ ادا کرنا چاہئے اگر دیتے وقت اس کا علم تھا کہ یہ مالدار ہے (۲)، اگر ایسے امام سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو تو دوسرے آدمی کو امام بنانا چاہئے اور ناحق صدقہ فطر لینے والے کو امام بنانا مکروہ ہے (۳)۔
- ۳..... ایسی صورت میں صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا یا لوگ خود کسی مسکین مستحق کو دیں (۴)، یا ان امام

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۴۶، باب صدقة الفطر، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار: ۲/۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعید)

(و کذا فی الفقه الإسلامی و أدلتہ: ۳/۲۰۴۸، المبحث الخامس مصرفها أو من يأخذها، رشیدیہ)

(۲) ”مصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنى شيء ومسكن من لا شيء له.“ (الدر المختار:

۲/۳۳۹، باب المصرف، سعید)

”وهی تمليک جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير اهـ. ولا [يصرف] إلى غنى يملك

قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان، الخ.“ (الدر المختار، باب المصرف:

۲/۳۴۷، سعید)

(۳) ”(قوله: يكره إمامة عبد أو أعرابي أو فاسق): أى من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، و لعل

المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و أكل الربا ونحو ذلك.“ (رد المحتار:

۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة: ۱/۸۵، باب الإمامة، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۱۶۳، فصل فی الجماعة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۴) ”و یشرط أن یكون الصرف (تمليکاً) لا إباحةً، كما مر.“ (الدر المختار، کتاب الزكاة، باب

المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

صاحب کو مالک نہ بنائیں، یہ کہہ کر دیں کہ آپ کو وکیل بنایا ہے آپ یہ صدقہ فطر کسی غریب مستحق کو دیدیں خود نہ رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۵/۵۹ھ۔

نابالغ کو فطرہ دینا

سوال [۴۷۲۹]: فطرہ غریب و یتیم مسکین نابالغ بچوں کو دینے سے ادا ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر غریب کے بچے نابالغ ہوں تو ان کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے لئے سرپرست کو دینا جائز ہے، اگر وہ بچے سمجھدار ہوں تو خود ان کو بھی دینا جائز ہے، اگر وہ بچے مالدار کے ہیں تو ان کو کسی طرح بھی دینا درست نہیں۔ فی الدر المختار: ۱۲۷/۲: ”و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف“ (۱)۔

”و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً“۔ قال الشامي: ”وفي التملك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون و صبي غير مراقب إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب و الوصي وغيرهما، و يصرف إلى مراقب يعقل الأخذ“۔ ۱۵۵/۲ (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۵/ذی الحجہ/۵۱ھ۔

بندہ عبد الرحمن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/۱۲/۵۱ھ۔

عید کے بعد صدقہ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟

سوال [۴۷۳۰]: تعلیم الاسلام میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ عیدین کے دن نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا

(۱) (الدر المختار: ۳۶۹/۲، باب صدقة الفطر، سعید)

(وأيضا تقدم تخريجه تحت عنوان ”امام اور مولوی کے لئے صدقہ الفطر“۔)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۴۴/۲، باب المصروف، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۰، باب المصروف، رشيدية)

(و كذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کرنا بہتر ہے، اگر نماز کے بعد ادا کرے تو بھی جائز ہے، جب تک ادا نہ کرے گا اس کے ذمہ واجب رہے گا، اگر کوئی شخص ایک سال دو سال میں ادا کرے تو بھی ٹھیک ہے، کیونکہ عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت بھی ادا ہی شمار ہوگا قضا نہیں کہیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

صدقة الفطر وزکوة غیر مسلم کو دینا

سوال [۴۷۳۱]: زکوة کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/۱۰۰ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے اسی طرح صدقة الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوة دینا ہندو کو ناجائز ہے، صدقة الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: ”لا يجوز دفع الزکوة إلى ذمی، و صح دفع غیر الزکوة من الصدقات إلى الذمی کصدقة الفطر“۔ زیلعی: ۱/۲۰۰ (۲)۔ مگر احتیاط یہ کہ صدقة فطر بھی مسلم ہی کو دیدیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

(۱) ”و يستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله عليه السلام،

وصح أداؤها إذا قدمه أو أخره، الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۳۶۷، باب صدقة الفطر، سعید)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۷۴، باب صدقة الفطر، امدادیہ ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تبیین الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و أيضاً راجع للتفصيل العنوان المتقدم: ”صدقة الفطر کیا امام کا حق ہے؟“)

(۳) ”(قوله: وصح غيرها): أي صح دفع غیر الزکاة إلى الذمی واجباً كان أو تطوعاً كصدقة الفطر =

فطرہ اور چرم قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا

سوال [۴۷۳۲]: زید کے گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول قائم ہے اس میں خالص دینی تعلیم نہیں ہوتی ہے بلکہ سرکاری تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو ایک شخص معلم ہیں وہ اس گاؤں کے پیش امام بھی مقرر ہیں، وہ معلم صاحب گورنمنٹ سے مشاہرہ پاتے ہیں اور پیش امام کا مشاہرہ گاؤں والے الگ دیتے ہیں تو زید نے پیش امام صاحب سے کہا کہ آپ ان بچوں کو ایک دو گھنٹے درسی تعلیم دیجئے آپ کو اس تعلیم کے عوض میں علیحدہ مشاہرہ دیا جائے گا، چنانچہ پیش امام صاحب اس کام کو انجام دے رہے ہیں تو زید صدقہ فطر اور چرم قربانی کی رقم کو اسی مذکورہ گاؤں کے کسی یتیم وغریب سے تملیک کر کے اس پیش امام صاحب کو اس دینی تعلیم کے معاوضہ میں مشاہرہ دے رہا ہے تو یہ صورت از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی تعلیم کا انتظام بہت ضروری ہے ماں باپ ہی اپنی اولاد کا دھیان رکھیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جائے، جس طرح بچوں کے لئے کھانے کپڑے کا انتظام ضروری تصور کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے لئے علم دین سکھانے کا انتظام بھی ضروری ہے، اس لئے آپس میں چندہ کیا جائے بچوں سے فیس لی جائے۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً زکوٰۃ وغیرہ کا پیسہ جمع کر کے بھی مدرس کو تملیک کے بعد دے سکتے ہیں، بلا شدید مجبوری کے یہ صورت اختیار نہ کی جائے، نابالغ سے تملیک کرنا غلط ہے بالغ سے درست ہے، مگر اس پر جبر یا دباؤ نہ ہونا چاہئے (۱)۔

= والكفارات والمنذور لقوله تعالى ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ﴾ (الممتحنة: ۸)
وخصت الزكاة لحديث معاذ، وفيه خلاف أبي يوسف، ولا يرد عليه العشر؛ لأن مصرفه مصرف الزكاة كما قد مناه فلا يدفع إلى ذمى والصرف في الكل إلى فقراء المسلمين أحب. البحر الرائق. (قوله: خلاف أبي يوسف) أي في جواز دفع غير الزكاة إليه خلاف أبي يوسف. قال الرملي في الحاوي القدسي: وبه نأخذ. (منحة الخالق، كتاب الزكاة، باب مصرف: ۴۲۳/۲، ۴۲۴، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الزكاة، باب مصرف: ۳۵۱/۲، ۳۵۲، سعيد)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تملكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، ولا إلى كفن =

بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غریب مستحق زکوٰۃ سے کہا جائے کہ مدرس کو تنخواہ کے لئے اتنے روپے کی ضرورت ہے تم دیدو، وہ کہے گا کہ میرے پاس نہیں ہے میں غریب ہوں، اس سے کہا جائے کہ اپنی ضروریات کے لئے بھی تو قرض لینے کی نوبت آتی ہے اب دینی ضرورت کے لئے کسی طرح انتظام کر دو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض ادا کر ادیگا، وہ کسی سے قرض لا کر دیدے اس سے تنخواہ ادا کر دی جائے، پھر کسی وقت زکوٰۃ کا پیسہ اس کو دیدیا جائے اس سے قرض ادا کر دے۔ فطرہ کا پیسہ بھی اسی طرح دیا جاسکتا ہے۔ قربانی کرنے والے اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ کے مہتمم (زید) کو دیکر مالک بنادیں اور وہ فروخت کر دے تو اس قیمت میں مزید کسی تملیک کی حاجت نہیں، ہاں اگر وہ لوگ چرم قربانی کو فروخت کر کے اس کی قیمت زید کو دیدیں تو پھر وہ قیمت براہ راست مدرس کی تنخواہ میں نہ دے بلکہ تملیک کے بعد دے سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



= میت إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟

لم أره، والظاهر نعم“. (الدر المختار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، إمداديه)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۱۲۱/۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۱) ”(ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب) (أو يبدله بما ينتفع به باقياً).....“

(فإن بيع اللحم أو الجلد به): أي بمستهلك (أو بدراهم تصدق بثمانه)“. (الدر المختار، كتاب

الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

غنی کو صدقہ دینا

سوال [۴۷۳۳]: کسی صاحب استطاعت آدمی کو دونوں وقت برابر کھلانے میں اجر ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجر تو ضرور ملتا ہے (۱) مگر صدقات واجبہ اس سے ادا نہیں ہوتے (۲)، غریب و مسکین کو کھلانے کا اجر زیادہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

صدقہ و خیرات میں فرق

سوال [۴۷۳۴]: صدقہ و خیرات میں کیا فرق ہے اور صدقہ کس کو کہتے ہیں، کیا کسی سید کو اس نیت سے کھانا دیا جاسکتا ہے کہ اس کا ثواب مُردوں کی روح تک پہنچے؟

(۱) ”فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، وكذا لك يجوز النفل للغنى“۔ (التاتارخانية:

۲/۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۵۶، المتصدق عليه، رشيدية)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۷۶، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية،

بيروت)

(۲) ”ولا إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية أي مال كان، كمن له نصاب سائمة لا

تساوي مائة درهم الخ“۔ (الدر المختار: ۲/۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في تبیین الحقائق: ۲/۱۲۳، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۷۷، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ میں بھی ثواب کی نیت ہوتی ہے اور خیرات میں بھی اس میں دونوں برابر ہیں، البتہ صدقہ کبھی واجب ہوتا ہے مثلاً نذر مان لینے سے، یا میت کی طرف سے اس کے وصیت کرنے پر، یا کسی کے پاس حرام مال آجائے اور مالک تک، یا اس کے ورثاء تک پہنچنا معتذر ہو تو اس کا بھی صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اور اس اخیر کی صورت کو نیت سے بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے یعنی اس میں ثواب کی نیت نہیں کی جاتی ہے کہ اللہ پاک اس مال حرام کے وبال سے مجھے بچائے، زکوٰۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں جو فرض ہے، اسی طرح صدقہ فطر ہے جو کہ واجب ہے۔ خیرات کا اطلاق ہمارے عرف میں صدقہ نافلہ پر ہوتا ہے، صدقہ نافلہ سید کو دینا درست ہے اور صدقہ واجبہ درست نہیں۔

اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی بلکہ اپنی طرف سے سید کو کھانا کھلایا اور ثواب کی نیت میت کے واسطے کر لی تو درست ہے اور صدقہ واجبہ درست نہیں، کفارہ واجب تھا یا نذر واجب تھی اور اس نے وصیت کی تو سید کو کھانا درست نہیں:

”قوله: و بنی ہاشم و موالیہم، وقال المصنف فی الکافی: و هذا فی الواجبات کالزکوۃ والنذر والعشر والکفارة، أما التطوع والوقف فیجوز الصرف إلیہم، اھ۔“ بحر: ۲/۲۴۶ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۰/۵۸ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ خیرات

سوال [۴۷۳۵]: آمدنی کا وہ حصہ جو زکوٰۃ دینے کے بعد بچ رہا، کیا اس رقم میں سے بھی دس فی صدی

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۰، باب المصروف، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار: ۲/۳۵۱، باب المصروف، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، باب فی بیان أحكام المصروف، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی المحيط البرہانی: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزکاة فیہ، غفاریہ)

تناسب سے خیرات کرنا واجب یا سنت ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجب یا سنت مؤکدہ (جس کے ترک پر عقاب یا عتاب ہو) تو نہیں، مواقع ضرورت میں ایثار و ہمدردی کے پیش نظر اپنے حوصلہ اور وسعت کے موافق خرچ کرنا مکارم اخلاق میں سے ہے (۱) دس فیصد ہو یا کم و بیش ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۸ھ۔

کفارہ کی رقم، فقیر قاضی یا استاد کو یکبارگی دینا

سوال [۴۷۳۶]: اگر کوئی شخص کفارہ یا ساتھی کی جملہ رقم ایک دن ایک ہی وقت یا دن کے مختلف گھنٹوں میں کسی ایک فقیر یا قاضی یا استاذ یا مرشد کو دیدے تو پورا کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کفارہ کا مستحق مرشد یا قاضی ہی ہے گو وہ صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفارہ کا مستحق وہ ہے جو زکوٰۃ کا مستحق ہے (۲) جس کفارہ میں تعدد شرط ہے اس میں ایک دفعہ ایک

(۱) ”صدقة التطوع مستحبة في جميع الأوقات، وسنة بدليل الكتاب والسنة، أما الكتاب، فقوله تعالى: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يقرض الله قرضاً حسناً، فيضاعفه له أضعافاً كثيرة﴾ [البقرة ۲۴۵] وأمر الله سبحانه بالصدقة في آيات كثيرة. وأما السنة فأحاديث عديدة منها ”إن العبد إذا تصدق من طيب، تقبلها الله منه، وأخذها بيمينه، فربّاهَا كما يربّي مُهره أو فصيله، الخ.“ (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۳۰۵، حكم صدقة التطوع، رشيدية)

”اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته و كفاية من يمونه والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء.“ (رد المحتار: ۲/۳۵۷، الأفضل على أن ينوي الصدقة لجميع المؤمنين والمؤمنات، سعيد)

(۲) ”إذا لم يستطع المظاهر الصيام، أطعم ستين مسكيناً، الفقير والمسكين سواء فيها، ولا يجزيه أن يعطى من هذه الكفارة من لا يجزيه أن يعطيه من زكاة المال إلا فقراء أهل الذمة، فإنه =

شخص کو دینا کافی نہیں (۱) جس قسم کے کفارہ کے متعلق دریافت کرنا ہے اس کو تعین کے ساتھ دریافت کیا جائے، فتاویٰ عالمگیری میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

لہدی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال

سوال [۴۷۳]: صدقہ نافلہ، کفارہ قسم، کفارہ ظہار کے نام سے جو رقمیں یا اشیاء موصول ہوں ان کو تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفارہ قسم اور کفارہ ظہار کی رقموں کا مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا دینا ضروری ہے، معلمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ورنہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، جو غلہ وغیرہ اس مد میں آئے اس کا بھی یہی حکم ہے (۲)، جو اشیاء محض تحصیل ثواب کے لئے دی جائیں کسی واجب کا ادا کرنا ان سے مقصود نہ ہو ان کو تنخواہ میں دینا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۳ھ۔

= يعطيهم من هذه الكفارة في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى الخ. (الفتاوى العالمكيرية:

۵۱۳/۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيدية كوئٹہ)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۹۷، باب الكفارة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۴/۱۸۰، كتاب الطهارة، فصل في الكفارة، رشيدية)

(۱) ”كما جاز لو أطلع واحد استين يوماً لتجدد الحاجة، ولو أباحه كل الطعام في يوم وأحد دفعةً أجزأ

عن يومه ذلك فقط اتفاقاً، وكذا إذا ملكه الطعام بدفعات في يوم واحد على الأصح، ذكره الزيلعي،

لفقد التعدد حقيقةً وحكماً الخ.“ (الدر المختار: ۴/۹۷، كتاب الطلاق، باب الكفارة، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵۱۳/۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق: ۴/۱۸۳، كتاب الطلاق، فصل في الكفارة، رشيدية)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”كيا كفاره مفتي كا حق ہے؟“ حاشيه رقم: ۱)

(۳) ”وهذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم.“ =

پیداوار میں سے زکوٰۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ

سوال [۴۷۳۸]: چالیس من میں ایک من غلہ زکوٰۃ سمجھ کر دیتے ہیں اس غلہ کی رقم مدرسہ میں اور مدرس کی اجرت میں دینا درست ہے یا نہیں؟ کچھ عالم کہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ نہیں ہے، یہ صدقہ نافلہ ہے اس رقم کو ہر کار خیر میں خرچ کر سکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صدقہ نافلہ ہے ہر کار خیر میں خرچ کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حرام مال کا صدقہ

سوال [۴۷۳۹]: زنا کار مرد و عورت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، یا ناچ باجا، سارنگی طبلہ، ڈھولک، مجیرا، ہارمونیم سے کماتے ہیں اور اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام مال اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول نہیں (۲)، بیتِ ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا بھی سخت گناہ اور خطرناک ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

= (الفتاویٰ العالمگیریہ: ۱/۱۸۹، کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار: ۲/۳۵۱، کتاب الزکوٰۃ، باب المصارف، سعید)

(وکذا فی النہر الفائق: ۱/۴۶۶، کتاب الزکوٰۃ، باب المصارف، امدادیہ ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لله دي گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال")۔

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ايها الناس، إنا الله طيب لا يقبل إلا طيباً". (مسند

الإمام احمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، (رقم الحديث: ۸۱۴۸): ۲/۶۲۹،

دار إحياء التراث العربی، بیروت)

(ومشکوۃ المصابیح، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة: ۱/۱۶۷، قدیمی)

(۳) "إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعی: أى مع رجاء الثواب الناشئ عن استحلاله كما مر، فافهم". =

پیشہ ور مانگنے والوں کو صدقہ وغیرہ دینا

سوال [۴۷۴۰]: اکثر فقیر اہل نصاب ہوتے ہوئے خیرات اور صدقات کو اپنا حق سمجھتے ہیں، اسی بناء پر وہ عید الاضحیٰ میں قربانی بھی نہیں کرتے کہ ہمارے یہاں تو مانگنے میں کافی گوشت آجائے گا، صدقات، خیرات اور عید کی قربانی کا گوشت جب لوگ انہیں دیتے ہیں تو ان کی عادت میں اور پختگی آتی ہے، اگر لوگ ایسے صاحب نصاب فقراء کو مصلحہ اگر صدقات و خیرات اور عید الاضحیٰ میں قربانیوں کا گوشت نہ دیں تو بری بات تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے لوگ صدقات کے مستحق نہیں، ایسے لوگوں کو سوال کرنا بھی ناجائز ہے (۱)، اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کو صدقہ فطریہ یا زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ دے گا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔

قربانی کا گوشت امیر غریب سب کو دینا اور کھلانا شرعاً جائز ہے اس کے لئے غریب ہونا ضروری نہیں، البتہ جب وہ صاحب نصاب ہیں تو ان پر تو خود اپنی قربانی واجب ہے، اگر قربانی نہیں کریں گے تو گناہگار ہونگے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/رجب/۶۴ھ۔

= (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۹۲، باب زکاة الغنم، سعید)

(و کذا فی الفقہ الاسلامی وأدلته: ۳/۵۸۰، التصدق من المال الحرام، رشیدیہ)

(۱) ”و لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومہ بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و یأثم

معطیه إن علم بحالہ لإعانتہ علی المحرم“۔ (الدر المختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۳۱، باب المصرف، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، فی بیان أحكام المصرف، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”غنى كوصدقه ديناً“)

(۳) ”تجب الأضحیة (على حر، مسلم، مقيم، موسر عن نفسه، الخ“۔ (تبیین الحقائق: ۲/۴۷۳، کتاب

الأضحیة، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۱۵، کتاب الأضحیة، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۷۷، فصل فی الذی يرجع إلى المؤدی، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ: ۵/۲۹۲، کتاب الأضحیة، رشیدیہ)

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال [۴۷۴۱]: مردہ کے اوپر جو کپڑا بطور پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کے اوپر اور مردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اولیٰ ہے یا فقراء کو؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں دے سکتے ہیں، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۸۹ھ۔

خیرات کے لئے چندہ کر کے خود کھالینا

سوال [۴۷۴۲]: بیماری کے اندر بستی میں کچھ خیرات کیلئے اکٹھا کیا۔ وہ پکا کر انہوں نے کھالیا وہ خیرات مشروع یا نامشروع؟
الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیرات نہیں۔ بلکہ خیرات یہ ہے کہ غریب اور حاجتمند کو دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

(۱) ”وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً إذا كانت الورثة بالغين، فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات: ۳۴۴/۵، رشیدیہ)

”یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام ولا سیما إذا کان فی الورثۃ صغار أو غائب“۔

(الدر المختار: ۲/۲۴۰، مطلب فی کراہیۃ الضیافۃ من أهل المیت، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنْ تَبَدَّلُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهُا الْفُقَرَاءَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾۔ (البقرۃ: ۲۷۱) =

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال [۴۷۳]: ایک شخص سو روپیہ سے تجارت کر رہا ہے اور چھ سو روپیہ کا مقروض ہے، کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں۔ یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے۔ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے (۱) اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور قرض کی تاخیر پر باز پرس بھی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا، درست نہیں (۲) البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہیے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے

سوال [۴۷۴]: ایک مسلمان شخص بسلسلہ چک بندی اپنے چک میں کنواں بنوانا چاہتا ہے اور نیت و مقصد خالص یہ ہے کہ اپنا بھی آپ پاشی کا کام لیوے نیز اور دوسرے لوگ بھی جن کے کھیت ہیں آب پاشی

= ”الہبة على الفقير صدقة، والصدقة يراد بها وجه الله، والصدقة على الغنى هبة“۔ (الدر المختار

على هامش رد المحتار، کتاب الہبة، قبیل باب الرجوع فی الصدقة: ۵/۶۹۸، سعید)

(۱) ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”مطل الغنی ظلم“۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، ص: ۱۵۲، قدیمی)

قال القاری: ”مطل الغنی“: أى تأخیرہ أداء الدین من وقت إلى وقت“۔ (مرقاۃ المفاتیح:

۱۱۹/۶، رشیدیہ)

(وصحیح البخاری، کتاب الإجارة، باب إذا استأجر فمات أحدهما: ۱/۳۰۵، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾۔ (سورة الزلزال)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

کریں کیونکہ ایک کنواں بہت دور ہے جس سے بہ مشکل آب پاشی ہو سکتی ہے، نیز عام لوگ اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھائیں تو آیا یہ کنواں صدقہ جاریہ میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا یا نہیں جب کہ عوام کو بہت زیادہ آب پاشی کا فائدہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یقیناً صدقہ جاریہ ہے اس سے ثواب ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوٰۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقہ نفلیہ دینا

سوال [۴۷۵]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوٰۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا لیکن فرض و واجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا نا سنجھی اور کم عقلی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”عن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أنه قال: یا رسول اللہ! ان أم سعد ماتت فأی الصدقة أفضل؟ قال: ”الماء“ قال: فحفر بيراً، وقال: هذه لأم سعد“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الزکاة، باب فی فضل سقی الماء: ۲۴۳/۱، امدادیہ)

”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”سبع یجرى للعبد أجرها بعد موته وهو فی قبره: من علم علماً، أو أجرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً أو ترک ولدأ يستغفر له بعد موته“۔ (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للسيوطی، باب ما ینفع المیت فی قبره ص: ۲۹۶، دار المرفعة)

(۲) ”و یتحب أن لا یتصدق من علیہ دین، أو من تلزمه نفقة لنفسه أو عیاله، حتی یؤدی ما علیہ لأنه حق واجب، فلم یجز ترکہ بصدقۃ التطوع، فیکدم الدین؛ لأن أداءه واجب، فیکدم علی المسنون“۔ (الفقه الإسلامی و أدلتہ: ۲۰۵۸/۳، صدقة المديون و من علیہ نفقة، رشیدیہ)

تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا

سوال [۴۷۶]: زید نے پچاس روپے ماہوار اپنے کسی نیک کام کے لئے کٹوانا شروع کیا مقررہ مدت کے بعد زید کو اس رقم پر ۳۵ فیصد روپے زائد ملے تو یہ روپے زید کے حق میں کیسے ہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اصل تنخواہ میں سے ماہانہ کٹواتا ہے اور اس کو کسی نیک کام میں خرچ کرنے کی نیت ہے تو یہ زائد رقم ہی اپنے کام میں کیوں لاتا ہے اس کو بھی غرباء پر صدقہ کر دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



باب المتفرقات

زکوٰۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا

سوال [۴۷۴]: زکوٰۃ کا مال اقرباء کو دینا افضل ہے، مگر اس کے صلہ میں وہ کوئی چیز چھپا کر یا

ظاہر کر کے دے تو اس کے اندر کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاوضۃ تو لینا ناجائز ہے، لیکن اگر قریب مصرف زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ دیتا ہے، پھر وہ کوئی شی ہدیہ

اس زکوٰۃ دینے والے کو دیتا ہے تو اس کا لینا درست ہے: ”ہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی

ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجهٍ للہ تعالیٰ وأفاد بقولہ: بشرط

أن الدفع إلى أصوله وإن علوا وإلى فروعہ وإن سفلوا وإلى زوجہ وزوجہا وإلى مکبہ لیس

بزکوٰۃ. وأشار إلى أن الدفع إلى کل قریب لیس بأصل ولا فروع جائز، وهو مقید بما فی

الولوالحیة: رجل یعون أخته أو أخاه أو عمہ فأراد أن یعطیه الزکوٰۃ، فإن لم یفرض القاضی علیہ

النفقة، جاز؛ لأن التملیک بصغة القربة یتحقق من کل وجه، وإن فرض علیہ النفقة لزمانته إنما

لم یحتسب من نفقتهم، جاز، وإن کان یحتسب لایجوز، اه. بحر: ۲/۲۰۱، ۲۰۲ (۱)۔ فقط

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

زکوٰۃ میں بیع کی قیمت کم کر دینا

سوال [۴۷۸]: صاحب نصاب شخص نے ایک غریب آدمی کو کوئی چیز فروخت کی جس کی قیمت تین

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، کتاب الزکوٰۃ، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۷، ۱۸، کتاب الزکوٰۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

روپے ہوتی تھی، غریب آدمی نے اللہ واسطے اپنی غربت کی وجہ سے کچھ چھوٹ مانگی، اس شخص نے اللہ واسطے ایک روپیہ چھوڑ دیا صرف دو روپے لے لئے، اب وہ صاحب کیا اس ایک روپیہ کو زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زکوٰۃ میں شمار کرنا جائز نہیں (۱) بلکہ اس چیز کے دو حصے کرے ایک حصہ دو روپے میں فروخت کرے اور ایک حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ ہے بلا قیمت لئے زکوٰۃ میں دیدے، یا وہ شی تین روپے میں فروخت کر کے تین روپے وصول کرے اس کے بعد ایک روپیہ زکوٰۃ میں دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنی زکوٰۃ کو فقیر سے خریدنا

سوال [۴۷۹]: ایک عورت نے کتنے ہی سال سے اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، انہوں سال بقیہ کی زکوٰۃ ادا کرنے سے دشواری ہوئی، لہذا ان کی بعض محبین نے ان سے کہا کہ آپ کی زیور میں سے کچھ زیور بنیت زکوٰۃ ان کو دیدیں وہ قبضہ کر کے نصف قیمت سے اس عورت کو بیچ ڈالا۔ اب اس صورت میں اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ معطی کی کوئی ذاتی منفعت بجز فریضہ کے نہ ہو، پس اگر اس شرط پر وہ اس عورت کو زکوٰۃ دیتا ہے کہ وہ شخص اس زیور کو اس عورت کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ شرط باطل ہے اس کا پورا کرنا معطی لہ کے ذمہ ضروری نہیں، تاہم اس شرط پر بھی مستحق کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس کے بعد معطی لہ کو اختیار ہے خواہ اس عورت کے ہاتھ فروخت کرے یا نہ کرے:

(۱) ”و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً كما لو دفع بلا نية، ثم نوى والمال قائم فى يد الفقير ولذا لو قال: هذا تطوع أو عن كفارتى، ثم نواه عن الزكاة قبل دفع الوكيل صح، الخ.“ (الدر المختار: ۲/۲۶۸، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فى البحر الرائق: ۲/۳۶۸، کتاب الزکاة، رشیدیہ)

(و کذا فى مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیہ بیروت)

”ہی: أى الزکوة تمليك جزء من المال معين شرعاً من فقير مسلم غيرها شمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک - بکسر اللام، وهو الدافع - من کل وجه لله تعالى، اه“۔ مجمع الأنهر: ۱/۱۹۲ (۱)۔ ”وهكذا هبة الصدقة والكتابة بشرط متعارف وغير متعارف يصح، ويبطل الشرط اه“۔ فتاویٰ عالمگیری: ۳/۴۹۷ (۲)۔

اس کے بعد اس عورت کا اپنے دیئے ہوئے زیور کو نصف قیمت سے خریدنا منع ہے، اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کذا فی ابی داؤد: ۱/۲۲۵ (۳)۔ اگر خرید لیا ہے تو بہتر ہے کہ قیمت پوری دے، بیع کا ختم کرنا واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
صحیح: عبداللطیف، ۵۲/۲/۲۸، سعید احمد غفرلہ۔

تحفہ میں زکوٰۃ ہونے کا شک

سوال [۴۷۵۰]: تحفہ لینے والے کو شک تھا، کہ شاید مال زکوٰۃ ہے، اس صورت میں تحفہ تحائف میں کیا حکم ہے؟

- (۱) (مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)
(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیہ)
(و کذا فی الدر المختار: ۲/۲۵۶، کتاب الزکاة، سعید)
(۲) (الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۳/۳۹۶، الباب الثامن فی حکم الشرط فی الهبة، رشیدیہ)
(و کذا فی بدائع الصنائع: ۶/۹۲، کتاب الهبة، دار الکتب العلمیۃ بیروت)
(۳) ”عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه حمل على فرس في سبيل الله، فوجده يُباع، فأراد أن يبتاعه، فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: ”لا تبتاعه، ولا تَعُدْ في صدقتك“۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب الرجل يبتاع صدقة: ۲/۲۳۲، رقم الحديث: ۱۵۹۳، مکتبہ امدادیہ)

(و جامع الترمذی: ۱/۱۲۵، و باب ما جاء فی کراهیۃ العود فی الصدقة، سعید)

(و صحیح البخاری: ۱/۲۰۱، هل يشتري صدقة، قديمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی عادت یا دیگر قرائن سے معلوم ہو کہ یہ تحفہ زکوٰۃ سے دیتا ہے اس کی تحقیق کر لی جائے ورنہ ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

جو رقم بقصد زکوٰۃ الگ رکھ دی گئی اس میں تصرف کا حکم

سوال [۴۷۵۱]: زکوٰۃ یا عشر کے لئے ایک رقم متعین کر کے الگ رکھ دی اب اگر اس سے دوسرا سکہ بدلنا چاہے، یا چھوٹا سکہ ہے اس کے عوض بڑا رکھنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ منشاء یہ ہے کہ جو رقم الگ کی ہے بالتعین اس کی علیحدگی تو ضروری نہیں ہے؟ فقط۔

نجم الحسن عفی عنہ از خیر آباد، ضلع سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ یا عشر کی رقم علیحدہ رکھ دینے سے ملک سے خارج نہیں ہوتی، لہذا اس میں تغیر و تبدل کا تصرف جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/رمضان/۶۷ھ۔



(۱) ”(وافترضها عمری): أى على التراخي، وصححه الباقراني وغيره. (وقيل: فوري): أى واجب على الفور (وعليه الفتوى)، كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر.“ (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: ”(قوله: فيأثم. بتأخيرها الخ) وقد يقال: المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى - بالنون -: إذ لم يؤد حتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ.“ (رد المحتار، كتاب الزکوٰۃ: ۲/۲۷۲، سعید)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزکوٰۃ، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۷۷/۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزکوٰۃ: ۱۶۳/۲، ۱۶۵، قديمی)